خطبات الاحمدیۃ

فی

عرب والسیرۃ المحمدیۃ

نت کہا جا سکتا ہو کہ ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر مرحوم مغفور

ن اسلام سے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں اور اسلام کی

حمایت کی گئی ہے

مطبع فیض عام واقع علی گڑھ میں طبع ہوئی

تعداد طبع ۱۳۰۰ جلد

فہرست مضامین خطبات احمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

عجائبات دنیا میں سب سے زیادہ عجیب وہ خیال ہے جسکو لوگ مذہب ‹
٫ اُس امتیاز کا نام ہے جو انسانوں کے افعال سے علاقہ رکھتا ہے اور جبہ
ب انسانوں کے افعال اچھے یا بُرے یا نہ اچھے نہ بُرے خیال کیے جاد
گر انسان کے افعال میں یہ تمیز نہ ٹھہرائی جاوے تو کسی مذہب کا وجود باقی نہ
م خیالات جو انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور تمام یقین جو انسان کسی چیز پر رکھتا
اُسکا منشا اُن خیالات اور یقین کے سوا کچھہ اور چیزیں ہوتی ہیں جو اُن خیالات اور یقین
کے اسباب سمجھی جاتی ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ خیال جسکو مذہب کہتے ہیں بغیر کسی خارجی
اسباب کے اور بغیر تجربہ اور امتحان کے اور بدون کسی معقول ثبوت کے یکایک دل
سے اٹھتا ہے اور اسلئے وہی اُسکا مخرج سمجھا جاتا ہے اور پہر آپ پر ایسا یقین ہوتا ہے
کہ کسی آنکھ دیکھی چیز پر بہی نہیں۔

اس تعجب پر اور تعجب یہ ہے کہ اُسی بن دیکھی چیز اور اَن سمجھی بات اور بدلیل

خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہے کہ وہ اثر انسان کے تمام
اور قدرتی جذبات پر جو انسان میں خدا نے پیدا کیے ہیں غالب ہوجاتا ہے
اور ولولہ اس از خود پیدا ہوئے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہے
دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے
کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں۔

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہوتا تو شاید یہ کہا جا سکتا کہ تمام عا
یقین رکہنا ہی اُس کی سچائی کا ثبوت ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر
ملک اور ہر فرقہ بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہے کہ کسی ایک پر بھی
بلکی کوئی وجہہ نہیں اور اسپر تعجب یہ ہے کہ ہر شخص کو
سب کے خیالوں سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہے ہم د
اور دیوتا پر اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکہتے ہیں
طرح ہندو اور مصری اپنے تینتیس کروڑ دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکہتے
کیا یہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کل کے جز و یا اسکی عین یا وہ بمنزلہ جان اور
م کے ہیں صحیح ہے کیا یہ سب مختلف چیزیں جو ہمکو دکہاتی ہیں سب ایک ہیں کیا نو
ر کالا اور سفید دونوں یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی		تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگ

یا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ تمام چیزوں کا اُسی سے ظہور ہے وہی ظلمت کا باعث اور وہ
کے ظہور کا سبب ہے وہی آسمانوں پر کڑکتا ہے اور وہی زمینوں پر برستا ہے
ستاروں کو چمکاتا ہے اور وہی پہولوں کی کلیوں کو کہلاتا ہے اُسیکا جلوہ بہشتوں کی کہ

ہی کا پردہ دوزخوں کی آفت ہے غمگین دل کا غم اور شاد اس دل کی شادی اسی سے ہے
جگہ نہیں اور سب جگہ ہے وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہے عابد کے نورانی سینہ
ہت کے بریاں دل اور معشوق کی عاشق کش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم سب میں
یکساں جگہ ہے جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی طرح وہ ایک سے
بال میں بھی ہے وہ سب کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے مگر اسکا جاننا یا علم
ہر دو درجہ کم ہے کیونکہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہے بہر حال اس بن دیکھی جناب
جھی ذات کو جو کہو سو کہو مگر ان تمام مشکلات پر نکویہ سلمانی مسئلہ کہ "انا عند ظن
ی بی" اور بھی مشکل میں ڈالتا ہے۔

ربی انت عند ظنی رحیم فارحم علی

یادہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں
یعنی کہلاتے ہیں وہ ایک ہی مخرج سے یعنی دل سے نکلے ہیں بعد دل
ری سے یہ خیالات مذاہب تھے میں اعتقاد نام رکھا جاتا ہے پس اگر مذہب
تقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔
کیا وجہ تمیز کی ہے اس بت پرستی کی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بت
اور اس سچے دل کے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اس بت کو توڑا
ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہے جو کالوری کی پہاڑی میں بیت المقدس
پاس گذرا ان بے رحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچھ کیا مذہبی نہایت سچے اور
ستحکم اعتقاد اور دل کے کپکپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا پس ان دو گروہوں

میں سے جو نہایت سچے دل سے اُسکو نہایت ہی نیک کام سمجھتے ہیں
دل سے اُسکو نہایت ہی بد کام جانتے ہیں کونسی چیز تفرقہ کرنیوالی ہے

کیا وجہ تمیز کی ہے سینٹ پال کی اُس حالت میں جبکہ وہ دلی ا
جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا جنھوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو
حالت میں جبکہ اُسنے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا۔

کیا چیز ہے جس سے ہم عمر کی اس حالت میں تمیز کریں جب کہ اُ
سچا دلی اعتقاد رکھکر امین عرب کے قتل پر کمر باندہی اور اُس حالت میں
سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اشہد ان محمدا رسول اللہ۔

یہ وہی عجیب خیال ہے جو دونوں طرف برابر نسبت رکھتا ہے
کہتے ہیں پس ایسی ذو جہتین چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ہ
کرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ ان تمام خیالوں میں سچا خیال یا تمام مذہبو
وہی ہو سکتا ہے جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک

مذہب کیا چیز ہے ؟ وہ ایک ایسا سچا اصول ہے کہ جب تک انس
جسمانی اور عقلی پر قادر ہے اُسکے تمام افعال ارادی، جوارح، نفسانی، ور
کے مطابق ہونا چاہیے پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے
اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہ سے اعتقاد ہے تو ایک کو
کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہ نہیں سچا مذہب وہی ہو سکتا
نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب اعتقاد کی فرع نہیں
مذہب کی اصل یعنی عین مذہب ہے اور اعتقاد اُسکی فرع ہے پس جبکہ

سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہے یا نہیں
ول کیا ہے؟ جہاںتک کہ انسان اپنے قوائے عقل سے جان سکتا ہے
یا قانون قدرت کے اور کچھ نہیں جس کی نسبت اسلام کے بانی نے
ری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر ہل تری من فطور ثم
کرتین ینقلب الیک البصر خاسأ وہو حسیر۔
ت یا قانون قدرت کیا ہے وہ وہی ہے جس کے بموجب اُن تمام چیزوں
دی کا جو ہمارے اردگرد ہیں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وجود ہے
ں کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا قدرت نے جس
ا بنا دیا ہے بغیر خطا کے اسی طرح پر ہوتا ہے اور اسی طرح پر ہوگا پس وہی
جو اصول اُسکے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جن کی بنا ایک فانی
طا وجود یعنی انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو۔
ت ہمکو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کے
مخلوق میں پایا جاتا ہے سچائی نہیں دکھلاتی بلکہ اس سے ایسے ہی اصول
ے ہیں جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور برائی بھی
ہیں اور چونکہ قدرت سچی اور کامل ہے تو ضرور ہے کہ وہ اصول بھی سچا اور کامل
چا اور کامل اصول یا یوں کہو کہ وہ مذہب جس کے اصول اُسکے مطابق ہیں وہی
ہونے کے مستحق ہے۔
ست سمجھو کہ ہم قدرت یا قانون قدرت ہی کو سبب یا اخیر سبب اس تمام
کا سمجھتے ہیں جسکا کوئی خالق نہو جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہے نعوذ باللہ منہا

بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں جسکا کوئی بنانے والا ہے اور اسی نے
یقین کرتے ہیں کہ یہ تمام سلسلہ ایک ہی مسبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہو
تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہے اور جسکی ان پہچان ذات کو ہزاروں لاکھوں کرور
لوگ پکارتے ہیں' او میرے پیارے خدا تم پردہ میں تو ہو پر سب پر ظاہر ہوا
جھوٹ موٹ کے پردہ سے کیا فائدہ -

دست ترا گرفتہ بعالم نمودمے	رشک آیدم وگرنہ نقابت کشودمے

معاذ اللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا کہیں کافر تو نہیں ہو گیا "الٰہی انت
وانا ربك استغفر اللہ استغفر اللہ انت ربی وانا عبدك" پیر
کو چاہیے کہ اس کارخانہ قدرت سے اسکے بنانے والے کو اور اسکی راہ کو پا
بتانے والے کو تلاش کرے کہ یہی سیدھی سڑک سیدھا راستہ چلنے کا ہے -
مذہب کی تمثیل ہیں علما اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غل
کی ہیں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں بعضوں نے مالک اور غلام کی تمثیل دی ہے
ہے کہ مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت اور اعمال کو آگے بدلے یعنی جزا
سے کچھ مناسبت نہیں اور اسکے اوامر و نواہی میں بجز اسکے کہ مالک کا حکم بجا لا
کچھ فائدہ نہیں شاید ان لوگوں کا خدا ایسا ہو جو لغو کام کرنیکو کہے میرا تو خدا ایسا نہ
نہایت دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہے اسکی تو کوئی بات بھی حکم
منفعت سے خالی نہیں -
اس رائے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھہرایا ہے چنانچہ
میں لکھتے ہیں کہ "قد یظن ان احکام الشریعۃ غیر متضمنۃ لشی من المصالح وا

بین الاعمال وبین ما جعل اللہ جزاءھا مناسبۃ وان مثل التکلیف بالشرائع کمثل سید
اراد ان یختبر طاعۃ عبیدہ فامرھم برفع حجر ولمس شجرۃ لا فائدۃ فیہ غیر الاختبار فلما
اطاع او عصی جوزی بعملہ وھذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ واجماع القرون المشہود
لھا بالخیر

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلاموں سے مذہب کی تمثیل دی ہے جسپر مالک نے
اسکے علاج کے لئے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث نجات
اور نہ ماننا باعث درکات ٹھرایا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی رائے کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ
وہ لکھتے ہیں کہ "وظہر مما ذکرنا ان الحق فی التکلیف بالشرائع ان مثلہ کمثل سید مرض
عبیدہ فسلط علیھم رجلا من خاصتہ لیسقیھم دواء فان اطاعوا لہ اطاعوا
السید ورضی عنھم سیدھم واثابھم خیرا ونجوا من المرض وان عصوہ عصوا
السید واحاط بھم غضبہ وجازاھم اسوء الجزاء وھلکوا من المرض"

مگر میں اسکو نہیں مانتا اور پوچھتا ہوں کہ دوا کا کرنا باعث نجات کا تھا یا مصاحب
کے حکم کا ماننا تھا اگر بے حکم مصاحب کے بھی وہ دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہیں ضرور
پاتا اسلئے کہ اس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہیں سکتا۔

بعضے عالموں نے مذہب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ہے جو نہ تو خود کسی چیز
کو امرت بناتا ہو اور نہ کسیکو ہلاہل ٹھراتا ہو بلکہ ہر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ہے اسی
کو بتاتا ہو تاکہ جو لوگ صحیح ہیں اپنے حفظ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ہیں وہ حصول
صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذہب بہ نسبت اسکے کہ صرف بیمار غلاموں ہی کے لئے ہو

سب کیلئے عام ہو جائے۔

افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اس رائے
وہ لکھتے ہیں کہ " وانہ لیس الامر علی ما ظن من ان حسن الاعمال وقبحہ
العامل الثواب والعقاب بمعلیان من کل وجہ وان الشرع وضع
خواص الاعمال علی ما ھے علیہ دون انشاء الایجاب والتحریم
بمنزلۃ خواص الادویۃ وانواع المرض فانہ ظن فاسد تبحہ"
مگر میں اسی کو مانتا ہوں اور اسیکو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون
مطابق ہے اور کتاب و سنت دونوں کو اسی کا موید پاتا ہوں جو علم
کی بنیاد ہیں پس جہانتک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کر سکا ہوں اسلام
اور امید ہے کہ جو لوگ سچائی کو درست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی
اسلام کی سچائی کی تحقیقات کرینگے۔

مگر ایک مشکل یہ پیش ہے کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہے
کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں مذہب اسلام خیال کرتے
انپر مذہب اسلام کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث
مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے موجودہ مسائل مذہب
کے اصول و احکام شامل ہیں ایک وہ جنکو خود شارع نے صاف
جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک وہ جنکو عالموں اور مجتہدوں
خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال ولالت النص یا اشارۃ
قایم کیا ہے جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو و خطا

اور کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے ہیں ان دونوں قسم کے مسائل میں تمیز نہ کرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پھنستے ہیں اور یہ ہی ترک اتباع ہے کہ جب مسلمان انکو اختیار کرتے ہیں تو اسکا نام تقلید رکھتے ہیں اور جب غیر مذہب کے لوگ اسکو اختیار کرتے ہیں تو اسکو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

پہلی قسم کے احکام ہی جنکا نام احکام منصوصہ ہے دو قسم کے احکام میں ایک وہ جو اصلی احکام ہیں اور بلاشبہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق بلکہ اسکی جان ہیں اور دوسرے وہ جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور ان کے بقا اور اہتمام کے لیے ہیں پس جو کوئی مذہب اسلام کی سچائی ان سچے قدرتی اصولوں سے پرکھنی چاہے تو اسکو ان دونوں قسم کے احکام کی اور ان میں سے ہر ایک کے درجہ اور رتبہ کی تمیز کرنی لازم ہے -

علاوہ مذکورہ بالا دو قسموں کے ایک تیسری قسم بھی احکام مذہب اسلام میں ہے جو غیر معینہ عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہ سندوں سے قائم ہوئے ہیں ان میں سے پہلی قسم تو اجتہادیات میں داخل ہے اور دوسری قسم مذہب اسلام میں کچھ وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی گو اسپر اس وجہ سے کہ اس میں کچھ نقصان نہیں ہے عمل ہوتا ہو -

پس یہ سچا مذہب اور وہ شخص جسکی معرفت ہمکو اسکی تعلیم ہوئی ہمارے بے انتہا ادب اور نامحدود ثنا و صفت کا مستحق ہے اور بلاشبہ اسی خطاب کے لایق ہے کہ "انت احب الی یا رسول اللہ من نفسی اللتی بین جنبی" چنانچہ ہمکو بہت بڑی خوشی اور مبارکی اسی بات کی ہے کہ ہمنے اسکو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا نہ کوئی فرشتہ بلکہ ایک وحی بھیجا ہوا انسان جانا مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا فابی انت وامی یا رسول اللہ -

دل وجانم فدایت یا محمد		سرمن خاک پایت یا محمد

یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

آنحضرت کی زندگی کے حالات جنکو مسلمان سیر اور انگریز لیف کہتے ہیں صرف دیندار مسلمان عالموں ہی نے نہیں لکھے بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مورخین نے بھی کچھ لکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط وتفریط میں پڑ گئے پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آگئی اور پچھلوں کی آنکھیں بند ہوگئیں پہلے تو شراب محبت کی سرشاری میں بات سے بھٹک گئے اور رستہ کی ناواقفی سے منزل تک نہ پہونچے پہلے تو یہ بھولے وہ کسکا اور پچھلوں نے اُسکو نہ جانا جسکا وہ ذکر کرتے ہیں۔

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جسکا ہم ابھی ذکر کرینگے کو آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے جن کی سعی دنیا پر بہت بڑا احسان ہے اپنی اپنی کتابوں میں اُن حدیثونکو بھی بیان کیا کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن آنحضرت کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہوسکتے ہیں اور جن کو پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذ کا جمع ہوسکتا ہے۔

ابوعیسیٰ ترمذی نے جو ۲۰۹ھ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوا اور ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء میں انتقال کیا اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو شمایل ترمذی کے نام سے مشہور ہے مگر اُس میں

…ی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں ہیں بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص
…ہیں آنحضرت سے متعلق تھیں مذکور ہیں باینہمہ جقدر حدیثیں آنحضرت کے حالات سے ان
…ور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں جنکو ہم مثل کتاب اللہ کے
…غور اور بلا تحقیقات اندا دھوندی سے مان لیں بلکہ ہمپر واجب ہے کہ ان تمام حدیثوں کو
…وہ بخاری کی ہوں یا شمائل ترمذی کی قبل ان کے سچا قبول کرنے کے انکی سچائی اور
…ساتھ کرلیں جو اسکے لئے مقرر ہیں اور جن کو
…اور اگر ہم ایسا نہ کرینگے تو سخت غلطیوں میں پڑینگے
…یث مسلمانوں کے مذہب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی شاہ
…ب اپنی کتاب تحفہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں حدیث بے سند گوز شتر
…س ہے کہ بہت ہی کم مصنف ہیں جنہوں نے اس ضروری اور نہایت
…کی پیروی کی ہو۔
…بث کی کتابوں کے سوا جنکا ابھی ذکر ہوا اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص
…ات کے لئے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں اس کے سوا اور
…یں اور یہ تمام کتابیں عموماً کتب سیر کے نام سے موسوم ہیں اور جن میں
…لہ ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

…حاق۔ ابن ہشام طبقات کبیر المشہور بواقدی۔ طبری۔ سیرت شامی۔
…عودی۔ مواہب لدنیہ۔ انکے سوا عربی فارسی زبان میں اور بھی کتابیں
…سے بنائی گئی ہیں ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور
…پلی۔

یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مخلوط مجموعہ
ہے جس میں صحیح اور غلط مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسیکا کچھ امتیاز نہیں اور
کتابیں زیادہ قدیم ہیں اُن میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے قدیم مصنفوں اور لوگوں
کے جو خود ان تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو
زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہ جمع کریں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی روایت
کی بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط اور کس میں زیادتی یا کمی ہوا ہے اور کس میں مضمون
کے سمجھنے اور واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ وہ حصہ یا آیندہ نسلوں پر منحصر
رکھیں مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اسکے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے
بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے اُنہی کتابوں کو اپنی تصنیفات جدید کا مانند ٹھہرایا اور اسی
ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص پیدا ہوا جو ان قدیم مصنفوں کی تصنیف
میں تھا غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم کیا جدید مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں
میں سے کنکر پتھر کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع بنوٹی اور سچی
اور بے سند ضعیف و قوی مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔

سر ولیم میور صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ آنحضرت کے حالات زندگی کی تین کتابیں
ہشامی۔ واقدی۔ طبری۔ ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنحضرت کے حالات لکھے
تو اپنی تحریر کے لیے اُنہی کتابوں کو سند گردانے" مگر صاحب ممدوح نے اس بات کو بیان
نہیں فرمایا کہ اُن کتابوں میں کسقدر ایسی روایتیں ہیں جن سے آنحضرت کو کچھ بھی علاقہ
نہیں اور کسقدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کسقدر ایسی ہیں جن
کے راویوں کی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب

شکوک یا مطعون ہے اور کسقدر ایسی ہیں جن کے بیان کر
اور کسقدر ایسی ہیں جنکی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے
نہایت گرمجوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کہ اسکی اصلی
ہے جسکی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ الزام فرماتے ہیں کہ
کی تعریف اسکی حد سے زیادہ کی ہے مگر افسوس ہے کہ باوجود
واقدی کی کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھ
وں نے بہی آنحضرت کی زندگی کے تمام حالات کو اسی کتاب
سند پر مذہب اسلام کے بخلاف تمام رایونکو قایم کیا ہے۔
نہیں ہے وہ تو حاطب اللیل یعنی اندہیری رات میں لکڑیاں
روایتوں اور جہوٹے قصے اور کہانیوں اور بے سند باتوں
معتبر ہو دیا ہے محمد بن عبد الباقی الزرقانیؒ نے شرح مواہب
واقدی کی نسبت یہ جملہ نقل کیا ہے " الواقدی محمد بن عمر
المدینے الذی استقر الاجماع علی وھنہ (کما فی المیزان) "
کیا موقوف ہے خود اسکی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر و قیمت
ملے کہ جو افواہ اسنے سُنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوے کی اسکو کان
میں آئی وہ اسنے لکھدی کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی رستہ تنقیح کا اسنے اختیار نہیں کیا
پس کیا وہ کتابیں ایسی ہیں جو مذہب اسلام کی بنیاد سمجھی جا سکتی ہیں اور کیا کوئی مخالف
مذہب اسلام کا اُن کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اُسکے واعظ میں عیب نکالکر اور
اپنے آپ کو نتحمند سمجھکر خوش ہو سکیگا ان ھذا لشئی عجاب ۔

البتہ ابو الفدا کی کتاب کسیقدر اچھی ہے اور جہاں تک ہو سکے اعتبار کے لایق ہو
اُسنے اپنی کتاب احتیاط سے لکھی ہے اگرچہ تحقیق و تنقیح کے رستہ کو اُسنے اختیار نہیں کیا
الا اس بات پر کوشش کی ہے کہ کوئی موضوع یا مشتبہ یا لغو روایت اُس میں نہ داخل ہونے
پاوے مگر باینہمہ یہ کہنا کہ اُسکی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اُس میں کوئی روایت موضوع
یا مشتبہ نہیں ہے حد اعتدال سے آگے بڑہ جاتا ہے۔

مسلمان مورخوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا عیسائی مورخوں نے بھی مذہب
اسلام اور اُسکے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکھیں مگر افسوس ہے کہ ابتدا زمانہ کی
تصنیف شدہ کتابیں مثل کتب مفصلہ ذیل۔ لوتہر۔ ملانک تہن سیپال ہیم۔ دی
ہربی لات۔ مجھکو دستیاب نہیں ہوئیں مگر جو کچھ اور کتابوں سے اُنکا حال معلوم ہوا وہ
اسیقدر ہے کہ اُن کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بدزبانی کے اور کچھ نہیں ہے۔

ان مصنفوں کے سوا مراکشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہے وہ ایک ایسا
سخت متعصب مصنف ہے کہ اسکا دل اپنے بغض و کینہ کے اظہار اور نفرت انگیز جہوٹے
طعن و تشنیع اور بدزبانی سے کبھی نہیں بہرا مگر مجھکو جو حیرت ہوئی وہ اس بات سے
ہوئی کہ کوارٹرلے رویو کے ایک آرٹیکل کے مصنف نے اُسکی نسبت یہ لکھا ہے
کہ "مراکشی پر جو یہ الزام لگایا گیا تہا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہوگیا تہا وہ الزام کچھ بے
وجہ نہ تہا" کیا مراکشی باوصف اسقدر تعصب کے مثل ہربرٹ صاحب کے آخر کو
مسلمان ہوگیا تہا اگر ایسا ہوا ہو تو میں ذمہ دار ہوں کہ اُس سے پہلے جو کچھ اُس نے
اسلام اور واعظ اسلام کی نسبت کہا سب نسیاً منسیا ہوگیا ان الاسلام
یہدم ما کان قبلہ من معصیۃ اللہ۔

ڈین پریڈی صاحب بھی انہی مورخوں میں سے ہیں جن پر مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا جب کوئی مسلمان اتفاقاً اُن صاحب کی کتاب کو پڑھتا ہے تو مذہب اسلام سے انکی ناواقفیت پر جو انکی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہے بن ہنسے رہ نہیں سکتا۔

ان مورخوں کے سوا انگریزی لٹریچر کے دکلی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں مگر افسوس ہے کہ میں اُنکی تصنیفوں سے مستفید نہ ہوسکا۔

گوتھہ صاحب اور امیری صاحب اور نالڈ ہنگ صاحب اور دواری صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں ان کی نسبت مذہب اسلام کے آرٹیکل کا مصنف جو کوارٹرلی ریویو میں چھپا ہے یہ لکھتا ہے کہ "ان مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دیا کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تر و تازہ پیڑ ہے اور ہزاروں ثمر و جواہروں سے بھر پور ہے اور محمد (ص) نے گو انکی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لیے جگہہ حاصل ہے۔

نہایت مشہور عیسائی مورخوں میں جنہوں نے آنحضرت کے حالات لکھے ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں اُنکی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد سنہ ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اُسکو مضمون کی صحت میں کچھہ اعتبار کے لائق نہیں ہے علاوہ اسکے ایک اور خرابی اُنہوں نے اُس کتاب میں یہ کی ہے کہ اُسنے طرز بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے اُن کی طبیعت پہلے ہی سے اپنے تعصبات اور یکطرفہ راے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کے

کو اور بالتخصیص ایک مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیے انکی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے اُن کے تعصب کے علاوہ یہ بات بہی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں انہوں نے کتاب لکہی ہے اس سے بہی ماشاء اللہ وہ بہت ہی خوب واقف تہے۔ وہ لکہتے ہیں کہ "اسلام محمد (ص) کا نہیں ہے وہ ایسے مکار کا بنکالا ہوا مذہب نہیں ہو سکتا مگر اس میں کچہہ شک نہیں کہ اُس مکار نے اپنی بد اخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اُسکو بگاڑا اور جو مسائل اُس میں قابل اعتراض ہیں وہ اُسی کی ایجاد ہیں"، نعوذ باللہ من ہذا کبرت کلمة تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذبا۔

اسی کتاب کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہ لکہتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہونچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تہا اور جیسا کہ مینے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہے اس کے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے محمد (ص) کے ماقبل زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد کا اور اُنکی خصلت کا جو حال لکہا ہے وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہے"۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اور کتاب جرمنی زبان میں آنحضرت کے حالات میں لکہی ہے جو چہہ جلدوں میں ہے، مگر افسوس ہے کہ جرمنی زبان نہ جاننے کے سبب اس کتاب سے جسقدر، قدرے قلیل فائدہ حاصل کر سکتا اُس سے بہی محروم رہا صرف اسقدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھکو اطلاع دی کہ اُسکے مصنف نے ابن اسحاق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کئے ہیں اور جو کہ میں اُن مصنفوں

کی کتابوں سے واقف ہوں جیسے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ
کیے اسلیے مجھے یقین ہے کہ وہ کتاب بھی شامل اور کتابوں کے جنکو عیسائی مورخوں نے
تصنیف کیا ہے اس تحقیق اور تلاش سے معرا ہوگی جو مخالفانہ دل سے کی جاتی ہے
اسیلیے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب انہی کتابوں سے لکھی ہے صحیح و غلط اور مشتبہ
اور لغو روایتیں سب لے لی ہیں

مگر وارٹر ریویو کے آرٹیکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہے اس کتاب کی نسبت
یہ رائے لکھتا ہے کہ "جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہے ان میں سے ڈاکٹر اسپرنگر
صاحب کی کتاب کو جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہے ہم نے اسلیے سب سے افضل
قرار دیا ہے کہ وہ جرمن زبان ہے اور سب کے نہایت باموقع اور بڑی قابلیت سے
لکھی گئی ہے اسلیے کہ اس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کردی
گئے ہیں جنسے پڑھنے والا اپنی رائے آپ قایم کرسکے"

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ کتاب ہے جو سر ولیم
میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھ لکھی ہے
یہ کتاب چار موٹی موٹی جلدوں میں ہے اور بہت خوبصورت ٹیپ اور خوش وضع
تقطیع میں چھپی ہے اس لایق اور فایق مصنف کو تمام مغربی علوم کے مشرقی علموں
میں بھی بڑی واقفیت حاصل ہے اور اسلیے اُن کی یہ کتاب تمام تربیت یافتہ
یورپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی ہے جو اسی قدر و منزلت کے لایق ہے
اور یورپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اس کتاب کے سبب اُن کی ایسی
قدر کی ہے جسکے درحقیقت وہ مستحق تھے مگر قطع نظر اس نقص کے جو اس کتاب میں

ہے کہ اسکی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہے جو مسلمانوں میں درجہ اعتبار نہیں رکھتا اور اسکی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان اُنپر یقین لادیں جیساکہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشاء اور مطلب سے سر ولیم میور صاحب نے یہ کتاب لکھی وہ اسلیئے پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ منشاء اُس کتاب میں نقصان رہجانیکا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہونچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے چنانچہ سر ولیم میور صاحب خود اسکا اقرار فرماتے ہیں کہ "اس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اول اس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں سے مباحثہ میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اسکے پیرووں کے پڑھنے کے لئے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کیجاوے جسکو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہوں چنانچہ اسی منشاء سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابونکو پڑھا اور اس کتاب کو لکھا"

لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سر ولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں اسپر بھی اُن کی طبیعت پر اُس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیساکہ ایسی حالت میں اوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے اور اسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی اُنکو بُری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر اُنکی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب سے اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُن کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے لیکن جیسا

اکثر ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اُس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اُسکے مقصود کو کھو دیا اور وہ مطلب حاصل نہوا جس کے لیے پادری پی فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اُسکے نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا

جبکہ یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہونچی تو لوگوں نے اسکو نہایت شوق و ذوق سے پڑھا مگر جب انکو یہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی بابت سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی ذرا مروڑ کر اس وضع پر ادا کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اس کتاب کا اس طرح لکھنا مقصود اور مد نظر تھا تو اُن کا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہو گیا مگر جو نوجوان مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنی دینیات اور الٰہیات سے محض ناواقف تھے اُن میں اس بات کا پتہ پایا پیدا ہوا کہ اگر سر ولیم میور صاحب نے سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی برے پہلو پر لیجا کر لکھا ہے تو فی الواقع اُنکی اصلیت کیا ہے

میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اسی زمانہ میں مینے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح لکھی جاوے کہ جو جو باتیں تحقیق اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُنکو بخوبی چھان بین کر کر اور امتحان کر کر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور انکا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے اُنکو جدا گانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور

حمقا کو دام تزویر میں پھنسانیوالے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے
والونکی بنائی ہوئی باتیں ہیں انکو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور انہی کے ساتھ انکے
غلط اور انکے نامعتبر ہونیکا ثبوت اور انکے موضوع ہونیکی وجوہات بھی بیان کی جاویں
مگر میں اپنے اس ارادہ کو بہت سے موانعات کے سبب سے جن میں سب سے
بڑا یہی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادہ کے ممد و
معاون نہونا تھا پورا نہ کرسکا اور علاوہ اسکے اس کام کے لئے بہت سی پرانی کتابیں
جنکو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے درکار تہیں جو مجھکو بسبب نابود ہوجانے قدیم
کتب خانوں کے دستیاب نہوسکیں اور یہ بھی ایک قوی سبب اس ارادہ کے پورا
نہونیکا ہوا مگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب
اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھہ کچھہ لکھتا رہا چنانچہ انہیں تحریروں میں یہ بارہ مضمون
ہیں جو بعنوان بارہ خطبوں کے لکھے گئے ہیں اور جنکو اس ایک جلد میں جمع کردیا ہے
اور انشاء اللہ تعالیٰ باقی مضامین اور جلدوں میں جمع کئے جاوینگے

اگرچہ مینے اس دیباچہ میں چند عیسائی ایسے مورخونکا ذکر کیا ہے جنہوں نے آنحضرت
کے حالات اور اصول مذہب اسلام کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا مگر ان لایق اور
قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر کئے بغیر بہی نہیں رہ سکتا جنہوں نے
نہایت انصاف سے اور بالکل بغیر تعصب کے آنحضرت کے حالات اور مذہب اسلام
کی نسبت ٹہیک ٹہیک اپنی رائے لکھی ہے بلکہ متعصب اور تنگ حوصلہ مخالفوں
کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی حمایت کی ہے اگرچہ بعض مقامات میں انہوں نے
بھی کچھہ کچھہ سقم اور نقصان بیان کئے ہیں لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کتابوں

کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ کی حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط سمجھے
ہیں یہ ایک غلطی سمجھ کی تو ہے الا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب
سے ہوتا ہے وہ نہیں ہے بہر حال یہ قابل ادب شخص یعنی ڈیون پورٹ اور گبن قدیم روم کی سلطنت
کا مشہور مورخ اور گاڈفری ہیگنز رحمہما اللہ تعالے اور ٹامس کارلائیل اور جان ڈیون پو
رٹ رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں جن کے علم اور لیاقتوں کی تعظیم وقدر ہمیشہ ہوتی رہیگی اب ہم
اُن صاحبوں میں سے تین صاحبوں کی رائے جو انہوں نے آنحضرت اور مذہب
اسلام کی نسبت لکھی ہے اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈفری ہیگنز کی رائے
خطبات میں متعدد جگہ لکھی گئی ہے

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص
نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے جس میں اس کے ہموطن
(یعنی اہل عرب) بت دوبے ہوئے تھے خدائے واحد برحق کی پرستش
قایم کرنے سے بڑی بڑی و اہم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا نشے
کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہونچتا
ہے کیا بہتات سے کثرت ازدواج کا اسوقت میں رواج تھا اسکو بہت کچھ گھٹا کر
محدود کیا غرضکہ ایسے بڑے ور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹھہرا سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے
ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کاروائی مکر پر مبنی تھی۔ نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد
بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ
اپنی کاروائی پر ابتداء نزول وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی اخیر دم تک جبکہ عائشہ کی
گود میں شدت مرض میں وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہر وقت

اُن کے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے اُن کو بھی کبھی اُنکی ریاکاری کا شبہہ نہیں ہوا اور کبھی اُنھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور وہ ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے اسکو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُن کی خدمتیں کامل نہ تھیں اسی طرح محمد کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جس نے خدا تعالیٰ کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی جیسی اوروں نے جو مثل اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی اس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اسکو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعلیم سکھلانے کیلئے اور اُن کی حالت کے مناسب اُنکو ملکی اور اخلاقی اُمور میں نصیحت کرنے کے لیے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا۔

ڈاکٹر گبن صاحب لکھتے ہیں کہ محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک تھا ہے قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی انسانوں کی ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اسنے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اسکا ثانی موجود ہے جس سے اسکو تشبیہ دے سکیں وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور عقل کا کمال جو اسکو حاصل ہو

وہ اسکو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے - اُن بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اسکے پیرووں نے اُنکو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ اُنکی تشریح اور تصریح کی - ایک حکیم خدا تعالےٰ کے وجود اور اُسکی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہ کہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہماری موجودہ ادراک اور قواے عقلی سے بہت بڑھکر ہے اسلئے کہ جب ہمنے اس نامعلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادہ اور حس اور انکا کے اوصاف سے مبرا کردیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی وہ اصل اول (یعنی ذات باری تعالی) جسکی بنا عقل اور وحی پر ہے محمد کی شہادت سے استحکام کو پہونچی چنانچہ اسکے معتقد ہندوستان سے ایکزمرا تک اپنے موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے -

مسٹر ٹامس کارلیل صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور اُن کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں جو جو جھوٹ باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قایم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں چنانچہ ایک یہ بات مشہور ہے کہ پاکرک صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تمنے لکھا ہے کہ محمد نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا کہ وہ اُن کے کان میں سے میل نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے

جو اُن کے پاس وحی لایا کرتا ہے تو اس قصہ کی کیا سند ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس قصہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں" حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جو جو باتیں اس انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لیے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اُسی طرح خدا نے پیدا کیا ہے جس طرح ہمکو پیدا کیا اسوقت جتنے آدمی محمد کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اُس سے بڑھکر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے پھر کیا ہم یہ خیال کرسکتے ہیں کہ جس کلام پر خدا نے قادر مطلق کی اسقدر مخلوق زندگی بسر کرگئی اور اسی پر مرگئے کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا ایک بازیگر کا ہوتا ہے* میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کرسکتا بلکہ میں بیہودہ اور چیزوں کے اُسپر جلد یقین کرتا ہوں اگر جھوٹ اور فریب کی باتیں دنیا میں اسقدر زور آور ہوں اور رواج پکڑ جاویں اور مسلم ٹھہر جاویں تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا سمجھیگا اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوئے ہیں بہت ہی افسوس کے قابل ہیں

* میں اسقدر اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں کہ کروڑوں آدمی اسوقت بھی اُسی پر نہایت مستحکم اعتقاد سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں گئی اُن ملکوں کے لوگوں نے بھی اُن کی باتیں سنکر اُنکو قبول کیا۔ اور اب بھی کہ اُسکے بانیکو دنیا سے گئے ہوئے بارہ سو برس ہوگئے ہر ایک ملک میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے ہزاروں نئے لوگ اسپر بغیر کسی لالچ اور [illegible] کے اور بغیر کسی تدبیر کرنیوالوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لاتے جاتے ہیں اور اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے۔ نہیں بلکہ اُسکے سچ ہونیکا ہر ایک کے دل پر یقین ہوتا ہے۔ سید احمد۔

اگر ہمکو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا منظور ہو تو ہمکو ایسی باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہئے وہ باتیں ایسے زمانہ میں پھیلی تھیں جبکہ توہمات کو بہت دخل تھا اور انہیں توہمات کے سبب خیال تھا کہ آدمی کی روحیں سنگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں جو انکی ہلاکت کا سبب ہے - میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے ایک مذہب قائم کیا اور کوئی اس سے زیادہ بیہودہ ناخدا پرست خیال دنیا میں نہیں پھیلا - بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک جھوٹا آدمی جو چونہ اور اینٹ اور اور مصالح کی حقیقت کو بیچ نہ جانے او پختہ مکان بنالے وہ پختہ مکان کا ہیکو ہوگا بلکہ خاک کا ایک ڈھیر ہوگا - بارہ سو برس تک اسکو کب قیام ہو سکتا ہے اور اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں کب رہ سکتے ہیں بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کا سر کے بل گر پڑا ہوتا ضرور ہے کہ ایک آدمی اپنے طریقہ کو قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجھے اور اسپر عمل کرے ورنہ قدرت سے اسکو یہ جواب ملیگا کہ نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہو جو قانون اور قاعدے خاص ہیں وہ خاص ہی رہتے ہیں عام نہیں ہو جاتے افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لسٹرو یا اور ایسے ہی بہت سے دنیا کے سربرآوردہ لوگوں کے چند روز کے لئے اپنے فند فطرت سے کامیاب ہو جاتے ہیں مگر انکی کامیابی ایک جعلی ہنڈوی کی مانند ہوتی ہے جسکو وہ اپنے نالائق ہاتوں سے جاری کرتے ہیں اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں اور اوروں کو اس کے سبب سے نقصان پہونچاتے ہیں مگر قدرت آگ کے شعلوں اور فرانسیسی ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضبناک ظہور سے ظاہر ہوکر یہ بات بہت غضب اور قہر سے دنیا پر ظاہر کر دیتی ہے کہ جعلی ہنڈیاں جعلی ہی ہیں -

راقم سید احمد بمقام لندن محلہ میکلن برگ اسکوئر مکان نمبر ۲۱ - سنہ ۱۸۷۰ء مطابق سنہ ۱۲۸۶ھ

فی

جغرافیہ جزیرۃ العرب وامم العرب العاربۃ والمستعربۃ

رب اجعل هذا البلد امنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام

عرب یا وہ جزیرہ نما جو جزیرۃ العرب کہلاتا ہے بحر احمر کے مشرق کی طرف واقع ہے اور یہاں سے خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک محقق ہونا کہ اس ملک کا نام عرب کیونکر اور کس زمانہ میں رکھا گیا نہایت مشکل ہے لیکن کتاب اول ملوک باب (۱۰) ورس (۱۵) میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان کی ملاقات کا ذکر ہے اس ملک کو ערב عرب کے نام سے بیان کیا گیا ہے یہ واقعہ سنہ [illegible] دنیوی یا [illegible] قبل حضرت مسیح کے گذرا تھا مگر ہماری رائے میں یہ جزیرہ حضرت سلیمان کے زمانہ کے بہت پہلے سے عرب کے نام سے کہلایا جاتا تھا کیونکہ اسکا ذکر کتاب ملوک میں اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ایک بہت معروف اور مشہور ملک کا نام ہے۔ کتاب توریت

ثنی باب (۱) ورس (۲)، د باب (۴) ورس (۵) میں لفظ ערבה عربہ پایا جاتا ہے گرچہ باتیں کہ اس جزیرہ نما کی وجہ تسمیہ میں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے وہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے جو خود اس لفظ سے نکلتی ہے اور جو اس ملک کی طبعی بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لفظ ערבה عربہ کے معنی وادی یا بیابان کے ہیں اور چونکہ ایک بڑا حصہ جزیرہ عرب کا بالکل بیابان ہے اور وادی کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے کل جزیرہ کا عرب نام ہوگیا لفظ عربہ کا ہر قصبہ کے نام کے پہلے بطور ایک عام صفت کے لگایا جاتا تھا اور اسی طرح ערבות عربات[۲] جو اسکی جمع ہے اس جزیرہ کے ایک حصہ پر بولا جاتا تھا جیسا کہ کتاب توریت باب (۲۲) ورس (۱۰۹) میں آیا ہے

---

[۱] بعضے لوگ عرب کے نام کو لفظ عربہ کی طرف جس کے معنی صحرا بیابان کے ہیں اور جو صوبہ تہامہ کا ایک ضلع ہے منسوب کرتے ہیں اور بعض لوگ عبیر کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے معنی خانہ بدوش کے ہیں کیونکہ زمانہ سابق میں عرب خانہ بدوش تھے۔ اس صورت میں اس کا اشتقاق لفظ عبرانی سے جسکی یہی وجہ تسمیہ ہے ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ لفظ عبری مصدر عرب سے نکلا ہے جس کے معنی نیچے جانے کے ہیں اور اس سے وہ ملک مراد ہے جس میں سمٹک یعنی اولاد سام بن نوح کو جو دریائے فرات کے کنارہ پر رہتی تھی آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ بوکارٹ صاحب کے نزدیک لفظ عرب ایک فنی شین لفظ ہے جسکے معنی اناج کی بالوں کے ہیں مشتق ہوا ہے۔ لفظ عربہ ایک عبری لفظ بھی ہے جس کے معنی بنجر زمین کے ہیں اور توریت میں شام اور عرب کی حدفاصل کے طور پر بارہا بولا گیا ہے۔ (چمبرز این سائکلوپیڈیا صفحہ ۳۱۴)

[۲] عربات بالتحریک جمع عربۃ وہی بلاد العرب (مواصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)۔

بعض مورخ از راہ جرأت یہ رائے دیتے ہیں کہ ایک گانوں[1] موسوم عربہ کی وجہ سے جو تہامہ کے نزدیک واقع ہے اس تمام جزیرہ کا یہ نام پڑ گیا مگر یہ رائے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ لفظ عربہ کسی گانوں کے نام کے پہلے محض بہ حیثیت ایک جزو ممیز کے استعمال کیا جاتا ہو اور رفتہ رفتہ اُسکے اصلی نام کے قائم مقام ہوگیا ہو۔

عرب کے حدود اربع یہ ہیں۔ مغرب میں بحر احمر۔ مشرق میں خلیج فارس و خلیج عمان۔ جنوب میں بحر ہند۔ شمال کی جانب اسکی سرحد بابل اور شام سے ملی ہوئی ہے اور اُسکو آبنائے سوئز مصر سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ جزیرہ نما شمال اور مغرب کی جانب کنعان سے ملا ہوا ہے جو بنی اسرائیل کا وطن ہے اور جسکو متقدمین یونانی فنشیا اور متوسط زمانہ کے لوگ فلسطین یا ارض مقدس کہتے تھے اور بالفعل سریا یعنی شام کے نام سے مشہور ہے۔ اسی زمین کی نسبت خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور اُنکی اولاد سے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ ان دونوں ملکوں کی اس سمت میں بیابان حائل ہیں اسلئے قبل اسکے کہ عرب کی شمالی اور مغربی حد معین کرنیکی کوشش کی جاوے "ارض موعود" کی جنوبی اور مشرقی حد کو محقق کرنا چاہئے۔ جبکہ خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری اولاد کو ایک ملک عطا کرونگا اُسوقت حضرت ابراہیم اُس مقام پر رہتے تھے جو درمیان (بیت ایل۔ اور۔ عی) کے واقع ہے جیساکہ سفر تکوین باب (۱۳) ورس (۳) میں مذکور ہے اگرچہ خداتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم کو وہ ملک جسکے دینے کا وعدہ کیا تھا دکھلا دیا تھا لیکن اُسکی ٹھیک ٹھیک حدیں نہیں بتائی تھیں جیساکہ سفر تکوین

[1] عربۃ قریۃ فی اول وادی نخلتہ من جہتہ مکتہ (مراصد الاطلاع جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

باب ۱۴، درس (۱۴ و ۱۵) سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنے وعدہ کی تجدید کی اسوقت حضرت ابراہیم کو صرف اسکی دو حدیں بتلائیں جیسا کہ سفر تکوین باب (۱۵)، درس (۱۸) میں لکھا ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اس زمین کو نہر مصر سے نہر بزرگ تک جو نہر فرات ہے تیری نسیت کو دونگا۔

مگر تعجب ہے کہ اسکے بعد کتابہائے مقدس کے کسی لکھنے والے نے دریائے مصر کو "ارض موعود" کی سرحد نہیں قرار دیا جسکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ برخلاف اسکے بیرشبع[له] کو בְּאֵר שֶׁבַע ہر جگہ اسکی حد جنوبی قرار دیا ہے اور جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بیابان مواب میں "ارض موعود" دکھلائی تو انہوں نے دیکھا کہ צֹעַר صوعر[له] اسکی جنوبی سرحد ہے سوعر اور بیرشبع قریب قریب ایک ہی خط میں واقع ہیں اسواسطے ان دونوں میں سے کوئی جگہ بلا تفرقہ "ارض موعود" کی جنوبی سرحد قرار پا سکتی ہے۔

مگر یہ بات بالتخصیص جاننی چاہیے کہ بیرشبع دو[له] تھے ایک کا نام صرف

له کتاب قضاۃ باب ۲۰ درس ۱۔ شموئیل اول باب ۳ درس ۲۰۔ شموئیل دوم باب ۳ درس ۱۰ و باب ۱۷ درس ۱۱ و باب ۲۴ درس ۲ و ۱۵۔ ملوک اول باب ۴ درس ۲۵۔ ملوک دوم باب ۲۳ درس ۸ تواریخ اول باب ۲۱ درس ۲۔ تواریخ دوم باب ۳۰ درس ۵ له تو ریتثنی باب ۳۴ درس ۳۔

له ہمکو صاف اور صریح خبر ملی ہے (شموئیل دوم باب ۲۴ درس ۷ و ۱۵) سے کہ بیرشبع یہودیہ کے جنوب میں ادومیہ کی جانب واقع تھا اور اسواسطے اسکو وہ بیرشبع نہ سمجھہ لینا چاہیے جو گلیلی کے اوپر کے حصہ میں واقع ہے اور جسکا ذکر جوسیفس نے اور حال میں ڈاکٹر رچرڈسن نے کیا ہے (بائبل سائکلو پیڈیا مولفہ جے بی لاسن ایم اے جلد ۱ صفحہ ۲۰۷)

بیر شبع[1] בְּאֵר שֶׁבַע اور دوسرے کا نام قریہ بیر شبع עִיר בְּאֵר שֶׁבַע
لاشبعت[2] ב ה کہا جاتا تہا یعنی وہ جگہ جہاں بیابان جوا میں حضرت اسحاق کے
نوکروں نے اُسوقت جبکہ حضرت اسحاق اور ابی ملک کے باہم عہد و پیمان اور حلف ہوا
تہا ایک کنواں کہودا تہا چنانچہ سفر تکوین باب (۲۶) ورس (۲۲) و (۲۳) میں لکہا ہے
"اور ایسا ہوا کہ اُسی دن اسحاق کے نوکر آئے اور اُس کنوئیں کا حال جو اُنہوں نے کہودا
تہا بیان کیا اور اُن سے کہا کہ ہمکو پانی ملگیا اور انہوں نے اسکا نام شبع رکہا اسیواسطے اُس
شہر کا نام آجتک بیر شبع ہے" اور یہ وہی جگہ[3] ہے جہاں سے کہ حضرت یعقوب حاران
کو روانہ ہوئے تہے اور اسی جگہ[4] حضرت یعقوب کے بیٹے جبکہ وہ مصر کو غلہ لینے جاتے تہے
ٹہیرتے تہے اور ایک زمانہ میں یہ شہر گرد و نواح کے ملک کا پایہ تخت تہا اور شموئیل کے
لڑکے وہاں[5] حاکم تہے عاموص[6] نبی نے بہی اس مقام کا ذکر کیا ہے کہ یہاں بت پرستی
بہت شائع تہی۔ اور ظبیاہ[7] مادر یہو اَش اسی جگہ پیدا ہوئی تہی اور ایلیاہ

---

[1] سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۳۱ و ۳۲۔

[2] یوشع باب ۱۹ ورس ۲۔

[3] سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۰

[4] سفر تکوین باب ۴۶ ورس ۱ و ۵

[5] شموئیل اول باب ۸ ورس ۲۔

[6] کتاب عاموص باب ۵ ورس ۵ و باب ۸۔ ورس ۱۴ و باب ۷ ورس ۹۔

[7] ملوک دوم باب ۱۲ ورس ۱۔

تواریخ دوم باب ۲۴ ورس ۱۔

ملکہ ایزبل[1] کے خوف سے یہاں بہاگ آئی تہی۔ یہ شہر بابل[2] والوں کی گرفتاری تک ویران
نہیں ہوا تہا۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وہ اب ایک نہایت چہوٹا سا گانوں رہ گیا ہے
اور ایک وسیع ریگستان کے قرب و جوار میں واقع ہے جہاں کہ بجز اطراف سمندر کے آبادی
کا نام و نشان نہیں ہے۔ بیر شبع حبران سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر تہا اور یوسی بیس
کے زمانہ میں جو چوتہی صدی عیسوی میں گذرا ہے اس میں ایک رومی فوج رہتی تہی۔
یہ بیر شبع اکتیس درجہ سترہ دقیقہ عرض شمالی پر واقع تہا اور طول شرقی اسکا چونتیس درجہ اور
چون دقیقہ کا تہا۔ پہلا بیر شبع قادیش קדש اور شور שור کے بیابانوں کے
بیچ میں تہا اور حضرت ابراہیم نے اسکو بنایا تہا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کلدانیوں کے
شہر کو جو "ار" کا نام اور کلدانیاں[3] تہا چہوڑ کر حاران کو چلے گئے اور وہاں چند روز ٹہیر کر مصر کی
طرف چلے گئے اور جب مصر سے واپس ہوئے تو اسی[4] جگہ پر ٹہیرے جہاں کہ پہلے ٹہیرے
تہے اور وہاں سے حضرت لوط ان کے ساتھ سے جدا ہو کر وادی[5] اردن کو روانہ ہو گئے
اور حضرت ابراہیم نے قادیش اور شور[6] کے بیابانوں میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک
کنواں[7] کہودا۔ حضرت ابراہیم مدت[8] تک یہاں رہے اور ایک باغ[9] لگایا۔ اور جب حضرت
ہاجرہ[10] حضرت ابراہیم کی پہلی بی بی حضرت سارہ سے ناراض ہو کر نکل گئی تہیں تو اسی جگہ

---

[1] سلاطین اول باب ۱۹ درس ۳۔
[2] نحمیاہ باب ۱۱ درس ۲۷ و ۳۰۔
[3] سفر تکوین باب ۱۱ درس ۳۱
[4] سفر تکوین باب ۱۳ درس ۳۔
[5] سفر تکوین باب ۱۳ درس ۱۰ و ۱۱
[6] سفر تکوین باب ۲۰ درس ۱۔
[7] سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴ و ۱۵ و ۳۰
[8] سفر تکوین باب ۲۲ درس ۱۹۔
[9] سفر تکوین باب ۲۱ درس ۳۳۔
[10] سفر تکوین باب ۔ درس ۔ لغایت ۱۴۔

پر آئی تہیں اور اسی کنوئیں کے پاس اُنکو خدا کا فرشتہ دکہائی دیا تہا اور اسلئے انہوں نے
اس کنوئیں کا نام بیرلحی روئی באר לחי ראי یعنی "بیر اللحی لرئی" رکہا تہا۔ اسکے بعد
ایک قحط سالی کے ایام میں حضرت اسحاق نے اس مقام کی سکونت چہوڑ دی اور جرار گرر
کو چلے گئے۔ اس میں کچہ شک نہیں کہ قادیش ایک اور جگہہ ہے اور جرار اُس سے بہت
دور ہے وہاں کے باشندے حضرت اسحاق سے واقف نہ تہے اور نما ئبا بدطینت
اور بدخصلت آدمی تہے اسلئے حضرت اسحاق نے جیسا کہ توریت میں لکہا ہے اُن لوگوں
سے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ مگر جب ابی ملک نے حضرت اسحاق کو
جرار سے نکالدیا تب انہوں نے بیابان جرار میں بود و باش اختیار کی اور وہاں ایک کنواں
کہودا جسکا نام شبع رکہا اور جس مقام پر سکونت اختیار کی تہی اسکا نام قریہ بیر شبع رکہا اس
سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہہ وہ جگہہ ہرگز نہیں ہوسکتی جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کہودا تہا۔
ان باتوں کی اسقدر تفصیل کرنے سے ہمارا منشا دو چیزوں کے ثابت کرنیکا ہے
اول یہ کہ عرب کی شمالی حد ملک شام یا ارض موعود سے ملحق ہوتی ہے اور ارض موعود کی
جنوبی حد حضرت اسحاق والا بیر شبع یا صوحر جسکو بلع بہی کہتے ہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ
حضرت ابراہیم والا بیر شبع قادیش میں ہے جو ملک عرب میں واقع ہے۔

جن لوگونکا خیال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم والا بیر شبع اور حضرت اسحاق والا بیر شبع
دونوں ایک ہی ہیں اُن واقعات پر مبنی ہے جنکو کہ میں ابہی ثابت کرونگا کہ اُن پر کسی
طرح اعتبار نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلا واقعہ جو اُن کی رائے کا موید ہے یہ ہے کہ

لہ سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۱۔ ے سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۷

سے سفر تکوین باب ۲۶ ورس ۳۲۔ کے سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۲۔

جب حضرت اسحاق قادیش سے چلے گئے تو فلسطین والوں نے حضرت ابراہیم کے
کھودے ہوئے کنوئیں کو مٹی سے بھر کر بند کردیا اور جبکہ ابی ملک نے حضرت اسحق
کو جرار سے نکالدیا تو حضرت اسحاق نے انہیں کنوؤں کو از سر نو کھودا جو ان کے
والد حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کھودے گئے تھے اور جن کو فلسطین والوں نے
روکدیا تھا اور انہوں نے ان کنوؤں کے وہی نام رکھے جو ان کے والد نے رکھے
تھے ۔ مفسرین توریت کا یہ استدلال ابتدائی یا سرسری نظر میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے
اور خیال میں آتا ہے کہ بیر شبع ایک ہی ہوگا مگر ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال ہرگز
صحیح نہیں ہوسکتا ۔ سفر تکوین کے چھبیسویں باب کی اٹھارہویں آیت تک توریت میں
حضرت ابراہیم کے صرف انہیں کنوؤں کا بیان ہے جن کو حضرت اسحاق نے
پھر کھدوایا تھا مگر اسی باب کی انیسویں آیت سے لیکر آخر باب تک ان قدیم کنوؤں کا
متعلق ذکر نہیں ہے بلکہ نئے کنوؤں کا ذکر ہے ۔ ان نئے کنوؤں کے نام بھی حضرت
اسحاق نے نئے رکھے تھے ۔ اول کا نام بیرعسق באר עשק دوسرے کا نام
سطنہ שטנה تیسرے کا نام رحوبوث רחבות اور چوتھے کا نام سبعہ
שבעה رکھا تھا ۔ اس سے صریح واضح ہے کہ یہ کنوئیں حضرت ابراہیم کے
کنوؤں میں سے نہیں تھے ۔ پھر اسی باب کی سترہویں آیت کا صاف صاف یہ مضمون
ہے کہ حضرت اسحاق نے برار کی وادی میں اپنا خیمہ نصب کیا اور وہاں آباد ہوئے
اور انیسویں اور بیسویں ورس میں بیان ہے کہ حضرت اسحق کے آدمیوں نے وادی میں
کنواں کھودا اور وہاں ایک کنواں جاری پانی کا برآمد ہوا اور جرار کے چرواہوں نے
حضرت اسحاق کے چرواہوں سے تکرار کی اور پانی پر اپنا دعوی کیا ۔ لہذا جبکہ ان سب

آیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کنویں وادی جرار میں کھودے گئے تھے نہ وادی قادیش میں ایک اور امر جو مذکورہ بالا لوگوں کی رائے کی تائید کرتا ہے تیسویں آیت کا یہ مضمون ہے کہ حضرت اسحاق ابی ملک کو چھوڑ کر بیر شیع کو چلے گئے جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس بیر شیع سے مراد حضرت ابراہیم والا بیر شیع ہے کیونکہ اموقت تک حضرت اسحاق والے بیر شیع کا وجود ہی نہ تھا لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جس بیر شیع کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم والا بیر شیع نہیں ہے بلکہ حضرت اسحاق والا بیر شیع ہے۔ کتب مقدسہ لکھنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ پچھلے زمانہ کے حالات لکھنے میں جب کسی مقام کا ذکر آتا ہے تو وہ اس مقام کا وہی نام لکھتے ہیں جو زمانہ تحریر میں اسکا نام ہوتا ہے گو کہ اس زمانہ میں جسکا وہ حال لکھتے ہیں اس مقام کا وہ نام نہ تھا بلکہ وجود بھی نہ تھا چنانچہ اکثر مقامات میں انہوں نے بہت سے شہروں اور قصبوں کا جو اس زمانہ کے عرصہ دراز کے بعد وجود میں آئے تھے نام لیکر ذکر کیا ہے۔ اکیسویں باب کی چودھویں آیت میں حضرت ابراہیم والے بیر شیع کا نام مذکور ہے اگرچہ اموقت تک اس کنویں نے وہ لقب حاصل نہیں کیا تھا۔

عرب علی العموم ایک وسیع مسطح اور ویران ملک ہے گر جا بجا چند بے انتہا سرسبز و شاداب اقطاع بھی واقع ہیں اور بعض عظیم الشان پہاڑ بھی ہیں جنکی گھاٹیاں تازگی و خوشنمائی کے لئے مشہور ہیں۔ اس میں جو سب سے بڑے نقصانات ہیں وہ کثرت سے وادیوں کا ہونا اور پانی کا نہ ہونا ہے۔ میوے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جن میں کھجور نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ ہوتی ہے جو عرب کے ملک

سے مخصوص ہے اور درحقیقت عرب کی لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا ذریعہ ہے عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے عمدہ اور خوبصورت ہوتے ہیں لیکن عرب کے لیے سب سے زیادہ مفید جانور اونٹ ہے جس کو ریگستان کا جہاز کہنا بجا نہیں ہے۔

عرب ٹھیک طور سے دو حصوں میں منقسم ہو سکتا ہے ایک عرب الحجر یعنی کوہستانی عرب جو خلیج سویز سے لیکر بحر احمر اور بحر عرب تک پھیلا ہوا ہے دوسرا عرب الوادی یعنی عرب کا مشرقی حصہ۔ مگر بطلیموس پرانے جغرافیہ داں نے عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب الحجر یعنی پتھریلا عرب۔ عرب المعمور یعنی عرب آباد اور عرب الوادی یعنی ریگستانی عرب آجکل کے نقشوں میں عرب الحجر میں صرف اس حصہ ملک کا شامل رکھا گیا ہے جو خلیج سویز اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے مگر اس تقسیم کے لئے کوئی معتبر سند نہیں۔ بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق عرب الحجر کو خلیج سویز سے لیکر یمن یا عرب المعمور کی حد تک شمار کرنا چاہیے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک بطلیموس نے عرب المعمور لفظ یمن کا ترجمہ کیا ہے بلاشک غلطی پر ہیں کیونکہ

لے جزیرہ عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا موجد بطلیموس خیال کیا جاتا ہے اور وہ تین حصہ یہ تھا عرب الحجر۔ عرب المعمور۔ عرب الوادی۔ عرب الحجر میں تمام شمالی غربی حصہ شامل تھا۔ عرب المعمور میں غربی اور جنوبی کنارہ۔ عرب الوادی میں تمام اندرونی حصہ جو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ مگر اس تقسیم کو عرب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے اور حال کی تحقیقات کی رو سے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتے چیمبرز این سائکلوپیڈیا صفحہ ۲۴۳ - یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بطلیموس نے ملک کو اسکی طبعی حالت کے لحاظ سے تقسیم کیا تھا نہ کہ حد بندی کے لحاظ سے۔

اُس پرانے جغرافیہ داں کے زمانہ میں عرب الحجر کا جنوبی حصہ گنجان آباد تہا اور تجارت کے لئے مشہور تہا جسکی وجہ سے اُسنے تمام جزیرہ کے اُس حصہ کا عرب المعمور نام رکہدیا عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ تہامہ۔ حجاز۔ نجد۔ عروض۔ یمن۔ غیر ملکوں کے مورخ اور جغرافیہ داں جو یہ سمجہے ہوے ہیں کہ اس ملک کو حجاز اس سبب سے کہتے ہیں کہ حاجی اور زائروں کا عام مرجع ہے وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ لفظی معنی حجاز کے اُس چیز کے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان میں واقع ہو۔ تمام ملک کا یہ نام اُس پہاڑ کی وجہ سے پڑگیا ہے جو شام اور یمن کے درمیان بطور حجاب کے واقع ہے۔ عرب بلحاظ اُن مختلف قوموں کے جو اُس میں آباد ہیں اور اُن آبادیوں کے ناموں کے اور اُن آبادیوں کے ملکی حالات کے اور اُن کے باشندوں کے اعتبار سے بیشمار حصوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ مگر حسبات کا کہنا کہ یہ حصے ٹہیک کس طرح پر ہیں بغیر اسباب کے اول جان لینے کے کہ یہ قومیں جو اُن میں آباد ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں اور کہاں کہاں آباد ہوئیں اگر محال نہیں تو غیر ممکن تو ضرور ہے اسلئے ہم حتے الامکان ان امور کی تنقیح کی کوشش کرینگے۔ ان امور کی نسبت کتب مقدسہ یا عرب کے قرب وجوار کی قوموں کی کتابوں میں بہت کم تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کتب مقدسہ کے لکہنے والے صرف "ارض موعود" کے حالات لکہنے اور تلاش کرنے میں مصروف رہے اور اُن کی تمام ہمت صرف بنی اسرائیل کے حالات لکہنے پر منحصر تہی اور غیر قوموں نے اس ویران اور بے ثمر ملک کیطرف کچہ توجہ نہیں کی۔

اس کتاب کے لکہنے میں جہانتک کہ ہو سکیگا ہم اُن دونوں ذریعوں سے گریز

اُن سے بہت ہی کم حالات معلوم ہوتے ہیں فائدہ حاصل کرینگے اور انکی تائید میں عرب کی ملکی روایتوں سے جو قابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں غفلت نہ کرینگے۔

جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں کیونکہ عرب کے لوگ اپنی آبائی رسوم اور اوضاع اور اطوار کے بدرجہ غایت پابند تھے اور انکو کبھی کم کرنا یا تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا قریباً اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا اور اس ذریعہ سے ہر ایک شخص اپنی قوم اور قبیلہ کو بخوبی جانتا تھا اور اپنے حسب نسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا اور جس طرح کہ پرانی قوموں "سکنڈنیوین" اور سلٹک کے ہاں کڑکیت ہوتی تھی اسی طرح عرب کی قوموں میں بھی ہوتی تھی جنکا لڑائیوں میں مردانہ اشعار پڑھنا اور لڑنے والوں کو اُنکے حسب و نسب کا جتلانا جنگی باجے کا کام دیتا تھا۔*

جو کچھ کہ مینے عرب کی ملکی روایتوں کی نسبت بیان کیا ہے اُسکی تائید رورنڈ مسٹر فارسٹر کے بیان سے ہوتی ہے اُنھوں نے عرب کا ایک جغرافیہ لکھا ہے اسمیں

---

* ہمارے ملک میں جو ہندو قومیں آباد ہیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے اور اسبات کے دیکھنے سے کہ باوجود اسکے کہ ہزارہا برس اور مختلف حکومتیں اُنپر گذر گئی ہیں مگر انکی جدا جدا قومیں آجتک کس طرح پر محفوظ ہیں اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور اپنے گوت یعنی قبیلہ سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے اور آجتک اُنکے معزز لوگوں کے ہاں بہاٹ اور کڑکیت موجود ہیں۔ عرب کی قدیم قوموں کے حالات کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اسی طرح اُنھوں نے اپنی قوم اور قبیلہ کو علیحدہ علیحدہ محفوظ رکہا تھا۔

وہ لکھتے ہیں کہ عربوں کی قدیمی اوضاع اور رسوم اور یادگاروں کی پابندی کو جو حیثیت
زبان زد خاص و عام ہے تمام دلائل میں سب سے اول رکھنا مناسب ہے کیونکہ اس
بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کے قومی ناموں میں سے بخاصہ سب سے مقدم ہے
ایک نہایت انگیز مثال عرب کی اس پابندی کی قدامت اور لیاقت کی کرنیل چسنی نے
اس طرح بیان کی ہے کہ جبل عربوں کا ایک گروہ بغداد کے قریب خیمہ زن تھا جو میں ان کے
خیمہ گاہ کی سیر کے واسطے گیا ان خیموں کے بیچ میں شاہی نشان اسپین کا لہراتا ہوا دیکھ
کر مجھ کو کمال حیرت ہوئی اور ایک عربی خیمہ میں تین دھاریوں کی علامتوں کو دیکھا میں نے
انکا حال دریافت کرنے کی کوشش کی ایک نہایت بڈھے آدمی نے مجھ سے کہا کہ جبکہ
ان کے آباء اجداد بربر کے ملک میں گئے تھے اور وہاں سے اسپین کی فتح کے واسطے
روانہ ہوئے اس وقت خلیفہ نے ان کی خدمات کے بدلہ میں قبیلہ جبل کو شاہی نشان
اسپین کا بطور جھنڈے کے عطا فرمایا تھا ڈین بریڈیو نے عرب کی رسم و رواج کی نسبت
اسطرح پر لکھا ہے کہ قوم عرب دنیا میں سب سے زیادہ قدیم قوم ہے جو اپنے مورثان اعلیٰ
کے زمانہ سے آجتک نسلاً بعد نسل اپنے ملک میں رہتی چلی آئی ہے اور جبکہ عرب
اپنی رسم و رواج میں تغیر و تبدل کو ناپسند کرتے ہیں اسیقدر ملک کے ناموں کے بدلنے
کو بھی ناپسند کرتے ہیں اسیوجہ سے اکثر مقاموں کے وہی نام بدستور چلے آتے ہیں
جو ابتدا میں رکھے گئے تھے ۔ اسیوجہ سے ملک مصر کی قدیمی دارالسلطنت کے
رہنے والے جو مصری کہلاتے تھے اور بعد کو زمانہ دراز تک نام ممس مشہور رہے عربوں
کے تسلط کے زمانہ سے پھر مصری کہلانے لگے اور جب سے برابر یہ نام چلا آتا ہے
یہ مثالیں منجملہ ان بیشمار مثالوں کے ہیں جو علامہ ڈین نے بیان کی ہیں ۔ پروفیسر الفنسن

بیان ہے کہ فلسطین میں ایک قسم کی قدیمی روایت سنی جاتی ہے کہ کنعیون کو کچھ علاقہ نہیں ہے یعنی عوام الناس میں مقاموں کے قدیمی ناموں کا بجنسہ چلا آنا ان کی تحقیق یہ قومی اور دیسی روایت ہے جو کسی طرح بیرونی کینوں یا اجنبی حکام کے اثر سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ انہوں نے اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ انکو پایا ہے اور مقامی ناموں کی طبیعت میں استحکام کے ساتھ جگہ پکڑ گئے ہیں - مقامات کے عربی نام انجیل کے زمانہ کے بہت عرصہ بعد تک اپنی ارمینین شکل میں مروج رہے اور باوجود اسکے کہ یونانی اور رومیوں نے اپنی اپنی زبانوں کے ناموں کی ترویج کرنے کیلئے کوششیں کیں مگر عوام الناس کی زبان پر وہی پرانے نام جاری رہے"

غرضکہ ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنیکا ہے۔ ان کی رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے معلوم ہو سکتا ہے

میدان جنگ میں کوئی جنگ آور بدون اسکے کہ حریف سے اپنا حسب ونسب باواز بلند بیان کرے تنہا لڑائی میں مشغول نہیں ہوتا تھا -

کسی عام مہم میں ہر شخص اپنی ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا بعض اوقات جبکہ کسی قوم کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اس کی پاداش میں اس ساری قوم کے لوگونکو جرمانہ دینا پڑتا تھا جو اب شرع میں بلفظ الدیت علی العاقلہ مستعمل ہے -

اس قسم کی رسوم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے لوگونکو اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا غیر ممکن ہو گیا تھا اور اسی بنا پر جزیرہ عرب کے مختلف اقطاع پر تقسیم ہونے کی روایتوں پر کماحقہ اعتبار قایم ہوا اور برقرار رہا - اب ہم عربوں کی اس مشہور

معروف پابندی کو جو اپنے قومی اطوار اور عادات اور اپنے بزرگوں کی رسوم کے ساتھ رکھتے ہیں بیان کرکے سوال کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنا کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسی قوم پر جو تغیر و تبدیل کے اسقدر برخلاف ہو اور مزید برآں تفصیلوں کے سخت اختلافات کی نسبت اسقدر محتاط ہوں مندرجہ ذیل شبہات کرنے کے لیے کافی وجوہ ہیں یعنی ایسے شبہات کے لئے جن کی تائید کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ایک طرفدار مصنف کے خیالی شوشے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ بنی عملیق اور بنی نبات میں ہمکو ایسو اور اسمٰعیل کی اولاد صاف صاف نظر آتی ہے اور اسباب کا فرض کر لینا کچھ ضرور نہیں ہے کہ اُنکے انساب کا علم یا روایت خود اُن قوموں میں بجنسہ چلی آتی ہے بلکہ فتح کے انقلابات اور دوسری قوموں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے یہ بات بالکل بعید از عقل معلوم ہوتی ہے کہ ایسی وحشی قوم کے پاس جنکے پاس کوئی تحریری یادداشت نہیں ہے انکو اپنے نسب کی واقفیت اتنی صدیوں تک محفوظ اور برقرار رہی ہو۔ مگر اس معترض کو ہمارے اوپر کے بیان سے ثابت ہوگیا ہوگا کہ یہ امر ناممکن نہ تھا بلکہ درحقیقت اسی طرح پر واقع ہوا جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

اب یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کی سکونت کے باب میں ملکی اور قومی دونوں طرح کی روایتیں نہایت معتبر ذریعہ سے ہمارے زمانہ تک پہونچی ہیں اور وہ ایسی روایتیں ہیں کہ جنکو تمام قوم نے بلا تامل صحیح مان لیا ہے، پھر ہم کس طرح کسی عیسائی طرفدار مصنف (سر ولیم میور) کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح اور معتبر تصور کر سکتے ہیں جسکا یہ بیان ہے کہ "یہ روایت ایک کہانی ہے یا

توریت سے اخذ کر کے تحریر کردی گئی ہے" مگر جس وقت کہ اس عالی رتبہ مصنف نے
یہ بیان کیا انکو معلوم نہو گا کہ خود توریت ہی سے حضرت ابراہیم کے نسب کی بابت
اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اسکے بعد مصنف موصوف نے مکہ میں اسمعیل و انکی
اولاد کی سکونت کی اصلیت کی نسبت اسطرح قیاس فرمایا ہے کہ "بنی اسمعیل
اور عمالیق کی قومیں جزیرہ عرب کے شمال اور وسط میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً یہی
لوگ مکہ کے اصلی متوطن ہونگے یا زمانہ مابعد میں یمن کے لوگوں کے شمول میں وہاں
آبسے ہونگے۔ اسکے بعد ایک فرقہ بنی اسمعیل خواہ نباتی خواہ کسی ہم نسل خاندان کا
وہاں کے کنوئیں اور کاروانی تجارت کے دلپسند موقع کے لالچ میں وہاں چلا گیا ہوگا
یہ فرقہ اپنی ابراہیمی نسب کی پرانی روایتوں کو اپنے ساتھ لیگیا ہوگا اور مقامی اوہام
اور اعتقادات پر خواہ وہ اسی ملک کے ہوں یا یمن سے لائے گئے ہوں ان کو
منقش کردیا ہوگا"۔

ان قیاسی باتوں کی غلطی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت اسمعیل کی عمر جبکہ
انکے باپ نے انکو گھر سے نکالا تھا توریت کے مطابق سولہ[1] برس کی تھی اور یہ عمر

---

[1] جب حضرت اسمعیل پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی (سفر تکوین باب ۱۶ ورس ۱۶) اور جب حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۵) اور حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل کو حضرت اسحاق کے دودھ چھٹنے کے زمانہ میں گھر سے نکالدیا تھا اس حساب سے حضرت اسمعیل جبکہ جلاوطن ہوئے تھے سولہ برس کے تھے حضرت ابراہیم کا ایکسو پچھتر برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے ملکر مکپیلاہ کے غار میں دفن کیا تھا (سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۹) اسلئے حضرت اسمعیل کی عمر اسوقت نواسی برس کی تھی۔

ایسی تہی کہ جو روایتیں اُنہوں نے اپنے والد سے سُنی تہیں اُنکے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکہنے کے قابل تہی - اسکے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رہتے وہ حضرت ابراہیم بہی اکثر اُنکے پاس آتے جاتے تہے - انجام کار سب سے بڑہکر یہ بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل جنکی عمر اُسوقت نواسی برس کی تہی بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے اُنکے پاس موجود تہے - یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنیکو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف اقوام عرب میں اسقدر شایع ہیں لوگونکو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے پہونچی ہیں اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لایق ہیں کہ اگر پہر کوئی شخص براہ جرات یہ کہے کہ یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہونچی ہیں تو اُسکو سنکر کچہہ کم تعجب نہوگا - مگر تعجب اسپر آتا ہے کہ مصنف موصوف نے اپنے قیاسی خیال کے ثابت کرنے کا ادعا کیا ہے اور یہ لکہا ہے کہ "مگر اُن بنی اسرائیل کو جو توریت پڑہتے ہیں صرف نام او مقام ہی سے اس نسب کا احتمال عائد ہوتا ہے اور یہودی مصنفوں میں الہامی ہوں خواہ غیر الہامی ہم کافی اظہار اس امر کا پاتے ہیں کہ ایسا خیال درحقیقت کیا گیا تہا - یہ قدرتی استنباط خود اُن قوموں میں جنسے وہ علاقہ رکہتا تہا قرب وجوار کے یہودیوں کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً شایع ہوگیا ہوگا اور اُن بیجوڑ روایتوں کے غیر مکمل آثار کو جو ہنوز اُنکے تخیلات اور اُن کی عادات اور اُن کی زبان میں موجود تہے تقویت دیدی ہوگی" -

اگرچہ اس راے کی غلطی اوپر کے بیان سے بخوبی ظاہر ہوگئی ہے مگر عرب کی قوموں کی عادت پر خیال کرنے سے اُس راے کی اور زیادہ غلطی ظاہر ہوتی ہے عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت کے موافق اپنی اصلی روایتوں

میں کوئی نئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے بالکل علیحدہ رہتے ہو یہانتک کہ جب حضرت اسمٰعیل اور اُنکے ہمراہی وہاں اگر آباد ہوئے تو قدیمی عرب اُن کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب "مستعربہ" سے اُنکو ملقب کیا تھا آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب بنی اسمٰعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے رہے اور قدیم عرب نے اپنی قدیمی روایتوں کا اُن سے مبادلہ نہیں کیا اور بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیاء کی نسبت زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہ تھی۔

آنحضرت صلعم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیاء بنی اسرائیل برحق نبی تھے اور اُنپر ایمان لانا چاہیے اُسوقت بنی اسرائیل کی اور اُنکے نبیوں کی روایتیں اور قصے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہوگئے۔ لیکن چونکہ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں نہتیں اسوجہ سے عرب کی روایتیں بجائے خود بجنسہ برقرار رہیں۔

تمام نئے آباد ہونے والے جو وقتاً فوقتاً عرب میں آباد ہوئے اور قدیم متوطنان عرب نے تین نام حاصل کئے تھے۔ اول عرب البائدہ یعنی صحرائی عرب۔ دوم عرب العاربہ یعنی قدیمی عرب۔ سوم عرب المستعربہ یعنی عرب میں نئے آباد ہونیوالے جو بسبب زمانہ دراز کی سکونت کے عرب بنگئے تھے۔ یہ تین بڑی تقسیمیں قریب قریب تمام باشندگان عرب پر حاوی ہیں خانہ بدوش بدوؤں سے لیکر اُن قدرے شائستہ قوموں تک جو کنارہ کے برابر برابر آباد ہیں اور معہذا قدیم باشندگان عرب کے درمیان تمیز بھی قایم رکھتے ہیں۔ اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عرب کے باشندوں کا اُن مذکورہ بالا تین عام قسموں کے مطابق علیحدہ علیحدہ بیان کریں۔

اول

عرب البائدہ یا خانہ بدوش صحرائی عرب کی قومیں

عرب البائدہ میں سات شخصوں کی اولاد کے سات مختلف گروہ شامل ہیں۔

(۱) کوش پسر حام پسر نوح کی اولاد (۲) عیلام پسر سام پسر نوح کی اولاد (۳) لود پسر سام پسر نوح کی اولاد (۴) پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد (۶) جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد۔ (۷) ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد۔

کوش کی اولاد خلیج فارس کے کنارہ پر اور اوس کے قرب وجوار کے میدانوں میں آباد ہوئی۔

جرہم پسر عیلام بھی اُسی طرف جاکر رود فرات کے جنوبی کنارہ پر سکونت پذیر ہوا لود کے جوان میں سے تمیر امور شاعلی اسے تین بیٹے مسیان طسم۔ عملیق۔ امیم تھے جنہوں نے اپنے آپ کو تمام مشرقی حصہ عرب میں یمامہ سے لیکر بحرین اور اُسکے گرد و نواح تک پھیلا دیا۔

عوص پدر عاد اور حول دونوں نے ایک ہی سمت اختیار کی اور جنوب میں بہت دور جاکر حضر موت اور اُسکے قرب وجوار کے میدانوں میں اقامت اختیار کی

جدیس پسر گثر پسر ارم پسر سام عرب البادی میں آباد ہوا۔

ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام نے عرب الحجر میں اور اس میدان میں جو وادی

القری کے نام سے مشہور ہے اور ملک شام کی جنوبی اور ملک عرب کی شمالی حد پر رہنا اور قبضہ کرنا پسند کیا۔

عربی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں نسبت عرب البائدہ اور انکے مقامات سکونت کے لکھا ہے اسکا انتخاب ذیل میں لکھتے ہیں جنسے ان امور کی جو ہمنے اوپر بیان کیے ہیں تصدیق ہوتی ہے۔

قال القاضی صاعد بن احمد الاندلسی صاحب قضاء مدینة طلیطله ان العرب البائدة کانت امماً ضخمة کعاد وثمود وطسم وجدیس وتقادم انقراضهم ذهبت عنا حقایق اخبارهم وانقطعت عنا اسباب العلم بآثارهم۔

اما جرهم فهم صنفان جرهم الاولی وکانوا علی عهد عاد فبادوا ودرست اخبارهم وهم من عرب البائدہ ۔ ابوالفدا ۔

سکنت بنو طسم الیمامة الی البحرین ۔ ابوالفدا

سکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت ۔ ابوالفدا

وبلاد عاد یقال لها الاحقاف وهی بلاد متصلة بالیمن وبلاد عمان ۔ ابوالفدا۔

والی عاد اخاهم هوداً وهو عاد بن عوص بن ارام بن سام وهم عاد الاولی

کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وهی رمال بین عمان وحضرموت ۔ معالم التنزیل

سکنت ثمود الحجر بین الحجاز والشام ۔ ابوالفدا

کانت مساکنهم بالحجر بین الحجاز والشام الی وادی القری ۔ معالم التنزیل ۔

الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القری بین المدینة والشام کانت مساکن ثمود وهی بیوت منحوتة فی الجبال مثل المغار تسمی تلک الجبال

الأثالیب کل جبل منقطع عن الاخر یطاف حوله وقد نقر فیه بیوت ونقر علی قدر الجبال التی تنقر فیها وهی بیوت فی غایة الحسن فیها نقوش وطیقان محکمة الصنعة وفی وسطها البئر التی کانت ترد ها الناقة - مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنة والبقاع -

الحجر بکسر الحاء وسکون الجیم والراء دیار ثمود بوادی القری بین المدینة والشام مشترك یاقوت الحموی -

قال ابن حوقل والحجر بین جبال علی یوم من وادی القری اقول لم یحصل ذلك فان بینهما اکثر من خمسة ایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال الله عنهم وثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رایت تلك الجبال ونحت منها کما اخبر الله تعالی و تنحتون من الجبال الاثالیب اقول وهی التی ینزلها حجاج الشام وهی عن العلی علی نحو نصف مرحلة من جهة الشام - تقویم البلدان -

ووادی القری فهو بادیة الحجریة وما کان من بالس الی ایلة مواجها للحجاز معارضا الارض تبوك فهو بادیة الشام - تقویم البلدان -

اب کہ ہمنے اس مقام پر ایک کامل فہرست سات مختلف اقوام عرب البائدہ کے موطنان اصلی کی لکھدی ہے اور اُن مقامات کو بھی بیان کر دیا ہے جہاں جہاں یہ مختلف قومیں آباد ہوئیں تو اب ہم حتی المقدور اُن شعبوں اور شاخوں کی تفصیل بیان کرینگے جو اُن قوموں سے پیدا ہوئی ہیں -

اولًا - بنی کوش - کسی عرب کے مورخ نے بنی کوش کا کچھ حال نہیں بیان کیا سب کے سب خاموش ہیں اور اس سبب سے اُن کے حالات کچھ دریافت نہیں

ہوئے - اسی بنا پر جلاجیل اور انہیں کی مانند اور مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ کوش کی اولاد عرب میں آباد نہیں ہوئی تھی"۔ نویری نے اپنے جغرافیہ میں ایک یہ فقرہ لکھا ہے "وملک شرجیل علی قیس وتمیم" اس فقرہ میں نویری نے بنی کوش کا ذکر بشمول بنی تمیم کے کیا ہے جس سے وہ حصہ سلطنت کا مراد ہے جو الحارث نے اپنے دوسرے بیٹے شرجیل کو بخشا تھا۔ نویری کے اس فقرہ پر ورنڈ مسٹر فاسٹر یہ استدلال کرتے ہیں کہ مشرقی مورخ بنی کوش کو عرب کے رہنے والوں میں شمار کرنے سے خاموش نہیں ہیں - مگر ورنڈ مسٹر فاسٹر کو اس میں کسیقدر دہوکا ہوا ہے کیونکہ نویری کے فقرہ سے کسیطرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بنی قیس اور بنی کوش ایک ہی خاندان میں یعنی حام کی اولاد میں ہیں - مشرقی مورخوں نے جو بنی کوش کا کچہ ذکر نہیں کیا اسکی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود مشرقی مورخ دہوکے میں پڑ گئے ہیں کیونکہ کوش کی اولاد جو مشرق میں آباد ہوئی تہی اور یقطان کی اولاد جو جنوب کی طرف یمن اور اُسکے گرد و نواح میں آباد ہوئی تھی اُن دونوں کے ناموں میں ایک طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس سبب سے مشرقی مورخوں نے دہوکے کہا کر تمام واقعات اور حوادث کو جو بنی کوش سے متعلق تہے بنی یقطان سے متعلق سمجہ لیا اور اُن تمام واقعات اور حوادث کو بنی یقطان کی طرف منسوب کر دیا -

مگر[1] ورنڈ مسٹر فاسٹر نے بڑی کوشش اور تلاش سے اور بڑی صحت اور قابلیت سے نہایت معتبر اور مستند حوالوں سے اس امر کو بیان کیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب میں خلیج فارس کے کنارہ کے برابر برابر آباد ہوئے تہے اور مشرقی کنارہ کو

مختلف شہروں کے ناموں کا اُن ناموں سے مقابلہ کرکے جو بطلیموس نے لکھے ہیں اپنے دعوے میں قطعی کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن مصنف موصوف نے جبکہ بنی کوش کو تمام جزیرہ عرب میں اور خصوصاً یمن اور خلیج عرب کے کنارے پر پھیلا دینے کی کوشش کی ہے تو اُسکی دلیلوں میں ضعف آجاتا ہے اور اُسی دھوکے میں پڑ جاتا ہے جس میں مشرقی مورخ پڑ گئے تھے اور اسی سبب سے یمن تک پہونچے

لہ متعلق صفحہ ۴۷ - یہ ایک عام اور مسلم رائے ہے کہ سبا پسر کلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی القریٰ کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا "خوزستان" یعنی کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا۔ زمانہ مابعد میں شہر "سبی" اور قوم سبا کا سرحد "خالدیہ" پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ حویلاہ - سبتاہ - رعماہ - ددان کا خلیج فارس کے کنارہ پر مسلسل سلسلہ میں واقع ہونا اور سب سے اخیر یہ کہ اشعیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور "سبا" کا ساتھ ساتھ بیان ہونا جس سے پایا جاتا ہے کہ "سبا" خوزستان سے ملحق ہے "راس منسدم" کے قریب جسکو بطلیموس نے "راس اسابی" کرکے لکھا ہے ہم مسٹر بیل کے نقشہ میں شہر "کسکان" جو توریت کے "کشام" کے مرادف ہی پاتے ہیں - بحر عمان کے اسی کنارہ پر "عمنان" یا "عمان" اور "تام" یا "نسیب" اور "سربار" شہروں کے درمیان میں ہم ایک ساحل پاتے ہیں جسکو "پلینی" نے سواحل حام جو بالفعل "ناحام" کہلاتا ہے۔ اس خاکنائے مقابل کے اطراف پر جو راس "منسدم" میں منتہی ہوتی ہے اور "خلیج فارس" کے دہانہ کے اندر شہر اور ضلع "رغاہ" جسکو یونانی ترجمہ توریت میں "رعمہ" اور بطلیموس نے "رغامہ" لکھا ہی پایا جاتا ہے۔ خلیج کے باہر شہر اور ضلع "ددان" یا "داوانہ" کا پتہ ملتا ہے اور توریت میں جو "ددان" چھوٹے بیٹے "رعماہ" کا ذکر ہی اُسکی طرف منسوب کیا جاتا ہے (فارسٹر صاحب کا جغرافیہ عرب صفحہ ۳۸)۔

پراسکی بحث بوجہ نہایت مہمل اور بے معنی ہوگئی ہے اور صرف ایک ناکارہ سلسلہ
خیالی اور وہمی استنباطوں کا خیال کی جاسکتی ہے۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ نمرود کے سوا
سبکا ذکر تنہا کتاب مقدس میں کیا گیا ہے اور اس سبب سے ہمکو یہ مستنبط کرنا پڑتا ہے
کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ آباد نہ ہوا تھا باقی اولاد کوش کی جن کے نام سبا۔
حویلہ۔ سبتاہ۔ رعماہ۔ سبتکاہ تھے اور رعماہ کے بیٹے یعنی سبا اور ددان
سب خلیج فارس کے کنارہ کنارہ آباد ہوئے تھے ہم اس امر سے انکار کرنا نہیں
چاہتے کہ کوش کی اولادیں سے کوئی جزیرہ عرب کے اور قطعات کی جانب بھی چلے
گئے ہوں اور وہاں سکونت اختیار کی ہو۔

گر ہمنے ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی جن دلیلوں کو لغو اور مہمل اور وہمی اور خیالی بیان کیا ہے
اسکا سبب یہ ہے کہ مصنف موصوف کو بنی کوش کے مقامات سکونت کی تحقیق میں کوئی
ایسا نام ملجاتا ہے جس میں ذراسی بھی مشابہت کوشی ناموں سے ہو ان میں یا صرف
ایک حرف ہی کی مطابقت پائی جاتی ہے تو وہ اس مقام کو کوش کی اولاد کے
متعلق کردینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا حالانکہ بنی کوش کے اکثر نام ایسے ہیں
جو بنی یقطان کے ناموں سے جو یمن میں رہتے تھے مشابہت تام رکھتے ہیں۔

کتب مقدسہ کے لکھنے والوں نے بنی کوش کی وجہ سے تمام ملک عرب کو
بنام ارض کوش یا اتھوپیا کے موسوم کیا ہے اور اس امر کے ثابت کرنیکو ریورنڈ مسٹر
فارسٹر نے نہایت مضبوط اور قابلانہ دلیلیں پیش کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "توریت اور
انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں الفاظ "اتھوپیا" اور باشندگان اتھوپیا"
اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور انکی جگہہ عبرانی توریت میں اسم معرفہ کوش واقع ہوا ہے

اور یہ لفظ کوش جبکہ کتاب مقدس میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اس سے ہمیشہ
ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ کہ افریقی اتھوپیا۔ چند مصرع ورسوں کے
مشابہ کرنے سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ چنانچہ کتاب اعداد باب ۱۲ ورس ۱
میں لکہا ہے کہ مریام اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اس اتھوپین (عبرانی میں ہے
کوشی) عورت کی وجہ سے جسکے ساتھ انہوں نے شادی کی تہی گفتگو کی اسلیے کہ
انہوں نے ایک اتھوپین (عبرانی میں ہے کوشی) عورت سے شادی کی تہی۔ اور
کتاب خروج باب ۲ ورس ۱۵ - اور ۲۱ سے یہ امر متحقق ہے (اور ہم حضرت موسیٰ کے
دوسرے نکاح کے فرض کرنے کے واسطے کوئی دلیل نہیں پاتے) کہ ایک مدیانی
عورت تہی یعنی حضرت ابراہیم کی اولاد میں بنی قطورہ کے سلسلہ میں تہی۔ اور یہ امر
بہی محقق ہے کہ "مدیان" یا "مادیان" عرب میں بحر احمر کے کنارہ پر ایک شہر یا ملک تہا
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عرب کی عورت تہی اور اسی
وجہ سے عبرانی لفظ کوشی کا ترجمہ لفظ اتھوپین کے ساتھ ٹہیک نہیں ہوا ہے تا وقتیکہ
اس سے ایشیائی اتھوپیا یا عرب مراد نہ لیا جاوے۔ کیونکہ افریقی اتھوپیا اس سے
کسی طرح مراد نہیں لیا جا سکتا،، (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۲)۔

ان دلیلوں سے کسی طرح شک اور شبہہ نہیں رہتا کہ کتاب مقدس کے انگریزی
ترجمہ میں جو لفظ کوش کا اتھوپیا ترجمہ کیا گیا ہے وہ دو مختلف مقاموں پر مستعمل ہوا ہے
افریقی اتھوپیا پر اور ایشیائی اتھوپیا یعنی عرب کے ایک حصہ پر یا خود ملک عرب پر
اور یہ ایک بات یاد رکہنے کے قابل ہے کیونکہ اس سے کتب مقدسہ کے بہت سے
مشکل مقامات کے حل ہونے میں مدد ملیگی۔

ثانیاً۔ عیلام עילם یا جرہم الاولی۔ چونکہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نام آور نہیں ہوئی اسلئے اسکی نسبت بجز اسکے کہ بنی کوش سے قرابت رکھتی تھی اور انہیں کے ساتھ رہتی تھی اور کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔

ثالثاً۔ لود לוד اسکے تین بیٹے تھے طسم۔ عملیق۔ امیم۔ یہ لوگ بھی عیلام کی اولاد کی مانند کچھ اولوالعزم اور نام آور نہ تھے اسلئے انکا حال بھی بہت کم معلوم ہے مگر انکے آثار ساحل خلیج فارس کے بعض مقاموں کے ناموں میں پائے جاتے ہیں مثلاً دریاے عمنان (جسکو پلینی نے عمان لکہا ہے) اور ہایم۔ جو امیم کے نام سے جو لود کا تیسرا بیٹا تھا ماخوذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ الف ہاے ہوز سے بدل جاتا ہے جیسے اود سے ہود اور اجر سے ہاجرہ ہوگیا جو حضرت اسمعیل کی ماں کا نام تھا۔ روزنڈ مسٹر فارسٹر نے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش میں کہ عمنان یا ہمنان زمانہ حال کے عمان سے علاقہ رکھتا ہے غلطی کی ہے کیونکہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۸ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت لود کی چھوٹی بیٹی نے (ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جنپر بیٹیوں کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے وہ حضرت لود کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ لونڈیاں تھیں) بیٹا جنا اور اسکا نام "بن عمی" رکھا گیا جس سے بنی عمون کی قوم مشہور ہوئی۔ حال کا عمان ہمارے نزدیک اسی نام سے علاقہ رکھتا ہے۔

رابعاً۔ عوص עוץ اور خامساً۔ حول חול ارم کے بیٹے تھے۔ ہم ان دونوں کا بیان بالاشتراک کرینگے ان کے آثار بھی آجتک اُن مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ہیں جو خلیج فارس کے کنارہ پر یا قرب وجوار کے میدانوں میں واقع ہیں مثلاً عوزل اور حول ایک ہی نام ہیں۔ روزنڈ مسٹر فارسٹر نے عوزل سے کے

اشتقاق میں بھی مغالطہ کیا ہے کیونکہ انکا بیان ہے کہ یہ لفظ حویلاہ نام کی ایک مختلف شکل ہے

عادِ اولیٰ - پسرِ عوص نے بہت شہرت حاصل کی اور انکی اولاد ایک نامی قوم ہوگئی اور تمام شرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی - انہوں نے عالیشان مکان بھی بنائے اور اثر و نفوذ غیر محکم بھی حاصل کیا - اس قوم کے آدمی اپنی جسامت اور قوت اور زبان میں اور قوموں پر فوق لے گئے تھے جنکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے -

عرب کے جنوب اور شرق کے باشندے بہ نسبت اور لوگوں کے تنومند اور قد آور ہوتے تھے ان کی نسبت مسٹر ورنڈ فاسٹر نے ولسٹڈ صاحب کے سفرنامہ ملک عرب سے یہ بیان نقل کیا ہے - وہ لکھتے ہیں کہ میں نے جہاز کے عربوں اور ان عربوں کی وضع بناوٹ میں جو خلیج فارس کے کنارہ جانب عرب پر آباد ہیں ایک بڑا فرق مشاہدہ کیا - اور اب سکنائے ساحل خلیج فارس کا حلیہ یہ ہے کہ ان کے چہرے قریب قریب بیضوی کے ہیں سر کے بال عموماً سیاہ بالکل صاف ہوتے ہیں جو ہیں بھنویں بھی سیاہ ہیں اور کمال چمکتی ہوئی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کی نسبت انکا رنگ کسیقدر کھلا ہوا ہے سواحل بحر احمر کے قرب کے باشندے لاغر اندام اور پستہ قد ہوتے ہیں مگر قوی ہیں - چہرہ کسیقدر لمبا رخسارے بے گوشت کے اور سر کے بالوں کو دو لمبی زلفوں کے سوا جو دونوں طرف ہوتی ہیں اور جن کی وہ نہایت درجہ خبرداری کرتے ہیں اسقدر بڑھاتے جاتے ہیں کہ کمر تک آجاتی ہیں انکا رنگ کسیقدر کھلا ہوا ہوتا ہے -

”ینبوع سے چار پانچ منزل جنوب اور شرق کی جانب باسہ بار کے موسم

اعراب تو دراز رہتے ہیں اور گرمیوں کے موسم میں نجد کی سرسبز چراگاہوں میں چلے
جاتے ہیں جہاں کی سب سے قریب سرحد صرف آٹھ منزل ہے یہ لوگ گورے
نہیں رہتے مگر لڑائی میں وہابیوں کی لگ سکے سے قوی بر ہشتہ ہو رہے ہیں
اعراب دو دراز طویل القامت اور قریب قریب سیہ فام ہوتے ہیں (تاریخ جغرافیہ ملک
عرب منشیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸) مگر [illegible] اوصاف [illegible] بہت [illegible] ہو
سے کہ اعراب دو دراز ہی کے ساتھ [illegible] ہے خلیج فارس کے عربوں میں
بھی یہی بات پائی جاتی ہے [illegible] کے نزدیک پہنچا
آیا تھا۔ کرنیل جسبی کا بیان ہے کہ خلیج فارس کے عرب خوش ہیبت ہوتے ہیں
دو طویل القامت اور سیہ فام ہونے میں مشہور ہیں [illegible] دونوں باتوں میں اہم
[illegible] سبب سے بجا اختلاف رکھتے ہیں (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب
صفحہ ۳) مگر [illegible] مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثبوت [illegible] میں کہ حضرت
کوش بھی طویل القامت تھے غلطی کی ہے کیونکہ تمام قومیں جو خلیج فارس کے
کنارہ پر رہتی تھیں اور جنکا ہم نے عرب البائدہ کے ذیل میں بیان کیا ہے نہایت
بلند قامت تھیں زمانہ حال تک بھی خلیج فارس پر ہم دو قسم کے آدمی پاتے ہیں
جو درازی قد میں برابر ہیں مگر رنگ میں مختلف ہیں ایک تو سیاہ رنگ کے ہیں
اور دوسرے ذرا اجلے رنگ کے ہیں۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اشعیاہ نبی کی باب ۴۵ درس ۱۴ کی عبارت کا حوالہ دیتے
ہیں جس میں لکھا ہے کہ "خداوند چنیں میفرماید کہ محصول مصر و تجارت کوش و اہل سبا کہ مردان
بلند قد اند بتو عبور نمودہ از آن تو خواہند بود" اور اس بات کو کہ بنی کوش [illegible] دراز قد تھے

اسی ورس پر مبنی کرتے ہیں۔ مگر صاحب موصوف نے اس میں دو وجہ سے غلطی کی ہے۔ اول اس وجہ سے کہ جملہ "مردان بلند قد" سے خواہ نخواہ یہ مراد لینی کہ وہ لوگ طویل القامت تھے محض غلط ہے بلکہ ان لفظوں سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ معزز اور اشراف تھے چنانچہ عربی ترجمہ جو اشعیاہ نبی کی کتاب کا ہے اس میں یہی معنی لیے گئے ہیں اور اسکی عبارت یہ ہے "هذه يقولها الرب تعب مصر وتجارة الحبش وسايم رجال اشراف يعبرون اليك"۔ دوم اس وجہ سے کہ باشندگان سبا جو عبارت مذکور کا کوش کی اولاد میں ہونا ضرور نہیں ہے کیونکہ کتب مقدسہ میں بنی سبا کا اطلاق اور قوموں پر بھی ہوا ہے مثلاً بنی سبا جنکا ذکر کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱۵ میں آیا ہے اور جو دریائے فرات کے بنی سبا سے ہر طرح مشابہت رکھتے ہیں اور بلحاظ اپنے آبائی نام کے عرب کے قاعدہ کے موافق سبا پسر کلاں کوش کی اولاد نہیں ہیں بلکہ ان تین سباؤں میں سے کسی نہ کسی کی اولاد بیان کیے گئے ہیں جنکو حضرت موسیٰ نے منجملہ ان سرخیلوں کے بیان کیا ہے جنہوں نے ملک عرب کو یکے بعد دیگرے آباد کیا تھا۔

اس قوم کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک نبی جنکا نام ہود تھا اور جنکا لقب سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۱۴ میں عیبر [illegible] آیا ہے مبعوث کیا تاکہ خدائے برحق کی عبادت کی ترویج اور بتوں کی پرستش کا استیصال کریں۔ لیکن جبکہ ان لوگوں نے انکے احکام اور ہدایت سے سرتابی کی تو خدائے تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا قحط انپر پڑا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس بات سے آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبر کے احکام سے سرتابی کی یہ سزا ہے اس پریشانی کی حالت میں حضرت

ہود پیر تشریف لائے۔ اور بت پرستی ترک کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو ہدایت کی اور اسکے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمپر نسیم باران رحمت نازل کریگا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے انپر ایک سخت طوفان آندہی کا جو اُسکے غضب کی نشانی تھی نازل کیا۔ یہ طوفان آندہی کا سات رات اور آٹھ دن تک تمام اُس ملک میں ایسے زور شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے اور تمام قوم کا باستثنائے ان چند اشخاص کے جنہوں نے حضرت ہود کا کہنا مان لیا تھا قریباً قریباً استیصال کلی ہو گیا اور جو لوگ بچے آخر کو حضرت ہود پر ایمان لے آئے۔ یہ واقعہ سنہ دنیوی کی اٹھارہویں صدی میں یا بائیسویں صدی قبل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے واقع ہوا تھا۔

جھوٹی روایتیں جو قوم عاد کی نسبت مشہور ہیں

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنی اس زمانہ کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدہا پھیلاویں تو انکی لمبائی سے بارہ گُنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا بعض کتابوں میں اُنکے قد کے لمبان کا اُس سے بھی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُنکی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں اُن کے پاؤں زانو تک زمین میں دھس جاتے تھے۔

اُنہوں نے جو اُس ریگستان میں کوئی محل بنایا تھا اُسکی نسبت بھی بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور عاد ثانی کی اولاد کے قصہ کو اس قوم کے ساتھ جو عاد اولیٰ کی قوم سے خلط ملط کر کے اُس خیالی باغ کو جسکا نام ایشیائی مورخوں نے

دوارم قرار دیا ہے اسی قوم کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محل اور باغ کی زمین میں لعل اور یاقوت بچھے ہوے تھے اور اسکی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں اور درخت زمرد اور یاقوت اور نیلم اور ہر قسم کے بیش بہا جواہروں سے بنائے گئے تھے اور زعفران بجاے گھاس اور عبیر بجاے مٹی کے تھا۔

بعض کتابوں میں لکہا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں ایک شخص اپنا اونٹ ڈھونڈتا ہوا وہاں چلا گیا اور بیشمار جواہرات وہاں سے رول کر اپنی جھولی میں بھر لایا اور جب معاویہ ابن ابی سفیان نے اس جگہ دوبارہ جانیکا اور اس جگہ کے تلاش کرنیکا حکم دیا تو بہت سی تلاش کرنے کے بعد بھی وہ جگہ پھر نہ ملی۔ خلیفہ نے کہا کہ خدا تعالی نے اسکو انسان کی آنکھوں سے پوشیدہ کردیا ہے

بعض کتابوں میں حضرت علی مرتضی کی نسبت اور اور بعض معتبر اشخاص کی نسبت ایک جھوٹا اتہام کیا ہے اور لکہا ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ خدا تعالیٰ نے اس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا دنیا سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے اور قیامت کے دن وہ بھی منجملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہوگی۔

عاد اولی کی قوم کی بنائی ہوئی عمارات کے باب میں جو کچھہ لکہا ہے وہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس قوم نے کوئی عمارت قابل شہرت نہیں بنائی تھی۔ انکی عمارتیں مثل اور معمولی عمارتوں کے بڑی اور چھوٹی ہر ایک قسم کی تھیں۔

بہت سے مصنفوں اور مورخوں نے جو قوم عاد اولی کی طرف عمارات عالیشان بنانا منسوب کرنے میں غلطی کی ہے اسکی وجہہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے

قرآن مجید کی اس آیت کے جو ذیل میں مندرج ہے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

الم تر کیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔

یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پر کیا تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو "ارم" کی اولاد تھے اور ایسے قد آور تھے کہ انکی مانند شہروں میں پیدا نہیں کیے گئے تھے۔

لفظ "ذات عماد" سے جو انکا قد آور ہونا مراد لیا گیا ہے اسکا ثبوت دوسری آیت سے ہوتا ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اور جس میں انکے مردہ پڑے ہوئے جسم انکو درختوں کے اکھڑے ہوئے تنوں سے مشابہت دی ہے اور وہ آیت یہ ہے۔

واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما فتری القوم فیہا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویہ

تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے دو امر کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے ایک یہ کہ "ارم" سے مراد "بنی ارم" ہے اور "ارم" عاد کا دادا تھا جس طرح کہ بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی اور عاد ارم کہلاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ لفظ "ذات العماد" سے انکا دراز قد اور قوی ہونا مراد ہے جس طرح کہ بعض ملکوں کے لوگ دراز قد اور قوی ہوتے ہیں۔ کوئی خاص عجیب بات اُن میں نہیں تھی۔ چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں اسطرح پر لکھا ہے۔

"الم تر تعلم یا محمد" کیف فعل ربک بعاد ارم" ھی عاد الاولی فارہ عطف بیان

او بدل منع الصرف للعلمیۃ والتانیث" ذات العماد" ای الطوال التی لم یخلق

مثلھا فی البلاد" فی بطشھم وقوتھم "جلالین"۔

"الم تر کیف فعل ربک بعاد" یعنی اولاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح

قوم ھود سموا باسم ابیھم کما سمی بنوھاشم باسمہ" ارم" عطف بیان لعاد علی

تقدیر مضاف ای سبط ارم "ذات العماد" ای ذات البناء الرفیع او القدر دالعلو

اوالرفعۃ والثبات" بیضاوی"۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ اس قسم کے پرانے قصوں کو ایک مذہبی قصہ بنا لیتے ہیں اور اس میں عجیب وغریب باتیں ملا کر اسکو تعجب انگیز اور حیرت خیز کر دیتے ہیں جس طرح کہ ملٹن شاعر نے اپنی کتاب "پیراڈائز لاسٹ" کو ایک عجیب قسم کا مذہبی قصہ بنا لیا ہے اسی طرح زمانہ جاہلیت کے عربوں نے بھی قوم عاد کا ایک قصہ گڑھ لیا ہے جس میں بیان کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں قوم عاد نے تین شخص مکہ میں اس غرض سے بھیجے تھے کہ خدا تعالیٰ سے مینہہ برسنے کی دعا مانگیں۔ ان تینوں میں سے ایک کا نام لقمان تھا وہ تو مسلمان تھا اور باقی دو کافر تھے۔ لقمان کی عمر سات گدوں کی عمروں کے مجموعہ کے برابر عمر تھی اور اسی سبب سے لقمان بڑی عمر ہونے میں ضرب المثل ہو گیا ہے۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ گدھ کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے اور اسلئے لقمان کی عمر اسوقت سات ہزار برس کی تھی اسی قسم کے اور بہت سے لغو اور بیہودہ قصے عاد کی قوم کی نسبت جاہلوں نے بنائے ہیں جنپر اہل علم کو متوجہ ہونا یا مذہبی اعتراضات کی بنا ان قصوں کو قرار دینا نہایت

لغو اور بیہودہ بات ہے۔

سادسا - جدیس - سابعا - ثمود جسکو عاد ثانی کہتے ہیں یہ دونوں گثر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھے جنکا بیان ہم ایک ساتھ کرتے ہیں۔

جدیس کا حال بجز اسکے اور کچھ نہیں معلوم ہوا کہ بیابان میں آباد ہوا تھا اور اسکی اولاد بعد انقضاے عرصہ دراز کے دیگر اقوام صحرائی کے معدوم ہوگئی

اولاد ثمود نے بہت بڑا نام پیدا کیا اور جلد ایک زبردست قوم ہوگئی اور اُسنے حصہ قوم پر جو الحجر کے نام سے مشہور ہے اور اُس میدان پر جو وادی القری کہلاتا ہے اور جو ملک شام کی جنوبی اور عرب کی شمالی حد بناتا ہے قبضہ کر لیا ہے۔

قرآن مجید میں اس قوم کا بھی چند جگہہ ذکر آیا ہے۔ اُنہوں نے پہاڑ یونکو کھود کر ان کے اندر اپنے گھر بنائے تھے اور نقش ونگار سے مرتب کیے تھے جو اثالیب کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے لوگ اور چند غیر قوم کے لوگ جنہوں نے عرب میں سفر کیا ہے اُن پہاڑی گھروں کی جو پرانے زمانہ کی باتوں کی تلاش کرنے والوں کو تشفی دیتے ہیں اور اُن قوموں کے حالات جنہوں نے اُنکو بنایا ہے بتلانے کو موجود ہیں شہادت دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ان پہاڑی گھروں سے قوم ثمود کی تاریخ کے اُس حصہ کی جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے۔

کچھہ زمانہ کے بعد یہ قوم بھی بت پرستی کی طرف مائل ہوئی اسواسطے اُنکی فہمائش و ہدایت کے واسطے خداے تعالی نے حضرت صالح بن عبید بن جادر بن ثمود کو مبعوث کیا۔ بعض لوگ اُنپر ایمان لائے اور بہتوں نے انکا یقین نہیں کیا ان لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی تبلا۔ حضرت صالح نے جواب دیا

کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے اسکو چھوٹا پھرنے دو تاکہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اسکو کچھ ایذا مت پہونچاؤ مبادا تم پر اسکے عوض عذاب نازل ہو۔ اس فہمایش کے سبب کچھ عرصہ تک اُن لوگوں نے اونٹنی کو چھوڑ دیا اور کچھ ایذا نہیں پہونچائی۔

کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا اور اُس خشک سالی میں پانی کا بھی قحط ہو گیا پانی نہیں ملتا تھا اور جہاں کہیں تھوڑا سا بھی پانی ہوتا تھا تو اونٹنی اپنی طبعی خاصیت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے پانی کو تلاش کر لیتی تھی اور پی لیتی تھی یا خراب کر دیتی تھی اور لوگ اُسکو روک نہ سکتے تھے۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پی لینے دیا کرو اور کوئی اسکا مزاحم نہو اور دوسرے دن تم لوگ پانی پی لیا کرو اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد مختلف نو فرقوں کے سرداروں نے جو اُس زمانہ کے کافروں کے فرقے تھے حضرت صالح کو مار ڈالنے کا منصوبہ کیا مگر جب وہ اپنے اس بد منصوبہ پر کامیاب نہ ہوئے تو اُنہوں نے غصہ میں آکر اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اسوقت حضرت صالح نے اُن سے کہا کہ تین دن تک تم اپنے مکانوں میں چین کر لو بعد اسکے تم ہلاک ہو گے خدا ے تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جب ہمارے حکم کی تعمیل انکو ہوئی تو ہمنے صالح کو اور اُن لوگونکو جو اُنپر ایمان لائے تھے بہ سبب اپنے رحم کے اُس روز کی ذلت سے بچا لیا آفت جو اُنپر آئی تھی وہ یہ تھی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی جو غالباً رعد اور زلزلہ کی اور اسی قسم کی آفت ارضی و سماوی کی آواز تھی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے ملے گویا

کہ ان مکانوں میں رہتے ہی نہ تھے یہ واقعہ اسی زمانہ میں واقع ہوا تھا جبکہ سدوم اور گمارہ اور اوماب اور زابئن شہر آسمانی آگ سے جلا دیے گئے تھے یعنی ۲۰۶۱ء دنیوی یا ۱۸۹۸ء قبل حضرت مسیح کے ۔

جھوٹی روایتیں جو قوم ثمود کی نسبت مشہور ہیں

مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے انکی رسالت کے ثبوت میں اس معجزہ کی درخواست کی تھی کہ اگر اس پہاڑی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بمجرد پیدا ہونے کے ایک سرخ بالونکا بچہ جنے اور وہ بچہ اسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کی برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اس اونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان لاوینگے ۔

یہ روایت محض ساختہ اور مصنوعی ہے ۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اسوقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم امکان معجزہ سے انکار کریں اور اسپر بحث شروع کریں بلکہ ہم اسوقت صرف سادی طرح سے اس روایت کو اسلئے موضوع کہتے ہیں کہ اسکی صحت پر کوئی سند نہیں ہے ۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اسکا ثبوت پایا جاتا ۔ اسی طرح یہ بھی مصنوعی بات ہے کہ اس اونٹنی سے انسان اور حیوان دونوں ڈرتے تھے اور وہ اونٹنی قوم ثمود کے تمام چشموں اور حوضوں کا پانی ایک گھونٹ میں پیکر سبکو سکھا دیتی تھی کیونکہ وہ ملک ایسا تھا جہاں کثرت سے پانی میسر ہی نہیں ہوسکتا تھا ۔

اسی طرح یہ ایک لغو روایت ہے کہ اگرچہ قوم ثمود کو تبلا دیا گیا تھا کہ اونٹنی کا قتل کرنا انکی ہلاکت کا باعث ہوگا لیکن حضرت صالح نے اُن سے یہ بھی پیشین گوئی کی تھی کہ تمہاری قوم کا ایک لڑکا جسکا حلیہ ایسا ایسا ہوگا اس اونٹنی کو مار ڈالیگا اور اس طرح پر تمہاری ساری قوم پر تباہی اور بربادی آویگی۔ اس تباہی سے بچنے کے لیئے جسکی پیشین گوئی حضرت صالح نے کی تھی لڑکونکو مار ڈالنا شروع کیا جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اور اس میں اُس نشانی کا شبہہ ہوتا تھا جو حضرت صالح نے بتلائی تھی تو اُس لڑکے کو مار ڈالتے تھے۔ مگر وہ لڑکا جسکے ہاتھ سے اُس قوم کا برباد ہونا مقدر میں تھا کسی نہ کسی طور سے بچگیا اور مارا نہیں گیا۔ جبکہ وہ جوان ہوا تو آخر کار اُس نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔

اسی طرح حضرت صالح کے مخالفوں کے مارے جانے کی نسبت ایک بیہودہ روایت آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت صالح کے مخالفوں نے جب اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ اُن پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں گئے جہاں سے حضرت صالح آیا جایا کرتے تھے اس غرض سے کہ کوئی عمدہ کمینگاہ تلاش کر کے اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو زمین پر سے بہت اونچا اٹھا لیا اور جہاں سے وہ پہاڑ اٹھا تھا وہاں ایک غار ہوگیا۔ حضرت صالح کے مخالفوں نے اُس غار کو اپنی کمینگاہ کے لیئے پسند کیا اور جبکہ وہ اُس غار کے اندر جا کر چھپے تو خدا تعالیٰ نے اُس پہاڑ کو چھوڑ دیا اور سب کے سب ایک لمحہ میں کچل کر مر گئے۔

اگرچہ ہمنے اس مقام پر عرب البایدہ کا حال کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے مگر انکا ایک شجرہ بھی اس مقام پر لکھتے ہیں جس سے تمام بیانات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

نوح נח

سام שם — حام חם

سام שם:
عیلام עילם — لود לוד — ارم ארם

عیلام עילם ← جرہم الاولی

لود לוד ← طسم — عملیق — امیم

ارم ארם ← عوص עוץ — حول חול — گثر גתר — مش מש

عوص עוץ ← عاد

گثر גתר ← ثمود — جدیس

ثمود ← جاثر ← عبید ← ماشج ← اسف ← عبید ← صالح

حام חם:
کوش כוש

کوش כוש ← سبا סבא — حویلاہ חוילה — سبتاہ סבתה — رعماہ רעמה — سبتکا סבתכא

رعماہ רעמה ← شبا שבא — ددان דדן

دوم

عرب العاربہ یعنی ٹھیٹ عرب

عرب العاربہ یقطان יָקְטָן بن عبیر עֵבֶר بن شالح שֶׁלַח بن ارفخشد אַרְפַּכְשַׁד بن شام שֵׁם بن نوح נֹחַ کی اولاد میں ہیں۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ عرب البائدہ اور عرب العاربہ دونوں یقطان کی اولاد ہیں اور اسلیے وہ عربوں کو بجاے تین قوموں کے صرف دو قوموں پر منقسم کرتے ہیں یعنی عرب العاربہ اور عرب المستعربہ۔

قریبًا تمام مورخونکی راے ہے کہ کتب خمسہ موسیٰ میں جو یقطان نام آیا ہے وہی ایک نام ہے جسکو عرب قحطان کہتے ہیں اور یونانی انجیلوں میں اُسکو جوقطان کرکے لکھا ہے اور اسی شخص کی اولاد عرب میں آباد ہوئی ہے۔

رورنڈ مسٹر فارسٹر نے نہایت عجیب اور مستحکم دلیلوں سے اسبات کو ثابت کیا ہے کہ ان تینوں مذکورہ بالا ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے اور یہ کہ یہی شخص یقطان عرب میں آباد ہوا تھا چنانچہ وہ اپنی کتاب جغرافیہ عرب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "کتاب بطلیموس میں بھی ہم یقطان کا نام اور علانیہ قوم بنی یقطان کو پاتے ہیں جو عربوں کے قحطان اور انجیل کے جوقطان کے بالکل مشابہ ہے (صفحہ ۸۰)۔

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ "اُس قومی روایت کا قدیم اور علم ہونا جو عربوں کے قحطان کو انجیل کے جوقطان سے مشابہ کرتے ہیں ہر ایک پڑھنے والے پر

روشن ہے" (صفحہ ۸۸)

ایک اور مقام پر انہوں نے لکھا ہے کہ "یہ امر کہ قحطان ایک خاندانی نام کی صرف مختلف شکلیں ہیں خود عرب ہی ہمیشہ سے بیان کرتے آئے ہیں اور ان کی عادت سے بھی جس سے وہ حرفوں کو تبدیل کر لینے میں (یعنی معرب کر لینے میں) نہایت درجہ میلان رکھتے ہیں یہ نتیجہ قرار واقعی نکل سکتا ہے" (صفحہ ۸۹)۔

ایک اور مقام پر یہ لکھا ہے کہ "قدیمی قوم سبا کی دارالسلطنت مشہور مارب میں اعراب لیقطان سے اسکی مشابہت توریت کے یقطان کے ساتھ سے یقطانی نام حویلاہ کے وقوع سے از سر نو ثابت اور مسلم ہوگئی ہے" (صفحہ ۹۰)۔

روورنڈ فارسٹر نے مسعودی کے اس قول پر کہ بنی سعد اور بنی قحطان بہت قدیم زمانے سے عرب کی قوموں میں مشہور چلے آتے ہیں یہ لکھا ہے کہ "تاریخ عرب قوم عظیم قحطان کی قدامت کے باب میں آواز دے رہی ہے اور یہ ایک ایسی آواز ہے کہ ایک طرف قدیمی علم قومی روایت اسکی تائید کرتی ہے اور دوسری طرف شاید اس سے بھی زیادہ مضبوط شہادت متوسط اور جنوبی عرب کے موجودہ مقاموں اور آبادیوں کے ناموں سے اسکی حامی ہے" (صفحہ ۹۷)۔

بہرحال امر مذکورہ سے نہ تو مشہور اور معروف سیاح مسٹر برق ہرودط رضی اللہ تعالی عنہ[1] جنکا بیان ہے کہ اسی یقطان کی اولاد عرب میں آباد ہوئی تھی اور نہ سر ولیم میور انکار کرتے ہیں۔

---

[1] اس کتاب کے پڑھنے والے الفاظ "رضی اللہ تعالی عنہ" کو دیکھکر جو مسٹر برق ہرودط کے نام کے بعد لائے گئے ہیں بلاشک متحیر ہونگے اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے ہمکو یہ

یقطان کی اولاد کے آباد ہونے کی جگہہ کی نسبت توریت میں یہ لکہا ہے کہ انکی آبادی میشا מֵשָׁא سے لیکر جاتک کہ تو سفار סְפָרָה تک جو مشرق میں ایک پہاڑی ہے چلا جاوے تو وہاں تک تہی"۔ مسٹر برق ہرڈط کے نزدیک میشا اور "موزہ" جو یقطانی قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانہ کے نزدیک ایک بندرگاہ تہا ایک ہی مقام ہے ۔ اور سفار سے جبلی یعنی پہاڑی حصہ یمن کا جہانکہ بقول بطلیموس شہر سفار اور قوم سفاریہ آباد تہی مراد ہے ۔ لیکن ریورنڈ مسٹر فارسٹر اس مقام کو جسکو مسٹر برق ہرڈط صاحب نے بیان کیا ہے اور جو وسعت میں قریب ڈیڑہ سو میل کے ہے ایک نہایت کثیر قدیمی خاندان کی حدود کے ایک نہایت معتدلانہ معقول اندازہ کے واسطے محض غیر مکتفی خیال کرتے ہیں اور نہایت ضعیف دلائل سے انکو ہند کے پہاڑوں تک پہیلا دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مگر اصل بات یہ ہے

متعلق صفحہ ماقبل ۔ دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم و ذی علم گاڈفری ہگنس صاحب کی کتاب کی کسیقدر عبارت کا ترجمہ اس جگہہ لکہہ دیا جاوے "مشہور و معروف سیاح برق ہرڈط جسنے دار العلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تہی ایک نہایت پر غور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجہکر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مسائل دین اسلام کی تلقین بمقام حلب ایک آفندی نے کی تہی ۔ اور اُسی نے اسکو مسلمان کیا اور اُسنے وہاں علانیہ اسلام کا اقرار کیا اور جبکہ بہ نیت حج روانہ ہوا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت اُسکو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث سے وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعویٰ کرتا رہا اسکی نومسلمی سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اُسکے عیسائی دوستوں سے علی العموم پوشیدہ تہی"۔

کہ مقدس کاتب توریت نے یقطان کی اولاد کی آبادی کی کچھ حد مقرر نہیں کی ہے
بلکہ وہ سمت بتلائی ہے جہاں وہ جا کر آباد ہوئی تھی۔

یقطان کے تیرہ بیٹے پیدا ہوئے۔ الموداد אלמודד شلف שלף
حضرموت חצרמות یرح ירח ہدورام הדורם اوزال אוזל
دقلہ דקלה عوبال עובל ابیمائیل אבימאל شبا שבא اوفر
אופר حویلہ חוילה یوباب יובב تمام قوم عرب العاربہ کی معہ اپنی مختلف
شاخوں اور شعبوں کے اشخاص مذکورہ بالا کی اولاد میں ہیں جیسا کہ ہم آگے
بیان کرینگے۔

متعلق صفحہ ماقبل" میں اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوش ہوں کہ میں ایک شریف
آدمی سے جو بالفعل (مئی ۱۸۶۹ء) سے برٹش گورنمنٹ میں ایک معزز عہدہ پر مامور ہے واقفیت رکھتا
ہوں مگر اسکا نام ظاہر کرنیکا میں مجاز نہیں ہوں۔ ان صاحب نے مجھسے بیان کیا کہ مسٹر برق ہرد کی
انتقال سے تھوڑے عرصہ پہلے میں وہاں موجود تھا اور مسٹر برق ہرٹ نے مجھے نہایت سنجیدگی
کے ساتھ یقین دلایا کہ میں درحقیقت مسلمان ہوں اور اسی حالت میں مرنے کی آرزو ہے۔
اُسکا گمنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب میں جو بعد اُسکے مرنے کے مشتہر ہوئی اُسکی موت کا
حال بیان کرتا ہے مگر اُسکے مذہب کے بارہ میں کوئی لفظ منہ سے کا لنے سے احتیاطاً پرہیز کیا ہے
غالباً اسکو معلوم ہوگا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے
میری کتابوں کے فروخت میں ہرج واقع ہوگا۔ لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے
کافی ہے اُسکی زبان سے نکل گیا ہے۔" وہ اسی شب کو پونے بارہ بجے بغیر افسوس و واویلا کے کرنیکے
مرگیا۔ تجہیز و تکفین اُسکی وصیت کے موافق بطریق اسلام کی گئی اور اُسکا معزز رتبہ کا جوڑہ دیسی

المواد۔ اس شخص کا خاندان یمن یا عرب المعمور میں اور اس ضلع میں جو بحرین تک چلا گیا ہے آباد ہوا اور آس الموادئی سے مطابقت رکھتا ہے جسکو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے۔

شلف۔ یہ شخص کوہ ذامس کے مغربی حصہ میں یا اس وسیع میدان میں جو کاظم اور مدینہ کے مابین واقع ہے آباد ہوا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی

کی آنکھوں میں رکھتا تھا کما حقہ لحاظ کیا گیا۔ اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا تو ضرور اس نے مسلمانوں کی شرع کے موافق تجہیز وتکفین کی استدعا کی ہوگی اور یقیناً اگر عیسائی اس کی وصیت پر لحاظ نہ کرتے تو حکام بمجبوری اُن سے کراتے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نو مسلم کے شرف سے محروم رکھنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اُسکو بلا تکلف قفص انگریزی کی نگرانی میں اور اُسکے ہموطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جنکو کہ پورا پورا موقع اُسکی تجدید مذہب کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنیکا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید وتائید کرنے میں اُسکو کوئی غرض ملحوظ نہ تھی بلکہ برخلاف اسکے اُن عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اُسکا گذارا ہوتا تھا اُسکو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

"اگر اُسکی سوانح عمری لکھنے کا اعتبار کیا جاے تو وہ اعلیٰ اصول اور بہترین چال چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ منجملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس مرتد کافر کی بابت جس طرح کہ اُسکو عیسائی لوگ کہینگے مرقوم ہوئی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اُسنے اپنی موروثی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ کو اپنی ماں کے نان ونفقہ کے واسطے دیکر اپنے آپ کو محض مفلس وقلاش بنا دیا تھا"

(ہیگنس آپالوجی صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء)

سالفنی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے۔ عربوں میں یہ قوم بنام بنی سالف مشہور ہے جو عبرانی نام شلف کی یونانی شکل ہے۔

حضرماوت۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے واسطے وہ زرخیز قطع جو خلیج عرب کے برابر برابر پھیلا ہوا ہے اور جو اس قوم کے نام (حضرموت) سے آجتک مشہور ہے اختیار کیا۔ اس قوم کے لوگ یونانی اور رومیوں کے ہاں اپنی وسیع تجارت اور فن جہازرانی اور لڑائی میں جرأت اور بہادری کے لیے مشہور تھے

ہدورام یرح کا حال بیان چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم اسکو اخیر پر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہدورام کی اولاد نے مشرق کی سمت اختیار کی اور اسی نواح میں آباد ہوئی۔ قصبہ درلہ اس قوم کی بہت سی یادگاروں میں سے موجود ہے۔ ابوالفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دار قراسطاب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے۔

اوزال۔ یہ خاندان اوزال میں جسکو اب صنعا کہتے ہیں اور جو سرسبز اور شاداب صوبہ یمن میں واقع ہے آباد ہوا (حزقیل باب ۲۷ درس ۱۹)

دقلاہ۔ یہ قوم بھی یمن میں آباد ہوئی اور ذوالخلاعہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جسکا ذکر پوکاک صاحب نے کیا ہے اسی کی اولاد میں سے ہے۔

عوبال۔ اسکا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا مگر روزنڈفاسٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ قوم افریقیہ کو چلی گئی۔

ابیمائیل۔ بہت سے آثار جو مختلف اشخاص نے بیان کئے ہیں اس قوم کے بنی سالف اور حجاز کے قرب وجوار میں متوطن ہونے کے شاہد ہیں۔

شبا۔ اگرچہ یہ بھی جنوب کی جانب گیا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا اگر یہ وہ شبا

نہیں ہے جس نے یمن میں خاندان سبا کی سلطنت قایم کی تھی اور شہر مارب او شہر سبا کو بنایا تھا - اکثر مورخ عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے کیونکہ وہ دوسرا سبا عرف عبدالشمس تھا کہ جسنے سلطنت خاندان سبا قایم کی تھی اور شہرہاے مارب اسبا کو بنایا تھا اور جس کا ذکر ہم آگے کرینگے -

اوفر - یہ قوم صوبہ عمان میں سبا کے مشرق میں آباد ہوئی جہانکہ شہر اوفر میں اُن کے نشانات ابتک پاے جاتے ہیں (ملوک اول باب ۹ ورس ۲۸)

حویلاہ - یہ شخص مارب کے ٹھیک شمال میں بسا تھا -

یوباب - یہ بھی مارب کی جانب روانہ ہو کر اسی نواح میں آباد ہوا - قوم جوبائی کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جسکو عرب بنی جوبار کہتے ہیں اُسی کی اولاد میں ہونیکا دعوی کرتے ہیں -

ان قوموں کے مختلف شعبوں اور شاخوں نے جو عرب میں ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی تہیں صرف دو وجہ سے علیحدہ علیحدہ نام حاصل کئے تھے یا تو بہیت مجموعی اپنی بڑی قوت اور تعداد کی وجہ سے یا قوم کے کسی شخص کی شہرت اور کارہاے نمایاں کے باعث سے - پس ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص میں سے کسی نے کوئی کار نمایاں جس سے وہ اپنے لئے کوئی مخصوص نام اختیار کرنیکے مستحق ہوتے نہیں کیا اور اسی سبب سے شعبوں میں منقسم نہیں ہوے مگر یرح کا حال ایسا نہیں ہے جسکا بیان ہم اب کسی قدر طوالت کے ساتھ کرتے ہیں -

عرب کے جغرافیہ دان یقطان کے بیشمار لڑکوں میں سے صرف دو شخص کا ذکر کرتے ہیں یعنی یعرب اور جرہم کا چند مورخوں کی یہ راے ہے کہ یعرب اور یرح سے

ایک ہی شخص مراد ہے اور اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ (ج) اور (ی) کا باہم تبادلہ ہو جاتا ہے مگر جرہم کے باب میں رائیں مختلف ہیں بعضے کچھ کہتے ہیں اور بعضے کچھ مگر جمہور کی یہ رائے ہے کہ یعرب اور جرہم دونوں یرح کے بیٹے تھے اور اسٹریو اور جارج سیل کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن ابو الفدا اپنی کتاب کے ایک مقام میں یعرب اور جرہم کو دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں کہ وہ مختلف اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے تو جرہم کو تمام مورث اعلیٰ تمام فرقوں کا بتلاتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے اور اولاد یعرب کی مختلف شاخیں بنی جرہم میں شامل ہیں۔

مشرقی مورخوں نے اس اختلاف کو غیر منفصل چھوڑ دیا ہے مگر ریونڈ فارسٹر صاحب نے نہایت لیاقت سے ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے اور جس جگہ کہ انہوں نے اس نام کی چند قدیم و جدید مسلم شکلیں بیان کی ہیں اس جگہ بیان کیا ہے کہ ستر مترجموں نے اس نام کو جرح لکھا ہے اور سینٹ جروم نے جیر اور حال کے عربوں نے جرح اور سرح اور شرح اور زہران لکھا ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا ان ذرضی مختلف ناموں کی مطابقت حسب قواعد ہجی بیان کرکے صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو جرہہ پسر یقطان کے ساتھ مطابقت کرنے میں زمانہ دراز سے دیتے آئے ہیں اسکی تصحیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں عین مبدل توریتی نام کے واقع ہونے سے ہوگئی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جسکا ہمکو بار بار حوالہ دینا پڑا ہے یعنی بطلیموس کے اس جملہ کا "انسیولاجیرا جیری" جسکا ترجمہ ہے "جزیرہ بنی جرہہ جو اسی حصہ حجاز کے کنارہ کے پرے ایک جزیرہ ہے"

جرہم یا جرہم کی مطابقت تسلیم کرنے میں ہمیں کچھ بھی کلام نہیں ہے اور عرب العاربہ کے شجرہ انساب میں ہم انکو ایک شخص قرار دیکر یعنی یرح یا عیب یا جرھم یا جرہم اُن کا شجرہ لکھینگے۔

تاریخ عرب العاربہ میں اس شخص کی اولاد کا حال بہت مذکور ہے یہ اُسی کی اولاد تھی جسنے مختلف فرقوں میں منقسم ہوکر بڑے بڑے کام کئے اور زبردست سلطنتوں کے بانی ہوے۔ مگر عرب العاربہ کی تاریخ لکہتے وقت اُس کے کاموں اور اُن سلطنتوں کے قایم ہونے کے زمانہ کا متعین کرنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ ایک تو اسوجہ سے کہ زبانی روایتوں میں جو زمانہ بیان ہوتا ہے وہ کبھی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا اور اُسکو معتبر نہیں مانا جا سکتا۔ دوسرے اس سبب سے کہ موخان عرب نے ان واقعات کی تاریخیں سیپٹواجنٹ یعنی یونانی ترجمہ توریت سے اخذ کی ہیں۔ توریت کے یونانی ترجمہ میں اور اصل عبرانی توریت میں جو اب موجود ہے زمانوں کا بہت سا اختلاف ہے مگر قریبًا تمام عیسائی ملکوں میں عبرانی توریت کے زمانہ تسلیم کئے جاتے ہیں گو اُسکے مندرجہ زمانے بھی نہایت مشتبہ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ تیسرے اس باعث سے کہ عرب کے موخوں نے دو قسم کی تاریخوں کو یعنی اُسکو جو زبانی روایتوں سے عرب میں چلی آتی تھین اور اُسکو جسے یونانی توریت سے اخذ کیا تھا خلط ملط کردیا ہے اور اس سبب سے بڑی ابتری اُنکی تاریخ میں پڑگئی ہے بعض واقعات کا زمانہ تو زبانی روایتوں کے بموجب متعین کرتے ہیں اور بعض کا یونانی توریت کے موافق۔ پس ان مشکلات پر غالب آنا جن سے تاریخ عرب بھری پڑی ہے کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اس پیچیدہ اور مشکل کام کے حل کرنے کے لئے ہمنے تین ذریعے اختیار کئے ہیں
اول ۔ اصل عبری توریت جسکو اس زمانہ میں قریباً قریباً ہر ایک ذی علم قوم نے تسلیم
کرلیا ہے اور علم تواریخ کو اسی کی مندرجہ تواریخ پر مبنی کیا ہے۔ انہوں نے عبری توریت
کو صحیح اصول فرض کرکے اور اسکے مندرجہ زمانوں کو تسلیم کرکے بہت سی کتابیں تاریخ
کی تصنیف کی ہیں اور ہر قسم کے مباحثوں میں خواہ مذہب سے متعلق ہو خواہ علم
تواریخ سے خواہ علم الارض سے خواہ علم حیوانات سے خواہ کسی اور علم سے اُسی کے
مندرجہ زمانوں پر استدلال کرتے ہیں اسواسطے ہمنے بھی اپنی اس کتاب میں انہیں
کی تقلید کو قرین مصلحت سمجھا ہے ۔ دوسرے یہ کہ ہمنے متعدد واقعات کو جو عرب
میں واقع ہوئے اُن کے ہمعصر واقعوں سے جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے اور
جنکا حال توریت میں مندرج ہے مقابلہ کرنیکا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس طرح ہم
سوہکے واقعات کا صحیح زمانہ متعین کرنے میں کسیقدر کامیاب ہوئے ہیں تیسرے
یہ کہ بعض تواریخی واقعات جو عرب میں واقع ہوئے وہ ایسے ہیں کہ اور ملکوں مثلاً
فارس اطالیہ اور مصر کے واقعات سے علاقہ رکھتے ہیں اور یہ ایسے ملک ہیں جن کی
تواریخ اور اُن واقعات کا زمانہ جو وہاں واقع ہوئے دنیا میں بخوبی مشہور ہے
علاوہ اسکے بہت سے واقعات ایسے ہیں جو عرب میں واقع ہوئے ہیں اور اُن
کے وقوع کا زمانہ قریب بہ صحت معلوم ہے اسلئے ہمنے اپنی اس تحقیقات میں
اُن دونوں تاریخونکو بطور رہنما کے اختیار کیا ہے ۔

قحطان اول شخص تہا جو عرب میں بادشاہ ہوا اور اپنی دارالسلطنت زرخیز اور شاداب
صوبہ یمن میں مقرر کی جو کہ قحطان قانع کا بہائی تہا

اول من نزل الیمن قحطان بن عابر بن سالح قحطان المذکور اول من ملک ارض الیمن ولبس التاج (ابو الفدا)

اسواسطے اسکی تاریخ ولادت فالغ کی تاریخ ولادت سے بہت بعید ہوگی اور اسلئے وہ تاریخ قریب [illegible] دنیوی یا [illegible] قبل حضرت مسیح کے قرار پاتی ہے۔

زبانوں کے اختلاف کے بعد جو بابل میں مینار کی تعمیر کی وجہ سے عارض ہو گئیں نمرود پسر کوش ملک بابل یا اشور کا بادشاہ ہوا اور حام پسر مصریم مصر کا۔ اسی زمانہ میں قحطان بھی یمن کا بادشاہ ہوا یعنی [illegible] دنیوی یا [illegible] قبل مسیح میں

اسکے مرنے پر یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ اُسکے قبضہ میں یمن اور حجاز کے صوبے تھے جو اُسوقت میں بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے اور نامور فارسٹر صاحب اور اور مورخ اس باب میں متفق الرائے ہیں اور اس اتفاق کی صحت اکثر مقامات کے ناموں کی مطابقت سے جو اُن صوبجات میں پائے جاتے ہیں ہوتی ہے۔ جرہم کے یمن میں آباد ہونے کے باب میں مصنف موصوف نے ایک بہت معقول وجہ ثبوت پیش کی ہے یعنی یہ کہ جرہم ابو یمن کے نام سے ملقب ہوا تھا

ثم ملک بعده ابنه یعرب بن قحطان (ابو الفدا)

جرہم کی وفات کے بعد اسکا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبد الشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا۔

ثم ملک بعده ابنه یشجب بن

یہ شہزادہ یمن میں مشہور سلطنت سبا کا بانی ہوا

مغرب واقع ہے ابتک جبل عوف کے نام سے مشہور
فاران بن عوف اپنے باپ کی پرورش میں آباد ہوا یعنی
اُس وادی غیر ذی زرع میں جہاں بالفعل مکہ معظمہ
موجود ہے۔ فاران کا اطلاق صرف اُس وسیع شمالی
بیابان پر نہیں ہوتا جو قادیش تک پہیلا گیا ہے بلکہ
اُن پہاڑوں پر ہوتا ہے جو اس میں واقع ہیں اور اِن
پہاڑوں ہی کے نام کی وجہ سے اُس وسیع
میدان کو فاران کا میدان کہہ سکتے ہیں۔ تمام
مشرقی مورخ اور نیز وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے
معتقد ہیں اسبات کو تسلیم کرتے ہیں اور توریت
مقدس میں بہی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح
بنام فاران موسوم تہا چونکہ ہم اس مضمون کو زیادہ
تر تفصیل سے عرب المستعربہ کے ذکر میں بیان کرینگے

ابنہ وائل ابن حمیر ثم ملک
بعدہ ابنہ السکسک بن وائل ثم
ملک بعدہ یعفر بن السکسک ثم
وثب علی ملک الیمن ذو ریاش
وهو عامر بن باران (فاران)
(باران) بن عوف بن
حمیر (ابو الفدا)۔
عوف بفتح اوله وسکون ثانیه
وآخره فاء جبل بنجد ... وعرف
بالفتح عرض فی دیار غطفان بین
نجد وخیبر (مراصد الاطلاع
علی اسماء الامکنه والبقاع)

اسلئے کچہ حال فاران بن عوف کا بیان کرتے ہیں۔

ابو الفدا اپنی تاریخ عرب میں بیان کرتا ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تہا۔ یہ تاریخ معہ اپنے لاطینی ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۱ء میں از سر نو چہاپی گئی تہی اور اسکا لاطینی زبان میں یہ نام ہے (ابو الفدا ہسٹوریا اینٹی اسلام کا ایبس) یعنی تاریخ ابو الفداء باب عرب ایام جاہلیت اور اسکا ایڈیٹر ہنرکیس آرتہو بیس فلیچر۔ لفظ فاران اصل کتاب کے صفحہ ۱۸۰ میں اس شکل سے چہپا ہے (باران) یعنی حرف اول پر کوئی نقطہ نہیں ہے۔

اب ہم یہ سوچتے ہیں کہ وہ پہلا حرف کیا ہے ف ہے یا ب ہے یا پ ہے اور اس موقع پر یہی تین صورتیں ہونی ممکن ہیں - مگر باوجود اس نقطہ کی غلطی کے یہ تحقیق ہے کہ یہ لفظ بجز فاران کے اور کچھ نہیں ہو سکتا -

عربی مصنفوں کا دستور ہے کہ جب کسی لفظ کا تلفظ ف سے ہوتا ہے تو اسکو ف کے حرف سے لکھتے ہیں - بعض یہودی حرف کا تلفظ مثل حرف پ کے کرتے ہیں مگر عربی مصنف پ کی جگہ ب کا تلفظ کرتے ہیں اور ب ہی سے اُس لفظ کو لکھتے ہیں کیونکہ انکی الف ب میں پ کا حرف نہیں ہے - اسی وجہ سے ابو الفدا نے لفظ فاران کو جسکا یہودی تلفظ پاران تہا باران ب کے ساتھ لکھا ہے ب کا نقطہ چھپنے میں رہگیا ہے اور اسکا ثبوت لاطینی ترجمہ سے ہوتا ہے کہ اس میں اسکا ترجمہ "باران" ب سے کیا گیا ہے - پس اب اس بات میں کہ عوف کا بیٹا فاران تہا کچھ شک باقی نہیں رہا

جس مقام پر کہ عوف نے سکونت اختیار کی تہی وہاں کوئی ایسا ربانی کرشمہ واقع نہیں ہوا جس سے اسکی شہرت کو جو اسنے عوف کے نام سے حاصل کی تہی گہٹا دیتا یا مٹا دیتا اور اسلئے وہ مقام اور وہ پہاڑ عوف ہی کے نام سے مشہور رہا مگر جس جگہ کہ فاران آباد ہوا تہا اسکا حال ایسا نہیں ہوا کیونکہ وہاں ایک ربانی کرشمہ کے واقع ہونیکا وعدہ کیا گیا تہا اور جب وہ ربانی کرشمہ واقع ہوا جو تمام چیزوں پر جنکی عرب تعظیم اور حرمت کرتے تہے سبقت لیگیا اور انکی شہرت کے چاند کو گہن لگا دیا - فاران کی شہرت مدہم پڑگئی اور اسکی جگہ خدائے مقدس کے نام کی شہرت قایم ہوئی - فاران کا نام نسیاً منسیا ہوگیا اور بیت اللہ الحرام کے نام سے اس

مقام نے شہرت پائی جو امید ہے کہ قیامت تک اسی طرح مشہور اور معزز رہیگا۔
وائل کے بعد اسکا بیٹا سکسک اور اسکے بعد اسکا بیٹا یعفر جانشین ہوا۔ اسکا
چچازاد بھائی عامر ذو ریاش پسر فاران یسیر عوف نے
جو حجاز میں آباد ہوا تھا یعفر کی سلطنت پر حملہ کیا اور
فتح کرلیا لیکن نعمان بن یعفر نے اسکو نکالدیا اور وہ
حجاز کی طرف چلا گیا اور نعمان نے اپنی سلطنت
واپس لیلی۔ اس کارنمایاں کی وجہ سے اس کا
لقب المعافر ہوگیا اسی قاعدہ کے موجب جس کو
کہ ہمنے اسقدر اشخاص کی ولادت کی تاریخیں معین
کی ہیں ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یعفر بن سکسک در عامر
بن فاران اور حضرت ابراہیم کے تولد کی تاریخ
قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہے یعنی ۲۰۰۰ سنہ
دنیوی میں یا ۱۹۹۶ سنہ قبل حضرت مسیح میں اب جو
قدرتی قاعدہ پشتوں کے توالد اور تناسل کا ہے
اسکے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدایش کو دریافت
کرسکتے ہیں جسکا وقوع ۲۰۳۳ سنہ دنیوی میں یا ۱۹۶۳ سنہ
قبل حضرت مسیح میں واقع ہوتا ہے

ثم نهض ابن اخی وائل النعمان
بن یعفر بن السکسک بن وائل
بن حمیر واجتمع علیه الناس و
طرد عامر بن باران عن الملك
واستقل النعمان المذکور بالملك
الیمن ولقب نعمان المذکور
بالمعافر۔
ثم ملك بعده ابنه اشمح
بن المعافر المذکور ثم ملك
بعده شداد بن عاد بن الملطاط
بن سبا واجتمع له الملك وغزا
البلاد الی بلغ اقصے المغرب
وبنی المداین والمصانع وابقی
الآثار العظیم (ابو الفدا)

اس پچھلے زمانہ کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم مقام ار اور سے جو
قوم کالدی سے تعلق تھا حاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے بولائے گئے تھے

اور یہ ایک ایسا زمانہ ہے جس کے متعلق جیح واقعات ہکو اس نتیجہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانہ میں واقع ہوئی ہوگی اسلیے یہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ یہی وقت تھا جبکہ نعمان سے عامر کو بھگا کر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنی ۸۰۰ سنہ دنیوی یا ۱۲۰۰ قبل حضرت مسیح میں نعمان کے بعد اسکا بیٹا شداد تخت پر بیٹھا اسکی سلطنت پر شداد و نے حملہ کیا اور انکو شکست دیکر عبادا کو بڑی شہرت اور شہرت حاصل کی اور اپنی حکومت استحکام کے ساتھ قایم کرنے میں کامیاب ہوا اسنے بہت سی عالیشان عمارتیں بنائیں جنکے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں

شداد کا نام ایسا مشہور ہے کہ قریب ہر مشرقی باشندہ اس سے واقف ہے اور اسکی عظمت و شوکت کی نسبت بہت سے عجیب و غریب قصے اور روایتیں مشہور ہیں یہ شخص مالطا ابن عبد الشمس عرف سبا اکبر کی اولاد میں تھا اُسکے باپ کا نام عاد ہے۔ مورخین نے اس عاد کو پہلے عاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور اس طرح وہ مختلف روایتیں جو درحقیقت پہلے عاد سے متعلق تھیں اسکی طرف

لہ مسٹر رورنڈ فارسٹر صاحب بوقت بیان کتبات قوم عاد کے جو مختلف اقطاع عرب میں ظاہر ہو گئے ہیں نقب الحجر کے قدیمی آثار کا جو حضرموت میں ہیں ذکر کرتے ہیں حصن غراب کے آثار بھی کچھ کم مشہور نہیں ہیں عدن میں بعض عمارتوں کے آثار بڑی قدامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگونکو بہت شوق دلاتے ہیں اور قوم عاد سے منسوب ہیں۔ بعض نشانات حوضوں کے جو عموماً تالاب کہلاتے ہیں عدن میں ابتک پائے جاتے ہیں اور جن کی قدامت کی وجہ سے ہر سیاح کی توجہ و اشتیاق کو کشش ہوتی ہے انکا بانی شداد کو کہتے ہیں۔ علاوہ اُن آثار کے جنکا ذکر ہو چکا ہے بہت سے اور بھی دریافت ہوئے ہیں جو خود اُن عمارات اور نیز اُن کے بانی کی قدامت کو ثابت

منسوب کی ہیں اور اس عاد کی روایتیں پہلے عاد کی طرف -

ان دونوں عادوں کے باہم تمیز کرنے کے لئے ہمنے اس پچھلے عاد کو جسکا ابھی ذکر ہوا بنام عاد ثالث موسوم کیا ہے کیونکہ اس نام کا یہ تیسرا شخص ہے -

مشرقی تاریخوں میں ہم شداد اور سبا اکبر کے مابین صرف دو نام ایک عاد اور دوسرا ملطاط پاتے ہیں حالانکہ اُنکے مابین کم سے کم پانچ نام ہونے چاہئیں مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب میں اس طرح ناموں کی کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو پرانے عربی شعرا کے اشعار اور تحریروں سے اخذ کیا ہے اُن شاعروں کا قاعدہ تہا کہ اپنے اشعار میں اُنہیں لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے بڑے کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی ہو اور جن لوگوں نے ایسی شہرت نہیں حاصل کی اُن کے نام اُن اشعار میں نہیں پائے جاتے تھے اور یہی سبب ہے کہ مشرقی مورخوں نے جو سلسلہ انساب قایم کیا ہے اُس میں سے وہ نام چھوٹ گئے ہیں -

عرب العاربہ کا شجرہ انساب ہم اپنے اس مضمون کے اخیر میں شامل کرینگے اس شجرہ میں جہاں کہیں ہمکو اس طرحپر ناموں کے رہجانیکا شبہہ ہوا ہے یا جہاں کہیں خود مشرقی مورخوں نے ناموں کے رہجانیکا اقرار کیا ہے وہاں ہمنے ایک نشانی ستارہ کی بنادی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ کسقدر نام ہماری دانست میں اُس سلسلہ میں چھوٹ گئے ہیں -

جس زمانہ میں کہ شداد نے یمن والو پر غلبہ حاصل کیا اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اُسکا صحت کے ساتھ متعین کرنا کسیقدر غیر ممکن ہے باینہمہ ہم کہ سکتے ہیں

کرنعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اسکی وفات سے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں شام کے پانچ بادشاہوں کی باہم لڑائی شروع ہوئی - توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی کا اثر عرب میں بھی پہونچا تھا کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ "پس در سال چہار دہم کدرلاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیان را در عشتروت قرنیم و زوزیان را در ہام و ایمیان را در شاوہ قریاتائم شکست دادند و نیز حوریان را در کوہ خود شان سعیر تا ایل پاران کہ نزدیک صحرا ہست و برگشتہ بعین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرزوبوم عمالیقیان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ ورس ۵ و ۶ و ۷)

ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور قادیش کے شمال سے آئے ہونگے کیونکہ سعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیش کے جنوب میں دور جا کر فاران میں چلے گئے جس سے آجتک حجاز مراد لیا جاتا ہے - کیونکہ اگر یہ بات نہوتی تو اُس بیان کے کہ حملہ آور پاران سے قادیش کو لوٹ گئے کچھہ بھی معنی نہوتے اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ مغرب کی جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اُس طرف بنی عملیق رہتے تھے جن سے کہ اُن حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادیش کو واپس آنے کے بعد جنگ کی تھی -

اسوقت اشیح کی حکومت او عملداری صوبہ یمن اور حجاز پر پھیل گئی جو کہ یہ زمانہ اُسکی عہد حکومت کی ابتدا کا تھا اسلئے خیال ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کی وجہ سے اُسکی طاقت میں کسیقدر ضعف آگیا ہو جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت مین کی اُس ضعف اور شکستہ حالت کو دیکھکر شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر

رہتا تہا اشمع پر حملہ کیا ہو اور اسکو حکومت سے بیدخل کرکے تخت چھین لیا ہو۔
ان وجوہ کی بنا پر ہمکو اسبات کے یقین کرنیکی ترغیب ہوتی ہے کہ اشمع سنہ ۲۰۹۱ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۳ قبل حضرت مسیح میں تخت پہ بیٹھا تہا اور شداد نے سنہ ۲۰۹۲ دنیوی یا سنہ ۱۹۱۲ قبل حضرت مسیح میں اس کی سلطنت کو چھین لیا تہا۔ اور یہ زمانہ اس عام قاعدہ سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کے لئے قرار دیا گیا ہے بالکل مطابق ہوتا ہے
شداد کے بعد اسکے دو بہائی لقمان اور ذو شدد یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ذو شدد کے بعد اسکا بیٹا الحارث بادشاہ ہوا۔

ثم ملك بعده اخوه لقمان بن عاد ثم ملك بعده اخوه ذو شدد بن عاد ثم ملك بعده ابنه الحرث بن ذي شدد ويقال له الحارث الرائش (ابوالفدا)۔

اس زمانہ تک اور اس کے بہت عرصہ بعد تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں تہیں ایک یمن کی اور دوسری حضرموت کی آخر کو ایک دوسرا شخص مسمی بحارث جسکا لقب رائش ہوا تخت پر بیٹھا اس نے ان دونوں سلطنتونکو ملاکر ایک کردیا اس لئے بعض مورخوں نے غلطی سے پہلے الحارث اور دوسرے الحارث کو ایک ہی شخص سمجھا اور اسی کی طرف دونوں سلطنتوں کا ملانا منسوب کیا۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بادشاہوں کے نام جو ان دونوں الحارثوں کے مابین زمان رواں ہوئے تہے ہر ایک مورخ نے چھوڑ دیے اور ان کے نام معلوم ہوگئے۔ اس غلطی کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ جو زمانہ ان پادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی لکہی ہے وہ بلحاظ امتداد زمانہ کے نہایت

کم ہے۔

حمزہ اصفہانی اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ الحارث الرائش ذو شدد کا بیٹا اور جانشین نہ تھا بلکہ حضرموت کے خاندان میں سے تھا

الحارث الرائش هو الحارث بن قيس بن صيفي بن سبا الاصغر الحميري وكان الرائش اول غزاتهم فاصاب الغنائم وادخلها ارض اليمن فارتاشت حمير في ايامه وكان هو الذي راشهم فبذلك سمي الرائش و بين الرائش وبين حمير خمسة عشر اباً (تاريخ سني ملوك الارض والانبياء لحمزة اصفهاني)

افسوس کی بات ہے کہ یہ مصنف اُن بادشاہوں کی تعداد بھی نہیں بتلاتا جن کے نام معدوم ہو گئے ہیں لیکن اُسکا یہ بیان کہ حمیر اور الحارث الرائش کے مابین پندرہ پشتیں گذری تھیں ہمکو کسیقدر ٹھیک وقت کے معین کرنے پر قادر کرتا ہے۔

اگر ہم بیان حمزہ پر اعتماد کریں تو ہمکو یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ الحارث ابن شدد کے اور الحارث الرائش کے مابین سات یا آٹھ اور بادشاہ ہوئے ہونگے

الحارث الرائش قیس بن صیفی بن سبا الاصغر کا جو حمیر کی اولاد میں سے بیٹا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا یمن اور حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملانے میں کامیاب ہوا اور اسی سبب سے رائش یا تبع الاول کا لقب پایا۔

ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين الصعب بن الرائش ثم ملك بعده ابنه ذو المنار ابرهة بن ذي القرنين ثم ملك بعده ابنه افريقيش بن ابرهة ثم ملك بعده اخوه ذو الاذعار عمرو بن ذو المنار ثم ملك بعده

اُسکے بعد صعب ملقب بہ ذو القرنین۔ اور ابرہہ ملقب بہ ذو المنار۔ اور افریقیش۔ اور عمرو ملقب بہ ذو الاذعار کے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔

شرحبیل بن عمرو بن غالب بن
المنتاب بن زید بن یعفر بن
السکسک بن وائل بن حمیر ...
ثم ملک بعدہ ابنہ الهدهاد
بن شرحبیل ثم ملکت بعدہ بنت
بلقیس بنت الهدهاد وبقیت
فی ملک الیمن عشرین سنة
وتزوجها سلیمان بن داؤد (ابو الفدا)
وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن
عباس سئل عن ذی القرنین الذی ذکر
الله تعالی فی کتابه العزیز فقال هو من
حمیر وهو الصعب المذکور فیکون
ذو القرنین المذکور فی کتاب العزیز
هو الصعب (بن) الرائش المذکور
لا الاسکندر الرومی (ابو الفدا)
وکان اول من اسس السد سبا
الاکبر واسمه عامر فقیل عبد
شمس بن یشجب بن یعرب
بن قحطان ثم بناہ حمیر ابن سبا

عمرو ذو الاذعار کی عہد حکومت میں شرحبیل نے اسپر
حملہ کیا اور بیشمار خونریز لڑائیوں کے بعد عمرو ذو الاذعار
کو شکست دی اور اسکی سلطنت پر قابض ہوگیا
شرحبیل کے بعد اسکا بیٹا الہدہاد جانشین ہوا اور
اسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی جسنے بیس
برس سلطنت کرکے حضرت سلیمان بادشاہ
یہود سے نکاح کرلیا - اس ملکہ کی حکومت کا اختتام
توریت مقدس سے سنہ ۳۰۰۰ دنیوی یا سنہ ۱۰۰۵ قبل
حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے اس لیے
نسلوں کے پیدا ہونے کے معینہ قاعدہ کے
مطابق الحارث الرائش اور صعب ذو القرنین یا
تو اٹھائیسویں صدی دنیوی کے آخر میں یا انتیسویں
صدی کے شروع میں ہوئے ہونگے یعنی سنہ ۱۲۰۰
قبل حضرت مسیح کے -
ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن
عباس سے اس ذو القرنین کی نسبت جسکا ذکر
قران مجید میں ہے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب
دیا کہ وہ صعب حمیری تھا - اس دلیل پر ابو الفدا
نے بیان کیا ہے کہ اسی ذو القرنین کا ذکر قران مجید

بعد موت اسیر ثم اتی بعد ذلک ذو القرنین
الحمیری وهو الصعب بن ابی مرائد
وکان السد من جبل مارب الی جبل
الابلق وهما جبلان منیفان علی الجبال
الشامخة المتقدمین بین السدو
شماله (العقود اللؤلؤیة فی اخبار
دولة الرسولیة یمنی) ۔
ثم ملك بعدها عمها ناشر
النعم بن شرحبیل ... ثم ملك
بعده شمر یرعش بن ناشر النعم ...
ثم ملك بعده ابنه ابو مالك بن
شمر ثم ملك بعده عمران بن
عامر الازدی ... ثم ملك بعده
اخوه مزیقیا (ابو الفضل) ۔
ملك الاقرن بن ابی مالك ثم
ملك بعده ذو حبشان بن الاقرن
ثم ملك بعده اخوه تبع بن الاقرن
ثم ملك بعده ابنه کلیکرب بن
تبع ثم ملك بعده ابو کرب اسعد

میں ہے نہ کہ سکندر اعظم کا ۔
ایک مشہور و معروف کام سد کی تعمیر کا اسی ذوالقرنین
کے عہد میں اختتام کو پہونچا ۔ شاہان یمن
کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سد کی
بنا سبا اکبر نے شروع کی تھی ۔ اس کے بیٹے
اور جانشین حمیر نے اسکو جاری رکھا اور ذوالقرنین
نے اسے اختتام کو پہونچایا ۔ وہ سد دو پہاڑوں کے
درمیان میں تھی ایک پہاڑ کا نام مارب اور دوسرے
کا نام ابلق تھا
لمقیس کے بعد اسکا چچازاد بھائی مالک ملقب
بہ ناشر النعم تخت نشین ہوا ۔ اور اس کے بعد
اس کا بیٹا شمر یرعش اور اسکے بعد اسکا بیٹا ابو
مالک تخت پر بیٹھا ۔ اس بادشاہ کی سلطنت
میں عمران نے جو خاندان ازد سے تھا اسپر حملہ
کیا اور شکست دیکر تخت چھین لیا اور سلطنت
بنی حمیر کے خاندان سے بنی کہلان کے خاندان
میں منتقل ہو گئی ۔ عمران کے بعد اسکا بھائی
عمر مزیقیا تخت نشین ہوا ۔
اسکے زمانہ میں الاقرن بن ابو مالک نے اپنے باپ

وهو تبع اوسط وقتل ثم ملك بعده
ابنه حسان بن تبع ثم قتله اخوه عمرو
ابن تبع وملك.. فسمي ذالاعواد ثم
ملك بعده عبد كلال ابن ذوي الاعواد
ثم ملك بعده تبع بن حسان ابن
كليكرب وهو تبع الاصغر ثم ملك بعده
ابن اخته الحارث بن عمرو تهود
الحارث المذكور ثم ملك بعده
مرثد ابن كلال.. ثم ملك بعده و
كيعه ابن مرثد (ابو الفدا)
ثم ملك ابرهه بن الصباح ثم
ملك صهبان بن محرث ثم
ملك عمرو بن تبع ثم ملك بعده
ذو انواس وكان من لايتهود القاه
في اخدود مضطرم نارا فقيل له
صاحب الاخدود ثم ملك بعده
ذوجدن وهو اخر ملوك الحمير
(ابو الفدا)
من كتاب ابن سعيد المغربي

کی سلطنت کا دعوی کیا اور مزلقیا سے لڑکر اسکو
شکست دی اور سلطنت چھین لی اور حمیر کے خاندان
میں دوبارہ سلطنت لوٹ آئی۔
اُسکے بعد اُسکا بیٹا ذوحبشان مالک تاج وتخت
ہوا۔ اُسکے بعد اُسکا بھائی تبع اکبر اُس کے بعد
اُسکا بیٹا کلیکرب اور اُس کے بعد اُسکا بیٹا ابوکرب
اسعد تبع اوسط اُس کے بعد اُسکا بیٹا حسان
اُس کے بعد اُسکا بھائی عمر ذوالاعواد اُسکے
بعد اُسکا بیٹا عبد کلال تخت نشین ہوا۔
تبع اصغر پسر حسان نے اس بادشاہ سے سلطنت
چھین لی اور خود بادشاہ ہوگیا اُس کے بعد
اُسکا بھتیجا حارث بن عمر تخت پر بیٹھا تمام مورخوں
کا اتفاق ہے کہ حارث نے یہودی مذہب
اختیار کرلیا تھا۔ اُس کے بعد مرثد ابن کلال
اور اُس کے بعد وکیعہ ابن مرثد تخت
نشین ہوئے۔
ان بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ حارث بن
عمر کے یہودی مذہب اختیار کرنے کی وجہ سے
کسیقدر صحت کے ساتھ معلوم ہوسکتا ہے۔

جبکہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے اور بیت المقدس
کو مسمار کر کے حضرت دانیال اور اُن کے
دوستوں کو قیدی بنا کر بابل کو لیگیا اُسوقت
کچھ یہودی بھاگکر یمن کو بھاگ گئے تھے۔
اس زمانہ میں حضرت یرمیاہ اور دانیال پیغمبر
تھے اسلیے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم
ہوتی ہے کہ اُن مفرور یہودیوں کی وجہ سے
الحارث نے خدائے واحد کا اقرار کیا ہوگا
اور یہودی مذہب کو قبول کیا ہوگا اور یہ امر
واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اس زمانہ
میں حکمران تھے یعنی سنہ ۲۴ دنیوی میں یا
سنہ ۱۶۰۴ قبل حضرت مسیح میں اس امر کا واقعی
ہونا زیادہ تر اسلیے قابل اعتبار ہے کہ نسلوں کے پیدا ہونے کے قدرتی قاعدہ
کے مطابق بھی یہ زمانہ ٹھیک صحیح آتا ہے کیونکہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے
کہ مالک ناشر النعم سنہ ۲۰۳۱ دنیوی میں تخت پر بیٹھا تھا مالک اور وکیعہ کے درمیان
گیارہ اور بادشاہ گذرے ہیں جبکا زمانہ مجموعاً چار سو برس خیال کرنا قرین عقل ہی
وکیعہ کے بعد چھ اور بادشاہ خاندان حمیر میں سے تخت نشین ہوے یعنی ابرہہ
بن الصباح ۔ صہبان بن محرث ۔ عمر ابن تبع ۔ ذو شناتر ۔ ذو نواس ملقب
بہ ذو اخدود ذو جدن ۔ جو کہ ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف صاف تحقیق نہیں ہوا

ان الحبشة استولوا على اليمن
بعد ذى جدن الحميرى المذكور
وكان اول من ملك اليمن من
الحبشة ارياط ثم ملك بعده
ابرهة الاشرم صاحب الفيل الذى
قصد مكة ثم ملك بعده يكسوم
ثم ملك بعده مسروق بن ابرهة
وهو آخر من ملك اليمن من
الحبشة ثم عاد ملك اليمن الى
حمير وملكها سيف بن ذى يزن
الحميرى (ابو الفدا)

اسلئے ہمنے اُن کے نامونکو شجرہ انساب عرب العاربہ میں شامل کرنیکی جرأت نہیں کی بلکہ اُن کے نامونکو شجرہ کے حاشیہ پر لکھدیا ہے - ان لوگوں کی سلطنت کا ٹھیک زمانہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے -

ذونواس ایک متعصب یہودی تھا اور یہودی مذہب والوں کے سوا ہر مذہب کے معتقدوں اور پیرؤں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا - اس بات کے خیال کرنے کے واسطے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ آرٹازرکسیز اوکس نے چند یہودیوں کو جو مصر میں قید ہوے تھے کیونکہ اُن کا ملک مصر سے ملا ہوا تھا ہرقانیہ (مازندران) کو بھیجدیا اور چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اُسکی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا اور حبشیوں نے اُسپر غلبہ کرلیا اور اُسکو سلطنت سے خارج کردیا - پس یہ زمانہ اس خاندان کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے اور سنہ ۳۶۵۰ دنیوی یا سنہ ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے مطابق ہوتا ہے

اس زمانہ سے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک نو سو برس ہوتے ہیں - اس درمیان میں افریقہ کے لوگوں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے اور نیز بعض عرب المستعربہ اور ابرہوں کی حکومت رہی -

مشرقی مورخوں نے اس بات کے غلط خیال سے کہ ارباط حبشہ اور ابرہہ دو شخص تھے بیان کیا ہے کہ اُس زمانہ میں صرف دو ہی بادشاہ ہوے حالانکہ ارباط حبشہ اور ابرہہ خاندانی لقب ہیں اور اُن خاندانوں کے بادشاہ اپنے اصلی نام کے ساتھ خاندانی لقب کو شامل کرلیتے تھے -

اس خاندان ابرہہ میں ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو ابرہہ اشرم صاحب الفیل

کہلاتا ہے اور جس نے مکہ معظمہ پر ۷۲۵ دنیوی یا ۵۷۰ عیسوی میں چڑہائی کی تہی - وہ اپنے ساتھ بہت سے ہاتہی اس نیت سے لیگیا تہا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابرہہ مسروق تخت نشین ہوا مگر سیف بن ذی یزن حمیری نے اُنکو سلطنت سے بیدخل کر دیا جسکو کسریٰ نوشیراں والی ایران نے بہت مدد دی تہی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا - اُسکے بعد سے خاندان ابرہہ کی حکومت منقطع ہوگئی

سیف بن ذی یزن بو حمیر کے شاہی خاندان سے تہا اپنے آپ کو سلطنت یمن کا وارث اور حقدار سمجہتا تہا اُس نے روم کے بادشاہ وقت سے مدد چاہی اور شہر روم میں اسی غرض سے دس برس تک پڑا رہا مگر جبکہ اُسکی اُمید منقطع ہوگئی تو وہانسے کسرے نوشیرواں کے پاس چلا گیا اور اس سے کمک کی استدعا کی -

اس بادشاہ نے اس کی درخواست کو منظور کیا اور بہت بڑا لشکر اسکی کمک کو دیا اور اُس نے اس لشکر کی مدد سے اپنے دشمن کو شکست دی اور خاندان ابرہہ کا خاتمہ ہوگیا اور سیف بن ذی یزن ابرہہ کو تخت پر بٹہیا -

اُسنے اپنی سکونت شاہی محل غمدان میں اختیار کی اور عیش و عشرت میں محو ہوگیا اس بادشاہ کے عہد کے شعرا نے اُسکی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور چونکہ ان اشعار میں بعض تاریخی واقعات ملتے ہیں اسلئے ہم چند شعر اسجگہ نقل کرتے ہیں

لا تقصد الناس الا کابن ذی یزن	اذ خیم البحر للاعداء احوالا
وافی هرقل وقد شالت نعامته	فلم یجد عنده النصر الذی سالا
ثم انتحی نحو کسرے بعد عاشرة	من السنین یهین النفس والمالا
حتی اتی ببنی الاحرار یقدمهم	تخالهم فوق متن الارض اجبالا

الله در هم من فتیه صبر	ما ان رایت لهم فی الناس امثالا
بیض مرازبة غلبا اساورة	اسد تربت فی الغیضات اشبالا
فاشرب هنیأ علیك التاج مرتفقا	براس غمدان دار اً منك محلالا
تلك المکارم لا قعبان من لبن	شیبا بماء فعادا بعد ابوالا

سیف بن ذی یزن کو ایک اُسکے درباری حبشی مصاحب نے قتل کیا اُسکے بعد اس صوبہ کو نوشیروان نے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور اپنی جانب سے وہاں عامل مقرر کرتا رہا۔ اُن عاملوں میں سے اخیر عامل باذان تھا اُسکا زمانہ اور آنحضرت صلعم کا زمانہ متحد تھا چنانچہ وہ آنحضرت پر ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا۔

وکان سیف بن ذی یزن المذکور قد اصطفی جماعة من الحبشان وجعلهم من خاصته فاغتالوه وقتلوه فارسل کسری عاملا علی الیمن واستمرت عمال کسری علی الیمن الی ان کان آخرهم باذان الذی کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم واسلم

(ابو الفدا)

عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی طاقت اور شہرت حاصل کی اور صوبہ حیرہ میں ایک بڑی زبردست سلطنت قایم کی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم تھا اُسکے بعد اُسکے بھائی عمرو کو تخت ملا۔

اول من ملك علی العرب بارض الحیرة مالك بن فهم... ثم ملك بعده اخوه عمرو بن فهم ثم ملك بعده ابن اخیه

جذیمہ بن مالک بن فہم..
وکانت لہ اخت تسمی رقاش
(ابو الفدا)
لما قتل جذیمہ ملک بعدہ
ابن اختہ عمرو بن عدی بن
نصر بن ربیعہ.. ثم مات
وملک بعدہ ابنہ امرؤ القیس... و
کان یقال الامرؤ القیس البدا ای
الاول ثم ملک بعد امرؤ القیس
ابنہ عمرو بن عمرو القیس... ثم ملک
بعدہ اوس بن قلام العملیقی ثم ملک
اخر من العمالیق ثم رجع الملک الی
بنی عمرو بن عدی بن نصر بن
ربیعہ اللخمیین المذکورین و
ملک منہم امرؤ القیس من ولد
عمرو بن امرؤ القیس المذکور ویعرف
ھذا امرؤ القیس الثانی بن محرق
لانہ اول من عاقب بالنار ثم ملک
بعدہ ابنہ النعمان الاعور بن

اس کے بعد جذیمہ بن مالک تخت پر بیٹھا۔
یہ جری مگر طامع بادشاہ تھا اس نے اپنی سلطنت
کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا ایک طرف تو
دریاے فرات اس کی سلطنت کی حد تھی اور
دوسری طرف حدود شام تک پھیل گئی تھی۔
شام تک سلطنت پھیلانے میں اسکو عملیق سے
لڑنا پڑا اور ایک سخت اور خونریز لڑائی کے
بعد انکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن
نے جسکا نام رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی
سے جو بنی لخم میں سے تھا شادی کی تھی۔
جذیمہ کے بعد اسکا بھانجہ عمرو بن عدی تخت
نشین ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا امرو القیس اور
اسکے بعد اسکا بیٹا عمرو بادشاہ ہوا مگر اسکو
"اوس" بن قلام عملیقی نے تخت سے اتار دیا
اسکے بعد ایک یا دو اور بادشاہ اسی خاندان
کے فرمانروا ہوے جن کے نام معلوم نہیں
لیکن اسقدر محقق ہے کہ امرو القیس ثانی
بن عمرو نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی
ہوئی سلطنت کو لیلیا اور دوبارہ سلطنت کو

امرؤ القیس ... ثم تزهد وخرج
من الملك ... ملك بعده ابنه
المنذر بن نعمان .. ثم ملك بعده
ابنه الاسود بن المنذر (ابو القدام)
ثم ملك بعده اخوه المنذر
بن المنذر بن نعمان الاعور ثم
ملك بعده علقمة الذمیلی ذو میل
بطن من لخم ثم ملك بعده امر
والقیس بن النعمان بن امرؤ القیس
المحرق . ثم ملك بعده
ابنه المنذر بن امرؤ القیس
... لقب بماء السماء .. وطرد
کسریٰ قباد المنذر المذکور عن
ملك الحیرة وملك موضعه
الحرث بن عمرو بن حجر الکندی
.. ثم لا تمکن کسریٰ
نوشیروان بن قباد المذکور فی
الملك طرد الحارث واعاد المنذر
بن ماء السماء الی ملك الحیرة

اپنے خاندان میں منتقل کرلیا ۔ یہ اول شخص
تھا جس نے کہ انسانونکو زندہ جلانیکی وحشیانہ
رسم کو رواج دیا تھا اور اس سبب سے
اسنے المحرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اسکے بعد
نعمان جانشین ہوا مگر دنیا کے ترددات اور
جھگڑوں سے کبیدہ خاطر ہوکر تیس برس سلطنت
کرنیکے بعد بادشاہت کو چھوڑ دیا اور عبادت
میں مصروف ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا اسود
تخت نشین ہوا جسکو غسانی بادشاہوں سے
چند لڑائیاں لڑنی پڑیں ۔ اسکے بعد اس کا
بھائی المنذر الثانی تاج وتخت کا مالک ہوا ۔
اسکے بعد علقمہ ذمیلی اور اسکے بعد امرؤ القیس
ثالث بن نعمان نے زمام سلطنت اپنے
ہاتھ میں لی اسکے بعد اسکا بیٹا المنذر الثالث
ملقب بہ ماء السماء جانشین ہوا مگر اس بادشاہ
کو کسریٰ قباد نے سلطنت سے خارج
کر کے الحرث کو جو "کندی خاندان میں سے
تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب
اختیار کرلیا تھا مقرر کیا ۔ جبکہ کسریٰ نوشیرواں

(ابوالفدا) .
ثم ملك بعده المنذر عمرو ومعطر
الحجارة . . ثم ملك بعده اخوه
قابوس ... ثم ملك بعده اخوهما
المنذر بن المنذر ثم ملك بعد
ابنه النعمان بن المنذر بن المنذر
بن ماء السماء وكنيته ابوقابوس
وهو الذي تنصر .. ثم انتقل الى
اياس ابن قبيصة الطائي ...
ثم ملك بعده اياس زادويه بن
ماعان الهمداني ثم عاد الملك
الى اللخميين فملك بعده زادويه
المنذر بن النعمان بن المنذر بن
المنذر بن ماء السماء سمته العرب
المغرور واستمر الملك للحيرة الى
ان قدم لها خالد بن الوليد
واستولى على الحيرة (ابوالفدا)
اول من ملك غسان جفنة
بن عمرو بن ثعلبة بن عمرو بن

تخت پر بیٹھا اس نے الحرث کو حکومت سے
علیحدہ کر دیا اور المنذر الثالث کو پھر حکومت
دی اسکے بعد اسکا بیٹا عمرو اور اس کے
بعد اسکا بھائی قابوس اور اسکے بعد اس کا
بھائی المنذر الرابع اور اسکے بعد اس کا بیٹا
نعمان ابوقابوس تخت پر بیٹھا - اس نعمان
نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور خسرو پرویز
کے زمانہ میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں
کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا - اس کے بعد
ایاس ابن قبیصۃ الطائی اور اسکے بعد زادویہ
اور اسکے بعد المنذر الخامس بن نعمان ابوقابوس
بادشاہ ہوا - اس بادشاہ کو خالد بن ولید سردار
لشکر اسلام نے شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا .
جس زمانہ میں یہ سب بادشاہ حکمران ہوئے
اس زمانہ کا ٹھیک ٹھیک معین کرنا اگر غیر ممکن
نہیں تو مشکل تو بیشک ہے - مگر اخیر بادشاہوں
میں سے کم سے کم دو بادشاہوں کی فرمانروائی کا
زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے اور اگر نسلوں
کے ہونے کے معمولی قاعدہ پر غور کیا جاوے

تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے
زمانہ کے محقق ہونے کے لئے کافی پتہ لگجاویگا
عمرو بن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں
سال میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی
آخرالزماں پیدا ہوئے تھے اسواسطے یہ بادشاہ
سنہ ۴۵۶۲ دنیوی یا سنہ ۵۶۲ء میں تخت پر بیٹھا ہوگا۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی
ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل
ہوئی تھی اسواسطے ایاس سنہ ۴۶۱۰ دنیوی یا
سنہ ۶۱۰ء میں تخت نشین ہوا ہوگا۔ عمرو کی تخت
نشینی سے پہلے اُنیس بادشاہ ہوچکے تھے اور
اُن کی سلطنتوں کے زمانوں کے مجموعہ کا بطرز
معقول پانسو پچاس برس خیال کیا جاسکتا ہے
جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پہلا بادشاہ مالک بن فہم اکتالیسویں
صدی دنیوی کے آغاز میں یا حضرت مسیح کے
زمانہ ولادت کے قریب تخت پر بیٹھا ہوگا۔
عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ
غسان میں قایم کی تھی اور اس سلطنت کے حاکم
عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح

منهما... ثم ملك وملك بعده
ابنه عمرو بن جفنه... ثم ملك بعده ابنه
ثعلبة بن عمرو... ثم ملك بعده ابنه الحارث
بن ثعلبة ثم ملك ابنه جبلة بن الحارث
ثم ملك ابنه الحرث... ثم ملك بعده
ابنه المنذر الاكبر (ابو الفدا)
ثم ملك المنذر الاكبر المذكور ملك بعده
اخوه النعمان ابن الحرث ثم ملك بعده
اخوه جبلة بن الحارث ثم ملك بعده
اخوهم الايهم بن الحارث ... ثم
ملك اخوهم عمرو بن الحارث ثم
ملك جفنه الاصغر... ثم ملك بعده
اخوه النعمان الاصغر ثم ملك نعمان بن
عمرو بن المنذر... ثم ملك بعده النعمان
المذكور ابنه جبلة بن النعمان
... ثم ملك بعده النعمان بن الايهم
... ثم ملك اخوه الحرث بن الايهم ثم
ملك ابنه النعمان ابن الحرث ... ثم
ملك بعده ابنه المنذر بن النعمان

ثم ملك اخوه عمرو بن النعمان
ثم ملك اخوهما حجر ابن النعمان
ثم ملك ابنه الحارث بن حجر
ثم ملك ابنه جبلة بن الحرث
ثم ملك ابنه الحارث ابن جبلة
ثم ملك ابنه النعمان بن الحرث
وكنيته ابوكرب ولقبه قطام ثم
ملك بعده الايهم بن جبلة ...
ثم ملك بعده اخوه المنذر بن جبلة
ثم ملك اخوهما
سراحيل بن جبلة ثم ملك
اخوهم عمرو بن جبلة ثم ملك
بعده ابن اخيه جبلة بن الحرث
بن جبلة ثم ملك بعده جبلة
بن الايهم بن جبلة وهو اخر
ملوك الغسان وهو الذى اسلم فى
خلافة عمر ثم عاد الى الروم وتنصر
(ابو الفدا)۔
فلما ملك حجر سدد امورهم

طور پر غور کیا جاوے تو یہ حاکم قیصر روم کی
طرف سے بطور عمال کے تھے مگر شاہی لقب
اختیار کرنے کی وجہ سے تاریخ عرب میں بادشاہان
کے ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔ جو کہ بعض امور
ان لوگوں سے ایسے متعلق ہیں جنسے ہمکو بعض
امور کی تحقیقات اور تجسس میں آسانی ہوگی اسلیے
اُن سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر
لکھتے ہیں۔

اس سلطنت کی بنا چارسو برس قبل ظہور اسلام
کے ہوئی اور یہ زمانہ تخمیناً تیسویں صدی دنیوی
یا تیسری صدی عیسوی سے مطابقت رکھتا ہے
جفنہ بن عمرآس اس خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے
لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص "ازد" کی اولاد
میں سے تھا جو خاندان کہلان سے علاقہ رکھتا
تھا۔ وہ عرب جو اس سے پیشتر غسان میں رہتے
تھے ضجاعمہ کہلاتے تھے اُن لوگوں نے عرصہ
دراز تک مستعدی کے ساتھ اُسکا مقابلہ کیا
مگر آخر کار جفنہ نے اُن پر فتح پائی اور اُن کو
مطیع کرلیا۔

اُسکے بعد اُسکا بیٹا عمرو تخت پر بیٹھا اور اسکے
بعد اُسکا بیٹا ثعلبہ تخت نشین ہوا - ایک عرصہ
تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے -
الحارث - جبلہ - الحرث - المنذر الاکبر کے ہاتھوں
میں رہے - اس اخیر بادشاہ کا جانشین اس کا
بھائی نعمان ہوا اُسکے بعد اُسکا بھائی جبلہ اور
اُسکے بعد اُسکا بھائی ایہم اور اُسکے بعد اُسکا بھائی
عمرو تخت نشین ہوا - اُسکے بعد حضرۃ الاصغر بن
المنذر الاکبر کی باری آئی اُسکے بعد نعمان الاصغر
اور اسکے بعد اسکا بھتیجا نعمان ثالث بن عمرو
بادشاہ ہوا - اسکے بعد جبلہ بن نعمان ثالث
کے ہاتھ سلطنت لگی - یہ بادشاہ خاندان حیرہ
کے بادشاہ المنذر ماء السماء کا ہمعصر تھا اور
اس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا - اسکے بعد
نعمان رابع بن الایہم اور اسکے بعد الحرث الثانی
اور اسکے بعد اسکا بیٹا نعمان الخامس اور اس
کے بعد اُسکا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا اور اُسکے
بعد عمرو برادر المنذر اور حجرہ برادر عمرو یکے بعد
دیگرے تخت نشین ہوے - اُس کے بعد

وساسهم احسن سياسة وانتزع
من الغسانيين ما كان بايديهم
من ارض بكر ابن وائل . وملك
بعد الحجر المذكور ابنه عمرو بن
حجر . . ثم ملك بعده
ابنه الحرث بن عمرو (ابو الفداء)
وملك اخوه (اى اخو يعرب)
جرهم الحجاز ثم ملك بعده
جرهم ابن عبد ياليل بن جرهم
ثم ابنه جرشم بن ياليل
ثم ابنه عبد المدان بن جرشم ثم
ابنه ثعلبة بن عبد المدان ثم ابنه
عبد المسيح بن ثعلبة ثم ابنه
مضاض بن عبد المسيح ثم ابنه
عمرو بن مضاض ثم اخوه الحرث
بن مضاض ثم ابنه عمرو بن
الحارث ثم اخوه بشر بن الحارث
ثم مضاض بن عمرو بن مضاض
(ابو الفداء)

من ملوک العرب زهیر ابن جباب بن جبل .. وکان زهیر المذکور قد اجتمع با برھۃ الاشرم صاحب الفیل (ابو الفدا)۔

الحارث بن حجر اور جبلہ بن الحارث اور الحارث بن جبلہ باری باری سے بادشاہ ہوئے ۔ پھر نعمان ابو کرب بن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے ۔ الایہم المنذر ۔ شراحیل عمرو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے عمرو کے

بعد اُسکے بھتیجے جبلہ بن الایہم بن جبلہ کو سلطنت نصیب ہوئی ۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ تک زندہ تھا ۔ پہلے مسلمان ہوگیا اور اُسکے بعد روم کو بھاگ کر عیسائی ہوگیا ۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ قریب ۴۶۲۴ء دنیوی یا ۶۲۰ء میں ہوگیا ۔

عرب العاربہ کی ایک اور چھوٹی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد "کندہ" کی اولاد جو خاندان کہلان سے تھا ڈالی تھی ۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر بن عمرو ہوا جس نے کہ سلطنت حیرہ کے ایک حصہ کو دبا کر ایک نئی سلطنت قایم کی تھی اسکے بعد اُسکا بیٹا عمرو اور اُسکے بعد اُسکا بیٹا الحرث تخت پر بیٹھا یہ وہی شخص ہے جس نے کسرے نے قباد کا مذہب اختیار کرکے اُسکی اعانت سے سلطنت حیرہ کو فتح کیا تھا مگر جب نوشیرواں نے اُس سے المنذر کو سلطنت واپس دلائی تب الحارث دیار کلب کو بھاگ گیا ۔ مگر اُسکے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے حجر بنی اسد پر حکمراں رہا شراحیل بکر ابن وائل پر ۔ معدی کرب قیس عیلان پر ۔ سلمہ تغلب اور نمر پر حاکم رہا ۔

حجر کے بعد جو مارا گیا تھا اُسکے بیٹے عمرو القیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع کرلیا

یہ امرؤ القیس وہی بہت بڑا مشہور شاعر عرب کا ہے - جبکہ منذر ماء السماء ابن
لو تخت سلطنت پر بیٹھا تو امرؤ القیس اُسکے خوف سے بھاگا اور کہیں روپوش ہو گیا۔
ان سب بادشاہوں نے پینتالیسویں یا چھیالیسویں صدی دنیوی یا پانچویں یا چھٹی
صدی عیسوی میں حکومت کی تھی ۔

ایک اور سلطنت حجاز میں قایم ہوئی تھی - جس زمانہ میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں
اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہو گئی تہیں اُس زمانہ میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی
اور خود مختار سلطنت حجاز میں قایم کی تہی - ابو الفدا کے نزدیک اس سلطنت کا پہلا بادشاہ
جرہم تھا جسکا بھائی یعرب یمن میں حکمراں تہا - مگر یہ غلطی ہے اور اس وجہ سے غلطی
ہوئی ہے کہ ابو الفدا نے غلطی سے یعرب اور جرہم کو دو شخص خیال کیا تہا حالانکہ یہ
دونوں نام ایک شخص کے ہیں اور یہی ایک شخص یمن اور حجاز دونوں پر حاکم تہا -
ابو الفدا نے مندرجہ ذیل نام بیان کئے ہیں اور لکہا ہے کہ یہ لوگ یکے بعد دیگرے
تخت نشین ہوئے تھے اور وہ نام یہ ہیں - یالیل - جرشم بن یالیل - عبد المدان
بن جرشم - ثعلبہ بن عبد المدان - عبد المسیح بن ثعلبہ - مضاض بن عبد المسیح -
عمرو بن مضاض - الحرث برادر مضاض - عمرو بن الحرث - بشر بن الحرث -
مضاض بن عمرو بن مضاض -

اگر ابو الفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت اسمعیل بن حضرت ابراہیم سے
پیشتر گذرے ہیں تو وہ بڑی غلطی پر ہے - کیونکہ عبد المسیح کے نام سے بلا ریب ثابت
ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تہا اور اسلئے ممکن نہیں کہ وہ حضرت اسمعیل سے پیشتر گذرا ہو
یا اُن کا ہمعصر ہو - کچھ شک نہیں کہ یہ سلطنت اُسوقت قایم ہوئی تہی جبکہ یمن اور

حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں تھیں اور اسلئے ہمکو یقین ہے کہ اس سلطنت کے بادشاہ پنتالیسویں اور چھیالیسویں صدی ذنیوی یا پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں گذرے ہیں۔

یہ بھی واضح ہو کہ عمرو بن لاحی سنہ ۴۱۰۰ ذنیوی یا تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں اسی سلطنت پر حکمراں تھا۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو عرب حجاز میں رواج دیا تھا اور کعبہ میں تین بت۔ ہبل کعبہ کی چھت پر اور اساف اور نائلہ اور مقاموں پر رکھے تھے۔

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوئے اور پھر وہاں کے بادشاہ ہوئے زہیر ابن جناب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا یہ بات اسوقت کی ہے جبکہ ابرہہ اشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ زہیر بھی ابرہہ اشرم کے ساتھ اس مہم میں شریک تھا۔ اسلئے بآسانی محقق ہو سکتا ہے کہ اسکا عہد حکومت چھیالیسویں صدی ذنیوی یا چھٹی صدی عیسوی کے آخری حصہ میں ہوگا سب سے مشہور واقعہ اسکے عہد حکومت کا یہ تھا کہ اسنے بنی غطفان کے اس مقدس معبد کو جو انھوں نے کعبہ کے مقابلہ کے لیے بنایا تھا بالکل برباد کر دیا تھا۔

اب ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے انساب کا شجرہ لکھتے ہیں۔

تمام قوم کا شجرہ لکھنا تو محالات سے ہے مگر یہ شجرہ انھیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر ہمنے اس مقام پر کیا ہے اس شجرہ سے اُن مطالب کے سمجھنے میں جو اس جگہ بیان ہوے ہیں آسانی ہوگی۔

تمام عرب العاربہ جنکا ہمنے اوپر مفصل ذکر کیا ہے بنی جرہم کے خاندان سے علاقہ

رکھتے ہیں مگر وقتاً فوقتاً بلحاظ اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوتے گئے ہیں۔ ان قبیلوں میں سے جو نامی قبیلے گذرے ہیں اور جنکا ذکر اکثر کتابوں میں آیا ہے اُن کا بیان ہم اس مقام پر کرتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قایم کرنے میں ہم نے ابوالفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا ہے۔

(۱) یعرب یا جرہم سے۔ بنو اجرہم (۲) عبد الشمس بن یشجب سے۔ بنو اسبا

(۳) حمیر بن سبا سے بنو احمیر (۴) کہلان ابن سبا سے۔ بنو اکہلان

(۵) اشعر ابن سبا سے۔ اشعری۔ (۶) انوار بن سبا سے۔ بنو انوار

(۷) عاملہ بن سبا سے۔ عاملی۔ (۸) عدی بن انوار بن سبا سے۔ بنو اعدی

(۹) لخم بن عدی سے۔ لخمی۔ (۱۰) جذام ابن عدی سے۔ بنو اجذام۔

(۱۱) حدس ابن لخم سے بنو احدس۔ (۱۲) غنم ابن لخم سے۔ بنو اغنم

(۱۳) بنو الدار بن ہانی بن لخم سے۔ داری۔ (۱۴) غطفان ابن حیرام ابن جذام سے۔ بنو اغطفان۔

قبائل ذیل بنو اغطفان کی نسل میں ہیں

(۱۵) بنو الضلتہ (۱۶) بنو احنف (۱۷) بنو المصیب (۱۸) بنو اہدالہ

(۱۹) بنو النعاثہ (۲۰) بنو اضلیع (۲۱) بنو اعایذہ (۲۲) بنو اشبرہ

(۲۳) بنو اعبداللہ (۲۴) بنو الخضرہ (۲۵) بنو اہلیم (۲۶) بنو ابجالہ

(۲۷) بنو اغنم (۲۸) بنو القافہ

(۲۹) سعد بن مالک بن حیرام سے۔ بنو اسعد (۳۰) وائل بن مالک سے۔ بنو اوئل۔

قبایل ذیل بنو اسعد کی نسل میں ہیں

(۳۱) بنو اعوف (۳۲) بنو اعایزہ (۳۳) بنو انھیرہ (۳۴) بنو اصبحہ
(۳۵) بنو الاخنس۔ (۳۶) بنو احی
(۳۷) خشم بن جذام سے۔ حشمی (۳۸) حطمہ بن جذام سے۔ بنو اسطمہ

قبایل ذیل بنو انما کی نسل میں ہیں

(۳۹) خشمی (۴۰) بجیلی۔ (۴۱) قسری (۴۲) بنو احمس
(۴۳) دہمان بن عامر بن حمیر سے۔ دہانی (۴۴) یحصب بن دہمان سے یحصبی
(۴۵) اسلف بن سعد بن حمیر سے سلفی (۴۶) اسلم بن سعد سے۔ اسلمی۔
(۴۷) رعین بن حرث بن عمرو بن حمیر سے۔ آل ذی رعین (۴۸) قضاعہ بن مالک بن حمیر سے۔ بنو قضاعہ۔

قبایل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

(۴۹) کلب ابن وبرہ سے۔ بنو کلب (۵۰) عدی ابن جناب سے۔ بنو عدی۔
(۵۱) علیم ابن جناب سے۔ بنو علیم (۵۲) بنو العبید (۵۳) بنو رفیدہ
(۵۴) بنو امصاد (۵۵) بنو القین (۵۶) بنو سلیح (۵۷) بنو تنوخ۔
(۵۸) جرم ابن ربان سے بنو جرم (۵۹) راسب ابن جرم سے۔ راسبی
(۶۰) بنو ابھرار (۶۱) بنو ابلی (۶۲) بنو امہرہ (۶۳) بنو اعذرہ

(۶۴) بنو اسعد (۶۵) بنو ہذیم جبد حبشی (۶۶) خنہ ابن سعد سے - خنی
(۶۷) سلامان ابن سعد سے - سلامانی (۶۸) بنو اجہینہ -
(۶۹) بنو انہد - (۷۰) التبابعہ

قبایل ذیل التبابعہ کی نسل میں ہیں

(۷۱) ذوکلاع (۷۲) ذونواس (۷۳) ذواصبح (۷۴) ذوجدن (۷۵) ذوقائش
(۷۶) ذویزن (۷۷) ذوجوش (۷۸) بنو اشحول
(۷۹) وائلہ ابن حمیر سے - بنو وائل (۸۰) سکاسک بن وائل سے بنو اسکاسک
(۸۱) عوف بن حمیر سے - بنو عوف (۸۲) فاران ابن عوف سے - بنو فاران
(۸۳) طے بن ادد کہلانی سے - طائی (۸۴) غوث بن ادد سے - غوثی

قبایل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

(۸۵) بنو نبہان (۸۶) بنو ثعل (۸۷) حاتمی (۸۸) بنو السنبس (۸۹) بنو اتیم
(۹۰) ثور بن مالک بن مرۃ کہلانی سے ثوری (۹۱) کندہ بن ثور سے - کندی
(۹۲) سکون بن کندہ سے - سکونی (۹۳) اوسلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک
کہلانی سے - اوسلی۔ (۹۴) ہمدانی (۹۵) سبیعی (۹۶) وداعہ
(۹۷) مذحج بن یہابر بن مالک کہلانی سے - مذحج (۹۸) مراد بن مذحج سے - مرادی
(۹۹) سعد بن مذحج سے سعدی یا (۱۰۰) خالد بن مذحج سے بنو اخالد
سعد العشیرہ (۱۰۱) عنس بن مذحج سے - عنسی

(۱۰۲) جعفی بن سعد سے ۔ جعفی (۱۰۳) جنب بن سے ۔ جنبی

(۱۰۴) حکم بن سعد سے حکمی (۱۰۵) عایذ اللہ بن سعد سے عایذی

(۱۰۶) جمل بن سعد سے ۔ جملی (۱۰۷) مران بن جعفی سے ۔ مرانی

(۱۰۸) حریم بن جعفی سے ۔ حریمی (۱۰۹) زبید بن سعد سے ۔ زبیدی

(۱۱۰) جدیلہ بن حارجہ بن سعد سے جدیلی (۱۱۱) ابو خولان بن عمرو بن سعد سے ۔ خولانی

(۱۱۲) انعم بن مراد بن مذحج سے انعمی (۱۱۳) نخع بن جسر بن ادلہ بن خالد بن مذحج سے نخعی

(۱۱۴) کعب بن عمرو سے ۔ بنوالنار ۔

(۱۱۵) کعب بن عمرو سے ۔ بنوالحماس (۱۱۶) بنو قنان ۔

(۱۱۷) الازد بن غوث کہلانی سے ۔ ازدی (۱۱۸) مازن بن ازد سے مازنی یا غسانی

(۱۱۹) دوس بن ازد سے ۔ دوسی (۱۲۰) ہنو بن ازد سے ہنوی ۔

(۱۲۱) جفنہ بن ازد مازنی سے جفنی ۔ (۱۲۲) آل عنقا ۔

(۱۲۳) آل محرق ۔ (۱۲۴) جبلی

(۱۲۵) سلامان ابن میدعن بن ازد سے ۔ سلامانی ۔

(۱۲۶) دوس بن عدثان بن زہران الازدی سے ۔ دوس عدثی ۔

(۱۲۷) جذیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس سے ۔ جذیمی ۔

(۱۲۸) جہاضم بن مالک سے ۔ جہاضمی ۔ (۱۲۹) سلیمہ بن مالک سے ۔ سلیمی

(۱۳۰) ہناہ بن مالک سے ۔ بنو ہناہ (۱۳۱) معین بن مالک سے ۔ معینی

(۱۳۲) یحمد بن معین سے ۔ بنو الیحمد ۔

قبایل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۳) الغطریف (۱۳۴) بنوالیشکر (۱۳۵) بنوالجدرہ (۱۳۶) لہب بن عامر سے بنولہب
(۱۳۷) غامد بن عامر سے غامدی

قبایل ذیل عبداللہ بن ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۸) قسابلی (۱۳۹) بنواعتیک (۱۴۰) بنوبارق (۱۴۱) بنوعوف
(۱۴۲) شہران بن عوف سے - بنوشہران (۱۴۳) طاحیہ بن سود سے - بنواطاحیہ
(۱۴۴) بنواہداد (۱۴۵) خزاعی (۱۴۶) قمیری (۱۴۷) بنوحلیل
(۱۴۸) بنوالمصطلق (۱۴۹) بنوالکعب (۱۵۰) بنوالملیح (۱۵۱) بنواعدی
(۱۵۲) بنواسعد (۱۵۳) اسلمی (۱۵۴) جشمی (۱۵۵) خزرج بن سالبتہ العنقا سے - خزرجی

قبایل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

(۱۵۶) جشمی (۱۵۷) بنواتزید (۱۵۸) سلمی (۱۵۹) بنوابیاسنہ (۱۶۰) بنواسالم
(۱۶۱) بنوالحبلی (۱۶۲) القواقل (۱۶۳) بنوالنجار (۱۶۴) بنواساعدہ

قبایل ذیل اوس کی نسل میں ہیں

(۱۶۵) اشہلی (۱۶۶) بنوظفر (۱۶۷) بنوالحارثہ (۱۶۸) اہل قبا (۱۶۹) حجبی
(۱۷۰) جعادرہ (۱۷۱) بنواواقف (۱۷۲) سلمی (۱۷۳) بنوخطمہ

ہم اس مقام پر عرب العاربہ کے قبایل کا ایک شجرہ لکھتے ہیں جس سے مذکورہ بالا بیان کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاویگا کہ کونسا قبیلہ کس قبیلہ سے نکلا ہے

سوم

ا

عرب المستعربہ یعنی پردیسی عرب

عرب المستعربہ کے تمام قبیلے ایک ہی اصل سے نکلے ہیں انکا نسب ترح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام تک پہونچتا ہے نوح کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی پانچ شاخوں میں منقسم تھی اور اسی وجہ سے عرب المستعربہ بھی پانچ شاخوں میں منقسم ہیں۔

اول اسمٰعیلی בני ישמעאל یا بنی اسماعیل بن ابراہیم بن ترح۔ (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۱۶ ورس ۱۵)

دوم ابراہیمی یا بنی قطورہ קטורה یعنی ابراہیم بن ترح کی اولاد قطورہ کے سلسلہ سے (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۵ ورس ۱)

سوم ادومی یا بنی عیسو עשו یعنی اولاد ادوم بن اسحٰق بن ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و باب ۲۱ ورس ۳ و باب ۲۵ ورس ۲۵)

چہارم ناحوری یا بنی ناحور נחור یعنی اولاد ناحور برادر ابراہیم بن ترح (سفر تکوین باب ۱۱ ورس ۲۸ و ۲۹)

پنجم ہارانی یا بنی ہاران הרן یعنی اولاد مواب מואב و عمان עמון بن لوط بن ہاران بن ترح۔ یہ اخیر قبیلہ کبھی تو موابی کہا جاتا ہے اور کبھی عمانی مگر ہمنے اسکو ہارانی اسواسطے لکھا ہے کہ ہاران ان دونوں کے مورث کا نام ہے اور

دونوں پر جاری ہے (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۲ و ۲۹ و باب ۱۹ درس ۳۰ و ۲۸) -

اب ہم اس مقام پر ہر ایک مذکورہ بالا قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ بیان کرینگے اور اسی درمیان میں یہ بھی ثابت کرینگے کہ "فاران" جہاں سے ربانی ہدایت کے چمکنے کی توریت مقدس میں پیشین گوئی کی گئی تھی وہ بجز حجاز اور بالخصوص مکہ کے متصل کے پہاڑ ہیں اور اس خطبہ میں اس امر کا ثابت کرنا مقصود اصلی ہے -

اول اسمعیلی یا بنی اسمعیل

تمام مورخ مسلمان اور غیر مسلمان سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت اسمعیل کی اولاد عرب میں آباد ہوئی اور ملک عرب کا ایک بڑا حصہ حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں کی نسل سے معمور ہو گیا - ان میں جو کچھ اختلاف ہے وہ انکے مقام سکونت میں ہے اسلیے ہم ان کے مقام سکونت کو اس مقام پر تحقیقات کرینگے -

توریت مقدس میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے نکالے جانے کا واقعہ کو اس طرح پر بیان کیا ہے "و سارہ پسر ہاجر مصری را کہ بجہت ابراہیم زائیدہ شدہ بود دید کہ استہزا می نماید - و با ابراہیم گفت کہ این کنیزک و پسر او را اخراج نما زیرا کہ پسر این کنیزک با پسر من اسحق وارث نخواہد شد - و این سخن در نظر ابراہیم بسیار ناخوش آمد بسبب پسرش - و خدا با ابراہیم گفت بجہت این جوان و کنیزکت در نظرت ناخوش نیاید ہرچہ کہ سارہ بتو گفتہ باشد قولش را استماع نما زیرا کہ ذریہ تو از اسحق خواندہ می شود و از پسر کنیزک نیز امتے تو اہم گردانید زیرا کہ از نسل تست - و ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ بہاجر دادہ بدوشش گذاشت و ہم پسرش را باو داد (۵)

اور او دانہ نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگردان شد و چونکہ در مطہرہ بود تمام شد۔ و پسر را در زیر بوتہ از بو تنہا گذاشت و روانہ شد در برابرش بمسافت یک تیر پرتاب نشست و گفت کہ مرگ پسر را نہ بینم ۔۔ در برابرش نشستہ آواز خود را بلند کردہ گریست۔ و خدا آواز پسر را شنید و ملک خدا ہاجرہ را از آسمان آواز داد و با او گفت کہ اے ہاجرہ ترا چہ واقع شد مترس زیرا کہ خدا آواز پسر را در جائے کہ بودش شنیدہ است برخیز و پسر را بردار و بدست او را بگیر زیرا کہ او را امت عظیمی خواہم کرد۔ و خدا چشمان او را گشادہ کرد و چاہ آبے دید در روانہ شدہ مطہرہ را از آب پر کرد و بہ پسر نوشانید و خدا با پسر بود کہ نشو و نما نمود ۔۔ در بیابان ساکن شدہ تیرانداز گردید۔ و در بیابان پاران ساکن شد و مادرش از برایش از دیار مصر زنی گرفت۔

(سفر تکوین باب ۲۱ درس ۹ لغایت ۲۱)

اس عبرانی חֵמֶת لفظ کا انگریزی میں بوتل ترجمہ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے قدیم عربی ترجمہ میں "سقار" ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی ترجمہ میں "مطہرہ" اردو میں اسکا ترجمہ "مشکیزہ" یا "چھاگل" صحیح ترجمہ ہے جو شرقی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں چند روز کے پینے کے لایق پانی سما سکتا ہے۔

اس واقعہ کی نسبت مسلمانوں کی متبرک کتابوں میں بھی چند روایتیں آئی ہیں۔ اور جو کہ صحیح بخاری مسلمانوں میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے اُس میں دو روایتیں اس واقع کی نسبت آئی ہیں اسلیئے اُن دونوں کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے۔

اُن دونوں روایتوں میں اختلاف ہے۔ ایک میں ایک مضمون ہے اور

ایک میں نہیں - ایک میں کچھ بیان ہوا ہے اور ایک میں کچھ اسلئے ہم اُن دونوں روایتونکو دو مقابل کے کالموں میں اس طرح پر لکھینگے کہ جو اختلاف اُن دونوں میں ہے وہ مجرد دیکھنے کے معلوم ہو جاوے -

یہ بات کہ یہ حدیثیں بخاری میں ہیں اور ضرور ہے کہ انکو صحیح مانا جاوے صرف ایک فرعی بات ہے ورنہ جو اصول کہ حدیث کے ثبوت کے لئے قرار پائے ہیں اُن کے مطابق اُس روایت کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جانا ثابت نہیں ہے یہ دونوں روایتیں ابن عباس نے بیان کی ہیں اور یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے کس سے سُنیں اور اسلئے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ درحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو فرمایا تھا بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو باتیں یہودیوں میں مشہور تھیں انہیں کو ابن عباس نے بیان کیا ہے پس وہ روایتیں ایک مقامی روایتوں سے زیادہ معتبر ہونیکا درجہ نہیں رکھتی ہیں - بخاری میں اس طرح پر روایتیں مندرج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت وہ پیغمبر کی حدیث ہے بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے جس شخص سے اسکو سنا اسنے اسی طرح بیان کیا تھا

پہلی روایت	دوسری روایت
۱- عن ابن عباس قال لما کان بین ابراهیم وبین اهله ما کان خرج باسمعیل وام اسمعیل -	۱- قال ابن عباس اول ما اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسمعیل اتخذت منطقا لتعفی اثرها علی سارة ثم جاء بها ابراهیم وبابنها اسمعیل -

٢ - ومعهم شنة فيها ماء -	٢ -
٣ - فجعلت ام اسمعيل تشرب من الشنة فيدر لبنها على صبيها -	٣ وهي ترضعه -
٤ - حتى قدم مكة فوضعها تحت دوحة -	٤ - حتى وضعهما عند البيت عند دوحة -
٥ -	٥ - فوق زمزم في اعلى المسجد وليس بمكة يومئذ احد وليس بها ماء فوضعهما هنالك -
٦ -	٦ - ووضع عندهما جرابا فيه تمر -
٧ -	٧ - وسقاء فيه ماء -
٨ - ثم رجع ابراهيم الى اهله فاتبعته ام اسمعيل -	٨ - ثم قفى ابراهيم منطلقا فاتبعته ام اسمعيل -
٩ - حتى لما بلغوا كداء -	٩ -
١٠ - نادته من ورائه يا الى تتركنا -	١٠ - فقالت يا ابراهيم اين تذهب وتتركنا -
١١ -	١١ - في هذا الوادي الذي ليس فيه انيس ولا شيء فقالت له ذلك مرارا وجعل لا يلتفت اليها فقالت له آلله امرك بهذا -

١٢ قال الى الله	١٢ - قال نعم
١٣ - قالت رضيت بالله	١٣ - قالت اذن لا يضيعنا -
١٤ - قال ارجعت -	١٤ - ثم رجعت -
١٥	١٥ - فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال رب انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم حتى بلغ يشكرون -
١٦ فجعلت تشرب من الشنة ويدر لبنها على صبيها حتى لما فنى الله -	١٦ وجعلت ام اسمعيل ترضع اسمعيل وتشرب من ذلك الماء حتى اذا نفد ما فى السقاء -
١٧ -	١٧ - عطشت وعطش ابنها وجعلت تنظر اليه يتلوى او قال يتلبط فانطلقت كراهية ان تنظر اليه
١٨ قالت لو ذهبت فنظرت لعلى احس احدا قال فذهبت -	١٨ -
١٩ - فصعدت الصفا فنظرت ونظرت هل تحس احدا -	١٩ - فوجدت الصفا اقرب جبل فى الارض يليها فقامت عليه ثم

	استقبلت الوادي تنظر هل ترى احدا فلم تر احدا فهبطت من الصفا ـ
۲۰ ـ فلما بلغت الوادي سعت اتت المروة وفعلت ذلك اشواطاً ـ	۲۰ ـ حتى اذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها ثم سعت سعي الانسان المجهود حتى جاوزت الوادي ثم اتت المروة فقامت عليها ـ
۲۱ ـ	۲۱ ـ فنظرت هل ترى احدا فلم تر احدا ـ
۲۲ ـ ثم قالت لو ذهبت فنظرت ما فعل يعني الصبي فذهبت فنظرت فاذا هو على حاله كانه ينشغ للموت فلم تقرها نفسها فقالت لو ذهبت فنظرت لعلي احس احدا فذهبت فصعدت الصفا فنظرت ونظرت فلم تحس احدا ـ	۲۲ ـ
۲۳ ـ حتى اتمت سبعا ـ	۲۳ ـ ففعلت ذلك سبع مرات ـ
۲۴ ـ	۲۴ ـ قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم فذلك سعي الناس بينهما ـ
۲۵ ـ ثم قالت لو ذهبت فنظرت	۲۵ ـ فلما اشرفت على المروة سمعت صوتا

مافعل فاذا هی بصوت ۔	
۲۶ ۔	۲۶ ۔ فقالت صہ ترید نفسہا ثم تسمعت ایضا فقالت قد اسمعت ۔
۲۷ ۔ فقالت اغث ان کان عندک خیر ۔	۲۷ ۔ ان کان عندک غواث ۔
۲۸ ۔ فاذا هو جبریل ۔	۲۸ ۔ فاذا هی بالملک عند موضع زمزم ۔
۲۹ ۔ قال فقال بعقبہ هکذا و غمز عقبہ علی الارض قال فانبثق الماء فدهشت ام اسمعیل فجعلت تحفر ۔	۲۹ ۔ فبحث بعقبہ او قال بجناحہ حتی ظهر الماء فجعلت تحوضہ وتقول بیدها هکذا ۔
۳۰ ۔	۳۰ ۔ وجعلت تغرف من الماء فی سقائها وهو یفور بعد ما تغرف ۔
۳۱ ۔ قال فقال ابو القاسم صلی الله علیہ وسلم لو ترکتہ کان الماء ظاهرا	۳۱ ۔ قال ابن عباس قال النبی صلی الله علیہ وسلم یرحم الله ام اسمعیل لو ترکت زمزم او قال لو لم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا ۔
۳۲ ۔ قال فجعلت تشرب من الماء و یدر لبنها علی صبیها الی آخر الحدیث (بخاری کتاب الله) ۔	۳۲ ۔ قال فشربت وارضعت ولدها آخر الحدیث (بخاری کتاب الانبیاء) ۔

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند نہیں کیا۔ پس معلوم نہیں کہ ابن عباس نے وہ روایت کس سے سُنی اور کس بنیاد پر اُنہوں نے اُسکو بیان کیا۔ بخاری کا ادب صرف اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ابن عباس نے سعید ابن جبیر سے یہ روایت بیان کی اور سعید بن جبیر نے اور لوگوں سے جنسے بخاری تک یہ روایت پہونچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے درحقیقت اُسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔

ان روایتوں میں دو فقرے (۲۱ و ۲۴) ایسے ہیں جن سے کہ بادی النظر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباس نے یہ روایتیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہونگی۔ لیکن یہ بات نہیں ہے کیونکہ اُن دونوں فقروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فقرے ان روایتوں کے نہیں ہیں اور کسی مقام کے ہیں کیونکہ خود راوی نے ان دونوں فقرونکو سلسلہ بیان روایت سے علیحدہ کرکے اور بالتخصیص اُنہیں دونوں فقرونکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کیا ہے اور یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ راوی نے باقی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب نہیں سمجھا ہے۔

ایک اور امر جو ان روایتوں کی صحت پر شبہہ ڈالتا ہے یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت ابراہیم کی یہ دعا "رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" بیان ہوئی ہے اور راوی نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے بیٹے

اسمعیل کو نکالا تھا اُسی زمانہ میں وہ خود مکہ میں اُنکے بسانے کو آئے تھے حالانکہ یہ بات
بالکل غلط ہے نہ اُس زمانہ میں حضرت ابراہیم اُنکو یہاں بسانے کے لئے آئے اور نہ
اُس زمانہ میں بیت اللہ الحرام بنایا گیا تھا۔ راوی نے دو مختلف زمانوں کے واقعہ
کو ملا دیا ہے ایک اُس زمانہ کے واقعہ کو جبکہ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور
حضرت اسمعیل کو بیابان بے شجر میں بے سہارے چھوڑ دیا تھا اور دوسرے
اُس زمانہ کے واقعہ کو جبکہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل نے زمزم کے پاس
سکونت اختیار کر لی تھی اور دوبارہ حضرت ابراہیم اُنکے پاس آئے تھے اور بیت اللہ
الحرام بنایا تھا اور جاتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ "رب انی اسکنت من ذریتی
بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم"۔

قران مجید میں حضرت اسمعیل کی عمر کا جبکہ اُنکو حضرت ابراہیم نے نکالدیا کچھ
ذکر نہیں۔ بخاری کی اُن روایتوں سے جنکا مشتبہ ہونا بخوبی ثابت ہوگیا ہے
اگر حضرت اسمعیل کی عمر کا کچھ اندازہ ظاہر بھی ہوتا ہو تو بھی مذہب اسلام پر کوئی
الزام عاید نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ روایتیں اگر مشتبہ ثابت نہ ہوتیں تو بھی بمنزلہ وحی
کے متصور نہیں ہو سکتیں۔

اصل یہ ہے کہ خود توریت مقدس میں حضرت اسمعیل کی عمر کی نسبت جبکہ
وہ نکالے گئے نہایت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض درسوں سے ظاہر ہوتا ہے
کہ وہ نہایت بچے تھے اور بعض سے پایا جاتا ہے کہ وہ سولہ سترہ برس کے
تھے اس اختلاف کی بنا پر عرب کے یہودیوں میں اُنکا بچہ ہونا مشہور تھا اُسی یہودی
روایت کو ابن عباس نے بیان کیا ہوگا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف اسکو منسوب نہیں کیا۔

توریت مقدس میں جو حضرت اسمعیل کی عمر کے باب میں اختلاف ہے وہ اس طرح پایا جاتا ہے۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ کا فارسی ترجمہ جو ہمنے اوپر لکہا ہے وہ یہ ہے

"و ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطہرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ داد و بہ دوشش گذاشت وہم پسرش را (با و داد و) او را نمود پس راہی شدہ در بیابان بیر شبع سرگرداں شد" اس ترجمہ میں لفظ "باو داد و" دو ہلالی خطوط میں لکہا ہے جس کا یہ اشارہ ہے کہ یہ لفظ اصل عبری توریت میں نہیں ہے درحقیقت یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ عبری لفظوں کا یہ ہے کہ "پانی کے مشکیزے اور اسکے بیٹے کو ہاجرہ کے کندے پر رکہ کر اسکو روانہ کر دیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انکی عمر بہت چہوٹی تہی۔ اور اسی وجہہ سے لوگوں نے دودہ پیتا ہوا خیال کیا تہا۔ حالانکہ اسی باب کی چودہویں آیت اسکے برخلاف ہے۔

عیسائی عالموں نے بہی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس چودہویں آیت سے بلا شبہہ حضرت اسمعیل کے اس زمانہ میں بہت چہوٹی عمر ہونا پایا جاتا ہے جو توریت بہت سی آیتوں کے برخلاف ہے اسلئے انہوں نے اسکی نسبت بہت کچہ بحث کی ہے۔

مسٹر فارسٹر لکہتے ہیں کہ "اگر ہم حضرت اسمعیل کی عمر پر غور کریں تو رنج انگیز شوق اور بہی دوبالا ہوتا ہے۔ یہ لڑکا اب کچہ بچہ نہیں تہا بلکہ کم از کم پندرہویں برس میں تہا مگر تکلیف کی وجہہ سے بچہ کی طرح مضمحل سا ہو رہا تہا معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں اسکی بیچاری ماں جب تک کہ اسکو طاقت رہی ہوگی اسکو ہاتہوں میں اٹہائے

رہی ہوگی اور جب وہ تھک گئی ہوگی تو اُسکو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا ہوگا۔ (ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ تاویل کیسی لغو اور بیہودہ ہے) اسکے بعد مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک عمر حضرت اسمعیل کی باسانی معلوم ہوسکتی ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں اُنکا ختنہ ہوا تھا۔ حضرت اسحق اسوقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اُسکے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے کے بیابان میں بھیجے جانے سے پیشتر انکا یعنی حضرت اسحق کا دودھ چھوٹ چکا تھا" (فارسٹر صاحب کا تاریخی جغرافیہ عرب صفحہ ۱۷۶)۔

توریت اور انجیل کے اکثر محققین اور علی الخصوص "جیروم لی کلرک" اور "سدوون ملر" خیال کرتے ہیں کہ حضرت اسمعیل کی عمر اُسوقت سترہ برس کی تھی اسلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ہاجرہ نے اُنکو اپنے کندھے پر رکھ لیا ہو۔

جیسی بیہودہ تاویل مسٹر فارسٹر نے کی ہے اُس سے زیادہ عجیب تاویل "بشپ ہارسلی" نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " عبرانی توریت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو اُسکی ماں نے مع روٹی اور پانی کے اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ یہی معنی یونانی ترجمہ میں بھی سمجھے گئے ہیں اور یہ جملہ بھی کہ بچہ کو جھاڑی میں ڈالدیا جو پندرہویں آیت میں ہے اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔ حضرت اسحق کی ولادت کے وقت حضرت اسمعیل کی عمر چودہ برس سے کم نہ تھی اسواسطے اُن کی ولادت کے وقت کم سے کم وہ پندرہ سال کے ہونگے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حیات انسانی گو اس زمانہ میں بہت مختصر رہ گئی ہے تاہم زمانہ حال کی مدت عمر سے زیادہ دراز ہوتی ہوگی۔ اور چونکہ طفولیت اور ہر ایک درمیانی زمانہ عمر کی حالت تمام عمر کے مجموعہ کے ساتھ جبکہ آدمی ڈیڑھ سو برس یا

زیادہ عمر کے ہوتے تھے ہمیشہ کوئی معین مناسبت رکھتی ہوگی اسلئے قرین قیاس ہے
کہ اس زمانہ میں چودہ یا سولہ برس کی عمر تک ضعیف اور ناتوان رہتے ہونگے اور میرے
نزدیک اس قصہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹوں کے
زمانہ میں یہی صورت ہوگی۔ جوفس کے ذہن میں بھی یہی بات آئی تھی کیونکہ اس کا
صحیح بیان ہے کہ حضرت اسمعیل اسوقت تنہا نہیں جاسکتے تھے۔ مگر یہ دلیل کمزور ہوتی
ہے کیونکہ تین ہی پشتوں کے بعد یہ سب باتیں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس
لئے کہ حضرت یوسف حضرت ابراہیم کے پوتے کے بیٹے سترہ برس کی عمر میں اپنے
بھائیوں کے ساتھ باپ کی مویشی چرایا کرتے تھے اور تیس برس کی عمر میں عزیز مصر
کے خواب کی تعبیر بیان کی تھی اور اُسکے وزیر ہوگئے تھے۔

اسی مضمون پر ایک اور مصنف یہ لکھتا ہے کہ حضرت اسمعیل گو بچہ کہلاتے تھے
مگر سولہ سترہ برس کے ہونگے اور اسلئے اپنی والدہ کی اعانت اور مدد کرنے کے قابل
ہونگے جسطرح کہ اُنہوں نے بعد کو کی۔

ایک اور مصنف کہتا ہے کہ اس جملہ کو "کندھے پر رکھدیا" خطوط ہلالی کے اندر کر
دیا جاتا جیسا کہ بشپ کڈیر اور اسٹیک ہوس اور پائل نے کیا ہے (جس سے
اشارہ ہوتا کہ یہ لفظ توریت کے نہیں ہیں) تو یہ آیت مشتبہ نہوتی۔

اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی پہلی بی بی سارہ کے کہنے
سے اپنی دوسری بی بی ہاجرہ اور اُنکے بیٹے اسمعیل کو جو ہوشیار اور بڑے ہوگئے
تھے گھر سے نکال دیا اور وہ دونوں بیابان بیرسبع میں چلے گئے۔ چلتے چلتے
اور منزلیں طے کرتے ہوئے وہ اسمقام پر پہونچے جہاں اب مکہ ہے۔ پیاس کی

شدت سے حضرت اسمعیل کی حالت خراب ہوگئی اور مرنے کی نوبت پہونچگئی حضرت
ہاجرہ انکو ایک درخت کے سایہ میں بٹھاکر پانی کی تلاش کو ادہر ادہر دوڑتی پہریں
اور بمشکل پانی ملا اور جہاں پانی ملا تہا اُسی جگہہ اُنہوں نے سکونت اختیار کرلی کیونکہ عرب
میں اُسی جگہہ لوگ سکونت اختیار کرتے تہے جہاں پانی دستیاب ہوتا تہا۔

قرآن مجید سے بہی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُس میں یہ آیت ہے "ربنا انی
اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" اس سے ظاہر ہے کہ حضرت
اسمعیل اُس مقام کے پاس سکونت پذیر ہوئے تہے جہانکہ بالفعل خانہ کعبہ واقع ہے
اور جہانکہ اب شہر مکہ آباد ہے۔ عبرانی لفظ مدبر מדבר اور عربی لفظ وادی اور
الفاظ "غیر ذی زرع" جو قرآن مجید میں آئے ہیں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ لفظ فاران
פארן اور لفظ ایل فاران איל פארן جو سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱
اور باب ۱۴ درس ۶ میں آیا ہے اُن دونوں سے ایک ہی مقام مراد ہے اور لفظ
ایل پاران سے بالتخصیص وہ پہاڑ مراد ہیں جو کعبہ کے گرد واقع ہیں اور صفا اور مروہ
اور ابوقبیس اور حرا وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عبرانی زبان میں "ایل" کے
معنی خدا کے ہیں۔ فاران کے پہلے "ایل" کا لفظ لگانے سے انسان کا دل اُسکی
وجہہ کی تفتیش پر متوجہ ہوتا ہے اور اسپر قرار پاتا ہے کہ اُس جگہہ ضرور کوئی ربانی
کرشمہ ظاہر ہوا ہے یا ظاہر ہونیوالا ہے۔ خانہ کعبہ کے گرد جو پہاڑ ہیں اور جہاں کہ
مسلمان حج ادا کرتے ہیں علی العموم بنام "الال" مشہور ہیں۔ بعض صرف ونحو کے
عالموں نے "الال" کو واحد لکہا ہے اور بعضوں کے نزدیک جمع کا صیغہ ہے۔
اس لفظ کے صحیح اشتقاق کی نسبت بہت بحث ہے بعض کچہہ کہتے ہیں اور بعض

کچھ مگر کوئی بات اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ ہماری راے میں کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اسی لفظ "ایل" سے مشتق ہوا ہے۔ ابتدا میں پہاڑ کے نام کے ساتھ اس کا استعمال تہا بمعنی کوہ خدا۔ پہر جو کہ ایل فاران خاص حجاز میں تہا عربوں نے اُس نواح کے تمام پہاڑوں کے لیے "ایل" کی جمع الال بنالی اور مکہ کے پہاڑوں پر اسکا اطلاق کرنے لگے۔

اگرچہ واقعات مندرجہ توریت مقدس اور قرآن مجید جنکا ہمنے اوپر بیان کیا آپ میں مطابقت رکھتے ہیں تاہم تین بڑے بڑے سوالات ہیں جو حضرت اسمعیل کی سکونت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

اول یہ کہ۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل اور اُن کی والدہ کو گہر سے نکال دینے کے بعد کہاں چھوڑا تہا۔

دوم یہ کہ۔ حضرت اسمعیل اور حضرت ہاجرہ نے بیابان میں آوارگی کے بعد کس جگہہ سکونت اختیار کی۔

سوم یہ کہ۔ آیا وہ اُسی جگہہ متوطن ہوئیں جہانکہ پہلے پہل ٹہیری تہیں یا کسی اور جگہہ۔

قرآن مجید میں اُن امور کی بابت کچھہ تذکرہ نہیں ہے لیکن بعض ملکی روایتوں اور چند حدیثوں میں اسکا بیان ہے۔ وہ حدیثیں غیر مستند ہیں اور اسوجہ سے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچتا اور جو کہ مقامی روایتوں میں اُن واقعات کو جو مختلف موقعوں پر واقع ہوئے تہے خلط ملط کر دیا ہے اسلیے اُنپر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے نزدیک اول سوال کی نسبت جو کچھہ توریت مقدس

میں لکھا ہے اُس سے زیادہ بحث کرنی فضول ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "اُس نے یعنی ابراہیم نے اُسکو یعنی ہاجرہ کو روانہ کر دیا اور وہ چلے گئے اور بیابان بیرشبع میں پھرتے رہے" (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴)۔

دو باقی ماندہ سوالوں کے باب میں توریت مقدس کی عبارت اس طرح پر ہے کہ ایک جگہ لکھا ہے "اور وہ یعنی اسمٰعیل بڑا ہوا اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا اور ایک تیرانداز ہو گیا" (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۰) — اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ "اُس نے یعنی اسمٰعیل نے بیابان فاران میں سکونت اختیار کی" (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱)۔ توریت کا کوئی مفسر نہیں بیان کرتا اور نہ ملکی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل پہلے کسی ملک میں آباد ہوئے ہوں اور پھر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں اسلئے یہ بات تسلیم کرنی ضرور ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اُنکی والدہ جس حصہ ملک میں آباد ہوئیں تھیں اُسی میں آباد رہیں پس توریت میں جہاں صرف بیابان میں آباد ہونیکا ذکر ہے اُس سے بیابان فاران ہی مراد ہے جسکی تصریح دوسرے درس میں کی گئی ہے۔ پس ان سوالوں کا حل کرنا اس بات کی تحقیق پر منحصر ہے کہ بیابان فاران جہاں کہ حضرت اسمٰعیل کا سکونت پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے کونسی جگہ ہے۔

مشرقی جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں۔ اول وہ مقام اور اُسکے گرد نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیونکہ اُس زمانہ میں وہ بیابان تھا۔ دوم وہ پہاڑ اور گانوں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے۔ سوم ایک ضلع جو سمرقند کے نواح میں ہے۔

مشرقی جغرافیہ دانوں نے جو کچھ کہ فاران کی نسبت لکھا ہے اسکو ذیل میں

منتبج کرتے ہیں۔

فاران مذکور فی التوراۃ فی قولہ جاء اللہ من سینا واشرق من ساعیر واستعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین وھو انزالہ الانجیل علی عیسیٰ وفاران مکۃ ادجبالہا علی ما تشہد بہ التوراۃ واستعلاؤہ منہا انزالہ القرآن علی رسولہ محمد صلعم وفاران قریۃ من نواحی سغد من اعمال سمرقند وقیل فاران والطور کورتان من کور مصر قبیلہ۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع۔ ومعجم البلدان یاقوت حموی۔

والطور جبل بارض مصر عند کورۃ تشمل علی عدۃ قری فیلیہا وبالقرب منہا جبل فاران۔ مراصد الاطلاع ومعجم البلدان۔

فاران ثلثۃ مواضع فاران اسم جبال مکۃ وقیل انہا اسم جبال الحجاز ولہا ذکر فی التوراۃ یجی فی اعلام نبوۃ النبی صلعم قال الامیر ابو نصر ابن ماکولا ابوبکر نصر بن القاسم بن قضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان ذلک نسبۃ الی جبال فاران وھی الحجاز وفاران قال ابوعبد اللہ القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلیۃ وفاران من قری سمرقند۔ مشترک یاقوت الحموی۔

الطور سبعۃ مواضع والطور ایضاً علم لجبل بعینہ عند کورۃ تشتمل علی عدۃ قری بارض مصر من جہۃ القبلیۃ بینہا وبین جبل فاران۔ مشترک۔

وطریق اخر علی ساحل البحر القلزمی ... من مصر الی عین شمس ... ثم الی بطن مغیرہ ... ثم الی جرن فاران ... وبالقرب من فاران موضع

سعب اذا سالت والرهم ایضا مغربا والدبور مشرقا ویسمی جیلان الی جبل الطور الی ایله الخ ۔ نزهة المشتاق لشریف الادریسی ۔

مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی غیر ملک اور مذہب کے مورخ نے فاران اور حجاز کو جہاں اب مکہ معظمہ واقع ہے ایک ہی قرار دیا ہو ۔ لیکن عربی ترجمہ توریت سامری میں جسکو آرکوئی نن صاحب نے ۱۸۵۱ء میں بمقام لگڈ ۔ نی بٹاورم چھپوایا ہے اس میں فاران اور حجاز سے ایک ہی جگہہ مراد لی ہے اور فاران کے لفظ کے آگے خطوط ہلالی میں حجاز کا لفظ لکھدیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے ۔

"وسکن فی بریة فران (الحجاز) واخذت لہ امہ امراة

من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراة سامری) ۔

عموماً عیسائی مورخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہہ سے مراد ہے تسلیم نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اسکو تسلیم کرلیں تو اس بات کی تسلیم بھی لازم آتی ہے کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے بلاشبہ اُس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا مراد ہے ۔

بہرحال اُن مصنفوں کا فاران کی نسبت مختلف طرح کا بیان ہے ۔

اول ۔ یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ فاران وہ وسیع قطعہ زمین ہے جو بیر شبع کی شمالی حد سے لیکر کوہ سینا تک چلا گیا ہے اور فاران کے نام سے مشہور ہے ۔ اُسکی حدود اربع عموماً یہ تبلاتے ہیں ۔ شمال میں کنعان ۔ جنوب میں کوہ سینا ۔ مغرب میں مصر ۔ اور مشرق میں کوہ سیعر ۔ اُس میں بیشمار چھوٹے چھوٹے بیابان ہیں جنکو ملاکر کل بیابان بنتا ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے بیابان علیحدہ علیحدہ ناموں سے معروف ہیں مثلاً

شور - بیرشبع - ایثام - سین - زین - عیدام وغیرہ -

دوم بعض مصنفوں کا گمان ہے کہ قادیش جہاں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیرشبع کھودا تہا اور فاران ایک ہی مقام ہے -

سوم - بعضوں کی یہ رائے ہے کہ فاران اُس بیابان کا نام ہے جو کوہ سینا[1] کے مغربی ڈہلاؤ پر واقع ہے - بیشمار عمارتوں اور پرانی قبروں اور میناروں وغیرہ کے آثار وہاں اب بہی پائے جاتے ہیں - مسٹر وبر کا بیان ہے کہ مینے ایک کلیسا کے نشانات جو پانچویں صدی عیسوی میں بنایا گیا ہوگا دریافت کئے - اور اُن کا یہ بہی بیان ہے کہ چوتہی صدی میں اس مقام پر عیسائی آباد تہے اور ایک بطریق بہی وہاں رہتا تہا - ان بیانات کی تصدیق کرنے میں اس بات کے خیال میں کہ یہ شہر اُس شہر سے مطابقت رکہتا ہے جسکا مشرقی مورخوں نے مشرقی کنارہ مصر پر موجود ہونا بیان کیا ہے ہمیں کچہ بہی کلام نہیں ہے -

---

[1] یہ ایک ایسا نام ہے جسکا اطلاق توریت میں اس سارے صحرا پر معلوم ہوتا ہے جو یہودیہ کی سرحد سے لیکر حوالی سینا تک پہیلتا ہے - جو کہ ہم فاران کو حوالی سینا کے جنوب کے قطع میں (سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور شمالی جانب قادیش سے (سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) ملحق اور جگہہ بہی پاتے ہیں اسلئے یہ بات کا فرض کرلینا کہ فاران اُس تمام قطعہ کا نام تہا جو ان حدود سے محدود ہے آسان معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اسکے کہ مقابل کے دو قطعوں کا ایک ہی نام قرار دیں - اس لحاظ سے وہ وقت جو اس نام کی صحیح صحیح تطبیق میں عارض ہوتی تہی ظاہر ہوگئی ہے جبکہ یہ دیکہا جاوے کہ سب جداگانہ مقامات جو مختلف مصنفوں نے اُسکے واسطے قرار دیے ہیں - اُس قدر وسیع قطعہ میں مجتمع ہوتے ہیں جو کہ ہمارے نزدیک اُسکا مصداق ہے

گر یہ سب بیانات درست نہیں ہیں جنکی غلطی ہم ثابت کرینگے ۔ اگرچہ پہلے دو بیانات کی تائید میں کسی قسم کی شہادت موجود نہیں ہے اور اسلئے اُن کی نسبت صرف یہ کہدینا کہ وہ ثابت نہیں ہیں کافی تھا لیکن ہم اس غرض سے کہ اُن کے غلط ہونے میں کچھ شبہہ باقی نہ رہے ہم اُنکی تردید کرتے ہیں ۔

اول بیان کی تردید کے لیئے یعنی اُس بیان کی تردید کے لیئے جس میں فاران کو ایک وسیع بیابان قرار دیا ہے اور اُس میں اور چھوٹے چھوٹے بیابان مثل شور اور سینا وغیرہ کے شامل کیے ہیں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ اسکی تردید میں توریت مقدس کی چند آیتیں نقل کردیں کیونکہ اُن سے صاف منکشف ہوتا ہے کہ فاران خود ایک جداگانہ بیابان ہے اور گرد و نواح کے بیابان اُس میں شامل نہیں ۔

متعلق صفحہ ۱۲۲ ۔ یہ نام وادی فاران میں بھی بخوبی موجود ہے جو سینا سے اسفل کا ایک وادی ہے اور جس میں ہوکر بنی اسرائیل ہنگام کوچ بجانب ممالک اعلیٰ گذرے تھے ۔ (کٹوز سائیکلوپیڈیا آف بائبل) ۔

ایک بیابان فلسطین کی جنوب کی جانب جہاں کہ حضرت اسمٰعیل سکونت پذیر ہوئے تھے (سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱) جس کے مغرب میں ہلال اور ملیق شمال میں یہودیہ کے جنوبی پہاڑ اور مشرق میں قادیش کا بیابان اور اُس کے پہاڑ یہ ایل پاران یا بیابان پاران ہے (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۶) نیز وہ ملک جس کے بعض اقطاع میں موسم برسگال میں گھاس اور سبزہ بہت ہوتا ہے جہاں کہ حضرت ابراہیم نے بود و باش اختیار کی تھی قادیش اور شور کے مابین اور جہاں کہ بنی اسرائیل کا قادیش کو جاتی وقت گذر ہوا تھا (سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲ و باب ۱۳ درس ۲۶) بیابان فاران سے مراد اُن پہاڑ دشت بھی ہوسکتی ہے جو اس میدان کے مشرق کی جانب اور بیابان قادیش کے جنوب کی طرف واقع ہیں یا بیابان قادیش بیابان فاران بھی میدان ملحق کی وجہ سے کہلاتا تھا جس طرح وہ بھی قادیش کے نام سے بوجہ چشمہ قادیش کے مشہور تھا (چیلنز بائبل ڈکشنری)

(الف) "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر در بیابان پاران ساکن شد" (سفر اعداد باب ۱۰ درس ۱۲)۔ اس عبارت سے جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں مقام کیا قرار واقعی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بیابان ایک دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ بیابان تھے۔

(ب) "پس در سال چہار دہم کدر لاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند آمدہ رفائیان را کہ در عشتروت قرنیم و زوزیان را در ہام و ایمیان را در شاوہ قریاتایم شکست دادند۔ و نیز حوریان را در کوہ خود شان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا است" (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۵ و ۶)

پس جب تک کہ بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاوے اس درس کی عبارت مہمل ہو جاتی ہے۔

(ج) "خداوند موسیٰ را خطاب کردہ گفت۔ کہ مردانے بہ فرست تا انکہ زمین کنعن را کہ بہ بنی اسرائیل میدہم تجسس نمایند از ہر سبط آبائے ایشان یک نفرے کہ در میان ایشان سردار باشد بفرستید۔ پس موسیٰ ایشاں را بفرمان خداوند از بیابان پاران فرستاد و آن مردمان ہمگی رؤسائے بنی اسرائیل بودند" (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۱ و ۲ و ۳)۔

(د) "در روانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشاں و ہم بہ تمامی جماعت خبر رساندند و ہم بہ ایشاں میوہ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۲۶)۔

(ہ) "دگر گفت۔ خداوند از سینی برآمد و از سعیر بر ایشاں تجلی کرد و از کوہ پاران

درخشندہ شدہ با ہزار ہزاران مقدسان در رسید و از دست راستش باایشان شریعت آتشین رسید" (سفر توریہ مثنی باب ۳۳ درس ۲)۔

(و) "خداوند از تیمان و قدوس از کوہ پاران آمد۔ سلاہ۔ جلالش آسمان ہارا مستور کرد و زمین از حمدش پر شد" (کتاب حبقوق باب ۳ درس ۳)

(ز) "و از مدیان برخاستند و بہ پاران آمدند و مردمان چندے از پاران بہمراہ خود شان گرفتند و بہ مصر بخدمت فرعون بادشاہ مصر آمدند" (کتاب اول ملوک باب ۱۱ درس ۱۸)

اور دوسرے بیابان کی یعنی اسکی کہ قادیش اور فاران ایک ہی مقام ہے توریت مقدس کے مندرجہ ذیل درسوں سے تکذیب ہوتی ہے

(الف) "و نیز حوریان را در کوہ خود شان سیعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحرا است و برگشتہ بہ عین مشپاط کہ قادیش است آمدند و تمامی مرز و بوم عمالیقان و ہم اموریانی کہ در حصصون تامار ساکن بودند شکست دادند" (سفر تکوین باب ۱۴ درس ۶ و ۷)۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک قادیش اور فاران دو جدا گانہ اور مختلف بیابان نہ قرار دیے جاویں درس مذکورہ بالا کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

(ب) "و روانہ شدہ پیش موسیٰ و ہارون و تمامی جماعت بنی اسرائیل در بیابان پاران بہ قادیش رسیدند و بہ ایشان و ہم بہ تمامی جماعت خبر رسانند و ہم بہ ایشان میوۂ زمین را نمودند" (سفر اعداد باب ۱۳ درس ۲۶)

اس درس میں جن لفظوں کے نیچے ہمنے لکیر کر دی ہے اُنکے ترجمہ میں ہمکو شبہہ ہے اسلئے ہم اصل عبری عبارت اور اُسکا ایک نہایت قدیم ترجمہ عربی کا جو ۱۶۱۶ء میں

معہ لیٹن ترجمہ کے چھاپ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

וַיֵּלְכוּ וַיָּבֹאוּ אֶל־מֹשֶׁה וְאֶל־אַהֲרֹן וְאֶל־כָּל־

עֲדַת בְּנֵי־יִשְׂרָאֵל אֶל־מִדְבַּר פָּארָן קָדֵשָׁה׃

وقدموا الی موسیٰ و ہارون وجماعۃ بنی اسرائیل الی بریۃ فاران الی قادس ۔سفر

العدد الاصحاح ۱۳ - ۲۶ -

اصل عبری عبارت میں صرف یہ لفظ ہیں "ال مدبر فاران قادیش"۔ عربی زبان میں جو قاعدہ بدل اور مبدل منہ کا ہے وہ عبری زبان میں نہیں ہے اور اسلئے فاران اور قادیش بدل اور مبدل منہ نہیں ہوسکتے۔ اور ضرور ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لفظ مقدر مانا جاوے۔ فارسی مترجم نے صرف ت کو مقدر مانا ہے اور "بہ قادیش" ترجمہ کیا ہے۔ اور عربی مترجم نے "الی" مقدر مانا ہے اور "الی قادیش" ترجمہ کیا ہے۔ اور لیٹن کے مترجم نے جو لفظ مقدر مانا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے "جو کہ بیچ قادیش کے"۔ گر عربی قدیم ترجمہ صحیح معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ فاران کے ماقبل ہی ال یعنی "الی" کا لفظ آیا ہے اور وہی لفظ قادیش پر سے محذوف کردیا ہے۔ بس اس ترجمہ کے مطابق معنی یہ ہوتے ہیں کہ "آئے بیابان فاران کی طرف قادیش کی طرف سے یعنی قادیش کے رستہ سے" اس صورت میں صریح ظاہر ہوتا ہے کہ فاران اور قادیش دو مختلف مقاموں کے نام ہیں اور اسی کی تائید سفر تکوین کے درسوں سے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اب ہمکو تیسرے فاران پر غور کرنا چاہئے جسکا کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہونا بیان ہوا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہاں ایک مقام ہے جو فاران کے

نام سے مشہور ہے مگر سوال یہ ہے کہ آیا وہ وہی بیان ہے جسکا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے کہ حضرت اسمعیل صحراے بیر شبع میں سرگردانی کے بعد وہاں آکر ٹھیرے تھے اور کیا وہ وہی مقام ہے جہاں حضرت اسمعیل فی الحقیقت متوطن ہوئے تھے - اس لئے کہ اگر از روے تجسس او تفتیش کے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسمعیل وہاں متوطن نہیں ہوے تھے تو اس سے لازم آویگا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جسکا ذکر سفر تکوین میں آیا ہے -

کوئی ملکی روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضرت اسمعیل نے اس جگہہ سکونت اختیار کی تھی - ریورنڈ مسٹر فارسٹر جو اسی مقام کو حضرت اسمعیل کی سکونت کی جگہہ خیال کرتے ہیں اور جسقدر دلائل اسکی تائید میں لاتے ہیں وہ اسی قسم کی شہادت پر مبنی نہیں ہیں - مگر ہم اس غرض سے کہ اُنکے غلط ہونے میں کچھہ شبہہ باقی نہ رہے اُن دلیلوں کی غلطی بیان کرتے ہیں -

مصنف موصوف نے سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ پر جسکی یہ عبارت ہے "و ایشان[1] از حویلاہ تا شور کہ ہنگام رفتن تو بہ اشور در برابر مصر است ساکن بودند و مسکن او در حضور تمامی برادرانش افتاد" - استدلال کرکے بیان کیا ہے کہ " خداے تعالی کے وعدے اسی میں ایفا ہو گئے تھے جبکہ اسماعیلیونکی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہاے عرب میں یعنی سرحد مصر سے لیکر دہانہاے فرات تک پہیل گئی تہی "

اول غلطی صاحب موصوف کی یہ ہے کہ حویلاہ کو دہانہاے فرات پر قرار دیا ہے

[1] - ریورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب حویلاہ کی سکونت کی نسبت لکھتے ہیں کہ " ارض حویلاہ سے جو حضرت موسی کے پہلے صحیفہ میں مذکور ہے وہ حصہ عرب کا مراد ہے جو دہانہاے فرات سے

دراصل حویلاہ جس کے بانی کا نام سفر تکوین باب ۱۰ اور س ۲۹ میں مذکور ہے نواح یمن
میں عرض بلد شمالی ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ اور طول بلد شرقی ۴۲ درجہ ۲۰ دقیقہ پر واقع ہے اور اس کی
کامل تصدیق عرب کے اس نقشہ کے معائنہ سے ہو سکتی ہے جو عرب کے جغرافیہ
کی شکل کے مطابق ہے واکر صاحب کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کر کے بنایا گیا ہے
اور اسی کے ساتھ شام اور مصر کے ان اقطاع کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیے جن کا نقشہ ریونڈ
کارٹر پی کیرے - ایم - اے - نے مرتب کیا ہے -

دوسری غلطی یہ ہے کہ مصنف موصوف نے اور عیسائی مورخوں اور جغرافیہ دانوں
کی تقلید اختیار کر کے "شور" کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے حالانکہ صحرائے
اشام واقع ہے اور یہ قطعی غلطی ہے کیونکہ صحرائے شور سے توریت مقدس میں مراد

متعلق صفحہ ۱۲۸ - ملحق ہے اور جنوب کی جانب ساحل خلیج فارس کے برابر برابر چلا گیا ہے" یہ بیان
اس بنا پر ہے (اگرچہ ہمارے نزدیک قابل وقعت نہیں ہے -) کہ جزایر بحرین میں سب سے مشہور
جزیرے "اوال" کے نام میں اصلی نام حویلاہ کے آثار پائے جاتے ہیں - اس دلیل کے استحکام
میں صاحب موصوف یہ بیان کرتے ہیں کہ "آگے آنے والی مثالوں سے عربی زبان کے استعمال
میں جو مختلف تصرفات اس نام میں ہوئے ہیں معلوم ہونگے جیسے - اوال - حویل - حویلاہ - خر -
خط - حولان - جول - جولان - ان لفظوں میں سے بعضے لفظ ایک ہی جگہہ یا ضلع کے مختلف نام
ہیں" - ایسے عظیم سوالات کا اس طرح حل کرنا اور ان سے نتایج کا استنباط کرنا کامل اور بطرز فدارانہ تحقیقات
کے قواعد معینہ کے مطابق صحیح نہیں ہے اور اسی لیئے وہ قابل وقعت نہیں ہیں اور اسی باعث
سے ہمنے کہا ہے کہ ریونڈ مسٹر فارسٹر نے اس بیان میں غلطی کی ہے علی الخصوص اس وجہ سے کہ یہی
نام پورا پورا عرب کے دوسرے حصہ میں موجود ہے -

تمام اُس وسیع میدان سے ہے جو شام سے لیکر جانب جنوب ملک مصر تک منتہی ہوتا ہے -

اصل عبری توریت میں صرف دو نام ہیں - شور שור اور اشورہ אשורה بغیر الحاق لفظ صحرا کے موجود ہیں ان دونوں ناموں میں سے شور سے مراد شام اور اشورہ سے مراد - اسریا ہے -

اس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسمٰعیل اُس وسیع قطع میں آباد ہوئے تھے جو شمالی حدود یمن سے جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے - یہ جگہ اب بنام حجاز معروف ہے اور فاران سے مطابقت رکھتی ہے - ہمارے اس نتیجہ کی اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ یہی سرزمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتی ہے اگر کوئی شخص وہاں سے اسریا کی جانب عزیمت کرے اور توریت مقدس کی اس آیت کی کماحقہ تصدیق ہوتی ہے جہاں لکھا ہے "جو کہ سامنے مصر کے ہے اگر تو اسریا کی جانب روانہ ہو" یعنی مصر کے سامنے ہی اگر تم ایک خط مستقیم وہاں سے اسریا تک کھینچو -

فاران کے حدود اربع جو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے بحوالہ ڈاکٹر ولز کے قرار دی ہیں کہ اُسکے مغرب میں بیابان شور ہے اور مشرق میں کوہ سعیر اور شمال میں ارض کنعان اور جنوب میں بحر احمر یہ حدود بھی بالکل غلط ہیں

سنٹ پال حواری نے جو خط گلاٹیون کے نام لکھا ہے اُس کے چوتھے باب میں بائیسویں درس سے چھبیسویں درس تک یہ عبارت مندرج ہے "یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے - وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر پیدا ہوا - اسکے یہ معنی ظاہر ہیں کہ یہ عورتیں دو

عہدنامے ہیں ایک تو کوہ سینی کی جو صرف غلام جنتی ہے ہاجرہ ہے کہ وہ ہاجرہ کوہ عرب کا
کوہ سینی ہے اور یہاں کے یروشالم کی بجنس ہے اور اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی
میں ہے۔ پر اوپر کی یروشالم آزاد ہے سو ہم سبھوں کی ماں ہے" اسپر ریورنڈ مسٹر
فارسٹر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجرہ ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود
مصنف موصوف ہی کا قول ہے کیونکہ جہانتک کہ ہمکو واقفیت ہے ہم کسی عیسائی مصنف
کا قول اسکے مطابق نہیں پاتے ہیں۔ کوئی مشرقی مورخ یا جغرافیہ داں ایسا نہیں
معلوم ہوتا جس نے کوہ سینا اور ہاجرہ کو ایک ہی سمجھا ہو اور نہ انجیل مقدس کی کسی
آیت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ کوہ سینا اور ہاجرہ سے ایک ہی شے مراد ہے۔
سنٹ پال حواری کا اصلی منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کوہ سینا پر دو معاہدے کئے
گئے تھے ایک حضرت اسحق کے ساتھ اور دوسرا حضرت اسمعیل اسپر ہاجرہ کے ساتھ۔
سنٹ پال حواری نے کنایتاً فرمایا کہ " یہ ہاجرہ کوہ سینا ملک عرب میں ہے" یعنی
یہ ہاجرہ یعنی بنی ہاجرہ وہ معاہدہ ہے جو کوہ سینا پر ہی کیا گیا تھا اور یروشالم کا ہمپایہ
ہے جو بالفعل موجود ہے اور اُسکی اولاد کے ساتھ غلامی میں ہے۔ عبارت مذکورہ
بالا کو اس طرح پھیرنا کہ اُسکے معنی سے ہاجرہ اور سینا کا مقام واحد ہونا ثابت ہو جاوے
بالکل غیر ممکن ہے۔

کتاب اول تواریخ ایام باب ۵ ورس ۹ اور ۱۰ میں بعض اقوام بنی اسرائیل کے آباد
ہونے کے ذکر کے ساتھ یہ عبارت مندرج ہے " و بہ طرف شرقی تا مدخل بیابان کہ بہ کنارہ
نہر فرات باشد ساکن میشدند زیرا کہ زمین گلعاد گلہ ہائے ایشاں زیاد میشدند۔ و در زمان
شاول ایشاں باہگریان دعوے کردند کہ آنہا بدست ایشاں افتادند و در چادرہائے ایشاں

درتمامی مرزوبومی کہ بہ طرف گلعاد باشد ساکن شدند" ان ورسوں پر استدلال کرکے
رورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ گلعاد کے شرقی نواح جو رود فرات اور خلیج فارس
کی سمت میں ہے حضرت اسمعیل کے ابتدائی مقام سکونت سے مطابق ہوتا ہے
ایک عرصہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد قریب قریب سارے جزیرہ نمائے عرب
میں پھیل گئی اور اُن میں سے بعض لوگ مقام متذکرہ بالا کو قدیمی باشندوں سے چھینکر
وہاں جا بسے۔

مگر ان ورسوں سے جو مقصد رورنڈ مسٹر فارسٹر کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان
سے صرف یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بنی ہاجرہ نے سواحل خلیج فارس پر شکست کھائی
اور یہ شکست آٹھ سو برس بعد حضرت اسمعیل کے واقع ہوئی تھی - ان ورسوں سے یہ بات
کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وہی جگہہ تھی جہاں خود حضرت اسمعیل متوطن ہوئے تھے
رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت اسمعیل کی
اولاد نے خلیج فارس کے شمالی سمت سے لیکر یمن تک تمام ملک پر قبضہ کرلیا تھا
مختلف مقامات کے ناموں کی بنی ہاجرہ کے ناموں کے ساتھ مطابقت کرنے میں
انتہا کوشش کی ہے - بعض مطابقتیں اس طرح پر کی ہیں جنپر اعتبار نہیں ہوسکتا
اور بعض میں اپنے معمولی قاعدہ کے مطابق صرف ایک حرف کے مطابق ہوجانیکو کافی
سمجھا ہے اور بعض ناموں کے مطابق کرنے میں انکو کامیابی بھی ہوئی ہے -
لیکن جس امر کے قائم کرنے میں رورنڈ مسٹر فارسٹر نے اسقدر جانفشانی سے ناکام
کوشش کی ہے دو وجہہ سے قابل التفات اور لائق توجہ نہیں ہے -
اول اسلئے کہ ہمارے نزدیک بھی حضرت اسمٰعیل کی اولاد یعنی اُن کے بارہ

نامور بیٹے اور اُن بیٹوں کی اولاد صرف اس تنگ قطعۂ زمین میں محصور نہیں رہی جو مکۂ معظمہ کے گردا گرد ہے بلکہ امتداد زمانہ میں اُنکی اولاد قریب قریب تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی تھی۔ مشرقی مورخ بھی اسکے قائل ہیں جیساکہ عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ امر متنازعہ فیہ نہیں ہے۔

ولما کثر ولد اسمعیل صلی اللہ علیہ وسلم ضاقت علیہم مکۃ فانتشروا فی البلاد فکانوا لا یدخلون بلدۃ الا اظہرہم اللہ علی اہلہ وہم نفوا العمالیق

معارف ابن قتیبۃ۔

دوم اسلیئے کہ اس مقام پر یہ امر بحث طلب نہیں ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد حضرت اسمعیل کی اولاد کہاں کہاں پھیل گئی تھی۔ بلکہ اس بات پر بحث ہے کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی اولاد ابتدا میں کس جگہہ آباد ہوئی تھی۔ پس جو کچھہ کہ ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے لکھا ہے اس سے امر بحث طلب کو کچھہ علاقہ نہیں ہے۔

اب ہم اس امر کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کتب خمسہ حضرت موسیٰ میں اُس فاران کا جو مشرقی مصر میں کوہ سینا کے مغربی ڈھلاؤ پر واقع ہے کچھہ بھی ذکر نہیں ہے اور یہ امر اُسوقت بخوبی واضح ہوجاتا ہے جبکہ حضرت موسیٰ اور اُنکے ہمراہیان بنی اسرائیل کی صحرا نوردیوں کے مقامات پر لحاظ کیا جاوے۔ سفر خروج باب ۱۵ ورس ۲۲ میں لکھا ہے "پس موسیٰ اسرائیلیان را از دریائے احمر کوچانید وبہ بیابان شور رفتند وسہ روز در بیابان راہی شدہ آب نیافتند" اور جبکہ اُنہوں نے بیابان سین کو طے کیا تب عمالیق کی قوم آئی اور رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑی دیکھو (سفر خروج باب ۱۷ ورس ۸)۔

بنی عملیق قدیم رہنے والے رفیدیم کے نہیں تھے بلکہ اُس وادی کے رہنے والے تھے جسکا ذکر سفر اعداد باب ۱۴ ورس ۲۵ میں ہے اور اس ورس میں بھی جو لفظ "آئے" کا استعمال ہوا ہے اُس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رفیدیم کے رہنے والے نہ تھے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ رفیدیم سیناء کے جانب مغرب یعنی مشرقی مصر میں واقع ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اپنے اعجاز سے ایک چٹان میں سے پانی کا چشمہ نکالا تھا اور اُسکا نام "مساہ" اور "مریبا" رکھا تھا (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۶ و ۷) اور اسی جگہ حضرت موسیٰ نے ایک قربان گاہ بنائی تھی اور اُس کا نام "یہواہ نسی" رکھا تھا (دیکھو سفر خروج باب ۱۷ ورس ۱۵-)۔

حضرت موسیٰ اب آگے کو مشرق کی طرف بڑھے اور صحراے سینا میں پہونچکر کوہ خدا کے پاس ڈیرے ڈالے اور اسی مقام پر اُن کے خسر مسمیٰ یثرد کاہن اُن سے ملنے کو آئے (دیکھو سفر خروج باب ۱۸ ورس ۵ و باب ۱۹ ورس ۲)

اس میں کچھ شک نہیں کہ یثرد کاہن حضرت موسیٰ کے خسر کوہ سیناء کے مشرق کی جانب سے آئے تھے - کیونکہ مدیان جہاں کہ وہ کاہن تھے اُس کے مشرق کی سمت میں واقع ہے - اس تمام سفر میں جو حضرت موسیٰ نے مصر سے سیناء تک کیا فاران کا کچھ ذکر نہیں آیا -

سیناء سے بنی اسرائیل کا کوچ شمالی مشرق سمت میں تھا - اس سفر کے باب میں سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲ میں یہ لکھا ہے "و بنی اسرائیل از بیابان سینی کوچ نمودند و ابر در بیابان پاران ساکن شد" - حضرت موسیٰ نے اس سفر میں پہلی منزل اُس مقام پر کی تھی جسکا نام "تبعیراہ" تھا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳) - پھر وہاں سے "قبروت ہتاواہ"

کو روانہ ہوئے اور وہاں سے "حصیرت" کو کوچ کیا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۱ ورس ۳۴ و ۳۵) اور اس اخیر مقام سے کوچ کر کے بیابان پاران میں داخل ہوئے (دیکھو سفر اعداد باب ۱۲ ورس ۱۶) - چونکہ یہ پاران وہی جگہ ہے جہاں ابر کا ٹھہرنا بیان کیا گیا ہے اس لئے کچھ شک نہیں کہ حضرت موسیٰ کا کوچ شمالی ور مشرقی سمت میں تھا یعنی قادیس کی طرف (دیکھو سفر اعداد باب ۱۳ ورس ۲۶) اور اسلئے وہ فاران جسکا ذکر حضرت موسیٰ نے کیا ہے، سینا کے مغرب کی جانب نہیں ہو سکتا -

پس بآسانی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ شہر فاران جسکو ر پر صاحب نے بیان کیا ہے اور جس کے آثار انہوں نے پائے ہیں اور جو مشرقی مورخوں کی نظر سے بھی چھپا ہوا نہ تھا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود نہ تھا - اور یہ کب خیال میں آسکتا ہے کہ ایسے بیابان میں جس کی نسبت حضرت موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ "بیابان وسیع و ہولناک کہ دراں مار سوزندہ و عقرب و زمین خشک بے آب بود" اس زمانہ میں کوئی شہر موجود ہو (دیکھو سفر توریت مثنیٰ باب ۸ ورس ۱۵)

عیسائی مصنفوں نے بیابان فاران کا جو مقام قرار دیا ہے اُسپر اعتبار کرنا حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے بیابان کی صحت پر منحصر ہے اور اس امر کی نسبت کہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل صحرا نوردی کی حالت میں کن کن مقاموں پر ہو کر گذرے تھے خود عیسائی علما اور فضلا میں اسقدر اختلاف ہے کہ اسقدر اختلاف شاید ہی کسی اور امر کی نسبت ہو - ہم اس مقام پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کا ایک نقشہ شامل کرتے ہیں اس سے ظاہر ہو گا کہ خود علما عیسائی نے پانچ مختلف رستے صحرا نوردی کے بیان کئے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی

ایسا نہیں ہے جسکی نسبت بطور یقین کے بیان کیا جا سکے کہ درحقیقت ان پانچوں میں سے صحرانوردی کا کونسا صحیح رستہ ہے۔

فاران اسپر عوف کی اولاد بنی فاران کے نام سے مشہور تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بعد کسی وقت میں کچھ لوگ اس قبیلہ کے یمن والوں اور قرب وجوار کی قوموں کے ساتھ دائمی جھگڑوں اور قصوں کے سبب سے شمال اور مشرقی سمت کو چلے گئے ہونگے اور کوہ سینا کے مغرب کی جانب مشرقی مصر میں قیام کیا ہوگا جہاں رفتہ رفتہ ایک گانوں یا قصبہ اُسی قوم فاران کے نام سے آباد ہوگیا ہوگا جسکا ذکر روپر صاحب اور مشرقی مؤرخوں نے کیا ہے۔ مگر حضرت موسیٰ کے وقت میں اُسکا کچھ وجود نہ تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے ہمنام بیابان یا پہاڑ سے جسکا ذکر توریت میں ہے بالکل علیحدہ ہے۔

اگر بیابان فاران سے وہ سارا وسیع میدان مراد لیا جاوے جو شام سے یمن تک چلا گیا ہے جیسا کہ خود کتاب مقدس میں مذکور ہے اور صرف ملکی روایتیں ہی اُسکی تائید نہیں کرتیں بلکہ مشرقی مؤرخ بھی اُسکے مؤید ہیں تب حضرت موسیٰ کے کوچ کے تمام بیان کی تطبیق ہو جاتی ہے اور اُسکی صحت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اُس تمام وسیع میدان پر جو شام کے جنوب میں واقع ہے کاتبین مقدس عموماً ارض شور کا اطلاق کرتے ہیں مگر بعض مقام میں اُسکو صرف "بیابان" سے تعبیر کیا ہے (دیکھو سفر خروج باب ۱۳ ورس ۱۸) اور بعض جگہہ "بیابان عظیم" سے (دیکھو سفر توریہ مثنی باب ۸ ورس ۱۵) اور اس بیابان میں ایثام۔ سین۔ سینا۔ سن۔

قادیش۔ عیدام جو چھوٹے بیابان ہیں اور نیز ایک حصہ فاران کا شامل ہے۔

جو کچھ کہ ہمنے اوپر بیان کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمنے شور۔ اور شام کو ایک ہی ملک قرار دیا ہے۔ سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں دو نام آئے ہیں ایک شور اور دوسرا اشورہ۔ تمام عیسائی مصنف اشورہ کو "اسریا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ شور سے شام مراد ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو اسکی وجہ بجز اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس تطبیق کا تسلیم کرنا اسلام کے مفید مطلب ہے کیونکہ سفر توریہ مثنیٰ باب ۳۳ ورس ۲۔ اور کتاب حبقوق باب ۳ ورس ۳ میں جو پیشین گوئی ہے وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق آتی ہے۔

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاران کی شمالی حد پر قادیش اور مغربی حد پر صحراے "سن" اور خلیج عرب واقع ہے۔

جبکہ حضرت موسیٰ سینا سے روانہ ہوے تو اوّل قادیش کے نزدیک فاران میں ٹھیرا (دیکھو سفر اعداد باب ۱۰ ورس ۱۲) اور حضرت موسیٰ "تعبیراہ" قبروث ہتاواہ۔ اور "حصیروث" ہوکر فاران میں آئے جو قادیش کے نواح میں ہے۔ اس جگہہ سے اُنھوں نے ایلچی روانہ کئے جو واپس آتے وقت اول قادیش میں پہونچے اور اُسکے بعد فاران میں۔ یہ ایک سیدھا اور صاف بیان ہے جس سے حضرت موسیٰ کے فاران میں سفر کرنے کا مُعمّا بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

اب ہم توریت مقدس کے اُن ورسوں پر غور کرینگے جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے نکال دینے کے باب میں ہیں۔ سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۴ و ۱۵ میں لکھا ہے کہ "و ابراہیم در صبحدم سحر خیزی نمودہ نان و مطرہ آب را گرفتہ و بہ ہاجرہ داد

بہ دوشش گذاشت وہم پسرش را (با او داده) و او را روانہ نمود پس راہی شده در بیابان
بیرشبع سرگردان شده - و آبے کہ در مطہره بود تمام شد و پسر را در زیر بوتہ از بوتہا گذاشت

جس عبارت کے نیچے ہمنے خط کھینچدیا ہے اُسکے خواہ مخواہ یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت
ہاجرہ بیابان بیرشبع ہی میں پھرتی رہیں اور اُسی مقام پر صرف وہی پانی جو حضرت ابراہیم
نے اُنکو دیا تہا اُنکے پاس تہا اور وہی ختم ہوگیا تہا - بلکہ دو وجہ سے اس ورس کے
ایسے معنی لینے صحیح نہیں ہیں - اول اس وجہ سے کہ بیرشبع جو حضرت ابراہیم نے
قادیش کے نزدیک کہودا تہا اور جس کے نواح میں وہ خود ایک عرصہ دراز تک رہے
تہے ایک ایسا مقام تہا جس کے حالات اور جس کے قریب پانی کے کنوؤں کا
ہونا حضرت ہاجرہ سے پوشیدہ نہ تہا - دوم اسوجہ سے کہ بیابان بیرشبع میں پانی
کا اسقدر نایاب ہونا ناممکن تہا - کیونکہ وہاں صرف حضرت ابراہیم ہی کے بنائے ہوئے
کنوئیں نہیں تہے بلکہ قوم فلسطین کے تعمیر کئے ہوئے بہی موجود تہے (دیکھو سفر
تکوین باب ۲۶ ورس ۱۸ لغایت ۲۲) - ہمارے نزدیک اس عبارت کے معنی جو
عیسائی مصنفوں نے قرار دئیے ہیں اُس سے زیادہ تر صحیح اور صاف یہ ہیں کہ
مکان سے نکلنے کے بعد حضرت ہاجرہ بیابان بیرشبع میں پہرتی رہیں مگر ملک کا وہ
حصہ سکونت کے قابل نہ تہا کیونکہ بیرشبع کے اردگرد ایسی قومیں رہتی تہیں جو لڑاکا اور
جنگجو تہیں اور نہ اسقدر رحم بہی اُن کے دل میں نہ تہا - اسلئے حضرت ہاجرہ نے ایسے
مقام پر جانے کا خیال کیا ہوگا جہاں اُنکو امن ملے اور آسایش سے رہ سکیں اور ایسا
مقام بلاشبہہ وہ تہا جہاں عرب العاربہ کی قومیں رہتی تہیں اور اسلئے کچھ شک نہیں رہتا
کہ حضرت ہاجرہ نے اُس نواح میں جانیکا قصد کیا -

جو ایک چھاگل پانی حضرت ابراہیم نے اُن کے ساتھ کر دیا تھا وہ ختم ہو گیا ہو گا اور رستہ میں متعدد جگہہ سے جہاں کہیں پانی دستیاب ہوا ہو گا حضرت ہاجرہ نے بھر لیا ہو گا لیکن جب وہ بیابان فاران میں پہونچی ہونگی تو پانی ملنے کی مشکل پیش آئی ہو گی کیونکہ اُس بیابان میں پانی نہایت کمیاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ اُس مقام پر پہونچیں جہاں اب کہ معظمہ ہے تو اُن کے پاس پانی باقی نہیں رہا تھا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی کے سبب سے ضعیف اور قریب المرگ ہو گئے ہونگے اور حضرت ہاجرہ نہایت تشویش اور اضطراب کی حالت میں ادہر اودہر پانی تلاش کرنے کو دوڑتی پھرتی ہونگی۔ یہ بیان ایسا صاف ہے جس میں کوئی امر خلاف قیاس یا خلاف فطرت انسانی نہیں ہے۔

خانہ بدوش عرب پانی کے چشمہ کو جو اُن کو جنگل میں ملتا تھا اکثر وغیرہ ڈالکر مٹی سے چھپا دیتے تھے تاکہ اُن کے سوا اور کسیکو اُسکا پتہ نہ ملے اور یہ رسم پانی کے کمیاب ہونے سے اُن میں جاری تھی اور ابتک جاری ہے۔

یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اسی طرح عربوں نے اُس چشمہ کو جو اُس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم واقع ہے چھپا دیا ہو گا کیونکہ لفظ "بیر" عبری میں چشمۂ آب کے معنی میں بھی آیا ہے۔

ان تمام حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسوقت حضرت ہاجرہ مضطربانہ ادہر ادہر دوڑ رہی تھیں تو اُنکو وہ چشمہ مل گیا۔ توریت مقدس کی عبارت سے بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جہاں لکھا ہے "وخدا چشمان اورا کشادہ کرد و چاہ آبے دید و روانہ شدہ مطہرہ را از آب پر کردہ و بہ پسر نوشانید" (سفر تکوین باب ۲۱ ورس ۱۹) عربی روایتوں میں

اس واقعہ کو اس طرح پر تعبیر کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے اُس مقام پر اپنے بازو یا باؤں سے ایک گڑھا کر دیا جس میں سے پانی نکل آیا - یہ بیان اسی قسم کا ہے جیسا کہ مذہبی واقعہ کو ایک عظمت دینے کے لئیے ہوتا ہے مگر جو اصلی واقعہ ہے وہ اُس سے صاف پایا جاتا ہے -

بخاری کی حدیث ہمنے اوپر نقل کی ہے اور اُسکو بجاے پیغمبر کی حدیث ہونے کے ایک ملکی اور قومی روایت کا درجہ دیا ہے اُس سے بہی اتنی بات کہ حضرت ہاجرہ جب اُس مقام پر پہونچیں جہاں اب مکہ ہے تو پانی ہوچکا اور حضرت اسمٰعیل تشنگی سے قریب الرگ ہوگئے تو واں اُنکو چشمہ ملگیا بخوبی ثابت ہوتی ہے - پس یہ ایک ایسی روایت ہے جسکو ایام جاہلیت کے عربوں نے ہمیشہ مستند تسلیم کیا ہے اور باوجودیکہ وہ لوگ بیشمار قوموں اور فرقوں میں جو ایک دوسرے کے مخالف تہے اور ہر ایک کا مذہب اور اعتقاد بہی جداگانہ تہا منقسم ہوگئے تہے اسپر بہی مذکورہ بالا امر مین سب متفق تہے - اسلیئے ہم اُس روایت کو جہوٹی اور موضوع نہیں خیال کرتے خصوصاً اس صورت میں کہ توریت مقدس کے متعدد مقامات سے بہی اسکی تصدیق ہوتی ہے -

بہر حال حضرت ہاجرہ نے اُس مقام پر جہاں اُنکو پانی کا چشمہ ملا تہا رہنا شروع کیا - جب اور لوگونکو اُس چشمہ کی خبر ہوئی تو بنی جرہم کے بہت سے لوگ اُس کے قرب وجوار میں آکر آباد ہوئے -

بخاری نے حضرت اسمٰعیل کے نکاح کرنیکی بابت ایک روایت لکہی ہے جسکو ہم بجنسہٖ ذیل مین نقل کرتے ہیں -

قال (ای ابن عباس) فمر ناس من جرهم ببطن الوادی فاذا هم بطیر کانهم انکروا ذلک وقالوا ما یکون الطیر الا علے ماء فبعثوا رسولهم فنظر فاذا هو بالماء فاخبرهم فاتوا الیها فقالوا یا ام اسمٰعیل اتاذنین لنا ان نکون معک او نسکن معک فبلغ ابنها فنکح فیهم امراة قال ثم انه بدا لابراھیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمٰعیل فقالت امراته ذهب یصید قال قولی له اذا جاء غیر عتبة بیتک فلما جاء اخبرته فقال انت ذلک فاذهبی الی اهلک قال ثم انه بدا لابراھیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمٰعیل فقالت امراته ذهب یصید فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم قالت طعامنا اللحم وشرابنا الماء قال اللهم بارک لهم فی طعامهم وشرابهم قال فقال ابو القاسم برکة بدعوة ابراھیم (صلی اللہ علیهما وسلم) قال ثم انه بدا لابراھیم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسمٰعیل من وراء زمزم یصلح نبلا له فقال یا اسمٰعیل ان ربک امرنی ان ابنی له بیتاً قال اطع ربک قال امرنی ان تعیننی علیه قال اذا فعل اوکما قال فقاما فجعل ابراھیم یبنی واسمٰعیل یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارة فقام علی حجر المقام فجعل یناوله الحجارة ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بخاری کتاب الانبیاء۔

یہ روایت بھی انہیں وجوہات سے جو ہمنے بخاری کی پہلی حدیث کی نسبت بیان کی ہیں ایک ملکی روایت کی مانند ہے نہ پیغمبر صاحب کی فرمائی ہوئی حدیث کی مانند

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے ایک عورت سے نکاح کرلیا اور اُسکے بعد جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل سے ملنے کو آئے تو اُس عورت سے نکاح کرنیکو ناپسند کیا اور طلاق دیدینے کا اشارہ کیا - چنانچہ حضرت اسمٰعیل نے اُسکو طلاق دیدی اور وہاں کے نوآباد لوگوں میں سے ایک اور عورت سے نکاح کرلیا - اُس کے بعد جب دوسری دفعہ حضرت ابراہیم اُن سے ملنے کو آئے تو اُن عورت سے نکاح کرنیکو پسند کیا -

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی دونوں بیبیاں بنی جرہم کی قوم سے تھیں مگر توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے پہلی دفعہ ایک مصری عورت سے نکاح کیا تھا -

ہمکو اس بات کے یقین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں جو پہلی بیوی کا بھی بنی جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے یہ صحیح نہیں ہے - غالباً پہلی بیوی ایک مصری عورت تھی اور یہی وجہ ہوگی کہ حضرت ابراہیم نے اُس عورت سے نکاح کرنا ناپسند کیا ہوگا - یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا کیونکہ وہ حضرت اسمٰعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے - مگر باہم سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اسلئے یقین ہوتا ہے کہ اُنکی دوسری بیوی بنی جرہم کی قوم سے تھیں -

قران مجید میں نسبت تعمیر خانہ کعبہ کے یہ آیت موجود ہے " واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم " (سورۃ البقر آیت ۱۲۱) اور اس سے ثابت ہوتا ہے اور تمام اور قومی روایتوں سے یقیناً متحقق

ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے خانہ کعبہ کو بنایا تھا۔

قرآن مجید کی رو سے بغیر کسی شک کے ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت اسمعیل پیغمبر تھے اور خدا نے انکو مثل حضرت ابراہیم اُن کے باپ کے وحی بھیجنے اور اپنی مرضی ظاہر کرنے کے لیے مبعوث کیا تھا تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت کی طرف ہدایت کریں۔ توریت مقدس میں جو وعدہ کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمعیل کی نسبت کیا تھا وہ اس طرح پر مندرج ہے "در حق اسمعیل ترا شنیدم اینک اورا برکت دادہ ام واورا بارور گردانیدہ بغایت زیاد خواہم نمود ودوازدہ سرور تولید خواہد نمود واورا امت عظیم خواہم نمود" (سفر تکوین باب ۱۷ ورس ۲۰) یہ وعدہ پورا ہوا اور اخیر تک پورا ہوتا چلا آیا۔

عیسائی مصنف اس وعدہ کے ہونے کی نسبت تو کچھ کلام نہیں کرسکتے مگر از راہ مکابرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ جسمانی یعنی دنیوی طرز کا وعدہ تھا نہ روحانی طرز کا اگرچہ یہ اُن کا کہنا صریح غلط ہے مگر اس مقام پر ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کرنے کے بلکہ آیندہ خطبہ میں جس میں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارات کا توریت اور انجیل میں موجود ہونا بیان کرینگے اُسی خطبہ میں اس امر پر بھی بحث کرینگے۔

ایک اور روایت عموماً لوگوں میں مشہور ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسمعیل کی قربانی کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے زیادہ تر تقویت اُس روایت کو ہوتی ہے جس میں حضرت اسحاق کی قربانی کرنے کے حکم ہونیکا ذکر ہے اور اس اختلاف کا جو سبب ہے وہ ہم آگے بیان کرینگے

حضرت ابراہیم نے جو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا ارادہ کیا اُس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے "قال یابنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ما ذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتلہ للجبین ونادینٰہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذلك نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاؤ المبین وفدینٰہ بذبح عظیم" (سورہ الصافات آیت ۱۰۱ لغایت ۱۰۷)۔

قرآن مجید میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا یا حضرت اسمٰعیل کی نسبت اور نہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے اسکی تفصیل پائی جاتی ہے۔

بعض مسلمان مورخوں کا قول ہے کہ حضرت اسحٰق کی نسبت قربانی کا حکم تھا اور بعض کا قول ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی نسبت تھا۔ یہ اختلاف توریت مقدس کی اُس آیت کے مبہم اور غیر صحیح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اُس مقام کا ذکر ہے جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا اور وہ آیت یہ ہے "خدا ابراھیم را امتحان نمود وبا گفت اے ابراہیم واو گفت کہ اینک حاضرم وخداوند گفت کہ حال پسر یگانہ خود اسحٰق را کہ دوست مے داری بگیر و بزمین موریاہ[۱] برو (عربی ترجمہ میں بجائے لفظ

[۱] موریا کے معنی ہیں تجلی خدا یا حکم خدا یا خوف خدا اور نیز اورشلیم کے اُس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس تعمیر ہوا تھا اور جس پر بالفعل حضرت عمر کی بنائی ہوئی مسجد واقع ہے۔ اسی مقام کو عموماً وہ مقام خیال کرتے ہیں جہاں کہ حضرت ابراہیم کو اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسحٰق کی قربانی کرنیکا حکم ہوا تھا گو کہ اس بات کے فرض کرنے میں بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ توریت سامری سفر تکوین باب ۲۲ درس ۲ میں بجائے موریا کے سرزمین مرہ لکھا ہے جیسا کہ انگریزی ترجمہ میں ہم

"موریاہ" کے "ارض الرویا" لکھا ہے اور توریت سامری کے عربی ترجمہ میں "ارض المنا
والمرشدہ" لکھا ہے) وہ وہاں گیا اور اُسنے ایک اُسکو بلانے کہ تیمیگو ابراہیم نے قربانی خوشی
تقریب نہ کی" (سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲ و ۹) بعض مسلمان مصنفوں نے اس گمنام
جگہ کو بیت المقدس اور اُسکے پہاڑ قرار دیئے ہیں اور بعض نے مکہ معظمہ کے قریب
کے پہاڑ۔ جو لوگ اُس مقام کو مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیتے ہیں وہ اپنی بات کی
تائید میں بیان کرتے ہیں کہ عبری لفظ "ہریم" הרים جس کے معنی جبال کے
ہیں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے اور اسلئے وہ استدلال کرتے
ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے۔

اور مروہ کی نسبت لوگونکو التباس ہو گیا تھا کیونکہ درحقیقت مورہ ہے جو "سکم" کے قریب تھا اور جہاں
حضرت ابراہیم پہلے رہا کرتے تھے (سفر تکوین باب ۱۲ ورس ۶) اور وہ پہاڑ جسپر اُن کا معبد
بنا تھا "جرزیم" تھا اور یہ اخیر رائے کسیقدر لحاظ کے قابل ہے اگر یہ متحقق ہو جائے کہ قوم سامری
نے اس مقام کو اپنی حدود کے اندر لانے کے واسطے اس ورس میں کچھ تحریف نہیں کی ہو۔
بیرشبع سے اس مقام کا فاصلہ ترجمہ سامری کا کسیقدر مؤید ہے کیونکہ بیرشبع مرہ تک بمشکل دو دن کا
رستہ ہے مگر بیرشبع اور بیت المقدس کے درمیان فاصلہ بہت طویل ہے بشرطیکہ راستے میں کوئی
امر مانع نہ ہو گیا ہو۔ مسلمان راوی ہیں کہ اس واقع کا موقعہ وہ ہے جہاں کہ زمانہ مابعد میں اُن کا
مشہور و معروف معبد بمقام مکہ بنایا گیا تھا اور اس معاملہ میں اور نیز دیگر معاملات میں وہ حضرت اسحق
کی جگہ حضرت اسمعیل کو بتلاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہودی۔ سامری۔ مسلمان سب
اپنے اپنے معبدوں کے موقعونکو حضرت ابراہیم کے ایمان کی آزمایش یا امتحان کے مقام ہونیکا
دعوے کرتے ہیں۔۔ (بائبل۔ انسائکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)۔

توریت مقدس میں اسی باب کی چودھویں آیت میں یہ لکھا ہے "وابراہیم اسم آن مکان را یہواہ یراہ گذاشت کہ تا امروزش چنانچہ ہم میخوانند در کوہ خداوند نمایان است" مسلمان مورخوں کے نزدیک یہ مقام وہ ہے جو مکہ معظمہ کے پاس واقع ہے اور جبل عرفات کے نام سے مشہور ہے۔ پس جو لوگ اُس قربان گاہ کو مکہ معظمہ میں قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسمعیل کی نسبت ہوا تھا اور جو لوگ اُس قربان گاہ کو بیت المقدس میں قرار دیتے ہیں وہ حضرت اسحق کی نسبت قربانی کا حکم ہونا کہتے ہیں جیسے کہ مسعودی نے لکھا ہے جسکی عبارت یہ ہے۔

وقد تنازع الناس فی الذبیح فمنھم من ذھب الی انہ اسحق ومنھم من رای انہ اسمعیل فان کان الامر بالذبح وقع بمنی فالذبیح اسمعیل لان اسحق لم یدخل الحجاز وان کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحق لان اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان حمل منہ۔ مروج الذہب مسعودی۔

مگر ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحق کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ حضرت اسمعیل کی نسبت اور یہی امر مندرجہ ذیل حدیث سے بھی پایا جاتا ہے۔

عن محمد ابن المنتشر قال ان رجلا نذر ان ینحر نفسہ .... (فقال لہ مسروق) لا تنحر... واشتر کبشا فاذبحہ للمساکین فان اسحق خیر منک وفدی بکبش .. (رواہ ابن رزین مشکوۃ)۔

اس حدیث میں مسروق کا صاف قول ہے کہ حضرت اسحق قربان ہونے والے تھے۔

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹے تھے۔ نبایوث נְבָיֹת قیدار קֵדָר ادبئیل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نبایوث یہ شخص شمالی مغربی حصہ عرب میں آباد ہوا ٹھیک مقام اس قوم کے آباد ہونیکا نقشہ مرتبہ رونڈ کا ٹیری پی کیری ایم - اسے میں مابین ۲۰ و ۳۰ درجات عرض بلد شمالی و ۳۶ و ۴۰ درجات طول بلد شرقی میں واقع ہے - رونڈ فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم عرب الحجر کے وسط سے لیکر مشرق کی جانب اور وادی القریٰ کے اندر تک اور جنوب کی طرف کم از کم منتہاے خلیج عیلام اور حدود حجاز تک پھیلی ہوئی تھی - اسطرابو اس سے بھی زیادہ وسیع قطعہ انکی طرف منسوب کرتا ہے - کیونکہ وہ دو مقاموں کا ذکر کرتا ہے جو خلیج عرب پر واقع ہیں اور جن سے صریح ظاہر ہے کہ انکی مملکت کی وسعت جنوبی اور غربی سمت میں مدینہ کے عرض بلد پر منتہی ہوتی تھی اور یہ دو مقام شہر و بندرگاہ حور یعنی بندرگاہ سفید جو ینبوع کے شمال میں ہے اور خود بندرگاہ ینبوع ہیں - رونڈ فارسٹر کہتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف پتھریلے بیابان عرب ہی میں نہیں بلکہ صوبجات عظیم حجاز اور نجد کے اندر بھی پھیلی ہوئی تھی -

ممکن ہے کہ یہ قوم وقتاً فوقتاً اس وسیع ملک میں پھیل گئی ہو جسکا اوپر ذکر ہوا - کتاب اشعیاہ نبی کے مندرجہ ذیل درس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک نامی اور زبردست قوم تھی اور وہ درس یہ ہے "تمامی گوسفندان قیدار نزد تو گرد آمدہ قوچہاے نبایوث بکار تو خواہند آمد و بر مذبحم بہ رضامندی بر خواہند آمد و خانہ جلال خود را جلیل خواہم کرد" (کتاب

اشعیاہ باب ۶۰ ورس ۷)

قیدار۔ یہ شخص نبی نبت کے منسوب کی طرف گیا اور حجاز میں آباد ہوا۔ یہودا
کتاب شعیاہ ارمیاہ حزقیل۔ وغیرہ میں اس قوم کی عظمت شوکت کی پیشین
شہادتیں ہیں۔ اسی قوم میں سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے
اُنکی بعثت سے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر ظاہر ہوئی۔ اُنکی ذات پاک
کے سودمند اثروں سے رفتہ رفتہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر خدا کی برکت اور خدا
واحد کی عبادت پھیل گئی اور ابتک پھیلتی جاتی ہے۔ عربوں اور مشرقی اقوام کے ہاں
بیشمار روایتیں اس قوم کے باب میں موجود ہیں مگر ہم اس مقام پر اُس روایت کا بیان
کرنا چاہتے ہیں جسکو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے مستند تسلیم کیا ہے۔

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ اشعیاہ نبی کے کلام سے (جو اوپر مذکور ہے)
جو خیال پیدا ہوتا ہے کہ قیدار کے خیمہ گاہ اس اخیر حصہ ملک میں تلاش کرنی چاہیئں
اُسکی کماحقہ تصدیق اسی نبی کے کلام کے ایک اور مقام سے بھی ہوتی ہے یعنی
ارض قیدار کے بیان سے جسکو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہوگا پہچان لیگا کہ
اس قطعہ حجاز کا نہایت صحیح بیان ہے جس میں نامی شہر مکہ اور مدینہ واقع ہیں جس
شخص کو زیادہ ثبوت اُسکی شباہت کا درکار ہو تو اُسکو حجاز کا جغرافیہ جدیدہ معائنہ کرنا
چاہیئے جہاں کہ مینبوح کے قریب شہر ہائے الخضیر د زبت جو اسمائے معروفہ قیدار
او نبایوث کی باقاعدہ عربی شکلیں ہیں خط حد کنندہ آجتک چلا آتا ہے اور کسی قدر
معنی رکھتا ہے۔

اسکے بعد ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ "یہانتک تو ہمنے قیدار کے آثار

جغرافیہ قائمہ کی استعانت سے دریافت کئے ہیں اب یہ دیکھنا رہا ہے کہ یونانی اور
رومی بیانات کا عربی روایتوں سے مقابلہ کرنے میں کسقدر ثبوت کی زیادتی حاصل ہوتی
ہے - کیونکہ محققین یورپ کی رائے میں عربی روایتوں کی غیر موجودہ شہادت تنہا ہی
قابل اعتراض اور مشکوک کیوں نہ ہو مگر منجملہ بحث کے سلسلہ قیدار کی روایت
ان کا قطعی اتفاق تواریخ دینی اور دنیوی سے انکار کرنا بھی غیر ممکن ہے نجد والوں کی
ہاں زمانہ نامعلوم سے یہ ایک روایت چلی آتی ہے کہ قیدار اور اسکی اولاد ابتدا حجاز
میں آباد ہوئے تھے - اس شخص کی اولاد میں ہونیکا بالتخصیص قوم قریش جو مکہ کے
والی اور کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد (صلعم) نے قرآن میں
اپنی قوم کی ریاست اور اعزاز کے دعووں کی اسی بنا پر تائید کی ہے کہ اسمعیل کی اولاد
میں قیدار کے سلسلہ سے تھے - ایسی قومی روایت کا اعتبار جیسے کہ یہ ہے تاریخی
روایت کے پایہ کو پہنچ جاتا ہے جبکہ اسکی تائید ایک طرف تو کتب مقدسہ کے ان بیانات
سے ہوتی ہے جن سے قیدار کا اسی حصہ جزیرہ نما میں ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری
جانب - اریانوس - بطلیموس - پلینی اکبر کے زمانوں میں ملک حجاز میں قوم
کیدری - درآئی - کدرون تائی - یا کدیتی کی موجودگی کی غیر مشتبہ اور ناقابل اشتباہ
امر سے اسکی تصدیق ہوتی ہے (جغرافیہ تاریخی جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)

ادبئیل - مشرقی مورخوں نے اس شخص کی نسبت کچھ نہیں لکھا - ریورنڈ مسٹر
فارسٹر کا بیان ہے کہ کتب مقدسہ میں صرف ایک مرتبہ اسکا ذکر آیا ہے - اور انہوں
نے جوسفس کی سند پر بیان کیا ہے کہ ادبئیل کا ابتدائی مقام سکونت اسکے بھائیوں
کے قرب وجوار میں تھا - اسقدر بیان کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا

لیکن جب وہ اُسکے آثار دریافت کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں اور مقاموں کے ناموں میں صرف چند حرف کی مشابہت ہونے سے اُسکے آثار قرار دیتے ہیں تو اس پر اعتماد نہیں ہوسکتا

مبسام - حال کے جغرافیہ عرب کی تاریخ میں اس شخص کا کچھ پتہ نہیں لگتا - ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا بھی بیان ہے کہ اس اسمعیلی کے نام اصل کے آثار بہ نسبت اس کے اور بھائیوں کے کم تر تحقیقات ہیں پر اس کا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں پایا جاتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں -

مشماع مشرقی تاریخوں میں اس شخص کا پتہ کچھ نہیں چلتا - لیکن اگر ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی یہ بات تسلیم کیجاوے کہ سفر تکوین و تواریخ الایام کا مشماع اور یونانی توریت کا مسما اور جوسفس نے جسکو مساوس اور بطلیموس نے مسی نامیس اور عربوں نے بنی مسما لکھا ہے اس سے ایک ہی شخص یعنی مشماع مراد ہے تو یہ کسیقدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت نواح نجد میں تھا

دوماہ - اس شخص کی اولاد اول تہامہ کے جنوب میں مدینہ کے قرب وجوار میں آباد ہوئی مگر جبکہ اسکی اولاد بڑھگئی تو نقل مکان کرنے کے لئے مجبور ہوئی اور اس مقام پر آباد ہوئی جہاں کہ بالفعل دومۃ الجندل واقع ہے - شام اور مدینہ کے درمیان اور بہت سے مقامات میں جنکے نام اس شخص کے نام پر ہیں - ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور مشرقی مورخوں کا بھی یہی قول ہے جسکی سند ذیل میں مندرج ہے

دومۃ الجندل .. وقد جاء فی حدیث الواقدی دوماہ الجندل وعدھا ابن الستفیہ من اعمال المدینۃ سمیت بدوم ابن اسمعیل بن ابراھیم وقال الزجاجی

دومان ابن اسمعیل قیل کان لاسمعیل ولد اسمہ دما لعل مغیرمنہ وقال ابن الکلبی دوما بن اسمعیل قال ولما کثر ولد اسمعیل عم بالتہامۃ خرج دوماہ بن اسمعیل حتی نزل موضع دومۃ وبنی لحصنا فقیل دوماہ ونسب الحصن الیہ ۔ قال ابوعبید السکونی دومۃ جندل حصن وقری بین الشام والمدینۃ قرب جبلی طی ... ودومۃ من القریات من وادی القری ۔ معجم البلدان

مسا ۔ ورنہ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے کہنے میں کہ اس شخص کی اولاد وسط عرب یا نجدیہ میں آباد ہوئی تھی بلا شبہہ غلطی کی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قوم یمن میں آباد ہوئی اور اس امر کی تائید "مسا" کے نام سے ہوتی ہے جو اب تک یمن میں موجود ہے ۔ یہ مقام پی کیری صاحب کے نقشہ کے بموجب ۱۴ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض بلد شمالی اور ۴۳ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض بلد شرقی میں واقع ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ابتدا ءً نواح حجاز میں متوطن ہوئی تھی مگر اس مقام کی تنگی کے باعث بعد کو یمن میں چلی گئی جو بوجہ اپنی بے انتہا شادابی اور کثرت پیداوار کے ملک حجاز پر بدرجہا فوقیت رکھتا تھا

حدر ۔ تواریخ الایام میں ہلکہ "حدد" لکھا ہے ۔ اس شخص نے جنوبی سمت اختیار کی اور حجاز میں آباد ہوا اس امر کی تصدیق بشمار بیرونی اور اندرونی شہادتوں سے ہوتی ہے ۔ ایک مسلمان مورخ "الزہری" حدد" کو منجملہ ان بشمار قوموں کے جن میں عرب کے باشندے منقسم تھے بالتصریح بیان کرتا ہے ۔ یمن میں شہر حدیدہ اور بنی حدد کا موجود ہونا صریح ہمارے بیان کی صحت پر دلالت کرتا ہے ۔

تیما ۔ حضرت اسمعیل کے پہلے دو بیٹوں کے بعد باعتبار شہرت کے تیما کا درجہ ہے

اس شخص کا ابتدائی مقام سکونت صوبہ حجاز تھا لیکن کسی نہ کسی زمانہ میں اسکی اولاد تمام وسط نجد میں پھیل گئی اور بعض ان میں سے خلیج فارس کے ساحل کی برابر برابر منتشر ہو گئی مگر ہمکو حضرت موسی کے کلام کی تصدیق جس سے حضرت اسمعیل کے بیٹوں کی ابتدائی آبادی کی جگہ پائی جاتی ہے منظور ہے تو ہمکو اسی مقام کی تحقیق و تفتیش پر جہانکہ ان میں سے ہر ایک شخص نے ابتداءً سکونت اختیار کی تھی زیادہ تر توجہ مبذول کرنی چاہیئے نہ اس جگہہ کی نسبت جہانکہ ان کی اولاد بعد کو جا بسی۔

پطولمی۔ روزنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس بات کے یقین کرنے کے واسطے کافی دلیل ہے کہ اس قوم کا ابتدائی مقام سکونت ضلع جدور تھا۔ جبل تمایموئکے جنوب اور جبل ایشح کے مشرق اور شاہراہ حجاج کے مغرب میں۔

نابیتش۔ مشرقی مورخ کچھہ نہیں بیان کرتے کہ اس شخص نے کہاں سکونت اختیار کی تھی مگر روزنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اس شخص کی اولاد سے ایک قوم عرب کا وادی القری میں موجود ہونا حضرت موسے اور مصنف تواریخ الایام اور جوسفس کی سہ گانہ شہادت سے بلاشک و اشتباہ محقق ہے۔

قیدماہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ملک یمن کے نواح میں آباد ہوا۔ کیونکہ مسعودی کا قول ہے کہ ایک قوم موسوم بہ قدمان یمن میں تھی چنانچہ اسنے لکھا ہے

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمعیل و ہم قبیلتان یقال لاحد اہما قدمان والاخری یامین وقیل رعویل وذلک بالیمن مروج الذہب مسعودی۔

روزنڈ مسٹر فارسٹر نے اس بات کے خیال کرنے میں عجیب غلطی کی ہے کہ کاظمہ جو خلیج فارس پر واقع ہے اور جسکا ذکر ابوالفدا نے کیا ہے اسی قیدماہ سے متعلق

رکھتا ہے -

تمام تلاش اور تفتیش کے بعد جو ہمنے حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے ابتدائی مقام سکونت کے باب میں کی اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ ان کے آثار مین - (حویلاہ) سے لیکر شام (شور) تک پائے جاتے ہیں اور اسطرح پر حضرت موسیٰ کے اُس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جو سفر تکوین باب ۲۵ ورس ۱۸ میں مندرج ہے کہ "وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوے جو سامنے مصر کے ہے جبکہ تو اسیریا کو روانہ ہو"

حضرت اسمٰعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل حضرت مسیح کے پیدا ہوے تھے اور گھر سے نکالے جانے کے وقت انکی عمر سولہ برس کی تھی اگر اس مدت عمر پر بیس برس اور اضافہ کئے جاویں تو ہمارے نزدیک حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کی ولادت کے واسطے کافی مدت ہوگی - پس ہم اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۲۱۸۳ دنیوی یا سنہ ۱۸۲۱ قبل حضرت مسیح تک انکا کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا -

ان بارہ بیٹوں نے کوئی اور بڑی شہرت حاصل نہیں کی بجز اسکے کہ سب کی بارہ مختلف قوموں کے مورث ہوے اور اسی باعث سے یہ قومیں مختلف شعبوں اور فرقوں میں منقسم نہیں ہوئیں بلکہ یکساں حالت میں رہیں مگر ایک مدت مدید کے بعد عدنان کی اولاد جو قیدار ابن اسمٰعیل کی نسل میں تھا مختلف شعبوں میں منفرق ہو گئی اور کارہاے نمایاں سے شہرت حاصل کی -

مشرقی مورخ متفق الراے ہیں عدنان کے دو بیٹے تھے "معد" اور "عک" - عک کی نسبت انکا صرف اسقدر بیان ہے کہ وہ یمن کو چلا گیا مگر ان کتبوں سے جنکو رورنڈ مسٹر فارسٹر نے عاد اولی قوم کے کتبوں سے موسوم کیا ہے اور جو حضرموت

میں بمقام "حصن غراب" دریافت ہوئے ہیں صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس نے کچھ
عرصہ تک اس ملک میں بادشاہی کی تھی یہ کتبے مذکورۃ الصدر مقام میں ۱۸۳۴ء
میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز "پالی نورس" کے افسروں نے دریافت
کئے تھے ان کتبوں کا پورا پورا بیان مع کتبوں کی نقل کے ایشیاٹک سوسائٹی
آف بنگال کے جرنل کی تیسری جلد میں ملیگا ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے جو کچھ لکھا ہے
اُس سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں "ملک" وہاں کا والی رہا تھا

اس شاہانہ کتبہ کی ٹھیک ٹھیک تاریخ قایم کرنے کی غرض سے ریورنڈ مسٹر فارسٹر
بیان کرتے ہیں کہ "ملک" عدنان کا بیٹا تھا اور بموجب حدیث حضرت ام سلمہ کے جو
آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں عدنان حضرت اسمعیل سے چوتھی پشت
میں تھا۔ لہذا یہ ... کتبہ مسیح کے پیدا ہونے سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے لکھا گیا ہوگا
لیکن ریورنڈ مسٹر فارسٹر صاحب نے اس میں بڑی غلطی کی ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کے
ثابت کرنے کی کافی تحقیق نہیں کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے عدنان کا حضرت اسمعیل
کی چوتھی پشت میں ہونا کبھی بیان کیا تھا۔ انساب کی معتبر روایتوں کے بموجب عدنان
آنحضرت صلعم سے اکیسواں پشت پہلے تھا اب ایک پشت کی قدرتی میعاد پر نظر
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک اٹھالیسویں صدی دنیوی میں یا دوسری صدی
قبل حضرت مسیح میں ہوگا

والمہ ملقب بہ کلیب ابن ربیعہ بھی جو عدنان کی اولاد میں تھا بادشاہ ہوا تھا اور یمن
والوں سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا

زہیر ابن جذیمہ اور قیس ابن زہیر عبسی باری باری سے حجاز کے بادشاہ ہوئے

تھے مگر ان لوگوں کی تاریخیں کرنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی سند
نہیں ہے اسلئے ہم یہ تو تعین کے ساتھ تاریخیں ترتیب دے سکتے لیکن خیال
کرتے ہیں کہ یہی زمانہ ہوگا بلکہ ساٹھ [illegible] برس اور [illegible] حالت [illegible] تھیں
زمانہ ان کی نسل میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نبوی [illegible]
اسی نسل میں پیدا ہوئے تو تمام [illegible] حال
کی عیسائی [illegible] بہت کچھ لکھا
اور انکو غیرت [illegible] موقع تھا
وہ بھی اس بحث میں شامل ہوتے [illegible] کی
تردید کرتے لیکن چونکہ [illegible] مضمون [illegible] الگ ہیں
اسلئے بالفعل اس بحث کا ملتوی کردینا مناسب ہے۔

دوم - ابراہیمی یا بنی قطورہ

توریت مقدس میں لکھا ہے کہ و دیگر ابراہیم زنے گرفت کہ اسمش قطورہ بود
و برایش زمران و یقشان و مدان و مدیان و یشباق و شوح را زائید و یقشان شبا
و ددان را تولید نمود و پسران ددان اشوریم و لطوشیم و لاُمیم بودند و پسران مدیان عیفاہ
و عیفر و حنوک و ابیداع و الداعہ بودند تمامی ایشان پسران قطورہ بودند پس ابراہیم
تمامی مایملک خود را بہ اسحق داد (سفر تکوین باب ۲۵ ورس ا لغایت ۵)۔

یہ سب لوگ عرب کو چلے گئے اور اس قطعہ میں آباد ہوئے جو حدود حجاز سے
خلیج فارس تک منتہی ہوتا ہے اور ان کے نشانات اب تک بھی اس ملک میں واقع

ئیں پائے جاتے ہیں ۔

انہی ابراہیمیوں میں سے حضرت شعیب نبی کو خدائے تعالیٰ نے اقوام عاگمہ اور مدیان کو اپنی خالص عبادت کی تلقین اور ہدایت کرنے کے واسطے مبعوث کیا تھا۔ مگر ہم ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ یہ نبی کس زمانہ میں ہوئے تھے ۔ لیکن اگر ہم یترو کاہن مدیان کو جنکا ذکر سفر خروج باب ۲ و ۳ میں ہے اور شعیب کو ایک ہی شخص خیال کریں جیساکہ عرصہ دراز سے لوگوں کو گمان ہے تو البتہ یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ یہ نبی اُسوقت میں تھے جبکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے نکالکر لائے تھے

سوم - ادومی یا بنی عیسو

عیسو یعنی ادوم کی تین بیویاں تھیں عاداہ - اہلیباماہ - باسمت - دختر حضرت اسمٰعیل و نواسہ ابرہام بنابوث - پہلی بیوی سے "الی فز" پیدا ہوا دوسری بیوی سے یعوش اور یعلام اور قورح پیدا ہوئے - تیسری سے رعوئیل پیدا ہوا - الی فز کے بیٹے تیمان اومر صفو - گعتم - قنز - عمالیق تھے - رعوئیل کے بیٹے - نحث - زرح - شماہ - مزاہ پیدا ہوئے (سفر تکوین باب ۳۶)

عیسو کی تمام اولاد قریباً قریباً کوہ سعیر کے قرب وجوار میں آباد ہوئی تھی - بعض نے ان میں سے اپنی سکونت عرب الحجر میں اور حجاز کی شمالی سرحد پر اختیار کی تھی مگر اُن لوگوں کی تعداد اسقدر کم تھی کہ اسی وجہ سے بعض مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسو کی اولاد کبھی عرب میں آباد نہیں ہوئی -

چہارم۔ بنی ناحور

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "عوص" اور "بوز" (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲ ورس ۲۱) پسران ناحور برادر ابراہیم شمالی عرب کی بے شمار قوموں کے مورث تھے اور اسکی سند میں کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱ اور نبا حات یرمیاہ باب ۴ ورس ۱۲ اور کتاب یرمیاہ باب ۲۵ ورس ۲۰ کا حوالہ دیتے ہیں

پنجم۔ بنی ہاران

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "یہ قوم بہ نسبت دیگر اقوام متذکرہ بالا کے سب سے زیادہ شمال کی جانب رہتی تھی ان کے نہایت جنوبی مقامات بحر لوط (وڈسی) کے مشرق میں واقع تھے اور ان میں عمدہ سبزہ زار "بلکا" اور "کوک" کے شامل تھے۔

ہاران کے بیٹے حضرت لوط تھے۔ حضرت لوط کے بیٹے مواب اور بن عمی تھے توریت مقدس میں ان کے پیدا ہونیکا نہایت ناپاک واقعہ اس طرح پر لکھا ہے "و لوط از صوعر برآمد و در کوہ ساکن شد و دو دختر انش بہمراہش زیرا کہ از سکون در صوعر ترسید و او و دو دختر انش در مغارہ ساکن شدند۔ و دختر بزرگ بہ دختر کوچک گفت کہ پدر ما پیر شد و کسے در زمین نیست کہ موافق عادت کل زمین بما درآید۔ بیا پدر خود را شراب بنوشانیم و با او بخوابیم و از پدر خود نسلی را زندہ نگاہداریم۔ پس در آں شب پدر خویشتن را شراب نوشانیدند و دختر بزرگ داخل شدہ با پدر خود خوابید و او نہ بوقت

خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید - و روز دیگر واقع شد کہ دختر بزرگ
بہ دختر کوچک گفت کہ اینک دیشب با پدر خود خوابیدم امشب نیز او را شراب
بنوشانیم و تو داخل شدہ با او بخواب و از پدر خود نسلے را زندہ نگاہ داریم - و آں
شب نیز پدر خود را شراب نوشانیدند و دختر کوچک برخاستہ با او خوابید کہ او نہ بوقت
خوابیدنش و نہ بوقت برخاستنش اطلاع بہم رسانید - و ہر دو دختر لوط از پدر خود شاں
حاملہ شدند - و دختر بزرگ پسرے را زائید و اسمش را مواب نامید کہ تا بحال پدر
موابیان او است - و دختر کوچک او نیز پسرے را زائید و اسمش را بن عمی نامید
کہ تا بحال پدر بنی عمون او است" (سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۳۰ لغایت ۳۸) -

حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں کی نسبت جو کچھ اس مقام میں لکھا ہے عیسائی اس
سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے
مقاربت کی تھی مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو
کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے متناقض نہیں ہے؟ اور کیا حضرت
لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے؟ -

مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن مجید میں اگرچہ لوط کا قصہ ہے مگر
اس میں یہ بات کہ اُنہوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مذکور نہیں ہے -

توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اسکی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی
مصنفوں نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں - آٹھویں ورس میں لوط کا قول لکھا ہے کہ مرا
دو دختر ہست کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بہ شما بیروں آورم و با ایشاں آنچہ
در نظر شما پسند است بکنید" -

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ جمع کا ہے جیساکہ سورہ ہود میں ہے "هٰؤلاء بناتی هن اطهر لکم" اور سورہ حجر میں ہے "قال هٰؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین"۔ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ "بنات" سے حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی جیسا کہ وہ ہمیشہ اُن کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خلاف عادت فعل خلاف فطرت انسانی کو چھوڑو اور عورتوں سے نکاح کرو اور اُن کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔

توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوت تثنیہ آیا ہے جو جمع بنت کی ہے۔ مگر جس طرح عربی زبان میں بنت کا استعمال سوائے اصلی بیٹیوں کے اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم گسینیس کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ "بث" اور لفظ "بنوث" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیساکہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ ورس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں عورتیں مراد ہیں بلکہ غالبا لونڈیاں کیونکہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں جیسے کہ سفر تکوین باب ۱۹ ورس ۱۲ میں لکھا ہے اُنکی شادیاں ہوچکی تھیں اور اُنکے شوہر موجود تھے۔

جب حضرت لوط سدوم سے فرار ہوئے تو اُن کے داماد اور اُن کی بیٹیاں اُن کے ساتھ نہیں گئے صرف حضرت لوط کی بیوی اور یہی دو عورتیں جنکا اوپر ذکر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالبا لونڈیاں تھیں ساتھ گئی تھیں۔ رستہ میں اُنکی بیوی زندہ نہیں رہی صرف وہی دو چھوکریاں اُنکے ساتھ تھیں۔

قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو معاشرہ کو میں اُن دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کیا کچھ ذکر نہیں ہے لیکن جو کچھ کہ توریت مقدس میں لکھا ہے اگر اسکو صحیح تسلیم کرلیا جاے تو بھی اُن دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا اسی وجہ سے ہونے اُس بیان کی قابل یقین کے نہیں ہے - اور جبکہ وہ لونڈیاں تھیں تو اُن کے ساتھہ مقاربت گو کہ وہ دھوکے ہی سی ہوئی ہو بموجب اُس زمانہ کی شریعت کے ناجائز تھی

سفر تکوین باب ۱۹ درس ۳۲ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ اُن دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہکر تعبیر کیا ہے اس کہنے سے بھی اُن چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے اور اسکا اطلاق مالک اور بزرگ شخص پر عموماً ہوتا ہے -

سر ولیم میور کے اس بیان کو کہ بنی عمان عرب کے کسی حصہ میں آباد نہیں ہوئے بلکہ شمال ہی میں رہے ہم تسلیم نہیں کرسکتے کیونکہ ہمارے نزدیک بنی عمان خلیج فارس کے برابر برابر بستے تھے اور اُن کا نام ابتک اس حصہ عمان میں پایا جاتا ہے جو تمام قطعہ کے درمیان موجود ہے - اگر بنی عمان عرب میں آباد نہیں ہوئے تھے جیسے کہ سر ولیم میور کی رائے ہے تو اُنکو اقوام عرب میں شمار کرنا مناسب نہ تھا -

تمام عرب المستعربہ میں جو ترک کی نسل سے ہیں صرف بنی اسمعیل ہی کو کثرت ہوئی اور کچھہ عرصہ کے بعد مختلف قوموں اور شعبوں میں منقسم ہوگئے - مگر ان کے مقابل کی قومیں ایک سکون اور غیر مبدل حالت میں رہیں -

جبکہ ہم اُن قوموں کے شعبوں کا شمار و حال بیان کرینگے تو [illegible]

کہ ایک قوم کے کسی شخص کو اپنی قوم چھوڑ کر دوسری قوم میں جا ملنا اگر بالکل ناممکن تھا تو حد سے زیادہ دشوار تو ضرور تھا خصوصاً اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں تمدنی حالت نہایت محدود تھی اور لوگ اپنے مورثوں کی کارہائے نمایاں کی بڑی عظمت کرتے تھے اور انکو فخریہ یاد رکھتے تھے اور ہر ایک شریف قوم کا آدمی خود مرا ان کا حافظ تھا اور بالتخصیص عرب کی مختلف قومیں اپنی قوم کی امتیاز سودوہ کو قایم اور برقرار رکھنے اور اپنی قوم کو اور قوموں کی ملاوٹ سے علیحدہ رکھنے میں نہایت درجہ محتاط تھیں

مندرجہ ذیل فہرست ان قوموں کی ہے جو ساکنان اور غیر مبدل حالت میں رہیں

(۱) بنی ناحور ابن ترح سے۔ بنوناحور (۲) ہاران ابن ترح سے۔ بنو ہاران

(۳) مواب ابن لوط ابن ہاران ابن ترح (۴) عمان ابن لوط سے بنو عمان سے بنو مواب۔

(۵) اولاد ابراہیم ہو سے اولاد اسمعیل سے (۶) اولاد ابراہیم البطن قطورہ سے۔

بنوابراہیم۔ بنو قطورہ۔

(۷) عیسو عرف ادوم ابن اسحق ابن ابراہیم سے۔ بنو ادوم۔

مندرجہ ذیل قومیں اسمعیل کی اولاد میں ہیں جو بمقابل اور قوموں کے بہت جلد بڑھ گئیں اور عرب کے تمام ملک میں پھیل گئیں۔

(۸) اسمعیل ابن ابراہیم سے۔ بنو اسمعیل۔ مگر اسمعیل کے بارہ بیٹوں کے نام سے علیحدہ علیحدہ بارہ قومیں چلیں۔

(۹) نبایوت سے۔ بنو نبایوت۔ (۱۰) قیدار سے۔ بنو قیدار

(۱۱) ادبئیل سے۔ بنو ادبئیل (۱۲) مبسام سے بنو مبسام۔

(۱۳) مشماع سے ۔ بنو مشماع (۱۴) دوماہ سے ۔ بنو دوماہ ۔

(۱۵) مسا سے ۔ بنو مسا (۱۶) ۔ حدر سے ۔ بنو حدر ۔

(۱۷) تیما سے ۔ بنو تیما ۔ (۱۸) ۔ یطور سے ۔ بنو یطور

(۱۹) ۔ نافش سے ۔ بنو نافش (۲۰) قیدماہ سے بنو قیدماہ ۔

حضرت اسمعیل کے بارہ بیٹوں میں سے قیدار کی اولاد نے ایک عرصہ کے بعد شہرت حاصل کی اور مختلف شاخوں میں متفرع ہو گئیں ۔ مگر بہت صدیوں تک یہ بھی اپنی اصلی حالت پر رہی اور مدت تک ان میں ایسے لئیق اور نامی اشخاص جنھوں نے اپنی لیاقتوں اور عجیب وغریب قابلیتوں کی وجہ سے نامور ہونے کا استحقاق حاصل کیا ہو یا سلطنتوں اور قوموں کے بانی ہوئے ہوں پیدا نہیں ہوئے اور اسی وجہ سے قیدار کی اولاد کی تاریخ کے سلسلہ کو مرتب کرنے میں بہت سی صدیوں کا فصل واقع ہو جاتا ہے ۔ مگر یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عرب کی قومی اور ملکی روایت کی جو حضرت اسمعیل کی نسبت چلی آتی ہے کما حقہ تصدیق ہوتی ہے ۔ کیونکہ ایک جلاوطن ماں اور بیٹے کی اولاد کی کثرت اور ترقی کے واسطے جو ایسی بیکسی اور مصیبت زدہ حالت میں خانہ بدر کی گئی تھی ضرور بالکل یقیناً ایک عرصہ درکار ہوا ہوگا خصوصاً ایسی ترقی کے واسطے جس نے انجام کار انکو دنیا کی تاریخ میں ایک نہایت نامور اور ممتاز جگہ پر پہونچایا اور ان کی اولاد نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے جن کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے ہم عرب کی تاریخ میں قیدار کی اولاد میں اس قوم کی ابتدا سے اسوقت تک کہ اسکو شہرت ہوئی اٹھ نام پاتے ہیں یعنی ۔ حمل ۔ نابت

سلامان - الہمیسع - الیسع - آدد - آد - عدنان -

یہ وہی عدنان ہے جسکا بیٹا عک یمن کا بادشاہ ہوا تھا اور جسکا ذکر ہم اوپر بیان کر چکے ہیں -

مندرجہ ذیل قبائل عدنان کی اولاد میں ہیں

(۲۱) - ایاد ابن معد ابن عدنان سے - ابادی - (۲۲) قنص ابن معد سے - قنصی

(۲۳) - مضر ابن نظر ابن معد سے - بنو مضر - (۲۴) - ربیع ابن نضر ابن معد سے

بنو ربیعہ -

(۲۵) - اسد ابن ربیع سے - بنو اسد - (۲۶) - صبیعہ ابن ربیعہ سے - بنو صبیعہ -

قبائل ذیل صبیعہ کی اولاد میں ہیں

(۲۷) بنو ابو الکلب - (۲۸) - بنو شحنہ -

(۲۹) - جدیلہ ابن اسد ابن ربیعہ سے - بنو جدیلہ - (۳۰) - عنزہ ابن اسد سے

بنو اعنزہ -

(۳۱) - عمیر ابن اسد سے - بنو عمیر - (۳۲) - عبد القیس ابن أقصی ابن دومی ابن

جدیلہ سے - بنو اعبد القیس -

(۳۳) - الدیل ابن شن ابن اقصی ابن عبد القیس سے - بنو الدیل شنی -

قبائل ذیل الدیل کی اولاد میں ہیں

(۳۴) بنو اشبہ - (۳۵) - ضوحان ابن ودیعہ ابن کیر ابن اقصی ابن

عبدالقیس وائلہ سے - بنوا وائلہ

(۳۶) - انمار ابن عمرو ابن وادیہ سے بنوا انمار (۳۷) - عجل ابن عمرو سے بنوا عجل قیسی -

(۳۸) محارب ابن عمرو سے بنوا المحارب - (۳۹) - الدیل ابن عمرو سے - بنوا الدیل

قبایل ذیل الدیل کی شاخ ہیں

(۴۰) بنوا ہوحان (۴۱) العوق ابن عمرو ابن وادیہ سے -

بنوا العوق یا عوقی

(۴۲) - اولاد بکر ابن ہیب ابن عمرو ابن (۴۳) - بکر ابن وایل ابن قاسط ی -

غنم ابن تغلب ابن وایل ابن قاسط بنوا بکر -

ابن حبیب ابن اقصی ابن دومی ابن جدیلہ (۴۴) - ثعلب ابن وایل ابن قاسط

سے - الاراقم سے - بنوا ثعلب -

قبایل ذیل ثعلب کی اولاد میں

(۴۵) - بنوا عکب - (۴۶) بنوا عدی - (۴۷) - بنوا کنانہ یا قریش ثعالب -

(۴۸) - بنوا زہیر - (۴۹) - بنوا عتاب - (۵۰) غنم ابن ہیب ابن کعب ابن

یشکر ابن وایل سے بنوا غنم -

(۵۱) - لجیم ابن صعب ابن علی ابن بکر سے - بنوا لجیم

قبایل ذیل لجیم کی اولاد میں ہیں

(۵۲)۔ بنوا ہفان۔ (۵۳) بنوا عجل۔ (۵۴)۔ اولاد مالک ابن صعب سے۔
بنوالزمان

(۵۵) ذہل ابن ثعلبہ ابن عقبہ ابن صعب سے۔ بنواذہل (۵۶) شیبان ابن ثعلبہ سے۔
بنوا شیبان

قبایل ذیل شیبان کی اولاد میں ہیں

(۵۷)۔ بنوالورثہ۔ (۵۸)۔ بنوالجحدرہ۔ (۵۹)۔ بنوالشقیقہ

(۶۰)۔ اولادتیم اللات ابن ثعلبہ سے اللہازم۔ (۶۱)۔ سدوس ابن شیبان ابن ذہل سے۔ سدوسی

(۶۲)۔ تمعہ عرف قیس عیلان ابن الیاس ابن مصر سے۔ قیس عیلانی یا بنوقیس (۶۳)۔ عمرو ابن قیس عیلان سے بنواعمرو۔

قبایل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

(۶۴)۔ بنواخارجہ۔ (۶۵)۔ بنوا وابش۔ (۶۶)۔ بنوا یشکر (۶۷) بنواعوف۔

(۶۸)۔ بنوارہم۔ (۶۹)۔ بنواریاح۔ (۷۰)۔ سعد ابن قیس عیلان سے بنواسعد

(۷۱) غطفان ابن سعد سے۔ بنواغطفان۔ (۷۲) معن ابن عمر ابن سعد سے۔ بنوامعن۔

(۷۳) غنی ابن عسر سے۔ بنواغنی۔

قبایل ذیل غنی کی اولاد میں ہیں

(۷۴) - بنو اضبینہ - (۷۵) - بنو ابشہ - (۷۶) - بنو اعبید -

(۷۷) - منبہ ابن عصر سے - بنو امنبہ -

قبایل ذیل منبہ کی اولاد میں ہیں

(۷۸) - بنو احسر - (۷۹) - بنو اسنان (۸۰) - اشجع ابن غطفان ابن صعب سے

بنو اشجع -

قبایل ذیل اشجع کی شاخ میں ہیں

(۸۱) - بنو اہمان - (۸۲) - ذبیان ابن بغیض ابن رایس ابن غطفان سے

بنو اذبیان -

قبایل ذیل ذبیان کی اولاد میں ہیں

(۸۳) بنو افزارہ - (۸۴) - بنو العشراء (۸۵) - عبس ابن بغیض سے - بنو عبس

(۸۶) - سعد ابن ذبیان ابن بغیض سے - بنو اسعد -

قبایل ذیل سعد کی اولاد میں ہیں

(۸۷) - بنو اجاشی - (۸۸) - بنو ابیع - (۸۹) - بنو حشور -

(۹۰) - خصفہ ابن قیس عیلان سے - بنو اخصفہ -

قبایل ذیل خصفہ کی شاخ میں ہیں

(۹۱) - بنو اجسر - (۹۲) - ابو مالک بن عکرمہ ابن خصفہ سے - بنو ابو مالک -

(۹۳) - منصور ابن عکرمہ سے - بنو سلیم -

قبائل ذیل منصور کی اولاد میں ہیں

(۹۴) - بنو احرام - (۹۵) - بنو خفافہ - (۹۶) - بنو اسمان - (۹۷) بنو ذبل

(۹۸) - بنو ذکوان (۹۹) بنو اسطرود (۱۰۰) بنو بھز (۱۰۱) بنو اقنفذ

(۱۰۲) - بنو زعامہ - (۱۰۳) - بنو اشرید - (۱۰۴) بنو اقبة

(۱۰۵) - سلامان ابن عکرمہ سے - سلامانی - (۱۰۶) ہوازن ابن منصور سے - بنو ہوازن

(۱۰۷) مازن ابن منصور سے - بنو مازن (۱۰۸) سعد ابن بکر ابن ہوازن سے - بنو سعد

(۱۰۹) نصر ابن معاویہ ابن بکر سے - بنو النصر (۱۱۰) - مرہ ابن صعصعہ بن معاویہ ی - بنو امرہ یا بنو اسلول

(۱۱۱) نمیر ابن عامر ابن صعصعہ سے - نمیری (۱۱۲) ہلال ابن عامر سے - بنو ہلال

(۱۱۳) ربیعہ ابن عامر سے - بنو امجد - (۱۱۴) اولاد عمرو ابن عامر سے - بنو البکا -

(۱۱۵) معاویہ ابن کلاب ابن ربیعہ سے - بنو امعاویہ

(۱۱۶) جعفر ابن کلاب سے - بنو جعفر (۱۱۷) اولاد عمرو ابن کلاب سے - بنو ادان

(۱۱۸) - اولاد عبد اللہ ابن کعب ابن ربیعہ سے - بنو العجلان -

(۱۱۹) اولاد قشیر ابن کعب سے - بنو اضمرہ - (۱۲۰) اولاد منبہ ابن ہوازن سے - ابو ثقیف

قبائل ذیل ابو ثقیف کی اولاد میں ہیں

(۱۲۱) بنو مالک (۱۲۲) بنو احلاف۔ (۱۲۳) طابخہ ابن الیاس ابن مضر سے۔

(۱۲۴) تیم ابن عبد مناۃ ابن عد ابن طابخہ سے۔ بنو تیم۔ بنو طابخہ یا بنو خندف۔

(۱۲۵) عدی ابن عبد مناۃ سے۔ بنو عدی (۱۲۶) ثور ابن عبد مناۃ سے ثوری۔

قبائل ذیل عبد مناۃ کی اولاد میں ہیں

(۱۲۷) الرباب (۱۲۸) بنو انصہ (۱۲۹) بنو مازن۔ (۱۳۰)۔ بنو اسیل۔

(۱۳۱) بنو عائذہ (۱۳۲) بنو تیم اللات (۱۳۳)۔ بنو زبان۔ (۱۳۴) بنو عوف۔

(۱۳۵) بنو شیم۔ (۱۳۶) بنو الزحل (۱۳۷) بنو ابجالہ۔

(۱۳۸) مزینہ ابن عد ابن طابخہ سے مزنی (۱۳۹) مر ابن عد سے۔ بنو ظاعنہ۔

قبائل ذیل ظاعنہ کی شاخ ہیں

(۱۴۰) بنو صوفہ۔ (۱۴۱) تمیم ابن مر سے۔ بنو تمیم۔

قبائل ذیل تمیم کی اولاد میں ہیں

(۱۴۲)۔ جبطات۔ (۱۴۳)۔ بنو عصیہ۔ (۱۴۴)۔ البراجم (۱۴۵)۔ بنو کلیب

(۱۴۶) بنو ریاح (۱۴۷) بنو امرہ (۱۴۸) بنو اسقرہ۔ (۱۴۹) بنو احمان۔

(۱۵۰) بنو حنظلہ (۱۵۱) بنو دارم (۱۵۲) بنو عدیہ (۱۵۳) بنو الطہیہ۔

(۱۵۴) آل صفوان۔ (۱۵۵) آل عطارد (۱۵۶) بنواعوف۔

(۱۵۷) مدرکہ ابن الیاس ابن مضر سے۔ (۱۵۸) ہذیل ابن مدرکہ سے۔ بنو ہذیل۔
بنو امدرکہ یا بنو اخندف۔ یا ہذیلی۔

(۱۵۹) تمیم ابن سعد ابن ہذیل سے۔ (۱۶۰) حریب ابن سعد سے۔ بنو حریب
بنو اتمیم۔

(۱۶۱) مناعہ ابن سعد سے۔ بنو امناعہ۔ (۱۶۲) خناعہ ابن سعد سے۔ بنو اخناعہ۔

(۱۶۳) جہم ابن سعد سے۔ جہمی۔ (۱۶۴) آخنم ابن سعد سے۔ نعثمی۔

(۱۶۵) حرث ابن سعد سے۔ حرثی۔ (۱۶۶) خزیمہ ابن مدرکہ سے۔ بنو اخزیمہ

(۱۶۷) الہون ابن خزیمہ سے۔ بنو الہون۔

قبایل ذیل الہون کی اولاد میں ہیں

(۱۶۸) بنو القارہ (۱۶۹) عضلی (۱۷۰) الدیشی۔

(۱۷۱) اسد ابن خزیمہ سے بنو اسد۔ (۱۷۲) دودان ابن اسد سے۔ دودانی

(۱۷۳) کاہل ابن اسد سے۔ کاہلی (۱۷۴) حملہ ابن اسد سے حلی۔

(۱۷۵) عمرو ابن اسد سے۔ عمری۔

قبایل ذیل عمرو کی اولاد میں ہیں

(۱۷۶) بنو قعس (۱۷۷) بنو الصیدا (۱۷۸) بنو انسر (۱۷۹) بنو الزنیہ

(۱۸۰) بنو اعاضرہ (۱۸۱) بنو النعامہ (۱۸۲) کنانہ ابن خزیمہ سے۔ بنو اکنانہ۔

(۱۸۳) مالک ابن کنانہ سے - بنو امالک -

قبایل ذیل مالک کی اولاد میں ہیں

(۱۸۴) بنو فقیم - (۱۸۵) بنو افراس - (۱۸۶) بنو الجبر -
(۱۸۷) ملکان ابن کنانہ سے - بنو الملکان -
(۱۸۸) عبد مناۃ ابن کنانہ سے - بنو اعبد مناۃ -

قبایل ذیل عبد مناۃ کی اولاد میں ہیں

(۱۸۹) بنو امدلج - (۱۹۰) بنو اجذیمہ - (۱۹۱) بنو الیث (۱۹۲) بنو الدیل -
(۱۹۳) بنو اضمرہ - (۱۹۴) بنو غفار (۱۹۵) بنو الج -
(۱۹۶) عمرو ابن کنانہ سے - عمریون (۱۹۷) عامر ابن کنانہ سے - عامریون -

قبایل ذیل کنانہ کی شاخ ہیں

(۱۹۸) الاحابیش - (۱۹۹) نضر ابن کنانہ سے - بنو النضر -
(۲۰۰) مالک ابن نضر سے - بنو امالک (۲۰۱) الحرث ابن مالک سے - مطیبین -

قبایل ذیل الحرث کی شاخ میں

(۲۰۲) بنو الخلج - (۲۰۳) فہر ابن مالک سے - بنو فہر یا قریش
(۲۰۴) محارب ابن فہر سے - بنو امحارب (۲۰۵) غالب ابن فہر سے - بنو غالب

(۲۰۶) تیم ابن غالب سے بنو تیم یا بنو الادرم (۲۰۷) لوی بن غالب سے - بنو لوی -

(۲۰۸) عامر ابن لوی سے - بنو عامر

قبایل ذیل عامر کی اولاد میں ہیں

(۲۰۹) حسل (۲۱۰) معیص - (۲۱۱) سامہ ابن لوی سے - بنو سامہ -

(۲۱۲) سعد ابن لوی سے بنو سعد -

قبایل ذیل سعد کی شاخ ہیں

(۲۱۳) بنانہ (۲۱۴) خزیمہ ابن لوی سے بنو خزیمہ -

قبایل ذیل خزیمہ کی شاخ ہیں

(۲۱۵) بنو عایذہ - (۲۱۶) حرث ابن لوی سے - بنو الحرث -

(۲۱۷) عوف ابن لوی سے - بنو العوف (۲۱۸) کعب ابن لوی سے بنو الکعب -

(۲۱۹) عدی ابن کعب سے - بنو عدی (۲۲۰) حصیص ابن کعب سے - بنو الحصیص

قبایل ذیل حصیص کی اولاد میں ہیں

(۲۲۱) بنو سہم (۲۲۲) بنو جمح (۲۲۳) مرہ ابن کعب سے - بنو مرہ -

(۲۲۴) تیم ابن مرہ سے - بنو مرہ (۲۲۵) مخزوم ابن مرہ سے بنو مخزوم -

(۲۲۶) کلاب ابن مرہ سے - بنو کلاب (۲۲۷) زہرہ ابن کلاب سے - بنو زہرہ -

(۲۲۸) قصی ابن کلاب سے - بنو قصی یا مجمع -

قبایل ذیل کلاب کی اولاد میں ہیں

(۲۲۹) نوفلیون (۲۳۰) عبد الدار ابن قصی سے - داری -

قبایل ذیل عبد الدار کی نسل میں ہیں

(۲۳۱) شیبی (۲۳۲) امیہ ابن عبد الشمس ابن عبد مناف ابن قصی سے - بنو امیہ

(۲۳۳) ہاشم ابن عبد مناف سے - بنو ہاشم -

(۲۳۴) عبد المطلب ابن ہاشم سے - بنو مطلب -

(۲۳۵) عباس ابن عبد المطلب سے - عباسی -

(۲۳۶) - علی ابن ابو طالب ابن عبد المطلب سے - علوی

(۲۳۷) فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے - سادات بنی فاطمہ علیہا السلام

اس مطلب سے کہ اقوام مذکورہ بالا کا سلسلہ بخوبی ذہن نشین ہو جائے اور آسانی سے سمجھ میں آجائے اس مقام پر ایک شجرہ عرب مستعربہ کی قوموں کا شامل کیا جاتا ہے -

عرب کی قوموں کے بیان کو ختم کرتے وقت اس بات کا بیان کرنا مناسب ہو کہ عرب میں ایک دستور تھا کہ ایک ضعیف قوم یا وہ قوم جو زوال کی حالت میں پڑجاتی تھی اکثر اپنے اپ کو کسی زبردست قوم میں ملا دیتی تھی - اس اختلاط کے مقصد کو نہ سمجھنے سے غیر ملک کے مورخ بڑی غلطی میں پڑے ہیں - کیونکہ ان میں سے بعضوں

سے نے یہ بیان کیا ہے اور بعض مورخ اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ ایسا اختلاط نسب کے اختلاط سے علاقہ رکھتا ہے اور اسکے بعد وہ دونوں قومیں ایک ہی لقب یعنی زبردست قوم کے لقب نسبی سے ملقب ہو جاتی تھیں اور اسی بنا پر انکا مقولہ ہے کہ عرب کی قومیں انقلابات اجتماع کے ہمیشہ زیر مشق رہی ہیں - لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ وہ دونوں قومیں اس طرح پر مخلوط نہیں ہوتی تھیں کہ ایک ہی مورث اعلیٰ کی نسل سے خیال کی جاتی ہوں بلکہ اس اختلاط کے یہ معنی تھے کہ زیردست قوم زبردست قوم کے تابع اور اس قوم کے قوانین اور رسم و رواج کی پابند ہو جاتی تھی اور ضرورت کے وقت اور ہر ایک امر میں اس قوم کی ساتھی اور مددگار رہتی تھی - دونوں قوموں کے آدمی ایک ہی نامی سردار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اگر ان دونوں قوموں کے کسی آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا جسکی عوض تمام قوم سے تاوان لئے جانیکا دستور تھا تو وہ تاوان برابر دونوں قوموں پر عاید ہوتا تھا -

لفظ سراسین کی تحقیق

اس خطبہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ "سراسین" کی بابت جو یونانیوں نے زمانہ جاہلیت کے بعض عربوں کی نسبت استعمال کیا ہے اور جسکا اطلاق انجام کار تمام جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں پر قبل ظہور اسلام اور نیز بعد ظہور اسلام ہو گیا ہے کچھ گفتگو کیجاوے - متعدد مورخوں نے اپنی ذہانت کو اس لفظ کے ماخذ کے بیان کرنے کی کوشش میں صرف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک نیا ڈھنگ اسکے ماخذ تلاش کرنیکا اختیار کیا ہے جسے بارہا پڑانے

تعصبات کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ ریورنڈ پوکاک صاحب نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں جو کچھ اسکی نسبت لکھا ہے بعینہٖ اسکو اس مقام پر ترجمہ کر دیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ اس مضمون پر ہمارے مصنفوں نے ابتک جو کچھ چھاپا ہے اس میں کسی جگہ میں اس امر کی قابل اطمینان دلیل نہیں پاتا ہوں کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے آخر میں "سراسین" کے نام سے کیوں موسوم ہوے جن لوگوں نے کہ اس نام کو "سرح" سے مشتق کیا ہے انکی راے کی کماحقہ تردید ہو گئی ہے۔ اب عموماً یہ گمان ہے کہ یہ نام "سرق" (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم سے صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام انکو کہاں سے ملا؟ اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ یہ نام خود انہیں کے ہاں سے نہیں شروع ہوا ہوگا بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کب گوارا کرتے۔ اب عالموں کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا ان لوگوں کے نام کو جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں لفظ "سرق" سے مشتق کرنا جائز ہو سکتا ہے جسکے معنی خفیہ چوری کرنے کے ہیں یا نہیں۔

اب اگر کوئی "سراسین" کی تحقیق میں میری تبعیت کرنا چاہے تو اسکو اپنی آنکھیں شرق کی طرف کھولنی چاہئیں۔ کسواسطے کہ "سراسینز" اور سراسی نائے" کی آواز میں "شرقی" اور اسکی جمع "شرقیون" اور "شرقیین" کی نسبت کیا فرق ہوگا جسکے معنی اہل الشرق یعنی باشندگان شرقی کے ہیں جس طرح کہ سابق میں عربوں کو علی الخصوص یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ انکی سرزمین کا شرقی حصہ (حسب قول طالسیطوس) عرب سے محدود

ہے۔ اسیطرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰ ورس ۳۰) یقطان کی اولاد کو
جو عرب تھی مشرق میں بیان کرتی ہے یعنی ساحل کے اس حصہ پر جو مابین "مشام"
اور "سفار" کے جو مشرق میں ایک پہاڑ ہے واقع ہے یعنی اگر آرسا دیاس قابل
اعتبار ہو "من مکة الی ان تجی مدینة الجبل الشرقی" یعنی مکہ سے وہاں تک کہ تم اس
مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ یا جیسا کہ "سودہ" کوڈیکس میں مرقوم ہے "ای المدینة الشرقیة"
یعنی مشرقی شہر تک جس سے میری نسبت میں مدینہ (منورہ) مراد ہے) جو جانب
شرق واقع ہے۔ حضرت سلیمان کی عقل בני קדם تمام اہل الشرق کی عقل
سے برتر خیال کی گئی ہے یعنی (حسب بیان اس یہودی کے، گو وہ کوئی ہو جس نے
کتب ملوک کا عربی میں ترجمہ کیا ہے) سراسین یا عربوں کی عقل سے اسطرح یرمیاہ
نبی (باب ۴۹ ورس ۲۸) میں اعراب بنی قیدار کو "اہل الشرق" בני קדם کہا ہے
علامہ "ہیوگو گروشیس" بیان کرتا ہے کہ عیسائیان سابق کی یہ رائے تھی کہ وہ عقلاء
جو حسب بیان متی حواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے اور اس کا خود بھی یہی عقیدہ
تھا "ناسوس" (نولیس ہیں) لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی جو بجانب بنی عثونیہ
بنی حمیر۔ اور سراسین اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کی تھی تعمیل کر دی اسلئے "سراسینس"
کا اور مشرقی اقوام کے زمرہ میں شامل ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ مشرق
میں آباد تھے محمد الفیروزآبادی۔ صفی الدین اور اور لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے
چند اور مقامات بھی بدیں وجہ کہ وہ مشرق کے اور حصوں میں واقع تھے بنام "شرقہ" و "شرقیہ"
موسوم تھے۔ اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ ایسے مقامات کے باشندے
اہل الشرق کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دلیل سے ان لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں

بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے "الشرق" یعنی پورب کہلاتا ہو اسی نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنے اون لوگوں کے درمیان جو اپنی ہی بولی میں اپنے آپ کو مغربی یعنی باشندہ جزیرہ موزی تانیا کہتے ہیں کس طرح پوری پوری تمیز کر سکتے ہیں - اسی طرح جیسے کہ باشندہ اسے ملک مغرب "المغاربہ" کہلاتے ہیں وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں "المشارقہ" یا "سراسینس" کہے جا سکتے ہیں اور یہ نام ان کی عادات اور اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ باعتبار انکی جائے سکونت کے رکھا گیا ہے - اسی طرح سے تم اس مشہور و معروف حکیم بوعلی سینا کی اس نامی کتاب کا نام "سراسینک فلاسفی" یعنی "الفلسفۃ المشرقیۃ" کچھ اسکی جاہلیت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو بلکہ اسکے مشرقی ہونے کے سبب سے ۔ رہی یہ بات کہ عربی حرف ش کا یونانی Σ کی مانند تلفظ ہوا ہے اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ وہ عبرانی حرف ש کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے تھے - لفظ "سراسینس" کا ایک اور مادہ بھی ہوسکتا ہے یعنی "شرک" اسواسطے کہ وہ خدائے واحد کے شریک قرار دیتے تھے - لیکن یہ نام جو قدیم عربوں کی نسبت اسقدر موزوں ہے مسلمان لوگ ان کا اطلاق ازراہ بے انصافی و ناحق اندیشی عیسائیوں پر کرتے ہیں اور عیسائی اس سے استغفار سمجھتے ہیں مگر یہ امر ہمارے مضمون سے علاقہ نہیں رکھتا -

ہمارے اس خطبہ کے ساتھ ملک عرب کا ایک نقشہ بھی ہوگا جس سے امید ہے کہ اکثر متنازعہ فیہ مقامات مختلف قوموں کی سکونت گزینی کا ٹھیک مقام بہت سے بیانوں کا صحیح صحیح موقع - پہاڑوں شہروں وغیرہ کی کیفیت و اصلیت دریافت ہوجائیگی -

شاید اسکے پڑھنے والیکو توقع ہو کہ نامی گرامی شہر مکہ معظمہ کا مفصل حال۔ اسکی بناکی کیفیت۔ سنگ اسود کی اصلیت۔ اور اُن رسوم کی ابتدا اور انکی حقیقت جو بیت اللہ میں بجاتی ہیں یہ سب باتیں اس خطبہ میں دریافت ہونگی لیکن چونکہ ایسے عظیم الشان اور عجیب مضامین کی کامل تشریح کی اس خطبہ میں گنجائش نہ ہوتی اسلیے ہم ان کا بیان ایک اور خطبہ میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ کرینگے

نقشہ مندرجہ بالا میں ہمنے اُن مقامات کو بھی درج کیاہے جنکا حوالہ توریت مقدس میں دیاہے اور اُن کے ساتھ اس پاک کتاب کے مخصوص بابوں اور آیتوں کا بھی حوالہ دیاہے۔

ان مقامات کے ٹھیک ٹھیک جگہوں کے تعین کرنے میں ہمنے اس بے بہا نقشہ عرب سے فائدہ اٹھایاہے جسکو رورنڈ کارٹرٹ پی۔ کیری۔ ایم۔ اے نے مرتب کیاہے۔

النصوص الباہرہ فی حریۃ الہاجرۃ علی مایستفاد من کتب الیہود

افادھا

المولوی عنایت رسول چڑیاکوٹی سلمہ اللہ تعالے

ام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام عبری زبان میں (ہاغار) הָגָר اور عربی میں

(ترجمہ اُردو) "وہ فرعون کی بیٹی تھی جب دیکھا اُن کرامات کو جو بوجہ سارہ واقع ہوئیں تو کہا بہتر ہے کہ میری بیٹی اسکے گھر میں خادمہ ہو کر اس سے کہ ہو دوسرے کے گھر میں ملکہ

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ" میری بیٹی کا رہنا اسکے خاندان میں خادمہ ہو کر بہتر ہے کہ دوسرے کے خاندان میں ملکہ ہو کر رہنے سے"

۱۸۵۰ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا اور اکثر یہودیوں نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں تہیں بادشاہ مصر کی بیٹی تہیں۔

توریت مقدس سے کسی طرح حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہے نہایت صاف اور روشن بات ہے کہ اسوقت کے حالات پر جو ہم نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لونڈی و غلام دو طرح پر ہوتے تھے شراسے اور غنیمت سے یعنی یا تو وہ لونڈی و غلام ہوتے تھے جو لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے اور وہ (شبیوت حرب) שְׁבוּת חֶרֶב کہلاتے تھے یعنی غنیمت جنگ صیف یا وہ لونڈی اور غلام کہلاتے تھے جو خریدے جاتے تھے اور اُن کو מִקְנַת כֶּסֶף (مقنت کسف) کہتے تھے یا ان کی اولاد لونڈی و غلام ہوتے تھے יְלִיד בַּיִת یلید بایث ولید البیت) یعنی خانہ زاد مگر حضرت ہاجرہ اُن باتوں سے پاک تہیں پہر وہ کیونکر لونڈی ہو سکتی تہیں انکو لونڈی کہنا محض بہتان ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہودی اُنکو کیوں لونڈی کہتے تھے اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی

بنی اسمٰعیل کی ہمیشہ حقارت کرتے ہیں اور ضد و عداوت سے ایسی باتیں جن سے بنی اسمٰعیل پر بنی اسرائیل کے حقیر سمجھے جاویں منسوب کرتے ہیں اور اسی خیال سے ان لوگوں نے غلط طور پر توریت مقدس سے بھی حضرت ہاجرہ کے لونڈی ہونے پر استدلال کیا ہے مگر وہ استدلال سرتاپا غلط اور بالکل تحریف ہے جسکو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

حضرت سارہ ادھیڑ ہو گئیں تھیں اور ان کے اولاد نہو لی تھی اس لئے انہوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنانے کی اجازت دی کہ انہیں سے کچھ اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اُسکے چند روز بعد حضرت سارہ بھی حاملہ ہوئیں اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے حضرت اسحٰق کئی برس کے ہو گئے تھے ان کا دودھ بھی چھٹ چکا تھا اور حضرت اسمٰعیل اُن سے عمر میں کچھ بڑے تھے دونوں میں آپس میں کچھ تکرار ہو گئی جیسا کہ دو بچوں میں ہو جاتی ہے حضرت سارہ کو یہ بات بُری معلوم ہوئی اور اس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اُسکے لڑکے کو نکالدو اس مقام پر جو حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا اُس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی غصہ میں خصوصاً جبکہ دو عورتوں بلکہ دو سوکنوں میں بچوں پر تکرار ہو جائے ایک دوسرے کو تحقیر اور حقارت کے کلمے کہہ اٹھتی ہیں اسی طرح حضرت سارہ نے بھی یہ لفظ اُمہ אמה یعنی لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت

ہاجرؔ کو سمجھایا کہ تیرا رہنا ان کے ساتھ تیرے لئے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔
اس سمجھانے سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی اُن
کے سپرد کی تھی۔

بعد اسکے جب حضرت ابراہیم معہ ہاجر فرعون کی بیٹی کے وہاں سے چلے تو فرعون
نے اُنکے ساتھ پیادے مامور کئے تاکہ بہ حفاظت پہونچ جاویں چنانچہ یہ سب لوگ
بہ آرام تمام معہ احمال و اثقال و لونڈی و غلام وغیرہ کے جو بادشاہ مصر نے اُن کو
دئے تھے اپنے ملک میں جہاں اُنہوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر و خوبی
پہونچ گئے اُسوقت ابراہیم ہاجر کی بدولت بہت دولتمند و مالدار ہو گئے چنانچہ
توریت میں لکھا ہے۔

וַיַּעַל אַבְרָם מִמִּצְרַיִם הוּא וְאִשְׁתּוֹ וְכָל־
אֲשֶׁר לוֹ וְלוֹט עִמּוֹ הַנֶּגְבָּה וְאַבְרָם כָּבֵד מְאֹד
בַּמִּקְנֶה בַּכֶּסֶף וּבַזָּהָב׃

ان لفظوں کو اس مقام پر عربی خط کے حرفوں میں لکھتے ہیں۔

وَيَعَلْ اَبْرَامْ مِمِّصْرَايِمْ هُوَ وَاِشْتُو وَخَلْ اِشِرلُو وَلُوطْ عِمُّو
هَنِغبَا وابرام كَابِيد مِئُود بِمِقْنِه وبَاسِف بِزَاهاب

ترجمہ عربی فصعد ابرام من مصر هو و زوجته وكل ماله ولوط معه الى القبلة
وابرام عظيم جدا بالماشية والفضة والذهب۔

ترجمہ اردو "اور کوچ کیا ابراہیم نے مصر سے اُس نے اور اُس کی بی بی نے معہ اپنے کل مال کے اور لوط کے شمال کی طرف کو - کتاب پیدائش باب ۱۳ - آیت ۱ و ۲"

پس اس مورخ کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہاجرہ بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں تعلیم تہذیب کے لیے سارہ کے سپرد کی گئی تھیں اور انکا ہموطن ہونا بلکہ ادنیٰ تامل سے اہل خاران سے ہونا پایا جاتا ہے -

مفسرین توریت بھی حضرت ہاجر کو بادشاہ مصر کی بیٹی لکھتے ہیں چنانچہ (ربی شلومو اسحاق) نے کتاب پیدائش کے سولھویں باب کی پہلی آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے اُسکو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں -

בַּת פַּרְעֹה הָיְתָה כְּשֶׁרָאָה נִסִּים שֶׁנַּעֲשׂוּ
לְשָׂרָה אָמַר מוּטָב שֶׁתְּהֵא בִתִּי שִׁפְחָה בְּבַיִ
ת זֶה וְלֹא גְבִירָה בְּבַיִת אַחֵר:

"بَت پَرعَه هايْتَا كِشِرَّا نِسيم شِنعِسُو اِسارَه اَمَر مُوطاب
شِتِهَا بِتى شِفحَه بِبَيت زِه ولو كَبيرَه ببيت اَحير -

(ترجمہ عربی) هی کانت بنت فرعون لمارا الآیات التی اخرجت بسارہ قال ما اطیب ان بنتی خادمة فی بیت ذا و لا ان تکون سیدة فی بیت آخر -

راجرہ ہے یہ بادشاہ مصر کی بیٹی تہیں۔

سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکہا ہے کہ شہر بابل دار السلطنت نمرود میں جہاں تارح یعنی آزر اور ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے ایک شخص حکیم ہنرمند ذکی اللبع فطین جو اکثر علوم وصنائع میں کمال رکہتا تہا رہتا تہا اُسکا نام رِقیوُن רקיון تہا مگر وہ بہت مفلس ومحتاج ومفلوک تہا تنگدستی و سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجہکر مصر کی راہ لی جب وہ وہاں پہونچا اور اُس کی لیاقت ودانشمندی باشندگان مصر پر ظاہر ہوئی تو بادشاہ مصر نے اُسکو بڑا قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کیا رفتہ رفتہ بالکل حاوی ہوا بالآخر وہاں کا بادشاہ ہوگیا یہ پہلا شخص ہے جسکا لقب فرعون ہوا اسی فرعون کے زمانہ بادشاہت میں بوجہ قحط سالی کے حضرت ابراہیم علیہ السّلام فلسطین سے معہ اپنے اہل بیت کے مصر میں تشریف لے گئے۔

رقیون רקיון اور ہاجرہ הגר دونوں عبری لفظ ہیں اور اس سے استدلال ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنی بنی عیبر تہے اور کیا عجب ہے کہ اُسی قبیلہ کے ہوں جس قبیلہ کے حضرت ابراہیم تہے اور ظاہرا اسی خیال سے کہ بادشاہ مصر اُن کا ہموطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط ومصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانیکا قصد کیا ہو جیسا کہ ہر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہوسکتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم مصر میں پہونچے اور اُنہوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا

ظاہر [illegible] ہونے کا جو رشتہ تہا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی [illegible] حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دیکر حضرت سارہ کو بقصد شادی اپنے گہر لے گیا۔

اس واقعہ سے بہی استدلال ہو سکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہم قوم ہونے کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنے کی رغبت ہوئی تہی۔

مگر چونکہ ہنوز شادی نہونے پائی تہی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور ان کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بیوی بہی ہیں اُسیوقت فرعون نے اُنکو حضرت ابراہیم پاس بہیجدیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بہی اُن کے سپرد کیا۔

فرعون نے جو اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت سارہ کے ساتہ کردیا ظاہرا اُس کے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ابراہیم اور سارہ کی نیکی اور بزرگی اور اُن کا اور فرعون و ہاجرہ کا ہم قوم ہونا اس بات کے لئے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو انکی تعلیم و تربیت اور صحبت میں سپرد کرے کیونکہ مصری اس کے ہم قوم و قبیلہ سے نہ تہے۔ علاوہ اسکے اس زمانہ میں اور اُس خاندان میں شادی و بیاہ میں ہم کفو ہونیکا بہت خیال تہا مصر میں رمیون فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہ تہا اور یہ بہت بڑی ترغیب اس بات کی تہی کہ ہاجرہ سارہ کے سپرد کیجاوے تاکہ اُن کی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اُس کی شادی ہوجاوے۔ رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹے

لونڈی تہیں مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں اُنکو ایک موقع حضرت ہاجر کو لونڈی کہنے کا ملگیا

حضرت سارہ کی اِسبات سے حضرت ابراہیم نہایت ناراض ہوسے مگر خدا نے اُن کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کی طرف سے رنج مت کر تو اُنکو نکال دے میں اس لونڈی کے بچہ سے ایک قوم پیدا کرونگا۔

اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کہا وہ بعینہٖ نقل حضرت سارہ کے قول کی ہے یعنی سارہ نے جسکو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا تہا اُسی سے میں ایک قوم پیدا کرونگا یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لایق آدمی کو کہے کہ یہ نالایق کیا کام کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بہی اُسکو نالائق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ درحقیقت وہ شخص نالائق ہے۔ اور جبکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حضرت ہاجرہ بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی بلکہ ہم قوم وہموطن ابراہیم کی تہیں اور جو وجوہ رقیت کی اس زمانہ میں تہیں اُن سے بہی حضرت ہاجر بری تہیں تو اُن الفاظ سے جو لڑائی وجہگڑے وغصہ میں بولے گئے ہیں کسی طرح اُنکا واقعی لونڈی ہونا مراد نہیں ہوسکتا۔

علاوہ اسکے لفظ امۃ אמה مجازاً محاورہ میں زوجہ پر بہی بولا جاتا ہے یہودیوں میں دستور تہا کہ دختر کا باپ بروقت شادی کے بعوض دختر کے پسر کے باپ سے کچھہ روپیہ لیتے تہے تب بیٹی دیتے تہے جیسے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تہے مگر وہ لونڈی

ہوتی تہی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تہی اور تمام حقوق زوجیت کے اسکو حاصل ہوتے تہے ایسی زوجہ پر بہی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ آیت ساتویں میں لکہا ہے کہ "خدا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے (آمہ) ہونے کے لئے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل نہ جاویگی اگر وہ اپنے مالک کی نظر میں ناپسند ہوں سے پسند نہ کیا تو فدیہ دیگا بوجہ ناپسند ہونے کے اجنبی قوم کے پاس بیچ نہیں سکتا اور اگر اپنے پسر کی خلوت میں دیا تو لڑکیوں کے دستور کے موافق برتاؤ ہوگا اور اگر اسکے واسطے دوسری کرلی تو حقوق زوجیت یعنی کہانا کپڑا خلوت کم نہ کریگا اور اگر تینوں امر اس کے ساتھ نہ کئے جاویں تو بلا زر دہ چہوٹ جاویگی"۔

چونکہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں اسلئے علماء یہود نے اس میں بہت غور کی ہے کل مباحثہ لکہنا طول ہے مگر جسقدر کہ اس مقام کے مناسب ہے مختصراً لکہا جاتا ہے۔

ان آیتوں میں لفظ امہ אָמָה سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی اول تو انہی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے بیوی یعنی زوجہ شرعی مراد ہے دوسرے یہ کہ یہ آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے اور بموجب توریت مقدس کے لونڈیوں کی طرح بنی اسرائیل کی بیع و شرا جائز نہیں ہے چنانچہ اسکی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ - آیت ۴۲ - اور دوسری کتاب باب ۲۲ آیت ۳ میں مندرج ہے - بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کی قید میں سے چہوڑانے کے لئے خریدے جا سکتے تہے اور صرف سات برس تک مالک کی بطور غلام کے خدمت کرتے تہے حضرت یوسف کے بہائی بہی چوری کے جرم میں بطور غلام رکہہ لئے گئے تہے

مگر وہ غلام نہ تھے۔

اور اگر فرض کریں کہ اس آیت میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لئے ہیں تو بھی آیت کے معنی درست نہونگے کیونکہ غیر بنی اسرائیل لونڈی و غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہوجاتے تھے اور آیت میں حکم ہے کہ وہ آزاد نہوگی اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے۔

אם רעה בעיני אדניה: שלא נשאה חן בעיניו לכונסה: אשר לא יעדה: שהיה לו ליעדה להכניסה לו לאשה וכסף קנייתה הוא כסף קדושיה וכאן רמז לך הכתוב שמצוה ביעוד ורמז לך שאינה צריכה קדושים אחרים:

صورت اسکی عربی خط میں تورات۔

اِم رَاعَه بِعِينِي اَدُونِيهَا شَلُّا نَاسِئَه حين بِعِينَاو لِكَنُو نَسَاهَ اَشِر لَا يِعَادَاه : شِهَايَا لو لِيعَادَاه لهنيساه لو لِاِشَّا وِكِسِف قِنِيَاتَاه هو كِسِف قِدُّوشِيهَا وكان رَامَز لَاخ هَكَّاتُوب شِمِصوَه بِيعُود وِرَامَز لاخ شاينا صَرِيخه قِدُّوشِيم آحَرِيم

(ترجمہ عربی) وان قبحت بعين بعلها: لانہ لخلوتہا ما ہوی الذی لم یزفہا وكان لہ ان یزفہا ويتخلى بہا بالتزويج وثمن شرائها هو ثمن نكاحها وفي الآية كناية

بامر النکاح وبانہ لایجوز مع الغیر عرسہا۔

(توریت) اگر بری ہے اپنے خاوند کی نظروں میں (تفسیر) کہ اُسے صحبت نہوئی ... ساتھہ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف کیا (تفسیر) کہ اسکو مناسب تہا اُس ... زفاف اُس کے ساتھہ خلوت کرنا جورو کرنے کے لئے اور قیمت اصلی خرید کی قیمت ہے اُنکی شادی کی اور یہاں کنایہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ... دوسرے سے شادی کرنے کی مجاز نہیں۔

اسی موقع پر اس بات کا بہی خیال کرنا چاہئے کہ جس طرح ایسی جورو پر جس کی بابت عوض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا طلاق ہوا اسی طرح ایسی جورو پر بہی جو ... دولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے جیسکہ ابی غایل حضرت داؤد کی بیوی پر لونڈی اور بیوی کا اطلاق ہوا ہے جس کا ذکر عنقریب آتا ہے اور جو کہ یہ امر حضرت اجرہ کے حال سے بہی نہایت مناسب تہا اسلئے مجازاً انکی نسبت بہی امہ یعنی لونڈی بولا گیا مگر جبکہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اس لفظ سے حقیقی لونڈی مراد ہو نہیں سکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان مقاموں میں بہی امہ سے جورو مراد ہے مگر سریہ تو یہ کہنا بہی صحیح نہوگا اسلئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتی تہیں تو سریہ کیونکر ہو سکتی ہیں

اور اگر یہ شبہہ کیا جاوے کہ جن مقامون کا بیان ہوا وہاں قرینہ ہے جس سے امہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت اجرہ کی نسبت امہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنی چہوڑ کر مجازی معنی لئے جاویں اس

شبہہ کے رفع کرنیکو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دیجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں بلکہ اُن کے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی چنانچہ اسیوجہ سے لیا اور راحیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اُن سے کہا کہ کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث ہے کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں کیونکہ بیچڈالا ہمکو اور قیمت کھا گیا پیدایش باب ۳۱ آیت ۱۴ و ۱۵۔

اور لونڈی کی اولاد جو دوسری سے ہو وہ بھی لونڈی اور غلام ہوتی تھی اُن کے لئے میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسے کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بیوی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ اُنکو باپ اپنی زندگی میں دیدیوے وُہی اُنکو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قطورہ کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھہ دیکر الگ کردیا تھا جیسا کہ کتاب پیدایش باب ۲۵ میں مندرج ہے۔ جبکہ یہ قاعدہ شرعی معلوم ہوگیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کہ جب سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اُس کے لڑکے کو نکال تو اُسکی وجہہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اندیشہ یہی تھا کہ اسمعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاوینگے پس اگر ہاجر لونڈی ہوتیں یا اسمٰعیل لونڈی بچہ ہوتے تو میراث پانیکا خیال کیونکر ہوتا بلکہ اُسوقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو باپ عاق یعنی ساقط المیراث کردیتا تھا وہ بھی اُس ترکہ سے محروم ہوجاتا تھا اس لئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجر کو اور اُسکے لڑکے کو نکال دے یعنی ایک کو طلاق دے اور ایک کو عاق کرے تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں یہ قرینہ ہے کہ ان آیتوں میں امہ کا لفظ جو خلاف محل واقع ہوا ہے اُس سے اُس کے

مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی مراد نہیں ہو سکتے علاوہ اسکے اور بھی قرینے قویہ ہیں جن کا ذکر
آگے آتا ہے:

ان مقامات کے سوا کسی مقام میں حضرت ہاجر کی نسبت لونڈی کا لفظ توریت میں
نہیں آیا۔ بلکہ شفحہ שפחה کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں
انقلوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالدی زبان میں کیا ہے شفحہ کا ترجمہ امتا جو بمعنی آیہ
ہے لکھا ہے اور اس سبب سے اکثر ترجموں نے توریت کے ترجموں میں جو اور زبانوں میں
کئے اس لفظ کا لونڈی ترجمہ کیا حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں (امہ) אמה کہتے ہیں جو
عربی لفظ امہ کا مترادف ہے اور شفحہ کے معنی خادمہ کے ہیں ہم تفرقہ بتانے کے لئے سموئل
باب ۲۵ کی ۴۱ آیت نقل کرتے ہیں اس سے امہ اور شفحہ کا فرق ظاہر ہو جائیگا۔

ותאמר הנה אמתך לשפחה לרחץ רגלי
עבדי אדני:

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے

وَتومر ہِنہ اماتخا لِشفحہ لِرحوص رِجلی عَبدی اَدنی

(ترجمہ عربی) وقالت نعم انا امتہ لہ خادمۃ تغسل رجل عبید سیدی۔

(ترجمہ اردو) اور کہا ہاں اس کی لونڈی خادمہ ہے اپنے سردار کے خادموں کا پاؤں
دھونے کے لئے۔

یہ قول ابی غایل حضرت داؤد کی بی بی کا ہے جبکہ حضرت داؤد نے اس کو پاس
نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور وہ بطور دولہ کے حضرت داؤد کے ہاں آئی تھیں۔
شفحہ کے اصلی معنی جیسا اہل لغت لکھتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں۔ مادہ اس

لفظ کا اور (مشباحہ) מִשְׁפָּחָה کا جس کے معنی قبیلہ کے ہیں ایک ہے لیکن
عرف میں اسکے معنی خادمہ کے ہیں پھر اس لفظ سے لونڈی سمجھنا یا غلطی ہے یا تعصب ہے
تیسرا مقام جہاں سے اُن کے لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں پیدائش باب
۲۵ - پہلی آیت سے ۶ - آیت تک جسکا ترجمہ یہ ہے اور ابراہیم نے پھر عورت کی جس کا نام
قطورہ تھا اور اُس سے زمران - یقشان - مدان - مدیان - یشباق - شووہ پیدا ہوے
اور یقشان کو شبا اور ددان پیدا ہوے - ددان کی اولاد اشوریم لطوشیم لامیم - مدیان کی
اولاد عیفا عیفر حنوخ ابیدع اور الداعا یہ سب قطورہ کی اولاد ہیں - اور دیا ابراہیم نے جو کچھ
اُن کے تھا اسحاق کو - اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دیکر اسحاق کے
پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں - یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے וְלִבְנֵי
הַפִּילַגְשִׁים لِبنِی ھَپِیلَغشِیم جس سے استدلال کرتے ہیں פִּילֶגֶשׁ
پیلغش פִּלֶגֶשׁ یلغش جسے کلدی میں פִּלַּקְתָּא پیلقتا یا פִּלַּקְתָּא پلقتا
کہتے ہیں یا לְחֵינָה لحینا بولتے ہیں اسکے معنی بے شبہہ سریہ ہیں اور اس کی
جمع موافق قاعدہ کے פִּלַגְשִׁים پیلغشیم آتی ہے ابی سلیمان ابن اسحاق نے
لکھا ہے נָשִׁים בִּכְתֻבָּה פִּלַגְשִׁים בְּלֹא כְתֻבָּה
اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنی کابین نامہ ہو اُسے ناشیم کہتے ہیں
اور جس کے لئے کابین نامہ نہو اُسے پیلغشیم کہتے ہیں بہر نوع یہ امر ثابت ہے کہ پیلغش
سریہ ہے استدلال یہ ہے کہ آیت میں پیلغشیم بلفظ جمع ہے اور اُس سے مراد قطورہ اور ہاجرہ
ہیں کیونکہ سارہ کے سوا یہی دو بیویاں ابراہیم کی ثابت ہیں اسلئے یہ سریہ ہونگے فقط یہ
شبہہ پیلغشیم کے لفظ سے پیدا ہوا حال یہ ہے کہ عبری میں جمع ت سے اور یم سے

آتی ہے لہذا جمع پیلغشیم ہونا چاہیے لیکن توریت میں اُس مقام میں پیلغشم بدون یے کے
وارد ہے پیلغشیم نہیں ہے اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے بعض نے اسکو جمع نہ ماننے
اور ... ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابراہیم کے ایک ہی سریہ تھی اسواسطے ہی
کو گرا دیا ... חסר כתיב שלא היה אלא פלגש אחת
مقصود اسکا ... ایک ہی سریہ تھی۔ ساتھ ہی اسکے اس مفسر نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ وہ
سریہ ہاجر ہیں ... ہی قطورہ ہیں یعنی ہاجر اور قطورہ ایک ہی کا نام ہے یہ بات صحیح نہیں معلوم
ہوتی ... بیان ہوگا انشاء اللہ تعالی اور اسی طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ
عرب ... ایک ہی تھی لہذا پیلغشم سے جمع مقصود نہیں ورنہ بصورت جمع ہے تو اسیوجہ سے
اونقلوس نے جو قدیم مترجم ہے اس لفظ کے ترجمہ میں לחינתא لحینتا لفظ واحد
اختیار کیا ہے ایسی حالت میں اس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ مدار حجت جمعیت
تھی اور وہ غیر مسلم ہے باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جسکی شان میں یہ آیت وارد ہے ہاجر ہیں
اس بیان سے کہ ہاجر ہی کا نام قطورہ ہے دعوی بلا دلیل ہے سیاق کلام سے ظاہر ہے
کہ اس باب میں قطورہ اور اُن کی اولاد کا ذکر ہے اور انہیں کو آیت سریہ بتاتی ہے
علاوہ اسکے דברי הימים سفر التواریخ اول کے پہلے باب کی ۳۲۔ آیت میں
جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں جو اہل کتاب میں معتبر ہے لکھا ہے ובני
קטורה פלגש אברהם: ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں
اور فلاں یہ وہی اشخاص ہیں جنہیں پیدایش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنایا ہے
اور فلسطین کے پورب سکونت کی اجازت دی ہے یہاں سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی
ثابت ہے اور اسی مقام پر ۳۳۔ آیت کے اخیر میں لکھا ہے כל- אלה בני

[illegible] קְטוּרָה: یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں اس سے ثابت ہے کہ قطورہ ہاجر نہیں ورنہ
اسمٰعیل کو بھی ان میں شمار کرتا بلکہ اسی باب کی ۲۶ - آیت میں گنایا ہے ابراہیم کے بیٹے
اسحاق اور اسمٰعیل اُس وقت یہ دستور تھا یعنی اکثر یہ محاورہ تھا کہ بیان نسب
میں سریہ کی اولاد کو ما کی طرف نسبت کرتے تھے اور بیوی کی اولاد کو باپ کی طرف
اسی لیے نسب نامہ اسمٰعیل کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت
ابراہیم کی طرف نہیں کی بلکہ قطورہ کی طرف کی - علاوہ اس کے ہاجر کی اولاد پاران
میں تھی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب جیسا تورات میں بیان ہوا ہے اور جو ان
سب تباین اور تغایر کے دونوں کو ایک کہنا بناوٹ ہے علاوہ اسکے [illegible] نے
ہاجر کو طلاق دی تھی اور ائمہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ [illegible] کی شریعت
میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی شریعت ابراہیم کے وقت میں بھی تھی جیسا یہود دعوے
کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ ہاجر ایک ہیں بالکل خلاف ہے اور اگر ابراہیم کے وقت
میں یہ شریعت نہ بھی رہی ہو تو خلاف دستور انبیا کے ہے کہ کسی نبی کا سوائے پیغمبر
آخر الزماں کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں -

اب ہم رجوع کرتے ہیں پیلغشیم کے لفظ اور اس آیت کے معنی کی طرف اگر
تسلیم کیا جائے کہ یہ لفظ جمع ہے جیسا اب جو نسخے موجودہ مطبوعہ لندن و امسٹردام
وغیرہ دیکھے گئے ان میں פִּלַגְשִׁים پیلغشیم ہے اور میم کے ساتھ لکھا
ہوا خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو بھی مدعا مستدل کا ثابت نہ ہوگا کیونکہ
جائز ہے کہ یہ جمع פִּלַגְשִׁי پیلغشی اسم منسوب کی ہو جیسا کہ اسم منسوب کی
جمع اس وزن پر متعارف ہے امثلہ ذیل سے واضح ہوگا - מִצְרִי מִצְרִים:

הריהרים ושמעאלי ונשמעאלים : وغیرہ بہت لفظ ہیں
פִּלַגְשִׁים پیلغشی کے معنی سریہ زا ہیں سبب اس ملک میں پرستار زادہ کہتے
ہیں تحقیق توریت سے ہیں کہ ابراہیم نے سریہ زا لڑکوں کو کچھ دیکر وہاں سے رخصت
کر دیا اور انکو فلسطین کے پورب بسنے کی اجازت دی لیکن ان میں اسمعیل سے
بلکل دیرالیب کی قوم آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمعیل اور اسحاق ان کے
لڑکوں نے توریت اور اس کی تفسیر دیکھنے اور پر خوبی واضح ہو جاوے گا کہ اخر
کا لونڈی زادہ ہونا کتب مقدسہ سے ثابت نہین ۔

تمت

الخطبة الثانية

فی

مراسم العرب وعاداتہم قبل الاسلام

افحکم الجاهلیة یبغون ومن احسن من الله حکما لقوم یوقنون

ایام جاہلیت کے عرب بلکہ بالعموم سب عرب بغیر کسی استثنا کے (کیونکہ زمانہ حال کے بدو عرب بہی اپنے مورثوں سے بہت کم اختلاف رکہتے ہیں) ایک نہایت سادہ مزاج قوم تہی اُن کی معاشرت کا سادہ اور بے تکلف طریقہ قوانین قدرت کے قریب قریب تہا یا اُس سے بالکل مطابقت رکہتا تہا - وجود انسانی کا سلسلہ ابتدائی اور ادنی درجہ کی حالت سے رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا گیا اور آخر کار گلہ بانی کے رتبہ پر پہونچگیا جو بمقابلہ اُس کی پہلی حالت کے نہایت عمدہ اور افضل تہا - اس حالت کے تبدیل ہونے سے انسانوں کو آپس میں امن اور صلح سے رہنے اور اپنی معدود اور سادہ احتیاجوں کے رفع کرنیکو بہت سا سرمایہ ملگیا - بہیڑوں کی اُون سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنانا سیکہہ لیا جس کو بذریعہ میخوں کے زمین پر خیمہ کی طرح کہڑا کرکے اُس کے اندر

رہا کرتے تھے اور جب اُن کو اپنے گلہ کو کسی دوسری عمدہ چراگاہ پر لیجانے کی ضرورت ہو[illegible]ل کو اُس جگہ سے اوکھاڑ کر دوسری جگہ لیجا کھڑا کرتے تھے اور وہیں رہنے لگتے تھے۔ اُن کی پوشاک صرف ایک لمبی بناسی ہوئی چادر ہوتی تھی جسکو بطور تہمت کے اپنی کمر سے لپیٹ لیتے تھے۔ اُن کا کھانا نیم برشت گوشت اور اونٹ کا دودھ اور کھجوریں ہوتا تھا اُن کی تمام ملکیت اور جائداد مویشی گھوڑے اور وہ عرب کا بیش بہا جانور یعنی اونٹ اور لونڈی اور غلام ہوتی تھی اور تمام ملکیت میں لونڈی اور غلام سب سے گراں بہا خیال کئے جاتے تھے۔

مہذب عرب کی معاشرت جسکو خانہ بدوش اقوام عرب کا نمونہ خیال کرنا چاہیے ایک چرواہے کے طریقہ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمہ میں رہا کرتا تھا پانی اور چراگاہ کی جستجو میں پھرا کرتا تھا۔ مگر بعض جو زیادہ تمدن پسند تھے باہم مجتمع ہو کر اپنے خیموں کی باقاعدہ ترتیب اور انتظام سے دیہات بنا لیتے تھے اور اگر اُن کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی تھی تو قصبے اور شہر پیدا ہو جاتے تھے اور وہاں کے باشندے کسیقدر مہذب زندگانی کے فوائد سے جلد متمتع ہوتے تھے۔ اُن کا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں بن کے پھلوں سے اوقات بسری ہونے اور مختلف انواع کی دستکاری اور ہر قسم کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا۔ وہ ان اشیاء کی سوداگری کیا کرتے تھے۔ گرم مصالح۔ بلسان۔ مر۔ لوبان۔ دارچینی۔ سنا۔ لیڈن۔ سونا۔ جواہرات۔ موتی۔ ہاتی دانت۔ آبنوس۔ اور لونڈی اور غلام۔

بہت پرانے زمانہ سے یہ لوگ مصر اور شام اور اور قرب و جوار کے ملکوں سے

بذریعہ کاروان کے تجارت کرتے تھے۔ توریت سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ
حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے وقت میں بھی یہی پیشہ رکھتے تھے۔ مگر ان دونوں
قوموں یعنی خانہ بدوش اور تجارت پیشہ کا قومی چال چلن ایک ہی سا تھا۔ کھانے پینے میں کم
خرچ اور کفایت شعار ہونا اور اسپر راضی اور قانع رہنا ایک عمدہ اور بیش بہا وصف خیال
کیا جاتا تھا باہلی ایک نامی شاعر اپنے بھائی کے ایک مرثیہ میں جس میں اسنے اسکی موت
کا حال لکھا تھا اس طرحپر اپنے بھائی کی تعریف کرتا ہے۔

تکفیہ فلذۃ لحم ان المّ بہا	من الشواء ویکفی شربہ الغمر

اعتدال معدہ کی بھی بہت تعریف کی جاتی تھی ہذلی ایک نامی شاعر اس عادت کی یوں تعریف
کرتا ہے۔

قلیل غرار النوم اکبر ہمہ	دم الثار او یلقی کمیا مسفعا

علی الصباح اٹھنا بھی ایک عمدہ صفت شمار ہوتی تھی اور اس آدمی کی قوت اور مستعدی کی
دلالت سمجھی جاتی تھی۔ امرء القیس خود اپنی تعریف اس طرحپر کرتا ہے۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتہا

نہایت فیاضی سے مہمان نوازی انکا قومی خاصہ تھا اور اسکو جملہ حسنات اور اوصاف
میں اعلی اور افضل سمجھتے تھے۔ مسافروں اور مہمانوں کی خاطرداری بے انتہا فیاضی سے کرنا
اور مہربانی اور اخلاق اور تعظیم کے ساتھ پیش آنا ایک پاک فرض خیال کیا جاتا تھا اور اگر
کوئی اسکو ترک کر دیتا یا غفلت کرتا تو تمام لوگ دل سے اسکو برا جانتے تھے اور اسکی حقارت
کرتے تھے ہذلی شاعر خود اپنے پر اس شعر میں بددعا کرتا ہے اگر وہ مہمان نوازی کے طریقہ میں
کچھ قصور کرے۔

الا دہدرہی ان اطعمت نازلکم	قشر ہی الحتی دعندی البر مکنوز	

ہمسایہ کے حال پر مہربانی اور اسکی خبرگیری کرنا اور اس کے مکان اور خاندان اور مال کی نگرانی اور حفاظت کرنا نیک آدمیوں کے اوصاف میں سے تہا اور اگر کوئی اس باب میں ذرا بھی بے پروائی یا سستی کرتا تہا تو اسکو نظر حقارت سے دیکھتے تہے اور اسکا کوئی معیوب لقب رکھ دیتے تہے بکری شاعر علقی کی اس طرح ہجو کرتا ہے۔

تبیتون فی المشتا ملاء بطونکم	وجاراتکم غرثی یبتن خماصا	

اور ایک اور شاعر زبیدی اس صفت میں ایک شخص کی اس طرح پر تعریف کرتا ہے۔

وجارہم احمی ذا ضیمہ غیرہم

قیدیونکو چھوڑنا اور محتاجوں اور بیکسوں کی مدد کرنا تمام نیکیوں میں افضل اور تمام اوصاف میں سب سے زیادہ قابل ستایش خیال کیا جاتا تہا ایک شاعر اپنی تعریف اس طرح پر کرتا ہے۔

وفککنا غل امرء القیس منہ	بعد ماطال حبسہ والعناء	

ایک اور شاعر طرفہ اس صفت کا بیان اس طرح پر کرتا ہے۔

ولکن متی یسترفد القوم ارفد

ہذلی شاعر اس صفت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

واحمی المصاب اذا ما دعی

ایک شریف عرب کو اپنی عزت کا لحاظ اور اپنے وعدہ کا خیال ایسا ہی ضروری سمجہا جاتا تہا جیسے کہ مذکورہ بالا اور اوصاف ضروری سمجہے جاتے تہے۔ عمرو ایک مشہور شاعر اس طرح پر کہتا ہے۔

ونوجد نحن اسمعهم ذمارا	واوفاهم اذا عقد وا یمینا

صاف اور ستھری پوشاک اور خوشبودار چیزیں عمدہ اور پسندیدہ شمائل سمجھی جاتی تھیں عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف مین اس طرح کہتی ہے۔

حدیث الشباب طیب الثوب والعطر

بالوں کو مشک سے معطر کرنا اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننا امارت کی نشانیاں تھیں۔ ایک شاعر اپنی ممدوحہ کی اس طرح مدح کرتا ہے۔

اذا التاجر الدادی جاء بفارۃ	من المسک اراحت فی مفارقہا

پرہیزگاری بھی اوصاف حسنہ میں شمار کی جاتی تھی۔ حاتم طائی اس طرح کہتا ہے

واغفر عوداء الکریم ادخارہ	واعرض عن شتم اللئیم تکرما

فصاحت وبلاغت لطافت ظرافت بھی فضیلت کے دائرہ کی تکمیل کے لئے ضروری تھیں۔ عمرو شاعر اپنے بیٹے عمار کی تعریف میں کہتا ہے۔

وان عمارا ان یکن غیر واضح	فانی احب الجون ذا المنطق الذم

نابغہ شاعر کند زبان ہونے سے اس طرح خدا سے پناہ مانگتا ہے۔

اعذنی رب من حصر وعی

گھوڑے کی سواری کی اگر بچپن ہی سے مشق کی جاتی تھی تو نہایت تعریف اور توصیف ہوتی تھی اور اگر کوئی بڑا ہو کر گھوڑے کی سواری سیکھتا تھا تو ہجو اور طعنہ کا نشانہ بنتا تھا ایک شاعر نے ایک قوم کی ہجو اسطرح کی ہے۔

لم یرکبوا الا بعد ما کبروا	فہم ثقال علی اکتافہم میل

بہیڑیہ کا شکار کرنا بہادر ہونیکا عمدہ ترین ثبوت تھا۔ شامخ شاعر اس طرح کہتا ہے۔

وماء قد دفعت الذئب عنہ

ریگستان کے طول وعرض کا اندازہ اُسکے ریت کی ایک مٹھی بھر کر سونگھنے سے دریافت کرتے تھے۔ امرء القیس شاعر اس طرح پر بیان کرتا ہے۔

اذ الناقۃ العوذ الدیافی عزعرا

زمانہ جاہلیت کے عرب میں شعر وشاعری نہایت اعلیٰ درجہ پر پہونچگئی تھی۔

جہاں یہ خوبیاں اُن میں تھیں یہی کے ساتھ نہایت بد اخلاقی اور فحش عرب جاہلیت میں پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا حال نام لے لیکر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبونکو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جسقدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسیقدر زبردست جن اُس کے زیر حکم رہتا ہے۔ حسن نامی شاعر اپنی تعلی میں اس طرح کہتا ہے۔

وما نفرت جنی وما فل مبردی

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرحکی غیر مہذب نظم میں از راہ بے شرمی اُسکو مشتہر کرتے تھے اور اُسپر فخر کرتے تھے۔

سب لوگ شراب اور نہایت قوی مُنَشّی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت اُنس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے نہایت خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

قماربازی سب لوگوں کا بلا شُبہ ایک ہر دل عزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت سے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے

سے تھے سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں ...... گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں اور اس حرام کاری کی آمدنی اُنکے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

رہزنی اور غارتگری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلا خوف اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُنکو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے۔

حارث شاعر اس طرح پر کہتا ہے۔

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا	وفینا بنات مر اماء

ٹوٹکوں میں اور شگون لینے میں اُنکو نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت یا تباہی اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھکر پھونکتے تھے اور اُن کو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اُس مصیبت کے دور ہونے کی توقع رکھتے تھے۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے بھی نیک اور بدشگون لیا کرتے تھے مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں طرف سے دائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُسکو نیک شگون سمجھتے تھے اور "سانح" کہتے تھے لیکن اگر دائیں جانب بائیں طرف رستہ کاٹ گیا تو اُسکو بدشگونی سمجھتے تھے۔ اور "جارح" کہتے تھے۔ اس قسم کی تفاؤل کا عام نام "طیرہ" تھا۔

لبید ابن ربیعہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس موقع پر جبکہ اُسکا بھائی بجلی کے صدمہ سے مارا گیا یہ شعر کہتا تھا۔

لعمرک ما تدری الضوارب بالحصی	ولا زاجرات الطیر ما اللہ صانع

جاہلیت کے عرب کسی کام کے ہوجانے پر بھیڑ کی قربانی کرنے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہوجاتا تھا تو بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دیتے تھے اور اُس ہرن کو عتیرہ

سکتے تھے گر بھیڑ کے بدلے ہرن کو مار دینا ایک معیوب کام خیال کیا جاتا تھا۔ کعب شاعر اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے ۔

وما عتر الظباء بحی کعب

اگر کوئی کسیکو مار ڈالتا تھا تو خون کے عوض خون ہی معزز بدلا گنا جاتا تھا۔ جو لوگ خون کے بدلے دیت لے لیتے تھے ان کو اُن کے ہم جنس اور ہموطن حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ عمرو ابن معدیکرب کی بہن اپنے بہائی کے خون کا کسی شرط پر تصفیہ کرنے سے منع کرتی تہی ۔

ولا تاخذوا منہم افالاً وابکرا

اُن کا اعتقاد تہا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا پروار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے ۔ اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے ۔ لبید شاعر ایک نوحہ میں اس طرح کہتا ہے ۔

فلیس الناس بعدك فی نفیر	وما ھم غیر اصداء وھام

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تہا کہ اسکے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندہ دیتے تھے یہانتک کہ بہوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تہا اور اس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے لبید شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی اس طرح تعریف کرتا ہے ۔

تادی الی الاطناب کل ذریۃ	مثل البلیۃ قالص اھدابھا

جب کوئی مرجاتا تہا تو برس روز تک اُسکا سوگ رکھتے تھے اور اُسکو رویا کرتے تھے لبید شاعر اپنے وارثوں کو یوں وصیت کرتا ہے ۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما	ومن یبك حولاً کاملاً فقد اعتذر

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں جبکہ اُن کے شوہر لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری اور بہادر خاوندو ن اگر تم کوتاہی کرو گے اور ہمکو دشمن سے نہ بچاؤ گے تو ہم تمہاری بیویاں نہونگی"

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے خشک سالی میں مینہ برسنے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لیجاتے تھے اور اُسکی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور جھاڑیاں باندھکر اسمیں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

گھوڑ دوڑ اور تیر بازی لگانا جسکو وہ "رہان" کہتے تھے ان میں مروج تھی۔ دو قوموں اور فریقوں کے باہم جنگ جدل ایک تھوڑی سی غلط فہمی کی وجہ سے قایم ہوجاتی تھی۔ بعض اوقات یہ لڑائیاں ایک مدت مدید تک جاری رہتی تھیں جیسکہ عبس اور ذبیان کے باہم پورے سو برس تک لڑائی جاری رہی۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموںکو آزاد کردیتا تھا تو بھی اُسکی ملکیت کا استحقاق اُسکو باقی رہتا تھا اور اُس استحقاق کے فروخت کردینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اُن غلاموں پر اپنی ملکیت قایم کرتا تھا اور اس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اس خاندان کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتًا حقیر ہوجاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتے ہوے ریت پر بٹھا دیتے تھے۔ مردہ جانوروں کا

گوشت کہاتے تہے اور اسکو بہت لذیذ غذا سمجہتے تہے۔ جو اونٹنی یا بہیڑ یا بکری دس نر بچے جن لیتی تہی اسکو چہوڑ دیتے تہے اور وہ چہوٹی پہرا کرتی تہی اور جب وہ مرجاتی تہی تو اسکا گوشت مرد کہاتے تہے اور عورتونکو اسکا گوشت کہانے کی ممانعت تہی۔ اگر اونٹنی یا بہیڑ یا بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تہی تو اسکے کان کاٹ کر اسکو چہوڑ دیتے تہے اور اسکو "بحیرہ" کہتے تہے اور اسکا گوشت کہانا اور دودہ پینا منع تہا

کسی کام کے ہو جانے پر اونٹوں کو بطور سانڈ کے چہوڑ دینے کی منت مانتے تہے اور جب وہ کام ہوجاتا تہا تو اونٹ کو بطور سانڈ کے چہوڑ دیتے تہے اور وہ جہاں چاہتا تہا پہرا کرتا تہا۔

اگر کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی تہی اور بکری سات بچے تو عورتونکو اُس کا گوشت کہانے کی ممانعت تہی اور صرف مرد ہی اسکا گوشت کہا سکتے تہے

اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تہا تو مالک اسکو اپنے لئے رہنے دیتا تہا اور اگر نر پیدا ہوتا تہا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑہایا جاتا تہا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تہے تو مالک دونونکو اپنے لئے رکہتا تہا اور وہ "وصیلہ" کہلاتی تہی۔

جو اونٹ کہ دس بچونکا باپ ہوچکتا تہا وہ چہوڑ دیا جاتا تہا اور جہاں وہ چاہتا تہا پہرا کرتا تہا اور بنام "حامی" موسوم ہوتا تہا۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تہا کہ آگ جلا کر اس میں نمک اور گندہک پیسکر ڈالتے تہے یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تہی اور اسکا جلانیوالا "مہول" کہلاتا تہا۔

عوص شاعر اس طرح کہتا ہے۔

اذا استقبلتہ الشمس صد بوجہہ	کما صد عن نار المہول حالف

قسم کے مستحکم کرنیکا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھدیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہوجاتی تھی۔

اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنیکو اپنے بزرگوں کی اور بتوں کی قسم کھایا کرتے تھے۔

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت پانے کے مستحق ہوتے تھے۔ نابالغ لڑکے اور عورتیں حصہ نہیں پاتے تھے۔

قرضہ پر سود لیتے تھے۔ ایک قاعدہ یہ تھا کہ اگر قرضہ وقت معینہ پر ادا نہ ہوتا تھا تو اُس کی تعداد کو دوچند کردیتے تھے اور میعاد ادا کو بڑھا دیتے تھے۔

عرب جاہلیت انتقام لینا واجب سمجھتے تھے لیکن مختلف قوموں میں باہم حقوق کی برابری کو نہیں مانتے تھے۔

اگر کسی شخص کے قاتل کا سراغ نہ لگتا تھا تو جس قوم کے شخص پر قتل کرنیکا شبہ ہوتا تھا پچاس معزز شخص فرداً فرداً اپنی بیگناہی پر قسم کھاتے تھے۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہی ہو دوسرے شخص کے گھر میں دلیرانہ چلے آنے کا مجاز تھا اور اندر آنے سے پہلے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے۔

کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

دس آدمی بشراکت ایک جانور خریدتے تھے اور ہر ایک شخص کو حصہ کو متعین کرنیکو واسطے دس پانسے (جس میں سے ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو پر حصوں کے اندازہ کا نشان بنا ہوتا تھا۔) پھینکے جاتے تھے اور جو پانسا جسکے نام کا پڑتا تھا وہی اُس کا حصہ ہوتا تھا۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔

بعضوں پہ کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اس کام کرنے سے منع کرنے کی علامت تھی ہر شخص پیشتر اس سے کہ کوئی کام شروع کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تہا اور اسی کے بموجب کام کرتا تہا اُن تیروںکو "ازلام" کہتے تھے۔

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تہا اور جن بتوں کی وہ پرستش کیا کرتے تھے انکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ہبل۔ ایک بہت بڑا بت تہا جو خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تہا۔

(۲)۔ ود۔ قبیلہ بنی کلب کا یہ بت تہا اور وہ قبیلہ اسکی پرستش کرتا تہا۔

(۳)۔ سواع۔ قبیلہ بنی مذحج کا یہ بت تہا اور وہ اُسکی پرستش کرتے تھے۔

(۴)۔ یغوث۔ قبیلہ بنی مراد کا یہ بت تہا اور وہ اُس کی عبادت کرتے تھے۔

(۵)۔ یعوق۔ بنی ہمدان کے قبیلہ کا یہ بت تہا۔ اور وہ اسکو معبود سمجھتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔

(۶)۔ نسر۔ یمن کے قبیلہ بنی حمیر کا یہ بت تہا اور یمن کے لوگ اُسکی پرستش کرتے تھے

(۷)۔ عزیٰ۔ قبیلہ بنی غطفان کا یہ بت تہا اور اُس کی پرستش وہ قبیلہ کیا تہا۔

(۸)۔ لات (۹) منات۔ یہ بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکھتے تھے بلکہ عرب کی تمام قومیں اُن کی پرستش کیا کرتی تہیں۔

(۱۰)۔ دوار۔ یہ بت نوجوان عورتوں کی پرستش کرنے کا تہا وہ چند دفعہ اسکے گرد طواف کرتی تہیں اور پہر اسکو پوجتی تہیں۔

(۱۱)۔ اساف۔ جو کوہ صفا پر تہا اور (۱۲) نائلہ۔ جو کوہ مروہ پر تہا۔ ان دونوں بتوں پہ ہر قسم کی قربانی ہوتی تہی اور سفر کو جانے اور سفر سے واپس آنے کے وقت انکو

بوسہ دیا کرتے تھے۔

(۱۴) عرب ایک بڑا پتھر تھا جسپر اونٹوں کی قربانی کرتے تھے اور ذبیحہ کے خون کا اسپر بہنا نہایت ناموری کی بات خیال کیجاتی تھی۔

کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کی مورت بنی ہوئی تھی اور ان کے ہاتھ میں وہی استخارہ کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے اور ایک پتھر کا بچہ اُن کے قریب کھڑا تھا اور حضرت ابراہیم کی بھی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی تصویریں خانہ کعبہ کی دیواروں پر کھنچی ہوئی تھیں۔

حضرت مریم کی بھی ایک مورت تھی اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ اُن کی گود میں ہیں یا اُن کی تصویر اسی طرح پر خانہ کعبہ کی دیوار پر کھنچی ہوئی تھی۔

عرب کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ود" اور "یغوث" اور "یعوق" اور "نسر" مشہور لوگوں کے جو ایام جاہلیت میں گذرے ہیں نام ہیں اُن کی تصویریں پتھروں پر منقش کرکے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھ دی تھیں۔ ایک مدت مدید کے بعد انکو رتبہ معبودیت دیکر پرستش کرنے لگے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرب کے نیم وحشی باشندے ان مورتوں پر خدا ہونیکا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور نہ اُن لوگونکو جن کی یہ مورتیں تھیں معبود سمجھتے تھے بلکہ انکو مقدس سمجھنے کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں۔

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا عرب جاہلیت اُن مورتونکو اُن شخصوں اور اُن کی ارواح کی یادگار سمجھتے تھے اور انکی تعظیم و تکریم اس سبب سے نہیں کرتے تھے کہ ان مورتوں میں کوئی شان الوہیت موجود ہے بلکہ محض اسوجہ سے اُن کی عزت اور تعظیم کرتے تھے کہ وہ اُن مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہے جن میں بموجب اُن کے اعتقاد کے

جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود ہے۔ اُنکے نزدیک اُن مورتوں کی پرستش سے اُن لوگوں کی ارواحیں خوش ہوتی تھیں جنکی وہ یادگاریں تھیں۔

اُن کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خداتعالیٰ کی جملہ قدرتیں بیماروں کو شفا بخشنا بیٹا بیٹی عطا کرنا۔ قحط و وبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا اُن کے مشہور و معروف لوگوں کے خیال میں بھی تھا جن کی طرف اُنہوں نے صفات الوہیت منسوب کی تھیں اور وہ خیال کرتے تھے کہ اگر مورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جاویگی تو ان کی دعائیں درشنیں قبول ہونگی۔

اُن کا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خداتعالیٰ کے محبوب تھے اور یہی مورتوں کی پرستش سے خوش ہو کر پرستش کرنیوالوں کو خداتعالیٰ کے قرب حاصل کرانے کا ذریعہ ہونگے اور اُنکو تمام روحانی خوشی عطا کرینگے اور اُنکی مغفرت کی شفاعت کرینگے۔

ان کا قاعدہ بتوں کی پرستش کا یہ تھا کہ بتوں کو سجدہ کرتے تھے اُن کے گرد طواف کرتے تھے اور نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ اونٹوں کی قربانی اُنپر کرتے تھے۔ مویشیوں کا پہلا بچہ بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا۔ اپنے کھیتوں کے سالانہ پیداوار اور مویشی کی انتفاع میں سے ایک معین حصہ خدا کیواسطے اور دوسرا حصہ بتوں کیواسطے اُٹھا رکھتے تھے اور اگر بتوں کا حصہ کسی طرح ضائع ہوجاتا تو خدا کے حصہ میں سے اُسکو پورا کردیتے اور اگر خدا کا حصہ کسی طرح ضائع ہوجاتا تو بتوں کے حصہ میں سے اُسکو پورا نہیں کرتے تھے۔

حجر اسود اور خانہ کعبہ کی تعظیم تاریخ عرب کے ابتدائی زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے اُسکی بنا کو خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر برخلاف اُن مقدس چیزوں کے جنکا ذکر اوپر ہوا خانہ کعبہ کو کسی شخص کی یادگار نہیں سمجھتے تھے

بلکہ وہ تمام عمارت ہی بہ لقب بیت اللہ ممیز اور ممتاز تھی اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کے واسطے مخصوص تھی درحقیقت اسکو ایسا سمجھتے تھے جیسے کہ یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی گرجا کو اور مسلمان مسجد کو خدا کی عبادت کرنے کے لیئے اس زمانہ میں سمجھتے ہیں قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو متعدد جگہ مسجد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

حجر اسود کو بھی مثل ایک بت کے یا کسی مشہور و معروف شخص کی یادگار کے نہیں سمجھتے تھے عام خیال یہ تھا کہ یہ ایک بہشت کا پتھر ہے مگر تحقیق نہیں ہے کہ شروع زمانہ سے یہ خیال تھا یا بعد کو پیدا ہوا - جو بات کہ محقق ہے وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی بنا ہونے سے پہلے یہ حجر اسود ایک میدان میں اکیلا پڑا ہوا تھا کوئی عرب کی روایت ایسی نہیں ملی جس سے یہ بات تحقیق ہو کہ یہ پتھر اس میدان میں کیوں پڑا ہوا تھا اور جس زمانہ میں کہ وہ وہاں پڑا ہوا تھا اسکے ساتھ کیا کیا رسمیں متعلق تھیں مگر یہودیوں کی تاریخ سے ہم کسیقدر صحت کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ اگر اس حجر اسود کے ساتھ کچھ رسمیں ادا ہوتی ہونگی تو وہ انہیں کے مشابہ ہونگی جن کا برتاؤ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب اس قسم کے پتھروں کے ساتھ کیا کرتے تھے دیکھو کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ و باب ۱۳ ورس ۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے خانہ کعبہ کے ایک کونہ میں نصب ہونیکے بعد بھی کسی رسم کا اسی کے ساتھ بالتحقیق ہونا پایا نہیں جاتا جو رسم کہ اب تسلیم کی جاتی ہے اور جو حجر اسود کے ساتھ مخصوص خیال ہوتی ہے وہ بوسہ دینا ہے مگر یہ رسم بھی کچھ اُسکے واسطے مخصوص نہ تھی خانہ کعبہ کے اور حصے بھی اسی طرح چومے جاتے تھے - خانہ کعبہ کا حال یہ تھا کہ سب لوگ اُسکے اندر بیٹھا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور

اور اس کے گرد طواف بھی کرتے تھے۔ لیکن عجیب ترین رسم یہ تھی کہ یہ عبادت دوسرے مطلق برہنگی کی حالت میں ہوتی تھی۔ عرب جاہلیت اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کپڑے پہن کر کریں جو ہر قسم کے گناہوں سے لوث ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی ہمسری کیواسطے دو معبد اور کیے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلۂ غطفان نے اور دوسرا یمن میں تبائل خثعم اور بجیلہ نے باشتراک بنایا تھا ان دونوں معبدوں میں بت رکھے ہوئے تھے جن کو ان قبیلوں کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے ان نقلی کعبوں میں سے اول کو تو زہیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یعنی ان کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا۔

حج کی رسم کو عرب کے باشندے زمانہ دراز سے مانتے چلے آتے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کے زمانہ تک اس کا پتہ ملتا ہے۔

وقت ادائے حج کے احرام باندھنے کی رسم بھی ان میں شائع تھی اور اگر کوئی شخص احرام باندھے ہوئے اپنے گھر میں آنا چاہتا تھا تو دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا بلکہ پچھواڑے کی دیوار پھلانگ کر اندر آتا تھا۔

صفا اور مروہ پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کی رسم بھی زمانہ جاہلیت سے عرب میں رائج تھی جیسی کہ اب بھی مروج ہے

جو لوگ حج کرنے کو آتے تھے اس مقدس میدان میں جمع ہوتے تھے جو عرفات کے نام سے مشہور ہے لیکن قوم قریش جملہ اقوام عرب میں ذی اختیار تھی

اسلئے قریش معہ اپنے دوستوں کے مقام مزدلفہ پر جو گرد نواح کی زمین کی نسبت زیادہ بلند اور مرتفع ہے ٹہرتے تھے اور باقی گروہ عرفات میں مقیم ہوتے تھے جہاں کہ حج کی رسم ادا کیجاتی ہے۔

حج کی رسم ختم ہونے کے بعد یہ مجمع ایک مقام کو جو منا کہلاتا ہے چلا جاتا تھا اور وہاں اپنے بزرگوں کے نام اور بہادرانہ کاموں کا فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور ان بہادرانہ حالات کو اشعاریں پڑھنے سے اور ہی جلا دیتے تھے۔

سال کے چار مہینے متبرک سمجھے جاتے تھے اور حج کی رسم جیسا کہ بالفعل دستور ہے انہی مہینوں میں سے ایک مہینہ یعنی ذی الحجہ میں ادا کی جاتی تھی۔ مگر ان مہینوں کی حرمت بعض اوقات مبدل اور ملتوی ہو جاتی تھی کسواسطے کہ اگر کوئی لڑائی ان مہینوں میں سے کسی میں واقع ہوتی تھی تو لوگ اُن کی قدرتی ترتیب کو بدل دینے سے گناہ سے بری الذمہ ہو جاتے تھے یعنی موجودہ مہینہ کو غیر حرام فرض کر لیتے تھے اور ماہ آیندہ کو حرام کا مہینہ سمجھ لیتے تھے۔

عرب جاہلیت ایک میعاد معین تک لڑائی کے موقوف رکھنے کا عہد کر لیتے تھے اور اس رسم کو حج کا ہمپایہ سمجھتے تھے۔

باشندگان عرب کی ایک تعداد کثیر بُت پرست تھی مگر وہاں ایک فرقہ موسوم بہ "صابئی" بھی تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا۔ اُنہوں نے سب سے ہیاکل یعنی ستاروں کی پرستش کے معبد تمام ملک میں تعمیر کئے تھے اور اُنکو ان مقدس ستاروں کی پرستش کے واسطے مخصوص کیا تھا۔ اسوجہ سے عرب کے لوگ علی العموم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسان کی قسمت پر فرداً فرداً اور نیز بہ ہیئت مجموعی نیک

یا بد اثر رکہتے ہیں اور باقی مخلوقات پر بہی موثر ہیں اور بالخصوص اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ مینہ کا برسنا یا امساک باراں کا ہونا انہی اجرام فلکی کی نیک یا بدتاثیر پر بالکل منحصر ہے۔

اسکے علاوہ اور مذاہب بہی عرب میں شائع تہے لیکن ہم اسجگہ اُنکی بحث نہیں کرتے کیوں کہ یہ مضمون ہمارے اُس خطبہ سے جو اُسکے بعد آویگا علاقہ رکہتا ہے۔

عورتیں حقیقت میں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تہیں۔ مردونکو بالکل اختیار تھا کہ جتنی چاہیں اتنی عورتیں کریں۔ اگرچہ اس بات کے تعین کے لیئے کوئی قانون منضبط نہ تھا کہ مرد کو کونسی قرابت مند عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور کونسی سے ناجائز مگر بااین ہمہ یہ رسم شائع تہی کہ اُس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکہتی ہو ازدواج نہیں کرتے تہے اور یہ اعتقاد رکہتے تہے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی تہی۔

ازدواج کی رسم ادا کرتے تہے اور مہر بہی باندہتے تہے۔ طلاق بہی دیدیتے تہے ہر شخص اپنی زوجہ کو جس طرح ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد پہر اپنی زوجیت میں لے سکتا تہا اسی طرح ہزار بار طلاق دینے کے بعد بہی پہر اپنی زوجیت میں لے لیتا تہا کیونکہ تعداد طلاق کی کوئی حد مقرر نہیں تہی۔

طلاق کے بعد ایک میعاد مقرر تہی جس کے اندر عورت کو کسی اور مرد کے ساتھ ازدواج کرنے کی ممانعت تہی اور اُس میعاد کے اندر اگر فریقین میں آشتی ہوجاتی تو پہر اپنی زوجیت میں لے لیتے تہے۔ مرد اس رسم سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ طور سے مستفید ہوتے تہے۔ وہ اپنی جورو کو کسی بہانہ سے طلاق دیدیتے تہے بیچاری عورت میعاد معینہ تک منتظر رہتی تہی اور اُس میعاد میں کسی دوسرے سے ازدواج نہ کرسکتی تہی لیکن جب میعاد قریب الانقضا ہوتی تہی تو اُسکا شوہر پہر اپنی زوجیت

میں لے لیتا تھا اور تھوڑے عرصہ بعد پھر اُسکو طلاق دے دیتا تھا اور میعاد معینہ کے اختتام کے قریب پھر اپنے ازدواج میں لے لیتا تھا اور اسی طرح بار بار کیا کرتا تھا۔
عربوں میں ایک یہ بیرحم رسم رائج تھی کہ ہر شخص اسبات کو ایک قسم کی ذلت خیال کرتا تھا کہ وہ عورت جو ایک مرتبہ اُسکی زوجہ تھی دوسرے شخص کے ازدواج میں آوے۔

ایک اور قسم کی طلاق بھی زمانہ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھی جو "ظہار" کہلاتی تھی اور وہ اس طرح پر ہوتی تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے باز رہتا تھا یہ کہکر کہ مجھکو اپنی زوجہ کے جسم کے فلاں عضو کا چھونا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں یا کسی اور قریب رشتہ والی عورت کے جس کے ساتھ ازدواج ناجائز ہے عضو کا چھونا اس کہنے سے طلاق ہو جاتی تھی۔

عرب جاہلیت کی رسموں میں سب سے زیادہ خراب رسم اور سب سے زیادہ بے رحم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اُنکو زندہ دفن کر دینا تھا۔

تبنیت کی رسم بھی اُن میں شائع تھی اور پسر متبنی اپنی والدین کی جائداد کا حقدار اور وارث خیال کیا جاتا تھا۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنیٰ کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اسکے خلاف عمل کرنا نہایت معیوب اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔

شوہر کے مرنے کے بعد اُسکا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کی سر پر ایک چادر ڈالدیا کرتا تھا اور شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

عورتیں متوفی شوہروں کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تہیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند خشک مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا کندہے پرسے خود اپنی ہی پیٹہہ پر پہینک دیتی تہی جس سے یہ مراد تہی کہ اب بیوہ کو اپنے متوفی شوہر کا کچہہ بہی خیال نہیں رہا۔

عورتوں میں اپنے گہر سے نکلنے اور عام مجمع میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تہا اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کہلا رکہنے اور عوام الناس کو دکہلانے میں کوئی بیحیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تہیں

عورتیں مصنوعی بال سر پر لگایا کرتی تہیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تہیں۔

خاندان کے تمام اشخاص قسم ذکور تمام قسم کی عورتوں کو چہونے سے جبکہ وہ اپنے معمولی ایام میں ہوں پرہیز کرتے تہے اور ان عورتوں کو باقی اشخاص خاندان کے ساتھہ ملنے جلنے کی ممانعت تہی۔

مُردوں کو قبر میں دفن کرنیکا اعراب جاہلیت میں رواج تہا اور جب کسی جنازہ کو دفن کرنے کے لیئے لیجاتے ہوئے دیکہتے تہے تو اور آدمی مردہ کی تعظیم اور اسپر افسوس ظاہر کرنے کے لیئے سروقد اُٹہہ کہڑے ہوتے تہے۔

اُنکا عقیدہ تہا کہ انسان کا خون بجز انسان کے سانس کے اور کچہہ نہیں ہے اور روح محض ایک ہوا انسان کے جسم کے اندر ہے مگر بعض لوگ جو بہ نسبت اُن کے زیادہ تعلیم یافتہ تہے یہ عقیدہ رکہتے تہے کہ روح ایک نہایت چہوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اُس کے جسم میں گہس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپکو بڑہاتا رہتا ہے انسان کے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چہوڑ کر قبر کے گرد چیختا پہرتا ہے

یہانتک کہ ایک آتو کے برابر ہو جاتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے۔ تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار اور منہدم عمارتوں میں اُن کو نظر آتیں اور جن کو کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بنجاتی ہے ان سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔

بعض لوگ اُن مغالطات نظری کو مختلف بروج کی تاثیر کی طرف منسوب کرتے تھے اور اُن کی راے اور دوسروں کی راے کے مقابلہ میں افضل تر معلوم ہوتی تھی۔

زمانہ جاہلیت کے عرب نیک اور بد جنات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں اور مختلف نام رکھے تھے۔ اُن کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور قوتوں اور وجودوں میں بھی اعتقاد رکھتے تھے جو انسان کی نظر سے غائب تھے مگر آیندہ کی خبروں کو باآواز بلند ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو اور اور ارواحونکو بھی جو دکھائی نہیں دیتیں مانتے تھے اور مختلف شکلیں اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔

عرب کے زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کو اس مقام پر ہمنے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ہے مگر ہمکو امید ہے کہ اُن نیم وحشی لیکن عالی دماغ اور آزادمنش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشیل عام حالات معلوم ہونے سے ایک منصف مزاج متجسس اگر ایسا شخص دنیا میں پایا جاتا ہے اسبات کا فیصلہ کرسکیگا کہ اسلام کے قبل

عربوں کا کیا حال تھا اور بعد اسلام کے اُن کا کیا حال ہوگیا اور بالعموم اُن کے
اخلاق کس طرح پر تبدیل ہوگئے۔ اُن کی اگلی اور پہلی حالت کے مقابلہ کرنے
میں ہمارا یہ سرسری بیان اُس منصف مزاج شخص کو کافی مدد دیگا اور ایسے نتائج
مستنبط کرنے کے قابل کریگا جن کی جانب اُس کی انصاف پسندی اُسکو
ہدایت کریگی۔

تمت

فی

الادیان المختلفة التی کانت فی العرب قبل الاسلام

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین

اس خطبہ میں ہم اس امر کی تحقیقات بھی کرینگے کہ اُن ادیان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے اسلام کونسے دین سے مشابہ تر ہے اور آیا اس مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے اسلام ایک دین حق ثابت ہوتا ہے یا ایک عیارانہ بنایا ہوا قصہ۔

توریت مقدس میں جو بیان انسان کے پیدا ہونیکا اور اُس کے بعد بابل میں زبانوں کے مختلف ہوجانے اور روے زمین پر پراگندہ ہونیکا ذکر ہے اُسی کو ہم اپنی اُس بحث کا جو اس خطبہ میں ہے ابتدائی مقام فرض کرتے ہیں اور اسی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ عبادت اور پرستش کی سادگی اور یکرنگی خود بخود اُسوقت تک جاری رہی ہوگی جبکہ انسان تعداد میں کم اور ایک محدود مقام میں تھے مگر جبکہ وہ زیادہ وسیع ملکوں میں پھیل گئے جنکی آب و ہوا اور ملک کی بناوٹ مختلف تھی تو اُسوقت اُن کے دلوں کو نئے اور عجیب خیالات نے قریباً ہر ایک بات کی نسبت گھیر لیا۔ خصوصاً اس وجود

کی اہمیت کی نسبت جس کی عظمت کے جلوے نیک یا بد خوف و ہراس سے انکو تسلیم کرنے پڑتے ۔

وہ لوگ ان قدرتی ظہور کے طبعی اسباب سے جن کو دیکھنے سے ایک تربیت یافتہ آدمی کے دل میں بھی خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے جیسے کہ بھونچالوں کا آنا زمین کا دھس جانا اور پھٹ جانا ۔ دریاؤں کا جوش ۔ سمندروں کا تلاطم پہاڑوں کے عجائبات درختونکی کرامات ۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ ۔ بجلی کی کڑک اور چمک ۔ اور اسکے گرنے سے بربادی اور خوفناک طوفانوں کی تباہی کے اسباب سے محض ناواقف تھے ۔ اسلئے انہوں نے ان سب کاموں کو کسی ایسے وجود کے کام تصور کیے ہونگے جسکو وہ اپنے آپ سے بدرجہا اعلی اور زبردست اور بوجہ غیر ظاہر ہونے اُس وجود کے اور بھی زیادہ خوفناک تصور کرتے ہونگے ۔ یہی اسباب ہیں جن کے سبب ابتدا میں انسان کے دل میں عبادت کرنے اور قربانیاں چڑھانے اور پوجا کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر ان دیوتاؤنکو ان تین طریقوں سے خوش کرنے یا انکا غصہ مٹانے میں بوجہ ملک کی خاصیت اور ملک کی آب وہوا کے اور اسکے باشندوں کے عام مزاج اور چال چلن کے ہر ایک ملک کے باشندوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ۔ ہمکو امید ہے کہ جو کچھ ہمنے بیان کیا اُس سے اس کتاب کے پڑھنے والے سمجھ جائینگے کہ عرب میں عموماً مذہبونکی ابتدا کس طرح پر شروع ہوئی ۔

عرب میں جو قومیں قبل اسلام کے موجود تھیں اُن کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں باعتبار مذہب کے چار مختلف فرقوں میں منقسم تھیں ۔ بت پرست ۔ خدا پرست ۔ لامذہب اور معتقدین مذہب الہامی ۔

بت پرستی

انسان کی جبلت میں جو ہر ایک چیز کے سمجھنے کی طاقت ہے اور جس کو ہم سمجھیا عقل سے تعبیر کر سکتے ہیں اُسکا یہ نتیجہ تہا کہ وہ اپنے وجود کی نہایت ابتدائی منزل میں اولاً بتوں کی پرستش کا اپنے ذہن میں خیال پیدا کرے - اسی سبب سے اولاً اُسکے ذہن میں بتوں کی پرستش کا خیال پیدا ہوا اور پہر رفتہ رفتہ قائم و مستحکم ہو گیا۔

ایک مصنف کا قول ہے کہ "آدمی از روے خلقت اور جبلت کے مذہب کو ماننے والا پیدا ہوا ہے" اگر وہ معبود حقیقی سے ناواقف ہو گا تو مجازی معبود اپنے لئے بنا لیگا۔ وہ خطروں اور مشکلوں سے گہرا ہوا ہے وہ قدرت کے عظیم الشان طاقتوں کو ہر طرف اپنے اپنے کام میں مشغول دیکہتا ہے جن کے سبب سے اُسکو خوف و رجا پیدا ہوتی ہے اور با وصف اسکے اُنکے کام اُسکے حیز ادراک اور قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ اسواسطے اُسکے دل میں اپنے سے کسی زیادہ طاقتور شئے سے ایک تعلق پیدا کرنے کا جسپر وہ تکیہ اور بہروسہ کر سکے خیال پیدا ہوتا ہے - قدرت کے اُن کاموں کو ذہن نشین کرنے اور اُنکی سمجھ میں آنے کے لیے اب اُس کے واسطے صرف ایک طریقہ ہے - طبعئ اسباب کا تصور تو بہت تہوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے - ابتدائی انسان صرف ایک قسم کی علت کا گمان کر سکتا ہے یعنی مثل اپنے ایک بارادہ طبیعت کا - اسلئے وہ تمام چیزوں کو جنہیں متحرک اور عمل کنندہ پاتا ہے ذیروح اور ذی فہم وجود ٹہرا لیتا ہے اور اُن کی طرف مثل انسانوں کے خیالات اور طبائع منسوب کرتا ہے اور اس سے زیادہ کیا قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ بندہ

قدروں اور التجاؤں کے اُن سے مہربان کرنے یا اُن کی بدمزاجی یا غصہ کے دور کرنے کے واسطے کوشش کرے۔

جب کہ انسان ہنوز وحشیانہ حالت میں تھا اُسنے قدرت کی بڑی بڑی اشیا کو اپنے فرحت یا مصیبت کے اسباب کی نظر سے دیکھا اور اسی واسطے اُنکو بہت اپنے زیادہ طاقتور سمجھا۔ اور اس نیت سے کہ اپنی دعائیں اور التجائیں اُن سے ایک ظاہری شکل میں کرے اُسکو اپنی خیالی چیزوں کے مجسم کرنے کے واسطے جو اب اُسکے معبود ہو گئے نقاشی یا مصوری گو کیسی ہی ناقص ہو عمل میں لانی پڑی۔ بت پرستی کی ایک اور بنا کسی قوم کے کسی شخص کی خدمات کی جو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے مشہور و معروف ہوا ممنونیت کی خواہش تھی۔ یعنی ایسے کارہائے نمایاں جو شاعروں کے وحشیانہ گیتوں اور نظموں میں مشہور ہوے اور مرنے کے بعد اُس شخص کو معبود ہونے کے رتبہ کا صلہ دلایا۔ یہی امر عرب پر بھی صادق آتا ہے۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ سیارے اور بروج ملائک اور ارواح جو بقول اُن کے انسانوں کی زندگانی کے واقعات پر حاوی اور قادر تھے اُن سب کو رتبہ الوہیت دے رکھا تھا اور اُن کی پرستش کرتے تھے اسی طرح اُن آدمیوں کی بھی پرستش کرتے تھے جنھوں نے اپنے شکر گذار ملک کی خدمتیں بجا لا کر نام حاصل کیا تھا۔

اس طریقہ پرستش کے اختیار کرنے میں انسانوں کا منشا محض معلل بہ دنیا تھا۔

اُن بتوں یا اُن اشیاء اور اشخاص کی پرستش کا باعث جن کے وہ قائم مقام ہیں یہ اعتقاد تھا کہ اپنے پرستش کنندہ کو ہر قسم کی دنیوی خوشی اور آسایش عطا کرنا اور اُن مصیبتوں اور خرابیوں کو جو اُسپر نازل ہونے والی ہوں رد کر دینا اُن کے اختیار میں ہے۔

اور اُن کی پرستش کو ترک کر دینے کی سزا اُن کے اعتقاد میں افلاس - بیماری - لاولدی اور عبرت انگیز موت ہوتی تھی -

جبکہ زمانہ بڑھتا گیا جب کہ تہذیب اور شائستگی کو ترقی ہوتی گئی جبکہ باہمی راہ و رسم کے ذریعے زیادہ شائع اور پُر امن ہوتے گئے جبکہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے ملاقی ہونیکا زیادہ اتفاق ہوتا گیا یہانتک کہ اپنے خیالات اور اپنی رایوں اور اپنے عقائد کا تبادلہ کرنے کے قابل ہوئے اُن کے دماغ عالی ہوتے گئے اور اُن کی خوشیاں زیادہ شائستہ اور پاک ہوتی گئیں -

یہی غیر محسوس خیالات کی ترقی عرب میں بھی واقع ہوئی اور اُس ملک کے باشندوں نے اپنے معبودوں کو ہر جسمانی آسایش اور روحانی خوشی کے عطا کرنے کا اُس شخص کی نسبت جس سے وہ راضی ہوں اختیار کل دیدیا -

قدیم باشندگان عرب کی نسبت یعنی قوم عاد - ثمود - جدیس - جرہم الاولی اور عملیق اول وغیرہ کی اسقدر محقق ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے مگر ہمارے پاس کوئی ایسی مقامی روایت عرب کی نہیں ہے جو ہمکو اُنکی پرستش اصنام کے طریقوں کی تعین اور جو قدر تیں کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کی تصریح اور جن اغراض اور ارادوں سے کہ وہ مورتونکو پوجتے تھے اُن کے بیان کرنے میں مطمئن کرے - قریب قریب تمام حال جو ہمکو عرب کے بتوں کی نسبت معلوم ہے صرف یقطان اور اسمٰعیل کی اولاد کے بتوں کی نسبت معلوم ہے جو عرب العاربہ اور عرب المستعربہ کے نام سے مشہور ہیں اُن کے بت دو قسم کے تھے - ایک قسم کے تو وہ تھے جو ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے جنپر کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے اور

جن کو مونث خیال کرتے تھے نسبت رکھتے تھے۔ اور دوسری قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص کی طرف جنھوں نے اپنے عمدہ کاموں کی وجہ سے شہرت حاصل کی تھی منسوب تھے۔

وہ قدرتی سادگی اور بے تکلفی جو ابتدائی درجہ تمدن میں آدمیوں کی نشانیاں ہیں اُن کی پرستش کے طریقوں میں قابل تمیز نہیں رہی تہیں۔ علاوہ اسکے اُنھوں نے بہت سے خیالات غیر ملکوں کے اور نیز اپنے ہی وطن اصلی کے الہامی مذہبوں سے اخذ کرلئے تھے اور ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کرکے اپنے معبودوں کو دنیا اور عقبیٰ دونوں کے اختیارات دیدیئے تھے۔ لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اُن کے معبودوں کے ہاتھ میں ہیں اور عقبیٰ کے اختیارات کی نسبت اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ اُن بت یعنی وہ جن کی پرستش کیلئے وہ بت بنائے گئے ہیں اُن کے گناہوں کی معافی کی خدا تعالیٰ سے شفاعت کرینگے اُنکی طرز معاشرت اور اُن کی خانگی شغل اور مذہبی اطوار اور رسوم نے بھی اسی طرح سے گرد نواح کے ملکوں سے جن کے باشندے الہامی مذہب رکھتے تھے اثر حاصل کیا تھا۔ غرضکہ قبل ظہور اسلام کے ملک عرب میں بُت پرستی کی یہ کیفیت تھی۔

لامذہبی

زمانہ جاہلیت میں ملک عرب میں ایک فرقہ تھا جو کسی چیز کو نہیں مانتا تھا نہ تو بُت پرستی کو اور نہ کسی الہامی مذہب کو۔ اُنکو خدا کے وجود سے انکار تھا اور حشر کے بھی منکر تھے اور چونکہ وہ گناہ کے وجود کے قائل نہ تھے اسی لئے عقبیٰ میں بھی روح

کی جزا یا سزا کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ رسمی سے مبرا تصور کرتے تھے اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے رہتے۔ انکا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی پر پہنچکر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنیٰ جانور مرجاتا ہے اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

خدا پرستی

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی خدا پرست عرب تھے اور وہ دو قسم کے تھے ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جسکو وہ اپنے وجود کا خالق قرار دیتے تھے مانتے تھے لیکن باقی امور میں اُن کا عقیدہ لامذہبوں کے عقیدہ کی مانند تھا۔
دوسری قسم کے فرقہ کے لوگ خدا کو برحق مانتے تھے اور قیامت اور نجات اور حشر اور بقائے روح اور آسکی جزا اور سزا کے جو حسب اعمال انسانوں کو ملیگی قائل تھے مگر انبیا اور وحی پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے

اس اخیر فرقہ کا عقیدہ تھا کہ غیر فانی روح کی جزا اور سزا دوسرے جہان میں محض آدمیوں کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں کئے ہوں منحصر ہے۔ اسلئے ضرور ہوا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو اور اُن کو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے لیکن خود اُن کے پاس کوئی ایسا اصول جس پر وہ کاربند ہوں موجود نہ تھا اسلئے اُنہوں نے اُن قواعد کی طرف توجہ کی جن کو اُن کے گرد نواح کی قومیں مانتی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے

اختیار کیں۔ یہی اسباب تھے جن کے سبب سے عرب کے کچھ لوگ بت پرست ہوگئے اور بعض نے کسی مذہب معینہ کی پابندی نہیں کی بلکہ اپنی ہی عقل اور سمجھ کے بموجب کاربند ہوئے۔

الہامی مذہب

اسلام سے پہلے چار الہامی مذہب عرب میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے (۱) مذہب صابئی (۲) مذہب ابراہیمی اور دیگر انبیاء عرب کا (۳) مذہب یہود۔ (۴) مذہب عیسوی۔

مذہب صابئی

اس مذہب کو عرب میں قوم سامری نے رواج دیا تھا جو اپنے آپ کو قدیم مذہب کے پیرو سمجھتے تھے۔ وہ حضرت شیث اور حضرت اخنوخ یعنی ادریس کو اپنے نبی کہتے تھے اور اپنے مذہب کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جسکو وہ صحیفہ شیث کہتے تھے۔ ہماری رائے میں کوئی یہودی یا عیسائی یا مسلمان صابئیوں کے اُس عقیدے پر جو وہ حضرت ادریس کے ساتھ رکھتے تھے کسی قسم کا اعتراض نہیں کرسکتا ہے۔ توریت میں حضرت ادریس کو ایک مقدس اور باخدا شخص لکھا ہے اور وہ آیت یہ ہے "واخنوخ باخدا سلوک نمود بعدازاں ناپدید شد چہ خدا اورا گرفتہ بود" (کتاب پیدایش باب ۵ ورس ۲۴) وہ شخص جسکو مسلمان ادریس یا الیاس کہتے ہیں اور توریت کا اخنوخ ایک ہی شخص ہیں۔ صابئیون کے ہاں سات وقت کی نمازیں تھیں اور وہ اُن کو اسی طرح ادا

کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ مردہ کی بھی وہ نماز پڑھا کرتے تھے
مسلمانوں کی طرح وہ بھی ایک قمری مہینہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر جو برائی کہ آہستہ
آہستہ اُن کے مذہب میں پھیل گئی تھی وہ یہ تھی کہ ستاروں کی پرستش کرنے لگے تھے
انہوں نے سات ہیاکل یعنی معبد سبعہ سیاروں کے لئے بنائے تھے اور جس ستارہ
کا جو معبد تھا اسی معبد میں اُس ستارہ کی پرستش کرتے تھے۔ حرّان کے معبد
میں سب لوگ بہ نیت حج جمع ہوا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی بھی بڑی تعظیم کرتے تھے
انکا سب سے بڑا مذہبی تیوہار اُس روز ہوا کرتا تھا جب کہ آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار
کا اول برج ہے داخل ہوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اُسوقت ہوتے تھے
جبکہ پانچ سیارے یعنی زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ زہرہ عطارد۔ بعض برجوں میں
یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے۔ انکا اعتقاد تھا کہ ان سیاروں کا سعد اور
نحس اثر انسان کی قسمتوں پر اور دنیا کے اور امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین کرتے تھے
کہ بارش یا مینہ کی کشش انہیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ یہ خیال اور اسی قسم
کے اور خیالات اور عقائد صابیوں کے سوا عرب کے اور لوگوں میں بھی رائج ہو گئے
تھے۔ اُن میں اعتکاف کرنے کا بھی رواج تھا اور غاروں یا پہاڑوں میں چند روز مراقبہ
اور سکوت میں بسر کرتے تھے۔

ابراہیمی یا دیگر انبیاء عرب کا مذہب

اسلام سے پہلے پانچ انبیا عرب میں مبعوث ہوئے تھے (۱) ہود (۲) صالح۔
(۳) ابراہیم (۴) اسمٰعیل (۵) شعیب۔ یہ سب نبی حضرت موسیٰ سے اور بنی اسرائیل

احکام عشرہ کے عطا ہونے سے پیشتر گذرے ہیں۔

اصل اصول ان جمیع انبیا کے مذاہب کا خداے واحد کی عبادت تھا۔ اور دیگر احکام و مسائل جنکو انبیاء مذکورنے بتایا تھا باستثناء احکام و مسائل حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل کے سب فراموش ہوگئے تھے اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہیں ہے جو کہ ہم کو اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کتنے تھے۔

حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل کے مذہب کے احکام و مسائل کے لئے بھی اسی طرح کوئی ایسی کافی سند نہیں ہے جس سے کہ ہم ان کو تفصیل وار بیان کر سکیں اور ایسے بہت کم مسائل ہیں جنھوں نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اُن کے حوالہ دینے کے لائق ہوں۔

حضرت ابراہیم کے تقوے اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا اپنے باپ کے بتوں کا توڑنا اور خداے برحق پر یقین کرکے صدق دل سے اسکی پرستش کرنا تھا۔

ختنہ اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہیں جن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم نے مروج اور معین کی تھیں۔ خداے پاک کی پرستش کے واسطے قربان گاہوں کے بنانے کی رسم بھی حضرت ابراہیم نے جاری کی تھی اور منجملہ بیشمار قربان گاہوں کے جو حضرت ابراہیم نے بنائیں ایک قربان گاہ اُس مقام پر بھی بنائی تھی جہاں کہ حجر اسود قبل اس کے کہ دیوار کعبہ میں اور پتھروں کے ساتھ نصب ہو کھڑا ہوا تھا۔

خدا تعالی کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیم نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم

آجتک اُن کی اولاد میں اور اُن کی اولاد کے پیرؤں میں بجنسہ مروج ہی

خدا تعالیٰ کی عبادت کے واسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتیں اور تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تہا۔

سینٹ پال حواری نے جو گلیشیا والوں کے نام خط لکہا ہے ہماری رائے میں اُس سے ہی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو جو بیت المقدس کا ہمپایہ ہے "حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنایا تہا۔

خانہ کعبہ میں اول خدا کی عبادت اُس کے اندر اور باہر کیا کرتے تہے اور اس کے بعد اُسکے گرد طواف کیا کرتے تہے اور طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تہی اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی جاتی تہی

اس مقام پر خود بخود ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا فرق ہے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے اور اُسکو اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور قربان گاہوں بنانے اور اُنکی تعظیم کرنے اور حضرت یعقوب کے پتھر کہڑا کرنے اور اُس پر تیل ڈالنے اور نماز میں بیت المقدس یا کعبہ کی طرف سجدہ کرنے غرضکہ اشیای مجسّم کی تعظیم اور حرمت کرنے میں اور بت پرستوں کی اُن رسوم میں جو وہ اپنے بتوں کی نسبت عمل میں لاتے ہیں اور جس کی وجہ سے اُنکو ہر شخص حقارت اور غصہ کی نظر سے دیکہتا تہا اور اب ہی دیکہتا ہے۔

بلاشبہہ ان دونوں کاموں میں بڑا فرق ہے مگر جو امر کہ لوگونکو ان دونوں کاموں میں صاف صاف تمیز کرنے سے روکتا ہے وہ لفظ "بت پرستی" ہے جس سے یہ

مراد سمجھی جاتی ہے کہ آدمی کسی مجسم اور مصنوعی شے کی تعظیم اور پرستش کرنے میں گنہگار ہوتے ہیں -

مگر یہ غلطی ہے - بت پرستوں کے مشرک اور گنہگار ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مجسم اور مصنوعی اشیار کی تعظیم اور پرستش کرتے ہیں بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چند روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیا کو ان سب قدرتوں کا مالک سمجھتے ہیں جو درحقیقت صرف اللہ تعالی ہی کی ذات سے علاقہ رکھتے ہیں اور ان اشیار وغیرہ کی اس طرح بندگی بجا لاتے ہیں جو صرف خدا تعالے ہی کو سزاوار ہے - ان کے بت ان وجودوں کے جو غیر خدا ہیں قائم مقام اور یادگار ہوتے ہیں نہ کہ خدا تعالی کے - اس اعتقاد کی وجہ سے وہ مشرک اور گنہگار ہو جاتے ہیں خواہ وہ ان روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیار کے ناموں پر کوئی مورت یا بت قائم کرکے پوجتے ہوں خواہ صرف اپنے دل ہی میں یہ اعتقاد رکھکر انکی پرستش کرتے ہوں - اور ظاہر میں ان کا کوئی بت نہ بناتے ہوں - انکو بت پرست اسلیئے کہا گیا ہے کہ وہ اکثر ان روحانی یا ذی جسم وجودوں یا طاقتوں یا عظیم الشان قدرتی اشیار کی جنکو وہ صفات الٰہی کا مخزن اور معدن سمجھتے تھے اپنے خیال کے موافق بت اور مورتیں بنا کر انکے توسل سے انکو پوجتے تھے اگر وہ ان ظاہری وسائلِ پرستش کو اختیار نہ کرتے لیکن باطن میں یہی اعتقاد رکھتے تب بھی انکو بت پرست کہنا ناموزوں نہ ہوتا -

حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی قربان گاہیں جن میں کہ حجر اسود بھی شامل ہے اور حضرت یعقوب کا کھڑا کیا ہوا پتھر اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی

مشہور ومعروف اشخاص کی یادگار کے طور پر نہیں بنائی گئی تھیں اور نہ وہ کسی فرشتہ یا
عظیم الشان قدرتی شے کے نام پر قائم کی گئی تھیں بلکہ بالتخصیص قادر مطلق کے نام پر
جو تمام چیزوں کا خالق ہے اور اسی کی پرستش کی غرض سے بنائی گئی تھیں جملہ رسوم
و تکلفات جو ان مقاموں پر برتے جاتے تھے صرف خدا تعالی کی عبادت اور پرستش
کے مختلف طریقے تھے اور خدا تعالی کی بندگی کو کسی طور پر بجا لائی جاوے جسکو خدا
تعالی نے منظور اور مقبول کر لیا ہو ہرگز گناہ یا شرک یا بت پرستی نہیں ہوسکتی۔

تمام آدمیوں کا میدان عرفات میں جمع ہونا جہاں کہ نہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود
ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ قربان گاہ اور نہ حضرت اسمعیل کا معبد بلکہ محض ایک
وسیع میدان ہے۔ ان لوگوں کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لیکر پکارنا اور اپنے
گناہوں کی معافی چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے جس کا نام مسلمانوں نے حج رکھا ہے
اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل اس طرح پر عبادت کرنے کے بانی ہوئے تھے
پس کون شبہہ کر سکتا ہے کہ حج اس واجب الوجود لاشریک لہ کی خاص الخاص
عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا مگر باینہمہ
ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ایسے بھی تھے جو ان مذاہب الہامی میں سے
کسی نہ کسی مذہب کے متبع تھے اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں
لوگوں میں سے متعدد نے مجدد مذہب ہونیکا دعوی کیا اور اللہ تعالی کے معبود
حقیقی ہونیکا مجمع عام میں وعظ کہا اور لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے پر ترغیب دی۔
وہ لوگ جنہوں نے اپنی نسبت مجدد مذہب ہونے کی شہرت دی تھی ان کے

نام یہ ہیں۔ حنظلہ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابوکرب۔ قیس ابن صیداہ وغیرہ
او بعضوں نے عبدالمطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے
لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیوں نہ معلوم ہو کہ اس شخص کی اولاد جسنے اپنے
باپ کے بتونکو توڑا اور اُن کی پرستش سے منہہ موڑا اور خدا سے برحق کی پرستش کیلیے
توجہ ہوا اور کہا "انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین"۔ رفتہ رفتہ اُسی بت پرستی کی حالت میں ڈوب جاے۔ مگر اس سے
زیادہ تعجب انگیز اور حیرت آمیز یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسی کی اولاد میں ایک ایسا
شخص پیدا ہوا جسنے پیر اپنے مورثوں کے بتونکو بلکہ تمام عرب کے بتونکو غارت
کردیا اور جسنے خداے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو جو تمام چیزونکا مبدا اور
مرجع ہے رواج دیا اور اعلیٰ ترین درجہ پر پہونچا دیا اور جس نے کہ جہالت اور کفر کی
اُس گہری تاریکی کو جس میں کہ اُسکے ہموطن مبتلا تھے دین حق کے پاک اور شفاف
نور سے منور کردیا۔

یہودی مذہب

یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب کے ملک میں شائع کیا تھا جو
اُس ملک میں جاکر آباد ہوے تھے۔ بعض مصنف ناواجب جرأت کرکے یہ راے
دیتے ہیں کہ ایک قوم بنی اسرائیل کی اپنے جتھے سے علیحدہ ہوکر ملک عرب
میں جابسی تھی اور وہاں اکثر قومونکو اپنا مذہب تلقین کیا۔ مگر یہ راے صحت سے
بالکل معریٰ ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب اُن یہودیوں کے ساتھ

آیا تہا جو پینتیسویں صدی دنیوی میں یا پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے
ظلم سے جو اُن کے ملک اور قوم کی تخریب کے درپے ہوا تہا بہاگ گئے تھے
اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوتے تہے تہوڑے عرصہ بعد جب کہ اُن کی مضطرب
حالت نے کسیقدر سکون اور قرار پکڑا اُنہوں نے اپنے مذہب کو پہیلانا شروع کیا
اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے
جب کہ سنہ ۳۶۵۸ دنیوی میں یا سنہ ۳۵۴ قبل حضرت مسیح کے یمن کے بادشاہ ذو نواس حمیری
نے مذہب یہود اختیار کیا تب اُس نے اور لوگونکو بہی بالجبر اس مذہب میں داخل کر کے
اُسکو بہت ترقی دی - اُس زمانہ میں یہودیونکو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تہا اور اکثر شہر
اور قلعے اُن کے قبضہ میں تہے -

اسبات کے یقین کرنے کا قوی قرینہ یہ ہے کہ یہودی بت پرستی کو غصہ
اور حقارت کی نظر سے دیکہتے ہونگے - مگر عرب کی کوئی مقامی روایت اس مضمون کی
نہیں پائی جاتی کہ خانہ کعبہ کی نسبت اُن یہودیوں کی رائے عربوں کی رائے سے
برخلاف تہی مگر یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک تصویر یا مورت حضرت ابراہیم کی جنکے
پاس ایک مینڈہا قربانی کے واسطے موجود کہڑا تہا یہودیوں کے ذریعہ سے خانہ کعبہ
میں اُس بیان کے مطابق جو توریت میں ہے کہینچی گئی ہو گی یا رکہی گئی ہو گی - کیونکہ
یہودی اس قسم کی تصویروں یا مورتوں کے بنانے اور رکہنے کو گناہ نہیں سمجہتے تہے
اس میں کچہ شک نہیں کہ یہودیوں کے ذریعہ سے ملک عرب میں خدا تعالیٰ
کی معرفت کا علم جیسا کہ قبائل عرب میں بالعموم پیشتر تہا اُس سے بہی دو چند ہو گیا وہ عرب
جنہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تہا اور وہ لوگ بہی جو اُن سے راہ و رسم

کرتے تھے اُس سے فائدہ مند ہوئے تھے۔ کیونکہ یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت اور سوشیل اور پولیٹکل کا موجود تھا اور اُس زمانہ کے عرب اس قسم کی چیز سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اس سے ایک معقول طور پر استنباط ہوتا ہے کہ بہت سے خانگی اور سوشیل آئین اور رسوم کو جو اُس قانون میں مذکور ہیں عربوں نے اختیار کر لیا ہوگا خصوصاً یمن کے رہنے والوں نے جہاں کہ اُن کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا اور اُس نے یہودی مذہب کی ترویج میں کوشش کی ہوگی۔

ہمکو اس مقام پر مذہب یہود کے مسائل اور عقائد اور اُن کی رسموں اور طریقوں پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ سب باتیں توریت میں موجود ہیں اور ہر شخص اُنسے کسی نہ کسی قدر واقف ہے۔ اور وہ امور جنکا بیان کرنا ہمکو بالتخصیص مدنظر ہے اُس مقام پر بیان ہونگے جہاں کہ ہم مذہب یہود اور اسلام کے تعلق باہمی پر بحث کرینگے۔

عیسوی مذہب

یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی عیسوی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا جبکہ اُن خرابیوں اور بدعتوں کی وجہ سے جو آہستہ آہستہ مشرقی کلیسا میں شائع ہوگئی تھیں قدیم عیسائیونکی تباہی ہوئی تھی اور وہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے تاکہ اور کسی جگہ جا کر پناہ لیں۔ اکثر مشرقی اور نیز یورپین مورخ جنہوں نے اس مضمون کو مشرقی مصنفوں سے اخذ کیا ہے اس بات پر متفق الراے ہیں کہ

وہ زمانہ ذونواس کی سلطنت کا زمانہ تھا مگر ہم اس رائے سے کسی طرح اتفاق نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے حساب کے موافق جسکا بیان ہمنے خطبہ اول میں کیا ہے ذونواس کا زمانہ قریباً چہ سو برس پیشتر اس واقعہ کے گذر چکا تھا اور اسی وجہ سے ہم اُن مصنفوں کی اس رائے کو بھی تسلیم نہیں کرتے جنکا بیان ہے کہ ذونواس نے عیسائیوں کی تخریب کی تھی۔

اول مقام جہاں کہ یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے تھے نجران تھا اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے علیسوی مذہب قبول کر لیا تھا۔ یہ عیسائی فرقہ جیکوبائٹ یعنی یعقوبی فرقہ تھا اور اس لقب سے مشرقی فرقہ "مانوفیزیٹیز" کا موسوم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام اور عراق اور بابل کے فرقہ "مانوفیزیٹیز" پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ جیکوبائٹ کا لقب ایک شام کے راہب کے سبب سے جسکا نام جیکوبس براڈیس تھا اس فرقہ کا پڑگیا تھا اور جس نے کہ یونان کے بادشاہ جسٹینین کے عہد میں اپنے ایک سے نکلے ہوئے "مانوفیزیٹیز" کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ صرف ایک صفت رکھتے ہیں یعنی ایک انسانی صفت نے اُن میں تقدیس کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

عیسائی مصنفوں نے بیان کیا ہے کہ عیسوی مذہب نے اہل عرب میں بہت ترقی حاصل کی تھی مگر ہم اس باب میں اُن سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باشندگان صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندوں نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا قبائل حمیر۔ غسان۔ ربیعہ۔ تغلب۔ بہرہ۔ تونخ۔ طی۔ قودیہ اور حیرہ میں معدودے اشخاص نے اُنکی تقلید کی تھی اور کوئی جماعت کثیر یا قوم کی قوم عیسوی مذہب

میں نہیں آئی تھی جس طرح کہ یہودی مذہب میں آگئی تھی۔ اغلب ہے کہ ان متفرق اسباب متصورہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر خواہ مورت حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے خانہ کعبہ کی اندرونی دیواروں پر کھینچی گئی ہو یا اسکے اندر رکھی گئی ہو۔

خانہ کعبہ میں متعدد قوموں کے معبودوں کی یا بزرگوں کی تصویریں یا مورتیں رکھی ہوئی تھیں اور جس فرقہ سے وہ تصویر یا مورت متعلق رکھتی تھی وہی فرقہ اسکی پرستش کرتا تھا جب کہ عرب کے لوگوں نے یہودی اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو اسی مذہب کے لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کی تصویر یا مورت خانہ کعبہ میں رکھی یا کھینچی ہوگی کیونکہ جس طرح عرب کے اور فرقوں کو اپنے معبودوں یا بزرگوں کی مورتیں رکھنے یا کھینچنے کا کعبہ میں حق تھا اسی طرح ان عربوں کو بھی حق تھا جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے۔ اور کسیکو اس کی ممانعت کا حق نہ تھا۔

اسلام سے پیشتر ملک عرب کی یہ مذہبی حالت تھی اور ایسے مختلف مذہب جو زمانہ واحد میں وہاں مروج ہو گئے تھے اسکا ضروری نتیجہ یہ ہوا ہوگا کہ ان مذہبوں کے احکام اور مسائل اور رسوم باہم خلط ملط اور اہل عرب میں بالعموم مروج ہو گئے ہونگے۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ان نیم وحشی اور جاہل لوگوں کو اس قدر شعور ہو کہ وہ مذاہب مختلفہ کے باہمی تفوق کو جانچ سکتے ہوں اور ایک کو دوسرے سے جدا کر کے دقیق تفاوت کی تمیز کرتے ہوں

ان مذاہب کے بھاری بوجھ کے نیچے ملک عرب ایک مذبوحی حرکت کر رہا تھا کہ دفعتاً اسلام نمودار ہوا اور اسکو حیرت آمیز سرور میں ڈالکر اسکا غیر متحمل بوجھ دور کر دیا اور دفعتاً جزیرہ عرب کے چاروں کونوں کو صدق کے نور سے بھرپور کر دیا اس لئے اگر

یہ کہنا جائز ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام عرب کے حق میں رحمت ایزدی سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ اسلام از روے اصول کے بت پرستی کے بالکل متناقض تھا کیونکہ وہ حقائق تمدنی اور ابدی کی تعلیم اور تلقین کرکے انسان کو اعلیٰ درجہ پر پہونچانا چاہتا تھا اور بت پرستی انسان کو جہالت کی حالت میں رکھکر از روے تمدن اور اخلاق کے دونوں طرح سے غلام بنانا چاہتی تھی۔ اسلام لامذہبی سے بھی کچھ موافقت نہ رکھتا تھا کیونکہ اُسکا ابتدائی اور خاص اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر اور اُسکے وجود پر بیچون وچرا اعتقاد رکھنا چاہئے جس کے وجود سے لامذہبوں کو انکار تھا۔ مذہب اسلام میں اور عرب کے خداپرستوں کے مذہب کے دونوں فرقوں میں سے دوسرے فرقہ سے کوئی سخت مخالفت نہ تھی کیونکہ اگر اس فرقہ کے عقائد میں وحی کے عقیدہ کو اضافہ کیا جاوے تو مذہب اسلام کے اصلی اصول کے بہت قریب قریب ہو جاتا ہے۔ مذہب صابئی کے عقائد اسلام سے بالکل مماثل تھا لیکن اُس مذہب میں اجرام فلکی کی پرستش کو روکرتا تھا اور سیاروں کے نام پر مورتیں بنانے اور معابد قائم کرنے کو بھی جو ایک قسم کی بت پرستی ہے اور جس میں قوم صابئی بوجہ امتداد زمانہ کے آہستہ آہستہ آپڑی تھی ناروا ٹھیراتا تھا۔

ابراہیمی مذہب اور عرب کے اور نبیوں کے مذہب اور یہودی مذہب کے اصول اور احکام اور عقائد اسلام کے اصول اور احکام اور عقائد کے کچھ بھی متناقض نہ تھے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کے اصول اور احکام ابراہیمی مذہب اور دیگر انبیاے عرب کے مذہب اور یہود کے مذہب کے اصول اور احکام کو تکمیل کرتے تھے۔ اسلام میں اور یہودی مذہب میں صرف یہ فرق تھا کہ اسلام حضرت یحییٰ کو تسلیم کرتا تھا مگر یہودیوں اور عیسائیوں کی بعض غلط تفاسیر کو جو وہ توریت اور انجیل کی آیتوں کی کرتے تھے نہیں

ماننا تھا اصول اسلام اُن عمدہ اصول سے جن کی درحقیقت حضرت عیسیٰ نے تلقین کی تھی مطابقت تامہ رکھتا تھا لیکن زمانہ اسلام میں جو عیسائی تھے اُن کے اصول و عقائد اور مسائل اور رسوم مذہبی اور اُن کے برتاؤ سے بالکل مخالف تھا اور بجز چند متفرق اور منعدد مسائل اخلاق کے کسی اور چیز میں اُن دونوں مذہبوں میں مشابہت نہ تھی۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کیا ہے ہم جواب دیتے ہیں کہ مذہب اسلام صابئی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور ابراہیمی مذہب اور عرب کے دیگر الہامی مذہبوں کے اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل و تہذیب اور یہودی مذہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تراردواقعی تکمیل اور اللہ جل شانہ کی وحدانیت کی ایسے اعلیٰ درجہ پر توضیح جو کسی اور مذہب میں اس تکمیل سے نہیں تھی اور جسکو ہم وحدت فی الذات اور وحدت فی الصفات اور وحدت فی العبادۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور اخلاق کے اُن اصولوں کی جن کی حضرت عیسیٰ نے دراصل تلقین کی تھی تکمیل ہے اور اُن تمام مذاہب کے الہامی اصول اور احکام اور مسائل کی تکمیل اور اجتماع کا نام اسلام ہے۔ ہم اپنے اس جواب کو بعض مثالوں کے حوالہ سے مشرح کرتے ہیں

مذہب اسلام میں دوسرے معبود کی پرستش کا امتناع اور بت پرستی کا استیصال یہودیوں کے مذہب کے اصول کے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ "درحضور من ترا خدایان غیر نہ باشند" (سفر خروج باب ۲۰ ورس ۳) "بہر چہ شمارا امور داشتم رعایت نمائید و اسم خدایان غیر را ذکر نہ نمودہ از دہانت شنیدہ نہ شود" (سفر خروج باب ۲۳ ورس ۱۳) "بجہت خود صورت تراشیدہ و ہیچ شکل از چیز ایکہ در آسمان ہست در بالا و یا در زمین ہست در پائین و یا در آب ہاے کہ در زیر زمین ہست

مساز۔ آنہارا سجدہ نہ نمودہ ایشانرا عبادت منما زیرا کہ من خداوند خدائے تو ام (سفر خروج باب ۲۰ درس ۴ و ۵) "بہ بتہا توجہ منمائید و خدایان ریختہ شدہ از برائے خود مسازید خداوند خدائے شما منم" (سفر لویان باب ۱۹ ادرس ۴) "از برائے خودتان بتان و اصنام تراشیدہ شدہ مسازید و نصب شدہا از برائے خودتان برپا منمائید و در زمین خودتان تصویرہائے سنگی جہت سجدہ نمودنش مگذارید زیرا کہ خداوند خدائے شما ہستم" (سفر لویان باب ۲۶ درس ۱) "خدایان ایشاں را سجدہ نمودہ بانہا عبادت مکن و موافق اعمال ایشاں عمل منما بلکہ ایشاں را بالکل منہدم ساختہ و بت ہائے ایشاں بالتمام بشکن" (سفر خروج باب ۲۳ درس ۲۴)

سب سے بہتر اور اعلیٰ احکام یہودی مذہب میں یہ ہیں جو ذیل میں لکھے جاتے ہیں اسلام میں بھی احکام بجنسہ موجود ہیں "پدر و مادر خود را احترام نما۔ قتل مکن۔ زنا منما۔ دزدی مکن بر ہمسایہ ات شہادت دروغ مدہ بخانہ ہمسایہ ات طمع مورز" (سفر خروج باب ۲۰ درس ۱۲۔۱۰)

اوقات نماز جو اسلام میں مقرر ہیں اور جنکی تعداد[1] سات یا پانچ یا تین ہیں مذہب صابئی اور مذہب یہود کے اوقات نماز سے بہت مشابہ ہیں۔

اسلام میں نماز پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ صابئی مذہب اور یہود کے مذہب کے

---

[1] یعنی فجر۔ ضحیٰ یعنی چاشت۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا۔ تہجد۔ دوسری اور ساتویں نماز مسلمانوں میں فرض نہیں ہے اور باقی پانچ نمازیں فرض ہیں۔ دوسری اور تیسری کو اور چوتھی اور پانچویں کو ایک وقت میں پڑھ لینے کا اختیار ہے اس صورت میں پانچ نمازیں اور تین وقت رہ گئے۔

طریقہ سے نہایت مماثل ہے۔ نماز دل کی صفائی کے لئے تھی اور یہی اصل منشا نماز کے مقرر کرنے کا تھا اور جسم اور پوشاک وغیرہ کی صفائی جسکے واسطے شرع اسلام میں حکم ہے صابیوں اور یہودیوں کی اس قسم کی رسومات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں

توریت میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ "نزد قوم روانہ شدہ ایشا نرا امروز و فردا تقدیس نماے تا کہ جامہاے خود را شست وشو نمایند" (سفر خروج باب ۱۹ ورس ۱۰) "پس موسیٰ ہارون و پسرانش را نزدیک آورده ایشانرا بہ آب شست وشو داد" (سفر لویان باب ۸ ورس ۶)

مذہبی امور میں صرف ایک ہی بات اسلام میں نئی ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی یعنی نماز کے بلانے کے لئے یہودیوں کی قرنا ے بجانے اور عیسایوں کے گھنٹے بجانے کے بدلے اذان مقرر کی گئی ہے اس نرالے پن کی نسبت ایک عیسائی مصنف اس طرح لکھتا ہے کہ "مختلف اوقات نماز کی اطلاع مؤذن مسجدوں کے میناروں یا ماذنوں پر کھڑے ہو کر اذان دیے کرتے ہیں۔ اُن کا لحن جو ایک بہت سادہ مگر سنجیدہ لہجہ میں بلند ہوتا ہے شہروں کی دوپہر کی ڈھونڈ پکار میں مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آواز معلوم ہوتا ہے لیکن سنسان رات میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہانتک کہ اکثر فرنگیوں کی زبان سے بھی پیغمبر صاحب کی تعریف نکل گئی ہے کہ یہودیوں کی معبد کی قرنا سے اور کلیسا ے نصاریٰ کے گھنٹوں کی آواز کے مقابلہ میں انسانی آواز کو پسند کیا۔

تمام قربانیاں جو مذہب اسلام میں جائز ہیں مذہب یہود کی قربانیوں کے مشابہ ہیں گویا یہ قربانیاں شارع اسلام نے مذہب یہود کی بیشمار قربانیوں سے منتخب کر لی ہیں اور جو تاکیدی حکم مذہب یہود میں اُن قربانیوں کے کرنے کی نسبت تھا اُسکو

نہایت خفیف بلکہ اختیاری کر دیا ہے۔

مذہب اسلام میں جو روزے مقرر ہیں وہ بھی مذہب یہود اور مذہب صابی کے روزوں سے مشابہ ہیں بلکہ صابی مذہب کے روزوں سے بہ نسبت یہودی مذہب کے روزوں کے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

ہفتہ کے ایک معین دن میں نماز اور دیگر رسوم مذہبی کے مقررہ وقت پر لوگونکو کارہائے دنیوی سے منع کرنا یہودیوں کی اسی قسم کی رسم سے مطابقت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے اہل عرب جمعہ کو متبرک دن سمجھتے آئے ہیں۔

ختنہ بھی وہی ہے جسکا یہود اور پیروان حضرت ابراہیم کے ہاں دستور تھا نکاح اور طلاق کا بھی قریب قریب ویسا ہی قاعدہ ہے جیساکہ اور مذاہب الہامی میں تھا۔ توریت میں لکھا ہے کہ ”اگر کسے زنے را گرفتہ بہ نکاح خود درآورد و واقع شود کہ بسبب چیز کینے کہ وروے یافت شد در نظرش التفات نہ یابد آنگاہ طلاق نامہ نوشتہ بدستش بدہد و اورا از خانہ اش رخصت دہد (سفر توریہ مثنیٰ باب ۲۴ ورس ۱)

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ اکثر باتوں میں یہودیوں کے مذہب کے احکام سے مشابہ ہیں۔

جنب مرد اور عورت کو مسجد میں جانے یا قرآن مجید کے چھونے کا امتناع ایسے دستوروں سے مشابہت رکھتا ہے جو مذہب یہود میں جاری ہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مذہب اسلام میں بہ نسبت مذہب یہود کے یہ امتناع کم سختی سے ہے۔

سؤر کے گوشت کھانے کی ممانعت مذہب اسلام میں ویسی ہی ہے جیسے کہ بنی اسرائیل کے مذہب میں تھی۔ توریت میں لکھا ہے ”وخوک باوجودیکہ ذی سم چاک و تمام

شگاف ہست اما نوش خوار نمیکند آں برائے شما ناپاک ہست" (سفر لویان باب ۱۱ درس ۷)

جانوروں کے حلال یا حرام ہونے اور مرے ہوئے جانور کا گوشت نہ کہانیکی نسبت جو احکام مذہب اسلام میں ہیں وہ موسوی شریعت کے نہایت ہی مشابہ ہیں بلکہ علماے اسلام نے وہ تمام مسائل موسوی شریعت سے مستنبط کئے ہیں۔

شراب خواری اور دیگر مسکرات کا امتناع بہی موسوی شریعت کے مشابہ ہیں توریت میں ہے کہ "ہنگام در آمدن شما بخیمہ مجمع شراب و مسکرات را نخورید" (سفر لویان باب ۱۰ ورس ۹) مگر مذہب اسلام نے اس خرابی کی جو شراب سے ہوتی ہے پوری بندش کردی ہے یعنی شراب کو بالکل حرام کردیا ہے اور کسی وقت پینے کی اجازت نہیں ہے۔

مذہب اسلام میں مختلف جرائم اور تقصیرات کی نسبت جو سزائیں مقرر ہیں وہ بہی اُن سزاؤں سے جو موسوی شریعت میں ہیں نہایت درجہ مشابہت رکہتی ہیں زنا کی سزا سو کوڑے مارنا مذہب اسلام میں ہیں۔ یہ سزا یہودیوں کے قانون سے مخالف ہے۔ لیکن جو علماے اسلام یہ سمجہتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بہی زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے تو یہ سزا یہودیوں کے مذہب سے بالکل مماثلت رکہتی ہے۔

مسلمان فقہانے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہے۔ اگر درحقیقت مذہب اسلام میں ارتداد کی یہی سزا ہو وہ بہی موسوی شریعت سے بالکل مماثل ہے۔ توریت میں لکہا ہے "وہر کسے کہ اسم خداوند را کفر بگوید البتہ باید کشتہ شود تمامی جماعت باید اورا بے تامل سنگسار نمایند خواہ غریب وخواہ متوطن چونکہ اسم خداوند را کفر گفتہ ہست کشتہ شود" (سفر لویان باب ۲۴ ورس ۱۶)۔

بعض عیسائی مورخوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ملائک کا تصور اور اعتقاد یہودیوں کی کتاب تالمد سے اور جنات اور شیاطین کا اعتقاد یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد دونوں سے اور مرنے کے بعد جسم اور روح کی حالت کا بیان یہودیوں سے اور بہشت اور دوزخ کی کیفیت یہودیوں اور عیسائیوں سے اور قیامت اور روز حشر کے حالات کا یہودیوں کی کتاب مدراش اور تالمد سے اخذ کیا ہے۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اول تو وہ حالات جس طرح پر کہ لوگ خیال کرتے ہیں اُس طرح پر مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ ان امور میں سے جسقدر کہ مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں وہ اُن ذریعوں سے اخذ نہیں کئے گئے کیونکہ بجز اتحاد نام کے اور جو کچھ کہ اسلام میں بیان کیا گیا ہے وہ کُتب مذکورہ بالا کے بیان سے بالکل اختلاف رکھتا ہے۔

اس خطبہ میں اسقدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم اُن اُمور پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں اور اُن امور میں سے جو امور کہ متعلق اسلام ہیں اور جو اُمور کہ متعلق اسلام نہیں ہیں اُن میں تمیز کریں اور امور متعلقہ اسلام کی کامل تشریح کریں اسلئے ہم اس مضمون کو یہ کہکر ختم کرتے ہیں کہ اگر بالفرض امور مذکورۂ بالا مذہب اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ بالعموم مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کا اعتقاد ہے تو وہ امور بھی مذہب اسلام میں اسی قسم کے تصور کئے جائینگے جیسے کہ مذہب اسلام کے اور احکام یہودی مذہب سے مشابہ ہیں۔

اسلام نے عیسائی مذہب سے بجز دو مندرجۂ ذیل عقیدوں کے اور کوئی عقیدہ اخذ نہیں کیا گیا ہے ایک یہ کہ "اللہ کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل

سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے پیار [illegible] باب [illegible] درس ۲۷) دوسرا یہ کہ اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے کریں تم بھی ان سے ویسا ہی کرو" (انجیل لوک باب ۱۰ درس ۳۱)

اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر ادھر سے جمع کرنے ہیں اور اسمیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو۔ لیکن بڑی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کے دیگر مذاہب الہامی کے اصول و عقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام چیزیں جنکا مبدا ایک ہے غیر منتہی اور کامل ذات ہو ضرور ہے کہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی کامل اصول پر ہونگی جس طرح کہ خدا تعالی سے اپنا مثل پیدا کرنا غیر ممکن ہے جس طرح کہ اسکی ذات سے کسی پیدا کی ہوئی چیز کو اپنی مرضی اور اپنی حکومت کے احاطہ سے خارج کر دینا محال ہے اسی طرح سے یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی غرض کے انجام دینے کے لئے دو متناقض اصول اور احکام اسکی ذات سے صادر ہوں مسلمانوںکو بلکہ تمام دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ممنون رہنا چاہئے جنہوں نے ابتدائے دنیا سے اپنے زمانہ تک کے تمام نبیوں کی رسالت کو برحق ٹھیرایا۔ جنہوں نے دنیا کے تمام الہامی مذہبوں کی تکمیل کی۔ اور جنہوں نے اپنے باایمان متبعین کے لئے بے بہا اور لازوال نور کے دروازے کھولدئے۔

تمت

في

ان الاسلام رحمة للانسان وحبة لاديان الانبيا باوضح البرهان

آيه اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا

مذہب اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے اور موسوی اور عیسوی مذہب کو اس سے نہایت فائدے پہونچے ہیں۔

یہ مضمون جسکو اب ہم لکھنا چاہتے ہیں ایک ایسا مضمون ہے کہ ہمکو اس کا لکھنا یا پڑہنا شروع کرنے سے پہلے نہایت بے تعصب دل پیدا کرنا چاہئے کیونکہ طرفدار دل سچے اور صحیح نتیجہ تک نہیں پہونچتا اس الزام کے رفع کرنے سے تو ہم مجبور ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانی مذہب میں جو فی الواقع خوبی ہے اسکو ظاہر کرتے ہیں مگر جہانتک ہمسے ہو سکا ہے ہمنے نہایت ٹھنڈی طبیعت اور ناطرفدار دل اور سیدہی سادی سچی نیت سے یہ مضمون لکھا ہے اور اسی لیئے ہمکو یقین ہے کہ اگر ہم اپنی اس رائے پر دوسرے کو یقین نہ دلا سکینگے تو اسکو رنجیدہ بہی نہیں کرینگے

ہمارا یہ مضمون چار حصوں پر منقسم ہے۔

پہلے حصہ میں اُن فائدوں کا بیان ہے جو مذہب اسلام سے [illegible]
معاشرت کو پہونچے ہیں۔
گو ہم کیسے ہی سچے دل اور نیک نیت سے نا طرفدارانہ اس مضمون کو [illegible]
ہمکو نہایت افسوس ہے کہ جو بات مذہب اسلام کے متعلق ہوتی ہے اس [illegible]
عیسائی مصنف ہمیشہ بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیکی کو چھوڑ کر بدی پر [illegible]
اسلئے ہمکو توقع نہیں ہوتی کہ جو خاص ہماری راے اس بات میں ہو وہ اسی [illegible]
اور بدظنی کی نگاہ سے نہ دیکھی جاوے اسلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر
ہم انھیں راوں کا بیان کریں جنکو خود بعض عیسائی مصنفوں نے انسان کے حق میں
مذہب اسلام کے مفید ہونیکی نسبت لکھی ہیں۔
سر ولیم میور جو ایک نہایت دیندار عیسائی ہیں اور جب تک کہ علانیہ اور نہایت
روشن بات نہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے اپنی کتاب لائف آف
محمد میں جسکے لئے ہم مسلمانوں کو انکا شکر کرنا چاہیے ارقام فرماتے ہیں کہ "ہم بلاتامل اس
بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے (یعنی مذہب اسلام نے) ہمیشہ کے واسطے اکثر
توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے عرب کے ملک جزیرہ نما پر چھا رہی تھی کالعدم کردیا
اسلام کی صداے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا کی وحدانیت اور
غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ حضرت
محمد کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا ہے جیسے
کہ خاص حضرت محمد صلعم کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات جو
خاص اسلام کے معنی ہیں یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر [illegible] مطلق کرنا چاہیے بلحاظ معاشرت

کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے۔ غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاہیئے۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"

سر ولیم میور کی اس تحریر پر کچھ حاشیہ لکھنا چاہتا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ صدہا جنگ نے بت پرستی کو معدوم نہیں کیا بلکہ اس سچے مسادہ وحدانیت کے وعظ نے بت پرستی کو معدوم کیا ہے جسکا اثر قران مجید کے نہایت فصیح اور پرتاثیر فقروں سے لوگوں کے دلوں پر ہوتا تھا اور نہ صرف عرب سے بت پرستی کو نیست و نابود کیا بلکہ تمام مذہبوں میں جو اس وقت دنیا میں رائج تھے اور وہاں تک وعظوں کی آواز پہونچتی تھی اس خیال کو پیدا کردیا کہ بت پرستی نہایت کمینہ خصلت اور ایک سخت گناہ ہے۔

برادرانہ دینی محبت کا برتاؤ آپس میں مسلمانوں کے ایک خدا کے ماننے والے ہونے کی وجہ سے بتایا جو ایک قدرتی رشتہ دینی بھائی ہونے کا ہے مگر انسانی محبت کا برتاؤ تمام انسانوں سے بلکہ ہر ایک سے جو جگر تر رکھتا ہو برتنے کو فرمایا۔

غلاموں کی نسبت اگر صحیح تسلیم کیا جاوے تو اسلام نے غلامی کو بالکل نیست و نابود کردیا ہے۔ اسیران جنگ کے سوا کوئی غلام نہیں ہوسکتا تھا وہ بھی زمانہ جاہلیت کی رسم کے موافق مگر قرآن نے "اما منا بعد و اما فداء" کہکر اسکو بھی نابود کردیا۔ جو لوگ اسیران جنگ کو احساناً چھوڑ دیتے ہیں نہایت اعلیٰ درجہ پاتے ہیں اور جو کچھ لیکر چھوڑتے ہیں

وہ ان سے کمتر گنے جاتے ہیں۔ اس حکم کے ذریعہ سے جو لوگ غلام رکھتے تھے ان
کی پرورش کا اسی طرح انکو حکم دیا جس طرح کہ وہ آپ اپنی جانوں کی پرورش کرتے ہیں
ان سب باتوں کی نسبت سر ولیم میور نے مذکورہ بالا فقرہ میں اشارہ کیا ہے
مگر اتنی بات اور زیادہ کرنی چاہیے تھی کہ مذہب اسلام نے قمار بازی کو منع کرنے
اور ناشائستہ کلمات کے منہ سے نکالنے کی ممانعت سے والدین کے ساتھ ادب
اور تعظیم سے پیش آنے کی تاکید سے ایک مناسب اندازہ سے خیرات دینے
دلانے سے لوگوں کو انکی حاجت میں قرض حسنہ دینے سے وعدہ کے وفا کرنے
کی تاکید سے جانوروں کے ساتھ رحم اور مہربانی برتنے کے حکم سے انسانوں کے
اخلاق اور انکی حسن معاشرت میں بہت کچھ ترقی دی ہے

مشہور اور نہایت لائق اور قابل مورخ گبن اپنی کتاب میں جہاں یہ بحث کرتا ہے
کہ حضرت محمد اپنے ملک کی نسبت کیسے تھے اسطرح پر لکھتا ہے کہ حضرت محمد کی سیرت
میں سب سے اخیر جو بات غور کرنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ انکا عظیم و شان لوگوں
کی بھلائی اور بہبودی کے حق میں مفید ہوا یا مضر جو لوگ کہ آنحضرت کے سخت دشمن
ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے
اس بات کو تو ضرور تسلیم کرینگے کہ آنحضرت نے دعوے رسالت ایک نہایت مفید
مسئلہ کی تلقین کے لئے اختیار کیا گو وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ
اس سے اچھا ہے (گویا وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے مذہب کے
اور تمام دنیا کے مذہبوں سے مذہب اسلام اچھا ہے) آنحضرت یہودیوں اور عیسائیوں
کی کتب سماویہ قدیمہ کی سچائی اور پاکیزگی اور ان کے بانیوں یعنی اگلے پیغمبروں کی

نیکیوں اور معجزوں اور ایمانداری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ عرب کے بت خدا کے تخت کے روبرو توڑ دیئے گئے اور انسان کے خون کے کفارہ کو نماز روزہ خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھے سادھے طریقہ کی عبادت ہے (یعنی جو انسان کی قربانی بتوں پر ہوتی تھی اُسکو معدوم کیا اور بعوض اُس کے نماز و روزہ و خیرات کو بطور کفارہ قرار دیا) اُنکے عقبیٰ کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ شاید وہ اپنے ملک کا اخلاقی اور ملکی انتظام درستی سے نہ کر سکتے ہوں مگر آنحضرت نے مسلمانوںمیں نیکی اور محبت کی ایک روح ڈالدی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا۔ قومیں جو کہ مخالف تھیں اعتقاد میں فرمانبرداری میں متفق ہوگئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے ایک غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہوگئی"

مسٹر گبن کی یہ راے بھی کسیقدر حاشیہ لکھنے کے لائق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مسٹر گبن ایک نہایت غیر متعصب مورخ ہے اور مسلمانوں کی تاریخ بھی اُس نے نہایت سچائی اور دیانت داری سے لکھی ہے۔ مگر بعض مذہبی مسائل جو اُسکو تحقیق نہیں ہوئے یا غلط طور سے اُس تک پہونچے یا جہاں اصلی مسئلہ اور علما کی راے اور اجتہاد میں اُسنے تمیز نہیں کی اُن مقاموں میں اُسنے نسبت آنحضرت صلعم کے یا مذہب اسلام کے غلط راے قائم کی ہے اور ہمکو اُس نامی مورخ کے نہایت بے تعصب ہونے کی وجہ سے یقین ہے کہ اگر صحیح مسئلہ اُس تک پہونچتا تو کبھی وہ ایسی

قائم نہ کرتا جو اُس نے دی۔

اُنہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ عقبیٰ کی سزا و جزا کا بیان غیر ممکن ہے ان دیکھی ان چھوئی ان چکھی ان سمجھی چیز کیونکر سمجھ میں آسکتی ہے۔ جس چیز کے لئے لفظ بنی انسان کی زبان میں نہوں وہ کیونکر بیان ہوسکتی ہے کیفیت جو ایک ذاتی وجدانی چیز ہے وہ دوسرے کو کیونکر بتلائی جاسکتی ہے یہ تمام امور محالات سے ہیں پس وحی یا الہام انکو کیونکر بیان کرسکتا ہے سچا اور صحیح مسلمانی مسئلہ سزا و جزا کا یہ ہے کہ "لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" پس کوئی بیان کرنیوالا گو کہ وہ الہام ہی کی زبان ہو جزا کو بجز اسکے کہ نہایت ہی محبوب چیز ہے۔ اور سزا کو بجز اسکے کہ نہایت ہی موذی چیز ہو اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ سو وہ بھی دُنیا ہی کے محبوب اور موذی چیز و نپر قیاس ہوسکتا ہے نہ عقبیٰ کے واقعی محبوب اور موذی چیز پر۔ اسلئے تمام انبیاء نے دنیا ہی کے محبوب و موذی چیزوں کی تمثیل میں عقبیٰ کی سزا و جزا کا بیان کیا ہے۔ موسیٰ نے بھی فرمایا کیسے کہ نیک کام کروگے تو مینہ برسیگا غلہ پیدا ہوگا وبا نہو گی گناہ کروگے تو قحط پڑیگا وبا پھیلیگی۔ اُنہوں نے اپنی تمام زندگی میں عقبیٰ کا نام ہی نہیں لیا کیونکہ اُس زمانہ کے لوگ بجز اُسکے اور کسی چیز پر سزا و جزا کا قیاس کرہی نہیں سکتے تھے۔

آنحضرت صلعم نے سزا و جزا کا اُن دنیاوی تمثیلوں میں بیان کیا جس پر اُس ملک کے لوگ سزا و جزا کے محبوب و موذی ہونیکا قیاس کرسکتے تھے نہ یہ کہ اُس سے وہی حقیقت مراد تھی جو اُن لفظوں کے لغوی معنی تھے۔ اگر آنحضرت صلعم یورپ کے کسی ٹھنڈے ملک میں پیدا ہوتے تو ضرور بجائے ٹھنڈی نہروں کے گرم پانی کی نہریں اور بجائے موتی کے محلوں کے آتش خانہ والے محل بیان فرماتے اور

بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اندلس کے مور تھے جو خلفاء عباسیہ اور بنی اُمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے ۔ علم جو ابتدا ر ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اُس کا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا ۔ یہ بات معروف و مشہور ہے کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا ۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیے کہ تمام علوم طبعیات ۔ ہیئت ۔ فلسفہ ۔ ریاضی ۔ جو دوسری صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتدا عرب کے علما سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں۔"

جان ڈیون پورٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر اُن جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جسکو فریقین جہاد کہتے تھے قطع نظر کیجائے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہو گئی جس کے باقی ماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادیوں کی نہایت بڑی عالیشان عمارت کی بنیاد قائم ہوئی ۔ اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیے کہ وہ حضرت

محمدؐ کے پیروؤں کے (جو قدیمی اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان میں بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی ایشیا کی مدت دراز سے یونانی حکما کی بہت سی کتابیں اُنہی کی کوششوں سے فنون اور علم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی اشاعت ہوئی

چیمبرز ان سیکلوپیڈیا میں ایک آرٹیکل لکھنے والے نے مذہب اسلام کی نسبت یہ رائے لکھی ہے کہ مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر تبدل ہوئی ہے اور جس سے اُسکے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اُس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے نا انصافی۔ کذب غرور انتقام۔ غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ اصراف عیاشی۔ بے اعتباری۔ بدگمانی۔ نہایت قابل ملامت کی گئی ہیں۔ نیک نیتی۔ فیاضی حیا تحمل۔ صبر۔ بردباری۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راست بازی۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اُسکی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔

اُسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہم اس بات پر عذر نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا گیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لیے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ کے خلفاء کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سر سبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کیواسطے بغیر کسی علاج

سے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُسکو پناہ نہ ملتی - عربی فلسفہ - قدرتی چیزوں کی تواریخ - جغرافیہ علم تاریخ - صرف ونحو - علم کلام - اور فن شاعری کی (جس کی تعلیم پرانے اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہوگئیں جن میں سے اکثر اُس وقت تک جاری رہینگی اور تعلیم دیجاویگی جب تک نسلیں تعلیم ہونے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی "

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق ومغرب میں جاری ہے" اسلام کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "اسلام نے بچہ کشی کا انسداد کردیا جو اُس زمانہ میں قرب وجوار کے ملکوں میں جاری تھی - گو عیسائی مذہب نے بھی اُسکو روکا تھا مگر اسلام کی برابر اُسکو کامیابی نہیں ہوئی - اسلام نے غلامی کو موقوف کردیا جو اُس ملک کی پُرانی جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کردیا اور صرف اُنہیں لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو اُسکے ہتیاروں نے فتح کیا تھا - اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کردیا - اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا - اسلام نے مذہب کے معتقدونکو اسبات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو یا مذہبی کام کو جبرًا روپیہ دیں اور تمام لوگونکو اس بات سے کہ غالب مذہب کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کردیا - اسلام نے فرقہ متحمد کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصونکو دیئے جو اُس مذہب کے پابند تھے - اُنکو ہر ایک قسم کی پناہ دی اسلام نے مال کی حفاظت کی - سود لینے کو اور خون کا بدلا بغیر حکم عدالت کے لینے

کو موقوف کیا- صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی- اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں بلکہ انکو پیدا کیا اور قائم کر دیا- حرام کاری کو موقوف کر دیا- غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنیکی ہدایت کی"

وہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ "جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اسقدر وسیع اور وثیق اور مستحکم ہیں کہ انکی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں اسی سبب سے بعوض اسکے کہ انکی نسبت اس طرح پر دلیلیں کی جاویں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کے فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں- یا تو انکی نسبت یہ کہا جاوے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا یہ مجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاوے باایں ہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونک دی اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا- جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُنہوں نے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی اسیطرح موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گذر کر ہر ایک قوم کو جسنے اُسکو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فائق کر دیا جن سے اُنکا میل ہوا"

طامس کارلیس نے جو اس زمانہ کی دنیا میں نہایت ناموری عالم ہیں اپنی کتاب میں جسکا نام "لکچرز آن ہیروز" ہے اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ رائے لکھی ہے کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا- عرب کا ملک پہلے ہی پہل اُسکے ذریعہ سے زندہ ہوا- اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب

قوم تھے اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتے تھے اور کسی شخص کو انکا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جسپر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہوگئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز ہوگئی۔ اسکے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہوگئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالنے والا ہے۔ جسوقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اسکے خیالات بارآور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہوجاتے ہیں۔ یہی عرب اور یہی حضرت محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں کس مپرس ایک ریگستان تھا مگر دیکھو کہ یہ ریگستان زور شور سے اڑجانے والی باروت نے نیلے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کردیا" یہ رائیں ہیں عیسائی مصنفوں کی جو انہوں نے اسلام کی نسبت لکھی ہیں۔ اب ہم اپنے خطبہ کے اس حصہ کو انہیں کی رایوں پر ختم کرتے ہیں اور دوسرے حصہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں عیسائی مصنفوں کی اس راے کی کہ اسلام انسانوں کی حالت معاشرت کے حق میں مضر ہوا ہے تردید کی جاتی ہے۔

آنریبل سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں فرماتے ہیں کہ" اگر چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کیجاے تو بھی مذہب اسلام سے تین بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اس میں ایک سے زیادہ جوروؤں کا ہونا اور طلاق دیدینا اور غلام بنا لینا مستحکم

کیا گیا ہے اور[illegible] ہور ہا ہے اور یہ باتیں علم اخلاق کی بیخ کنی کرتی ہیں عام زندگی کو آلودہ اور ناپاک کرتی ہیں اور حسن معاشرت اور انسان کے گروہوں کی حالت کو درہم برہم کردیتی ہیں - دوم یہ کہ مذہبی آزادی یعنی یہ بات کہ لوگ حسبدلخواہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں اور اسکے لوازم بھی آزادی سے ادا کریں بالکل برباد کی گئی ہے بلکہ معدوم کردی گئی ہے - تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا - سوم یہ کہ مذہب عیسائی کی ترقی میں اور اس مذہب کے قبول کرنے میں ایک مزاحمت قائم کی گئی ہے پس اب ہم اپنے اس خطبہ میں ان تینوں خرابیوں میں سے جنکا ذکر سر ولیم نے کیا ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ غور کرینگے -

اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے کہ مذہب اسلام میں ایک سے زیادہ جورواں کرنی اسلام لانیوالوں پر لازمی قرار دی گئی ہیں یا کچھہ زیادہ ثواب کی بات ٹہرائی ہے - بلکہ برخلاف اسکے عموماً ایک سے زیادہ جورواں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی - صرف اُن لوگوں کو اجازت دی ہے جن کو وجوہات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت ہو لیکن اگر یہ عذر نہو تو ایک سے زیادہ جورواں کرنی اُن نیکیوں اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے جنکی ہدایت اسلام نے فرمائی ہے

مگر افسوس یہ ہے کہ جو مخالفت عیسائی مصنفوں اور مسلمانوں کے طور و طریق دستورات و خیالات میں ہے وہ اس امر کا مانع قوی ہے کہ اس معاملہ میں سنجیدگی اور نیک نیتی اور صفائی قلب سے غور کیجائے مثلاً کثرت ازدواج کے لفظ سے ہی عیسائی مصنفوں کے دل میں ایسے مکروہ خیالات گذرتے ہیں کہ وہ اس امر میں ہر ایک بات کی نسبت پہلے ہی سے مصمم ارادہ کر لیتے ہیں کہ اُس میں عیب نکالیں اور اس امر

پر لحاظ نہیں کرتے کہ ملک کی آب و ہوا اور مرد و عورت کی تعداد اور مختلف طبعی وجوہات اور معاشرت کے لحاظ سے وہ کس حالت میں اور کس حد تک جائز ہو سکتی ہے۔

ہم اس معاملہ کی نسبت تین امر یعنی قانون قدرت اور باہمی معاشرت اور مذہب کے لحاظ سے بحث کرینگے۔ چنانچہ پہلے امر پر غور کرنے کے لیے ہم اس بات کا دریافت کرنا (بشرطیکہ ممکن ہو) ضرور سمجھتے ہیں کہ اس امر میں تمام ذی روح مخلوقات کے پیدا کرنیوالے کی مرضی اور ارادہ کیا تھا۔ یعنی اُسنے انسان کثیر الازواج ذی روح بنایا ہے یا نہیں۔ خالق کائنات کا ارادہ جو کچھ کہ ہو صاف صاف بلا کسی حجت و تکرار کے قدرت کے تمام کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر صریح ناممکن ہے کہ اُسکی مرضی اُن چیزوں کے برخلاف ہو جو اُس کی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں۔

پس ہم قانون قدرت کی بے خطا نشانیوں سے پاتے ہیں کہ جن ذی روح کی نسبت اُن کے خالق کا یہ منشاء تھا کہ اُن کے صرف ایک ہی مادہ ہو اُنکی نسل ہمیشہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی ہے جن میں سے ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے برخلاف اسکے جن ذی روح کے متعدد مادائیں ہونی ضرور ہیں اُن کے ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ نر و مادہ کی تعداد میں باہم ایک ہی نسبت ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو جاندار زمین پر رہنے والے اور چلنے والے ہیں وہ اکثر بلکہ قریباً کل کے اسی قسم کے ہیں۔ پس اس قانون قدرت کے بموجب انسان بھی اسی دوسری قسم میں داخل ہے مگر چونکہ رتبہ میں بوجہ اُس بیش بہا و نادر و عجیب قوت کے جسکو عقل یا نطق یعنی مدرک کلیات و جزئیات کہتے ہیں اور اُس کے خالق نے اُس میں ودیعت کی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف ہے اسلیے اُسکا فرض ہے کہ جو قوتیں اور حقوق مثل اور

نو بیویوں کے جو اُسکے گرد پیش رہتے ہیں قدرت نے اُسکو عطا کیے ہیں اُنکو احتیاط کی
اور موقع بموقع بلحاظ امورات طبعی اور حسن معاشرت اور انتظام خانہ داری یا نظم ملکی و قوانین
حفظان صحت اور ملک کی تاثیرات آب و ہوا کے کام میں لاوے ورنہ اس میں اور دیگر
حیوانات میں جو اُسکے آس پاس پھرتے ہیں کچھ فرق نہیں ہے اور ایک بکری یا مرغی
سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتا ہے پس بیبیکہ کثرت ازدواج اکثر حالتوں میں قابل نفرت ہی
ویسے ہی قطعی التزام ایک سے زیادہ نہ ہونے کا خلاف فطرت ہے

دوسرے امر کی نسبت یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ انسان اپنی فطرت
سے مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اسی بات کو توریت میں یوں بیان کیا ہے کہ جب کہ
خدا تعالیٰ کو یہ خیال آیا کہ انسان کا اکیلا ہونا اُسکے حق میں اچھا نہیں ہے تو اُس نے
اُسکے واسطے ایک ساتھی پیدا کیا۔ اور وہ عورت ہی جو اسواسطے پیدا کی گئی ہے کہ
انسان کی زندگی کے تفکرات و ترددات۔ لطف و فرحت۔ رنج و راحت میں شریک
ہو۔ اپنی مجانست سے اُسکی خوشی کو بڑھاوے اور اپنی محبت اور الفت کی بھری ہوئی
ہمدردی سے اُسکی تکلیف کو کم کرے اور سب سے اخیر غرض جسکے لیے وہ پیدا کیگئی
ہے یہ ہے کہ انسان کے ساتھ شریک ہو کر خدا کے اس بڑے حکم کی تعمیل میں کہ بڑھو
اور پھلو اور زمین کو آباد کرو مدد دے گر جب کبھی یہ مددگار کسی سبب سے اپنے ان قدرتی
فرضوں کے ادا کرنے میں قاصر ہو تو اُس دانشمند حکیم خالق زن و مرد نے اس نقصان
کے رفع کرنے کی بالیقین کوئی تدبیر رکھی ہوگی اور وہ بجز اُسکے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایسی
حالتوں میں ایک سے زیادہ مگر حد خاص تک ایک ہی وقت میں جورو میں رکھنے کی اجازت
ہو خواہ یہ ہو کہ پہلی زوجہ کے طلاق دینے کے بعد دوسری جورو کرے پچھلا حق عورت

کو بھی حاصل ہونا چاہیے چنانچہ مذہب اسلام کی رو سے اُسکو حاصل ہے۔ سیاست مدن کے لحاظ سے صرف اتنا فرق ہے کہ مرد جب چاہے اس علاج کو کرسکتا ہے لیکن عورت کو اول جج (یعنی قاضی) کی اجازت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اس تدارک کی انسان کو اجازت نہوتی جسکی ضرورت ہمنے صاف صاف لفظوں میں ثابت کی ہے تو اُس کے سبب سے حسن معاشرت میں نہایت نقصان پہونچتا کیونکر ایسی سخت قطعی قید سے نہایت قبیح اور بدترین برائیوں اور گناہوں کی طرف انسان کو مائل ہونا پڑتا۔ اگرچہ اس نقصان کا تعلیم و تربیت کی ترقی سے کم ہونا ممکن ہے لیکن مٹنا محالات سے ہے پس جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں اُسکے عمل میں نہ لانے سے وہی تمام نقصان پیدا ہوتے ہیں جو حسن معاشرت کے لئے سم قاتل ہیں۔

مسٹر مکنز صاحب نے جو اپنی رائے نسبت تعداد ازدواج لکھی ہے اور جان ڈیون پورٹ نے جو مانٹسکیو کی رائے اس باب میں نقل کی ہے اُسکا اس مقام پر بیان کرنا بے موقع نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات افسوس کی ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے تعدد ازدواج پر صرف ایک نظر سے نگاہ کی ہے یعنی امورات طبعی کے لحاظ سے گر مذہب اسلام میں یہ خاص اجازت حالات خاص میں صرف امورات طبعی ہی کے لحاظ سے نہیں دی گئی ہے بلکہ جیسا ہمنے اوپر بیان کیا اس غرض سے دی گئی ہے کہ تزوج کی تلخیوں کے واسطے اور مقاصد تزوج کے فوت ہوجانے کی حالت میں ایک تدارک حاصل ہو جو عین مرضی آدم و حوّا کے پیدا کرنے والے کی اُسکی قدرت کے کاموں کی نشانیوں سے معلوم ہوتی ہے۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے مانٹسکیو کی یہ رائے نقل کی ہے کہ "گرم ملک میں

عورتیں آٹھ یا نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کے لایق ہو جاتی ہیں۔ پس ان ملکوں میں
بچپن اور نکاح کے لایق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ بیس برس کی عمر میں
وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں۔ پس اسلیئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ان ملکوں میں جبکہ کوئی
قانون مانع نہو انسان ایک جورو کو طلاق دیکر دوسری جورو کرے اور تعدد ازدواج
کا قاعدہ جاری کیا جاوے"

مسٹر گیبز صاحب لکھتے ہیں کہ "علم قواے انسانی اور علم طبعیات کے ماہرین نے
بعض وجوہات ایسے دریافت کیئے ہیں جو کثرت ازدواج کے واسطے اعلیٰ ایک
عذر کے متصور ہو سکتے ہیں اور ہم شمالی ملکوں کے سرد ملک والے مینڈک کے سے مزاج
کے جانوروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں مگر ہم انہیں سے جو گرم ریگستان کے
رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں علاوہ اسکے وہ بیان کرتے ہیں کہ سر ڈبلیو اوسلی
صاحب کے مشرقی مجموعہ صفحہ ۸۰ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر
سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب
و ہوا میں نہیں ہے جہاں دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی کو پہونچتے ہیں مگر
ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی قوی اور طاقتور رہتا ہے
اگر یہ بات سچ ہے تو بانی مذہب اسلام کے لیئے اس بات کی کہ انہوں نے متعدد جورو
کی اجازت دی ایک وجہ بڑی تھی اور یہ ایک کافی سبب اس بات کا ہے کہ حضرت
عیسیٰ نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی راے ظاہر نہیں کی بلکہ اسکو ملکوں کی
گورنمنٹوں کے آئین پر چھوڑ دیا کیونکہ جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ
کے واسطے نامناسب ہوگی"

اب ہم اس مقام پر اُن بدعادتوں اور خراب اخلاق کا جو آنحضرت صلعم سے پہلے
ایام جاہلیت میں عموماً جاری تھے اس ناظرفدارانہ بحث میں ذکر نہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے
ہیں ملک ایران اپنے اخلاق کی خرابی میں سب سے بڑا ہوا تھا وہاں قوانین نکاح
بالائے طاق رکھدے گئے تھے اور رشتہ داری کا گروہ کیسے ہی قریب ہو یا بعید مطلق
پاس ولحاظ نہیں تھا۔ بیٹے کو اُسکی ماں ایسے ہی حلال تھی جیسے باپ کو اُسکی بیٹی اور بھائی
کو اُسکی بہن۔ غرضکہ اس معاملہ میں فی الواقع ایک جانوروں کے گلہ سے مشابہت رکھتے
تھے جو کسی قسم کے قانون کے پابند نہیں ہوتے۔ ایران کے گوشہ شمال و مغرب میں
یہودی بکثرت آباد تھے۔ اُن کے ہاں کثرت ازدواج کی رسم بلاکسی قید اور حد کے
بے روک ٹوک کے جاری تھی۔ اور زمانہ جاہلیت کے عرب کے حالات کو بنظر غور دیکھنے
سے جہاں یہودیوں اور ایرانیوں کے دستورات خلط ملط ہو گئے تھے معلوم ہوتا ہے
کہ عرب میں یہ دونوں رسمیں یکساں جاری تھیں۔ تعدد ازدواج کی کچھ انتہا نہ تھی۔ لوگ
جس عورت کو چاہتے تھے پسند کرتے تھے اپنی پسند میں کسی قسم کے قانون کے پابند
نہ تھے۔ تمام عورتیں بغیر کسی امتیاز و رتبہ یا عمر یا رشتہ داری کے مردوں کی وحشیانہ
خواہشوں کے پورا کرنے کا کام دیتی تھیں۔ عورتوں کی نسبت بدمنی کے وحشیانہ خیالات
اور اُن کے ساتھ وحشیانہ حرکات کا افتخار صرف بے عیب ہی نہیں گنا جاتا تھا بلکہ شیخی
اور عالی ہمتی اور بڑی بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اُس زمانہ کے عیسائی مذہب پر (اگر
وہ مذہب عیسوی کہا جا سکے) جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُسکے معتقدوں کو ایک ایسے
طریقہ کا پیرو پاتے ہیں جو اوپر کے دستوروں سے بالکل برخلاف ہے یعنی ایک ہی
جورو کرلی کچھ نیکی نہیں گنی جاتی تھی بلکہ رہبانیت و تجرد محض کی عام ہدایت تھی ۔۔۔

عورت دونوں کے لئے وہی تنگی ہو جاتی تھی ایسے زمانہ میں جبکہ عقل کی اور دل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور رسم و رواج اور اخلاق اور طرز معاشرت اس درجہ بگڑ گیا تھا۔ بانی اسلام نے نہایت خوبی اور دانشمندی سے ایک ایسا عمدہ قانون بنایا جو لحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی اور بہبودی اور حسن معاشرت کی ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لئے اُن تکلیفوں کو دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے۔

تیسرے جبکہ ہم اس معاملہ پر بلحاظ مذہب کے بحث کرنا چاہتے ہیں تو ہم پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ دو اور الہامی مذہبوں نے یعنی یہودی مذہب نے اور خصوصاً عیسائی مذہب نے جسکے پیرو مذہب اسلام کے اس مسئلہ پر نہایت طعن کرتے ہیں اس باب میں کیا کیا ہے اور اُسکے بعد ہم دکھا دینگے کہ مذہب اسلام نے کیا کیا اور پھر اہل انصاف سے پوچھینگے کہ مذہب یہودی نے تعدد ازدواج کو روکا ہے یا مذہب اسلام نے

مذہب یہود تو ایک مخزن ہے جس میں بکثرت ازدواج اور بلا تعین حد موجود ہے عیسائی مذہب نے بھی تعدد ازدواج کی کہیں ممانعت نہیں کی چنانچہ ہم اپنے اس قول کی تائید میں چند مشہور و معروف عیسائی عالموں کی رائیں نقل کرتے ہیں جنسے تعدد ازدواج کی تائید ہوتی ہے۔ مسٹر ملکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد نے اس نہایت قدیم موسوی مذہب کے مقنن کی پیروی کرکے اپنی قوم کو جو اسمٰعیل کی اولاد ہے (جو مسلمانوں کے باپ کا بیٹا تھا) متعدد بیویوں کی اجازت دی اسواسطے عیسائی ہمیشہ آپپر عیب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیرووں کی کمینہ خواہش کو پورا

کیا لیکن میں نہیں جانتا کہ متعدد بیویوں کی اجازت کی نسبت ایسا سخت طعن کیوں کیا
جاتا ہے - حضرت سلیمان کی نظیر اور حضرت داؤد کی نظیر پر (جو خدا کی دلی مرضی کے
مطابق چلتے تھے اور جنکو خدا نے خاص اپنی شریعت کی احکام کی تعمیل کے لیے بنایا
تھا) یہ امر چنداں اعتراض کے لائق نہیں ہے - خصوصاً اس وجہ سے کہ عیسیٰ مسیح
نے بھی ان نبیوں میں سے جنکو اُن کے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی کسی
نے اُنکے احکام کے قلمبند کرنے کے واسطے تحریر کیا تھا کسی انجیل میں اس کی ممانعت
نہیں کی ہے"

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی کتاب میں بائبل کی بہت سی آیتوں کے حوالے سے لکھتے
ہیں "ان آیتوں سے پایا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج صرف پسندیدہ ہی نہیں ہے بلکہ خاص
خدا نے انہیں برکت دی ہے" نہایت مشہور و معروف عالم جان ملٹن تعدد ازدواج کا ایک
مشہور حامی ہے جس نے اس امر کی تائید میں بائبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنے
کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ علاوہ اسکے خدا نے ایک تمثیلی صورت (حزقیل) میں مسماتان
اہولا و اہولیبا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا ہے اور یہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اُس کو
خداوند تعالیٰ تخصیص مع حوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز نہ اختیار کرتا اور نہ در
حقیقت ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جسکی دلالت اُس سے ہوتی ہے فی نفسہٖ معیوب
یا مذموم ہوتی پس جب رسم کا امتناع انجیل میں بھی کہیں نہیں ہے وہ کیونکر معیوب یا مذموم
خیال کی جاسکتی ہے - کیونکہ انجیل میں اُن ملکی آئین میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا
ہے جو انجیل سے پیشتر جاری تھے -

جان ملٹن یہ بھی کہتے ہیں کہ میں عبرانیوں کے خط کے باب ۱۳ اور س ۴ سے

اس طرز سے جواز تعدد ازدواج پر استدلال کرتا ہوں کہ تعدد ازدواج کی رسم یا تو نکاح
جائز ہے یا فجور ہے یا زنا ہے۔ پس اُس مقدس رسول نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں
کی۔ پس میں یقین کرتا ہوں کہ اُن بہت سے بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو
کثیر الازواج تھے ہر ایک شخص اسکو فجور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا کیونکہ خدا حرام
کاروں اور زانیوں کو سزا دیگا حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر تھی جیسا آپ خود اُسنے
فرمایا ہے پس اگر متعدد نکاحوں کا کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح ہے تو وہی جائز ہے اسیطرح اِس
کا قول ہے کہ سب میں نکاح کرنا بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں۔

یہ حال تو تعدد ازدواج کی نسبت مذہب موسوی اور عیسوی میں تھا اب ہم
کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھکر تعدد ازدواج کو نہایت خوبی سے
روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے تعدد کو صرف ایک نہایت محدود
خاص حالت میں جائز کہا ہے۔ ہمکو کچھہ شبہہ نہیں ہے کہ سچا مسئلہ سچے مذہب کا
جو اسکی مرضی کے موافق ہو جس نے مرد و عورت کا جوڑا پیدا کیا ضرور ایسا ہوگا جو قانون
قدرت کے تو برخلاف نہ ہو اور حسن معاشرت میں کوئی نقصان نہ پیدا کرے اور وہ یہی
ہو سکتا ہے کہ عموماً کثرت ازدواج کی ممانعت اور صورتہاے خاص اور حالات مستثنیٰ
میں اجازت ہو اور ٹھیک یہی مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا ہے قران مجید نے اس نازک
معاملہ اور دقیق اور پیچ مطلب کو نہایت فصیح و بلیغ دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے
جہاں فرمایا ہے کہ "فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ" یعنی اگر تمکو خوف ہو کہ
متعدد جوروؤں میں عدل نہ کر سکوگے تو صرف ایک ہی جورو رکھنی چاہیے۔ اگر ان لفظوں پر
کافی غور نہ کی جاوے اور صرف اوپری اوپری معنی لئے جاویں جیسے کہ اکثر علما اور

فقہانے سے ہیں تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو بے اعتدالی سے باز رکھنے کی
غرض سے (جو ہمیشہ بدتر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہیں) اور اس بات کا یقین ہونے کی
نظر سے کہ جس شخص نے ایک سے زیادہ جورویں کیں وہ ایک واقعی ضرورت کے سبب
سے مجبور تھا بہت سخت قیدیں اور شرطیں لگائی گئی ہیں مثلاً یہ کہ سب کو بالکل برابر حق
حقوق دینے اور سب کے ساتھ برابر محبت رکھنی تاکہ عدل کے معنی متحقق ہوں - پس جو
لوگ سچے دیندار اور درحقیقت مذہب کے تابع ہیں وہ از خود بجز ضرورت مجوزہ کے ایک
سے زیادہ جورویں کرنے سے باز رہتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اس اجازت
سے بغیر اس کی شرائط کے پورا کئے جن کا پورا کرنا نہایت مشکل ہے فائدہ اٹھانا اپنے
مذہبی فرائض کو ٹھیک ٹھیک طور پر ادا کرنا نہیں ہے -

لیکن اگر ان مختصر لفظوں پر بتعمق نظر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ شارع نے
ایک سے زیادہ جورو کرنے کی اجازت کو نہایت محدود اور خاص حالت میں مخصوص کر دیا
ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو خوف ہے کہ عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی
ہونی چاہیئے لفظ خوف عدم عدل ایک ایسا لفظ ہے کہ جب تک محل عدل ساقط نہو
خوف عدم عدل زائل نہیں ہو سکتا - گو اسوقت ہم کیسا ہی سچا ارادہ کریں کہ ہم دونوں
جوروؤں میں عدل کرینگے (جو درحقیقت بحالت قیام محل عدل ناممکن ہے) تب بھی خوف
عدم عدل اگر محل عدل قایم ہے زائل نہیں ہوتا -

دوسری جگہ قران مجید میں اس کی بخوبی تفصیل ہے جہاں خدا نے اُن لوگوں
کی نسبت جن کے پاس متعدد جورویں تھیں صاف صاف فرمایا ہے کہ تم ہرگز متعدد
ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء - جوروؤں میں عدل نہ کر سکو گے گو تم

ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا	عدل کرنے کی تم ہی حرص کرو پس مت جھک
کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ	پڑو ایک ہی طرف جھک پڑنا تاکہ چھوڑ دو اسکو
کان غفوراً رحیماً وان یتفرقا یغن اللہ کلاً	ادھر میں لٹکتے ہوئے کہ نہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہے
من سعتہ وکان اللہ واسعاً حکیماً	کہ دوسرا شوہر کرسکے اور نہ سہاگن ہے کہ خصم
سورۃ نساء۔	کے ساتھ خوشی سے زندگی بسر کرے پھر اگر

تم صلح کرلو اور پرہیزگاری کرو تو بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر تم دونوں جدا ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسعت رزق سے بے پروا کریگا اور اللہ بڑی وسعت والا حکیم ہے۔ اس آیت سے صاف ثابت ہو گیا کہ عدل غیر ممکن ہے اور اسلیئے خوف عدم عدل کبھی ساقط نہیں ہو سکتا جب تک کہ محل عدل باقی ہے اور اس آیت میں طلاق کو مسقط محل عدل بتایا ہے اگرچہ اور بھی چند امور مثلاً امراض یا نقصان خلقت مسقط محل عدل ہو سکتے ہیں پس اجازت تعدد ازواج کی عدم وجود محل عدل میں منحصر ہوگی اور عدم وجود محل عدل مستلزم عدم حسن معاشرت ہے پس کس دانائی اور احتیاط اور خوبی اور بے انتہا عمدگی سے شارع نے قانون قدرت اور حسن معاشرت دونو کو قائم رکھکر اس باب میں حکم دیا ہے اور ہر غیر متعصب شخص کا دل قبول کریگا کہ بیشک یہ حکم اُسی شخص کا ہے جس نے مرد و زن کا جوڑا پیدا کیا ہے۔

ہاں بلاشبہہ اس اجازت سے اوباش اور شہوت پرست آدمیوں کو جن کی زندگی کا عین منشا ٹٹی کی اوجھل شکار کھیلنا ہے ایک حیلہ ہاتھ آگیا ہے مگر اس عمدہ اور مفید قاعدہ کے بیجا عمل درآمد کرنے سے وہ لوگ اُس خدا کے سامنے جوابدہ ہونگے جو انسانوں کے دلوں کا محرم راز ہے اور وہ یقیناً اُنکو اس قسم کی سزا دیگا جو اُن کے گناہ کے لائق ہے

واجب ہوگی۔

ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے یقین کرینگے کہ یہ جو تعدد ازدواج اس زمانہ میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوئی اور دو دو اور تین تین اور چار چار جوروئیں کرنے لگے اور ایک بازار کی عورت کو داؤں پر چڑھایا اور نکاح کر مارا۔ جہاں مقدس بزرگ مولوی ہوئے احمدمیاں کے سانڈ بنے اُس ریڈی کو بے ڈالا اور وعظ کہنے لگے اور سنت نکاح ثانی کو جاری کیا۔ قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبۃ النکاح کا پڑھانے لگے۔ اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا اسلام میں پیدا کرکے عورتوں کو کھنگالنا شروع کردیا۔ ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جسنے اسلام کو نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جسنے اسلام کا نام بد ہوتا ہے۔ پس ایسے شخصوں کے افعال پر اسلام کی خوبی و حقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لئے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے۔

اب طلاق کی نسبت ہمکو گفتگو کرنی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس طرح ہم نے تعدد ازدواج کی نسبت تین طرح پر یعنی قانون قدرت حسن معاشرت اور مذہب کی رو سے بحث کی ہے اس طرح پر بحث نہیں ہوسکتی اور اس لئے ہم اس مسئلہ پر صرف بلحاظ حسن معاشرت اور مذہب کے بحث کرینگے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام قدیم و جدید قوموں و مذہبوں میں نکاح کا عام رواج ہے اور وہ علی العموم انسان کی ذاتی و تمدنی بہبودی کی بنیاد ہے تو جو چیز اُسکو منقطع کرنے والی ہے یعنی طلاق وہ نہایت ہی بدچیز فوائد ذاتی و تمدنی کو برباد کرنیوالی ہوگی۔ پس

وجہ ہے کہ روم کے گرجا نے بہ نظر اُس کی حفاظت کے نکاح کو اپنے ساتھ پاک رسموں میں قرار دیکر اُسکو متبرک ٹھرایا ہے اور انگلستان کے پروٹسٹنٹوں نے طلاق کا حکم صرف ایک حالت میں جائز رکہا ہے جبکہ ہوس آف لارڈز سے زرکثیر صرف کرنے کے بعد حاصل ہو۔ یہ انتظام ۱۸۵۷ء تک قایم تہا یعنی اُسوقت تک جبکہ طلاق کے تمام مقدمات کے سننے اور جیوری کی راے سے اُسکی نسبت تجویز ہونے کے لیے ایک نئی عدالت قائم کی گئی۔

عموماً یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ سب سے بڑا دشمن حسن معاشرت و تمدن کا طلاق ہے اُسکے سبب سے نکاح کی وقعت گہٹ جاتی ہے اور مرد کی محبت کا عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ اعتبار نہیں رہتا۔ لیکن اس بات سے بہی انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر کسی سبب و حالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا ہوجاویں جو کسی طرح اصلاح کے قابل نہیں تو انکا بہی کچہہ علاج ہونا چاہئے اور وہ علاج طلاق ہے۔ پس کچہہ شک نہیں ہے کہ ایسی حالت میں طلاق سے فایدہ ہے اُس کے باعث سے مرد و عورت کو آزادی ہوجاتی ہے جن کے مزاج کی مخالفت یا سختی یا بے استقلالی سے دونوں کی زندگی تلخ ہوگئی تہی۔ باینہمہ اگرچہ طلاق ایک شخص واحد کے حق میں مفید ہو لیکن بلحاظ اُن بداخلاقیوں کے جو اکثر اوقات نہایت آشکارا طور پر وقوع میں آتی ہیں اور نیز اُس مسرت بخش اثر کی وجہ سے جو طرفین کی اولاد پر اپنے والدین سے جدا ہونے سے ہوتا ہے تمدن کے حق میں کچہہ کم مضرت پہونچانیوالا نہیں ہے۔ پس جبکہ طلاق کے ساتھ ایسی خرابیاں لگی ہوئی ہیں تو اُسکو بطور ایک علاج کے سمجہکر اُسی حالت میں اُس کی جانب رجوع کرنا جائز ہوسکتا ہے جبکہ اُسپر عمل کرنے سے ایسی مصیبتیں جو طلاق کی مصیبتوں

سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوں اور ایسے ترددات اور تفکرات میں ڈالنے والی ہوں جو طلاق کے رنجوں سے بھی زیادہ رنج دینے والی اور روزافزوں رنجشیں پیدا کرنیوالی اور باہمی حسن معاشرت کے بدلے دن رات کی لعن وطعن جوتی پیزار رکھنے والی ہوں دور ہوسکتی ہوں۔ اگر ایسی حالت میں طلاق کو جائز رکھا جاوے (جیسے کہ اسلام نے صرف اسی حالت میں اسکو بے گناہ ٹھیرایا ہے) تو وہ کسی طرح حسن معاشرت کے مخالف نہیں ہے بلکہ اُسکی اصلاح کرنیوالی اور ترقی دینے والی ہے۔

جبکہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جسنے طلاق کے مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید و شرط و حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھکر جورو کے حوالہ کردے، اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے اور کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ "میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے"۔ اگر اس فقرہ سے عدم جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سمجھہ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تھا جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن کے تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح کے معتقدوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ "اگر جورو سے مرد کا یہ طور ہے تو جورو کرنا خوب نہیں"، پس اگر یہ حکم

اسیطرح مانا جاوے جسطرح کہ اس زمانہ کے عیسائی مانتے ہیں تو حسن معاشرت کے لئے
نہایت ہی مضر ہے اور جو رنج وہ امور زن و شوہر میں واقع ہو جاتے ہیں جن سے تمام
حسن معاشرت اور اغراض تزوج برباد ہو جاتے ہیں اُسکا کچھ بھی علاج نہیں ہے اور زن
و مرد دونوں کے لئے اور بہت سی خرابیاں اور خوفناک حالتوں میں پڑنے کا اندیشہ ہے
باینہمہ بعض عیسائی عالموں کی یہ رائے ہے کہ اس حکم سے عدم جواز طلاق نہیں پایا جاتا اور
اس لئے وہ عالم عیسائی مذہب کی رو سے بھی طلاق کا جائز ہونا سوائے زنا کے اور حالتوں
میں بھی تسلیم کرتے ہیں - چنانچہ جان ملٹن نے اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں یہ
بحث لکھی ہے کہ "نکاح کی جو تعریف کی گئی ہے اُسکی رو سے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد
ہے مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے" بعض لوگ اُسکے ناقابل تفریق ہونے
کی نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ وہ
دونوں ایک تن ہو جاوینگے" اگر ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جاوے تو اسکے یہ
معنی نہیں ہیں کہ نکاح قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ ان سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہئے کیونکہ جو کچھ نکاح کے ناقابل انفکاک
ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح اور اُسکے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری
پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجہ کے
خیال کئے جاویں اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں ان لفظوں کے ساتھہ یہ لفظ بیان کئے
گئے ہیں کہ "مرد اپنے ماباپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہیگا - اور وہ دونوں ایک تن ہونگے
یعنی بشرطیکہ نکاح کی اصلی نوعیت کے مطابق (جسکا بیان کتاب پیدایش باب ۲ ورس ۱۸
لغایت ۲۰ میں ہے) عورت خاوند کے واسطے ایک مددگار ہو یا یہ کہ جانبین کی باہم خیرخواہی

اور محبت اور آرام وفاداری میں کچھ فرق نہ آوے کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے لیکن اگر اصل منشاء نکاح کا منقطع ہوجاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی دراصل منقطع ہوگیا۔

دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جس پر بڑا زور دیا گیا ہے یعنی جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے" لحاظ کے قابل ہے۔ مگر نکاح ہی کے عقد سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا نے کس چیز کو ملایا ہے؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ کے قابل ہے اور جو مناسب ہے بہتر ہے اور محترم ہے۔ اُس نے انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نامناسب حالت کے ملاپ کا حکم نہیں دیا جس میں صرف بیعزتی اور تکلیف اور عداوت اور مصیبت بھری ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ کچھ اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہیں ہوں۔ بلکہ جبراً یا عاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں پس ایسی ناگوار خانہ داری کی برائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے ناجائز ہے۔ علاوہ اسکے ہمارا مسئلہ اُن شخصوں کو جدا نہیں کرتا جنکو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے بلکہ صرف اُن شخصوں کو علیحدہ کرتا ہے جن کو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جدا کر دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا حکم ہے جسکا اثر ہم پر اب ایسا ہونا چاہیئے جیسا کہ سابق میں اسکی اُمت پر ہوتا تھا۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جسکی ترقی بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں اُسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ سے ہم میں زبردستی اسکا رواج نہیں دینا چاہیئے بلکہ اگر ہو تو اُسکو ترغیب اور عیسائی پند و نصائح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیئے کسی شخص کی نسبت صرف اس حالت میں یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اُس نکاح کو قطع

کیا جو شرعاً منعقد ہوا تھا جبکہ وہ احکام الٰہی میں اُن باتوں کو زیادہ کرکے جو خاص اس حکم میں شامل نہ ہوں مذہب کے حیلہ سے اُس شخص سے جدا ہو جائے جو اُسکی منشا کے موافق ہو کیونکہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے منصفانہ اور پاک اور مقدس قانون میں صرف مختلف وجہوں پر طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اُسکو جائز قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں اُسکی ہدایت کی ہے اور بحالت خلاف ورزی سخت سزائیں قرار دی ہیں دیکھو کتاب خروج باب ۱۲ ورس ۴ و ۱۰ و ۱۱ - اور کتاب استثنا باب ۲۱ ورس ۱۴ اور باب ۲۴ ورس ۱ و کتاب عزرا باب ۱۰ ورس ۴ نحمیا باب ۲۳ ورس ۳۰ -

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ ورس ا میں لکھا ہے کہ جب کہ کوئی شخص ایک بیوی کرے اور اُس سے نکاح ہو جائے اور ایسا اتفاق ہو کہ وہ اُسکو پسند نہو کیونکہ اُس میں کچھ ناپاکی ہے تو اُسکو چاہیے کہ ایک طلاقنامہ لکھکر اُسکے ہاتھ میں دیدے اور اُسکو اپنے گھر سے نکال دے " پس اگر فرض کیا جائے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے وہ سچا ہے مصنوعی نہیں تو اس مقام میں خداوند تعالیٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی میں اس غرض سے دی کہ وہ اُسکی مدد اور تسلی اور خوشی کا باعث ہو جیسا کہ خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی اور اذیت و مصیبت کی باعث ہو تو ہمکو کیونکر یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا ہمسے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا - میں دل کی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اُس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ کہ اُس شخص سے جو اُسکو ایسی صورتوں میں گھر سے نکال دے اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت سلیمان یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمان کے مُنہ سے یہی بات کہی ہے چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمان باب ۳۰ ورس ۲۱ و ۲۲

میں لکھا ہے کہ "تین چیزوں سے دنیا کو بےچینی حاصل ہوتی ہے بلکہ چار چیزیں ہیں جن کو وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے اور ایک مکروہ عورت سے جبکہ اُسکا نکاح ہوجاوے" اسکے برخلاف کتاب واعظ باب ۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت کے ساتھ جسی خوشی سے بسر کر جسکو اُس (خدا) نے تجھے دیا ہے اور جسکو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانہ میں پیار کرتا ہے" پس جو عورت اُسنے تجھکو دی ہے وہ عورت ہے جسکو کہ تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے تو نفرت کرتا ہے اور کتاب ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص نفرت کرتا ہے (یا اس وجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے) اُسکو چاہیے کہ اُسکو چھوڑ دے" چنانچہ یونیوس سے پہلے سب نے اس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے[له] پس معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس حکم کو حضرت موسیٰ کی معرفت اس غرض سے صادر نہیں فرمایا اور نہ اس نبی کی معرفت اُسپر اُسکو اس غرض سے دوہرایا کہ شوہر کو اپنی سنگدلی کے برتاؤ کا موقع ملے بلکہ اس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اس بدنصیب عورت کو اسکے اثر سے بچاوے کیونکہ اس میں کوئی سنگدلی نہیں ہے کہ اس عورت کو عزت سے اور بلا تکلف رخصت کر دے جسکا خود ہی یہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی - ایسی عورت جو نہ صرف یہی ہے کہ محبوب نہیں ہوئی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اس سے نفرت اور عداوت کی جاتی ہو - غرضکہ جس عورت کا یہ حال ہو اُس کو ایک نہایت

له صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح پر ہوئے ہیں -

ترجمہ عربی سنہ ۱۸۱۱ء میں ہے "وامراۃ شبابک لا تترک لکن ان ابغضتہا سرحہا" اور ترجمہ عربی طبوعہ سنہ ۱۸۷۱ء میں "وزوجۃ غلامتک لا تردہا اذا ابغضت فاطلق - اور ایسا ہی رومن کیتھلک بیبل میں ہے اور انگریزی ترجمہ پروٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے ملٹن نے استدلال کیا ہے -

تکلیف دہ قانون کا اتباع کرکے اُسکے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے جوئے میں
رکھنا (کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہی ہوتا ہے) جسکو نہ تو اسکے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی
ہو یہی درحقیقت ایسی سختی ہے جس میں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ اسیوجہ سے
خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دیدی ہے جسکا اگر مناسب طور سے عمل درآمد کیا
جاوے تو وہ نہایت منصفانہ اور رحیمانہ ہے بلکہ اسنے اُسکے فائدہ انکو اُن شخصوں تک
بھی وسعت دی ہے جن کی نسبت وہ یہ جانتا تھا کہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے اسکا
بیجا عملدرآمد کرینگے اور اُسی نے بدکار آدمیوں کی سنگدلی کو اگر نا اس سے بہتر تصور
فرمایا کہ نیک آدمیوں کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا میں رسم کا ایک ربانی
برکت سے ایک بدترین مصائب ہو جانے کا اندیشہ تھا خود اسی کو درہم برہم کردے
خود حضرت عیسیٰ نے نویں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق کی اجازت دی ہے
اور یہ بات نہوتی اگر خداتعالیٰ کو یہ بات منظور ہوتی کہ جن شخصونکو خدا نے ایک مرتبہ عقد
نکاح میں باندھ دیا ہے وہ ہرگز آیندہ جدا نہوں مگر مشرقی زبانوں کے محاورہ کے
بموجب اُس لفظ سے جسکا ترجمہ زنا کیا گیا ہے صرف زنا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ یا تو اُس
سے وہ چیز مراد ہے جسکو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے امر کا نقصان مراد ہے جو
جس امر کا ایک بیوی کی ذات میں ہونا واجباً ضروری ہے جو کتاب استثنا کے ۲۴ باب
کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سیلڈن نے سب سے پہلے اپنی کتاب اکزور ہیبرایا میں
ایسے محاورہ کو بہت سی ربائین یہود کی شہادت سے ثابت کیا ہے۔ اور یا اس سے
وہ شے مراد ہے جو محبت۔ وفاداری۔ باہمی اعانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین
نکاح کے مقصد کے خلاف ہو کہ ہرگز اس سے موافقت نہو سکے جیسا کہ سیلڈن نے

ثابت کیا ہے اور میں نے بھی ایک دوسرے رسالہ میں ثابت کیا ہے کیونکہ جس وقت فریسیوں نے یہ سوال کیا تھا کہ آیا ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے طلاق دینا جائز ہے یا نہیں تو یہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات تو بخوبی مشہور و معروف تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری نہ تھا اور وہ بھی طلاق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے ۔ پس اس مقام پر اس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہئیں جیسا کہ کتاب مقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب باب ۱۹ ۔ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ "اسکی بیوی زنا کر کے چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ ایسی حالت میں اسکو جرأت نہ ہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے شوہر سے تمردانہ (نشوز) برتاؤ کر کے چلی گئی ۔ اور نہ ایسی صورت میں (یعنی جبکہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولوس مقدس کسی کافر مرد یا عورت کے جدا ہو جانے کے سبب سے طلاق[۱] کی اجازت دیتے اگر یہ بھی ایک قسم کا زنا ہوتا ۔ اس بحث سے یہ امر کچھ متعلق نہیں ہے کہ یہ مسئلہ کافر مرد یا عورت کے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے (پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی منشا کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور مستقل عداوت اور طرفین کی جانب سے ناپسندیدہ برتاؤ کے سبب سے قطع کر دیا جائے ۔ پس خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے جب کہ وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے

---

[۱] اس مقام پر پولوس کے خط موسومہ قرنتیان کے ساتویں باب کی ۱۵ ۔ آیت پر اشارہ ہے۔

آسنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہیے۔ گناہ کے بعد حالات کے تغیر کے موافق اور نیز اس نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے ضرر سے محفوظ رہے اُسنے نکاح کے انفکاک کی اجازت دی اور یہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے او حضرت مسیح نے بھی اسکی ممانعت نہیں کی پس ہر ایک معاہدہ سے جبکہ ابتدا عمل میں آوے اسکا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسے ہی جلد کیوں نہ ٹوٹ جاوے اور نہ ابتک کوئی معقول وجہ اس بات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت اس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیے خصوصاً اس حالت میں جبکہ پولوس مقدس نے یہ بات بیان کی ہے کہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں ہے۔ یہ نہ صرف چھوڑ دینے کی نسبت بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالائق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے جیسا کہ قرنتیوں نے پہلے خط میں لکھا ہے (باب ۷ آیت ۱۵) کہ "کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے ملاپ کے لیے بلایا ہے" پس خدا تعالیٰ نے ہمکو اس غرض سے نہیں بلایا کہ ہم دائمی نزاع اور ترددات کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیونکہ ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ نکاح چہ جائیکہ دائمی نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی علاقہ قید جسکو رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے ناقابل بتلایا ہے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنیکا موقع آتا تھا اور نہ اس موقع پر حضرت مسیح کو یہ منظور رہتا کہ انکا یہ قول حکم عدالت سمجھا جاوے یا اس معاملہ کی نسبت کوئی نیا اور سخت حکم دیا جاوے بلکہ قانون کے بیجا عملدرآمدوں کے بیان کرنے کے بعد انہوں نے

اپنے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا بتلایا اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعویٰ نہیں کیا اور امر حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا نہ کہ جبریہ احکام سے۔ پس انجیل کی نصیحتوں کو ملکی آئین قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اسکو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے"

یہ تمام تقریر جان ملٹن کی تھی جو انہوں نے ایک محققانہ اور عالمانہ طور پر بیل کے احکام سے استنباط کی ہے۔ ہماری راے میں یہ مطلب نہایت مختصر تقریر سے ختم ہوتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ سے پوچھا کہ جورو کو ہر ایک طرح پر طلاق دینی درست ہے یا نہیں اُن کا جواب یہ ہے کہ بجز افعال ذمیمہ کے اور کسی صورت میں جائز نہیں۔ جس لفظ کا ترجمہ حرامکاری یا زنا کیا گیا ہے وہ عام لفظ ہے اور سب قسم کی برائیاں اُس میں داخل ہیں اور اسکا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا ہے پس جو کچھ کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اُس سے امتناع طلاق نہیں نکلتا بلکہ بلاقصور صرف اپنی نفسانی بدخواہشوں کے لیے طلاق دینا ناجائز بتایا گیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ مذہب اسلام نے نسبت طلاق کے کیا کیا؟ اُسکو بطور علاج ایک مرض لاعلاج کے جائز اور مباح بتایا۔ گو زن و شوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور ایک عجیب قسم کے ارتباط و اختلاط کا معاملہ ہے کہ اُسمیں جو بیماری پیدا ہو سواے اُنہیں دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اس بات کی تشخیص نہیں کر سکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہونچگئی ہے جسکا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں اسلیئے بانی اسلام نے اُسکی تشخیص نہ کسی (جج) کی یعنی قاضی کی راے پر منحصر کی ہے نہ کسی مفتی کے فتوے پر بلکہ صرف اُسکی راے اور اخلاق پر جسکی تسلی اور موانست کے لیئے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس غمگسار کے پیدا ہوئی تھی۔

اب اسباب کی بندش کہ وہ علاج بے محل اور بے موقع نہ استعمال کیا جاوے صرف مرد کے حسن اخلاق اور دلی نیکی اور روحانی تربیت پر منحصر تھی جو نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا خاص اسی معاملہ میں مذہب اسلام نے اپنے سچے مریدوں اور شایستہ مسلمانوں کو کی ہے

ماخلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (رواہ الدارقطنی)۔

بانی اسلام نے اسلام کے سچے پیروؤں کو بتایا کہ بجز طلاق کے اور کوئی چیز خدا تعالیٰ نے زمین کے پردہ پر پیدا نہیں کی جو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب ہو۔

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (رواہ ابوداؤد)۔

پھر ایک دفعہ یوں فرمایا کہ "مباح چیزوں میں سب سے زیادہ خدا کو غضب میں لانیوالی چیز طلاق ہے۔

یہ ہدایت تو مردوں کی نسبت تھی اور عورتوں کو جو طلاق لینا چاہتی ہیں یہ فرمایا ہے کہ

ایما امراۃ سالت زوجھا طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیھا رایحۃ الجنۃ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی)

جو عورت اپنے خاوند سے بغیر ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے اسپر خوشبو جنت کی حرام ہے یعنی جنت میں نہ جاویگی۔

ہمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق دینے والے سے ایسے ناراض ہوتے تھے جس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ جو شخص اپنی جورو کو دفعتاً طلاق دیدے وہ قتل ہونے کے لائق

اخبر رسول اللہ صلعم عن رجل طلق امرتہ ثلث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عز وجل وانا بین اظھرکم

ہے چنانچہ ایک دفعہ رسول خدا صلعم کو اطلاع ہوئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو دفعتاً تین طلاقیں دیدی ہیں یہ سنکر آنحضرت صلعم غصہ کے

حتی قام رجل فقال یا رسول اللہ الا اقتلہ   مارے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا خدا

(رواہ النسائی)   بزرگ کے حکم کو کھیل بنایا ہے ایسی حالت میں

بھی کہ میں تم میں موجود ہوں یہ سنکر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول خدا کے

کیا میں اسکو قتل کر ڈالوں یعنی وہ شخص آنحضرت کے غصہ ہونے سے یہ سمجھا کہ اس شخص نے

قتل کئے جانے کے لائق کام کیا ہے۔

بانی اسلام نے انہی ہدایتوں اور تہدیدوں ہی پر طلاق کے روکنے میں بس نہیں

کیا بلکہ نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور بھی نہایت عمدہ تدبیر کی ہے یعنی پوری تفریق

واقع ہونیکو تین دفعہ طلاق دینا معتبر کہا ہے اور پھر اسکی ممانعت فرمائی ہے کہ دفعتاً تین

طلاقیں نہ دی جاویں بلکہ سوچ سوچ اور سمجھ سمجھ کر مناسب فاصلہ سے طلاق دیجاوے

کہ ہر ایک میں قریباً پچیس روز کا فاصلہ ہوجاتا ہے اور پھر بھی اجازت دی کہ پہلی طلاق کے

بعد اگر آپس میں صلح ہوجاوے اور رنجش رفع ہوجاوے اور دونوں کی محبت تازہ ہوجاوے

تو پھر بدستور جورو خصم رہیں دوسری طلاق کے بعد بھی اسیطرح وہ پھر آپس میں ملسکتے

ہیں اور بدستور جورو خصم رہ سکتے ہیں۔ لیکن پھر اگر تیسری دفعہ طلاق دیجاوے تو ثابت ہوگیا

کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں پھر بہتر ہے کہ پوری تفریق ہوجاوے۔

ان ہدایتوں کے سوا ایک اور نہایت عمدہ ہدایت یہ فرمائی ہے کہ ایسی حالت میں

جبکہ عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنا پڑتا ہے طلاق نہ دی جاوے اس سے مطلب یہ ہے

کہ شاید زمانہ مفارقت میں محبت اور الفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال طلاق کا ان دونوں کے

دل سے جاتا رہے۔

علاوہ ان ہدایتوں کے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور ان کے ساتھ

مہربانی اور خاطرداری سے پیش آنے اور ان کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی نہایت تاکید سے ہدایت فرمائی ہے اور یہ سب باتیں ایسی مکروہ چیز یعنی طلاق سے روکنے کو ہیں۔

ان سب احکام سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام نے صرف اسی حالت پر طلاق کی اجازت دی ہے جبکہ وہ ایک نہایت بیش بہا نعمت ثابت ہو نہیں ذرا بھی خطا نہ کرے اور جبکہ اسکے ذریعہ سے حالت زوجیت کے ترددات اور تکلیفیں اور تلخیاں یا تو بالکل رفع ہو جاویں یا بہت کچھ کم ہو جاویں اور اگر طلاق کو کام میں نہ لایا جاوے تو حالت معاشرت روز بروز زیادہ تکلیف دہ ہوتی جاوے ایسی صورت میں طلاق حسن معاشرت کے نقصان کا باعث نہیں ہو سکتی بلکہ بخلاف اسکے وہ دونوں کے حق میں ایک برکت اور حالت معاشرت کی ترقی کا کامل ذریعہ ہوتی ہے۔ ہاں میں اس بات کو قبول کرونگا کہ مسلمانوں نے اس عمدہ حکم کو نہایت قابل نفرت طریقہ پر استعمال کیا ہے۔ پس ان کے افعال کی نفرت انہیں پر ہونی چاہیئے نہ مذہب اسلام پر۔ ہمکو امید ہے کہ تمام منصف مزاج لوگ جب حیثیت اسلام کے اس مسئلہ پر غور کرینگے تو قبول کرینگے کہ جو عمدہ طریقہ اس باب میں اسلام نے اختیار کیا ہے وہ عقل انصاف معاشرت کی نظر سے ایسا عمدہ ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا اور صاف صاف یقین دلاتا ہے کہ یہ مسئلہ اسی استاد کا بتایا ہوا ہے جسنے انسان کو پیدا کر کے اسکے لیے اسکا جوڑا پیدا کیا تاکہ اسکی تسلی اور دل کی خوشی کا باعث ہو۔ اگر غور کیا جاوے تو یہ کہنا کچھ بیجا نہو گا کہ جان ملٹن نے اپنی بحث میں جو کچھ روشنی ہمیں کے درسوں پر ڈالی ہے وہ سب اسلام کی روشنی سے لی گئی ہے کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنیکو ہے بلکہ صرف ایک مرض لا علاج

کا علاج ہے۔

اب ہم غلامی کے الزام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ایک سب سے بڑا الزام آس کے جائز رکھنے کا مذہب اسلام کی نسبت لگایا گیا ہے اور بیان ہوا ہے کہ قوانین حسن معاشرت اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے۔ قوانین حسن معاشرت کی قید ہے اسلئے لگائی ہے کہ اگر اس معاملہ پر مذہبی طور پر نظر کیجاوے تو نہ یہودیوں کو اور نہ عیسائیونکو اسقدر جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اس میں کچھ عیب نکالیں یا اسکی نسبت کچھ اعتراض کریں کیونکہ توریت کا ہر صفحہ ایسے مضامین سے بھرا ہوا ہے جس میں غلامی کا جواز تسلیم کیا گیا ہے (خواہ اسکو خدا کا حکم مانو یا حضرت موسیٰ کا اس زمانہ کے رسم و رواج کا قانون) اور انجیل میں کسی مقام پر ایک مضمون بھی نہیں پایا جاتا جس میں اس بیرحم دستور کی ممانعت ہو۔ قبل اسکے کہ ہم اس معاملہ میں اپنی رائے بربنائے مذہب اسلام ظاہر کریں گاڈفری ہگنز صاحب نے جو کچھ اسکی نسبت لکھا ہے اسکو بیان کرتے ہیں۔

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ "انسان کے حق میں یہ ایک بدقسمتی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ نے اور نہ حضرت محمدؐ نے غلامی کا موقوف کرنا مناسب خیال کیا۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد دونوں نے اپنے معتقدوں کو یہ ہدایت کی کہ انکو اوروں کے ساتھ وہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اوروں سے اپنے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے درحقیقت غلامی موقوف کردی یہ بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا نہیں ہے۔ مسلمانوں کی خانگی غلامی بلاشبہ ناقابل حمایت ہو لیکن افریقہ کی بردہ فروشی اور ویسٹ انڈیز کے کارخانہ باغات میں غلاموں پر کی سختیوں اور بیرحمیوں کے مقابلہ میں (جو عیسائی ملکوں میں مروج تھیں) کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں ہم نہایت

اعتقاد سے روم کے پوپ اور کنیٹربری کے آرچ بشپ اور کونسلوں اور مجلسوں اور پوپ کے احکام اور عقائد اور مذہبی قوانین اور معاہدوں کا ذکر سنتے ہیں مگر سنتے کہ یہ بات سچی ہے کہ ان لوگوں نے کوئی تمام تدبیر اس خوفناک تجارت کے انسداد کے لئے کی اور اضح ہو کہ اس زمانہ میں تمام فرنگستان میں غلامی کی تجارت رائج تھی اور نہ انکی نسبت کبھی پوپ کا کوئی حکم دکھاؤ یا کسی مجلس کا کوئی قانون بتاؤ روم اور کینٹربری کے بشپ خود اس خطاب کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے معتقدوں کی خواہشوں کے پورا کرنے کے کام دیتے تھے جو خطاب کہ انہوں نے حضرت محمد کو اسوجہ سے دیا ہے جبکہ روم کے پوپوں کو اس تجارت کا فساد عظیم صاف صاف ثابت ہو گیا تھا تو انہوں نے ان شخصوں کو قوم سے خارج نہیں کیا جو اس تجارت میں مصروف تھے۔ جیسا کہ کیتھولک مذہب کے والی جارج والکس نے کیا تھا میں اسبات سے واقف ہوں کہ وہ یہ ظاہری عذر کرینگے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے کہ غلاموں کا مالک ہے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ہر صفحہ میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ہے مثلاً جہاں کہیں لفظ سروس یا "دولوس" پایا جاتا ہے اور اسکا ترجمہ خدمتگار کیا گیا ہے۔ وہاں اسکا ترجمہ غلام ہونا چاہئے لفظ سروس کے لغوی معنی اس شخص کے ہیں جو بازار میں خریدا گیا ہو یا فروخت کیا گیا ہو اور "فریدیمین ہمارے اجرہ دار اور خدمتگار کے نیم معنی میں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جاوے تو اس سے کسی طرح یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ افریقہ کی بردہ فروشی جائز ہے جسکی زیادتی کا زمانہ اگلے لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا اور جو ہر طرح انکی خانگی غلامی سے مختلف ہے۔

اگرچہ پیغمبر صاحب نے اس مکروہ دستور کو موقوف نہیں کیا جیسا کہ انکو کرنا چاہئے

تھا تاہم انہوں نے بالکل بغیر ذکر کئے ہوئے نہیں چھوڑا۔ بلکہ اس بات کے فرمانے سے کہ
تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور کسی شخص کو اپنے بھائی کو غلامی میں رکھنا نہیں چاہئے
انہوں نے انسانوں کے ایک گروہ کثیر کو آزاد کر دیا۔ جس وقت کوئی یہ کہدے کہ میں ایمان
لے آیا تو وہ فوراً آزاد ہے۔ اگر حضرت محمدؐ نے اسباب میں جیسا کہ چاہئے تھا ویسا نہیں کیا
تو انہوں نے کچھ تو کیا جو بالکل نہونے سے (جیسے کہ انجیل میں کچھ نہیں ہے) بہتر ہے اور
اس سبب سے غالباً کچھ لوگ بلا تصدیق قلبی ہی مسلمان ہو گئے ہونگے گو کہ اس امر کو
کوئی پکا دیندار عیسائی جسکا گرم ایمان مذبح کے دہکتے ہوئے انگارے سے زیادہ تر گرما
گرم ہی عیب لگاوے اور اسکو بدنیتی پر حمل کرے۔ لیکن تاہم اس تدبیر نے انکو بہت سی
مصیبت سے بچایا ہے۔ ایک اور تدبیر غلامی کی ترمیم یا اسکی تہمتوں کی تخفیف کرنے
کی پیغمبر صاحب کے اس حکم سے ملتی ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ غلاموں کے فروخت کرنے
میں ماں سے بچے جدا نہ کئے جاویں۔ ہمارے ویسٹ انڈیز والے ہر روز یہی جرم کرتے
ہیں مجلو ایسا کوئی حکم انجیل میں نہیں ملا اسلئے حضرت محمدؐ نے اسکو انجیل میں سے نہیں لیا ہے۔

گاڈفری ہگنز صاحب لکھتے ہیں کہ "ہم عیسائی اکثر اوقات بیچارے حبشیوں کو عیسائی بنانے
کی خواہش کرتے ہیں مگر میں انہیں مشنیری سوسیٹیوں کو یہ صلاح دیتا ہوں کہ وہ اپنی دولت
کثیر کو اس باب میں صرف کریں کہ جس وقت حبشیوں کا مذہب تبدیل ہو جاوے تو انکو فوراً آزاد
کر دیں اور انکو اپنا بھائی قرار دیں جیسا کہ مسلمان کیا کرتے ہیں اور میں انکو یقین دلاتا ہوں کہ
انکے تمام وعظوں سے اسقدر لوگ ان کے معتقد نہونگے جیسے کہ اس بات سے ہونگے"

گاڈفری ہگنز صاحب نے ویسٹ منسٹر ریویو کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ "انکا مسئلہ قانون
غلامی کے باب میں یہ ہے کہ اگر غلام تمہارے پاس آویں تو تم ان کو قید اور اس کے بعد انکو

سر بازار مت فروخت کرو گو کوئی دعویدار اُن کا موجود نہو (جیسا کہ انیسویں صدی میں عیسائی انگلستان کا قانون اُسکے صوبوں میں جاری ہے) بلکہ اُنکو آزاد کر دو اور تمکو مناسب نہیں کہ اُنکو نکالدو مگر حضرت محمدؐ (جنہوں نے غلامی کے مٹانے کی نسبت نہایت عمدہ تدبیریں کیں) وہ تھے جو ساتویں صدی میں عرب کے بیابانوں میں کھڑے ہوئے تھے"۔

حضرت محمدؐ فرماتے ہیں کہ "اپنے غلاموں کو جو تمسے اس مضمون کی ایک تحریری سند چاہیں کہ جسوقت وہ ایک رقم معین ادا کردیں تو وہ اپنے تئیں آزاد کریں تو تم ہمیشہ یہ تحریر اُنکو لکھدو۔ اگر تم اُن میں کوئی بھلائی جانو تو تم خدا کی دولت میں سے جو اُسنے تمکو دی ہے اُنکو دو" گاڈفری ہگنز کہتے ہیں کہ مجھکو انجیل میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔

یہ جو کچھ لکھا گیا گاڈفری ہگنز کا استدلال تھا مگر یہ استدلال کسیقدر حاشیہ لکھنے کا محتاج ہے ان کا یہ بیان کہ "حضرت محمدؐ نے غلامی کو موقوف کرنا مناسب خیال نہ کیا" صحیح نہیں ہے جو لوگ تقلید کی تاریکی میں اندھے ہو رہے ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی مرضی اور خوشی غلاموں کے آزاد کرنے کی تھی اور ہمیشہ ہر حکم میں غلاموں کی آزادی پر رغبت دلاتے تھے۔ اور جو لوگ خاص آنحضرت صلعم کو اپنا ہادی اور پیشوا جانتے ہیں اور زید اور عمرو کی رائے اور اجتہاد کی کچھ پروا نہیں کرتے وہ تو صاف صاف قرآن مجید میں پاتے ہیں کہ بانی اسلام نے آیندہ کی غلامی کو بالکل قطعاً موقوف کر دیا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔ پس یہ فخر صرف مذہب اسلام ہی کو ہے کہ اُسنے غلامی کو معدوم کیا ہے اور ہر انسان کو آزاد قرار دیا ہے۔

اسلام لانے سے غلامی ساقط ہو جانے پر جو استدلال گاڈفری ہگنز نے کیا ہے ہمکو دل سے اُسپر اتفاق ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورہ حجرات میں صاف فرمایا ہے کہ "انما المومنون

اخوۃ" یعنی سب ایمان لانیوالے آپس میں بھائی ہیں اور سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا" (سورۃ آل عمران)۔

سب لوگ اکٹھے ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اور جُدی جُدی راہوں میں مت بھٹکو اور جو نعمت خدا نے دی ہے (یعنی اسلام) اسکا شکر کرو۔ ایک وقت تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر تمہارے دلوں میں خدا نے محبت ڈالی پھر تم ہو گئے اللہ کی نعمت (یعنی اسلام) کے سبب آپس میں بھائی" پس کون شخص اس سے انکار کر سکتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور اسلئے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ یہی "اخوت" اس امر کا باعث ہے کہ جب کوئی مسلمان بغیر وارث قریب کے مرجاتا ہے تو اسکا مال بیت المال میں اُسکے سب مسلمان بھائیوں کے لئے چلاجاتا ہے مگر جب ہمارے پیغمبر نے علانیہ صاف صاف لفظوں میں آیندہ کی غلامی کو عام طور پر معدوم کر دیا ہے تو ہم کو اس قسم کی خاص خاص باتو نپر استدلال کی حاجت نہیں ہے۔

کتابت کا جو ذکر گاڈفری ہگنز صاحب نے کیا ہے وہ حکم صرف ایسا ہی نہ تھا کہ اُس کا کرانا یا نہ کرنا مالک کی مرضی پر موقوف ہو بلکہ اُسکا کرنا واجب تھا اور انکار کرنا قابل سزا کے تھا۔ چنانچہ بخاری کی ایک حدیث سے (اگر وہ صحیح ہو) معلوم ہوتا ہے کہ ابن سیرین نے جب حضرت انس کی کتابت کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کیا ابن سیرین نے وہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت انس کو اُس انکار کرنے پر دُرّوں سے پٹوادیا اور کتابت یعنی خط آزادی بمعاوضہ روپیہ کے بجبر حضرت انس سے لکھوا دیا گو یہ حدیث قابل شبہہ ہو مگر خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ کتابت کی درخواست کرنے پر

غلط آزادی بمعا[illegible] سمجھ کے لکھدینا لازم ہے۔

بہرحال جو حمایت اس عالم اور فاضل مصنف نے نہایت قابلیت اور بڑی سرگرمی سے مذہب اسلام کی کی ہے اسکا واجب شکریہ ادا کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مصنف نے غلامی کی ترمیم یا [illegible] خرابیوں کی تخفیف میں جو بجز انکو ان سے جدا نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اسکے ساتھ چند اور اسی قسم کے احکام زیادہ کرنے چاہئیں جو غلامی کی ترمیم اور اسکی خرابیوں کی تخفیف کے حق میں [illegible] ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے غلاموں کے حق میں فرمایا ہے

قال (ای النبی صلعم فی حق العبید) ان اخوانکم اخولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ویلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم (بخاری باب قول النبی صلعم العبید اخوانکم صفحہ ۲۴۶)	کہ وہ تمہارے بھائی ہیں (بوجہ انسان ہونیکے) جو تمہاری خدمت کرنے میں تمہارے کاموں کو سنوارتے ہیں اللہ نے انکو تمہارے تابع کر دیا ہے پس جو شخص کہ اسکا بھائی اسکے تابع ہو تو اسکو چاہئے کہ جو آپ کھاتا ہے اس میں سے اسکو کھلاوے اور جو آپ پہنتا ہے اس میں سے اسکو پہناوے اور ان سے ایسی تکلیف کے کام جو

انکو تھکا دیں نہ لے اور اگر ایسی تکلیف کا کام ان کو دیا جاوے جو انکو تھکا دیگا تو خود ان کی مدد کرے" اس حکم کا لوگوں کے دلوں پر اسقدر اثر ہوا کہ تمام شخص اس زمانہ میں اپنے غلاموں کو ویسا ہی کپڑا پہناتے تھے جیسا کہ خود پہنتے تھے اور ایک خوان میں اپنے ساتھ وہی کھانا ان کو

لہ۔ اس حدیث میں بوجہ اسلام کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں ہے اور آیت قرآن مجید میں برادر مذکور ہوئی بوجہ اسلام بھائی ہونے کا ذکر ہے اسلئے اسلام سے غلامی ساقط ہونے پر [illegible] نے استدلال کیا ہے۔

کھلاتے تھے جو آپ کھاتے تھے اور جب سفر میں جاتے تھے تو غلام کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے اور اگر ایک کو نکیل پکڑ کر چلنے کی ضرورت ہوتی تو باری باری سے سوار ہوتے تھے اور باری باری سے نکیل پکڑ کر پیادہ چلتے تھے۔

خلیفہ عمر بن اپنی خلافت کے عروج کے زمانہ میں (خواہ انکے عالی مرتبہ کو پیغمبر کا جانشین ہونے کی وجہ سے خیال کرو خواہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ تصور کرنے سے جو دنیا میں سب سے زیادہ وسیع اور باعظمت تھی) اپنی باری میں اُس اونٹ کی مہار پکڑ کر جسپر انکا غلام اپنی باری میں سوار ہوتا تھا عرب کی جلتی ہوئی ریگستان اور جھلستی ہوئی گرم ہوا میں نہایت خوشی اور فخر آمیز خیالات اونیکی بھرے ہوے دل سے پیادہ پا اونٹ کو گھسیٹتے ہوے چلنا کمال خوشی سمجھتے تھے۔ فاطمہ پیغمبر کی بیٹی اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھکر چکی پیستی تھیں کبھی اُن کا دست مبارک ہتی کو نیچے سے تھامتا تھا اور کبھی لونڈی کا تاکہ دونوں کو برابر محنت پڑے۔ پس اگر یہی وہ غلامی ہے جسکو سر ولیم میور حسن معاشرت کو ابتر کرنے والی بتاتے ہیں تو ہم نہیں سمجھتے کہ برابری کے حقوق میں اور کیا ہوتا ہے۔ ایسی غلامی (اگر اُسکو غلامی کہہ سکو) درحقیقت حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زائد از حد ترقی متصور ہے۔ پس مذہب اسلام کی غلامی کو ویسٹ انڈیز کی غلامی پر جو عیسائیوں میں مروج تھی قیاس کرنا محض غلطی ہے۔ آنحضرت صلعم نے صرف اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ اُنکی نسبت لونڈی و غلام کے لفظ کے استعمال کو بھی جس سے اُن کی رقیت اور حقارت نکلتی تھی منع فرمایا اور نہایت شائستہ و مہذب و شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنے کی ہدایت فرمائی یعنی یہ فرمایا کہ "انکو لڑکا" اور "لڑکی کہکر پکارا کرو" جسکو بگاڑ کر ہندوستان کے ناخدا ترسوں نے "چھوکرا" اور "چھوکری" یعنی لونڈی و غلام کہنا شروع کیا ہے۔ مسلم کی

اس حدیث کے لفظوں کو تمہارے پیشوا محمد رسول صلعم نے کیا فرمایا ہے کیا اس فرمانے کے بعد بھی ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔ پیارے پیغمبر رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ کوئی تم میں سے میرا غلام اور میری لونڈی ہرگز نہ کہے تم سب

ان رسول اللہ صلعم قال لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نساء کم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتائی وفتاتی (مسلم کتاب الالفاظ من الادب)

خدا کے غلام ہو اور سب تمہاری عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں کہو کہ میرا بچا اور میری بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی علاوہ اسکے آنحضرت صلعم نے غلاموں کے آزاد کرنے پر ہمیشہ رغبت دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی کام خدا کے نزدیک غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ثواب حاصل کرنیکا نہیں ہے۔

اب ہم حیثیت مذہب اسلام کی رو سے غلامی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام نے آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جسقدر لوگ بموجب قدیم رسم جاہلیت کے غلام ہو چکے تھے اُن کی آزادی کا احساناً یا بلا لینے زر معاوضہ کے حکم نہیں دیا وہ بدستور ان لوگوں کے ملک رہے جن کے وہ غلام ہو چکے تھے۔ اگر کوئی ناسمجھ یہ الزام مذہب اسلام پر دے کہ انکو بھی دفعتاً کیوں نہ آزاد کر دیا تو اسکی اس ناسمجھی کا ہمارے پاس کچھ علاج نہیں ہے۔ مگر اس سمجھ کے دلکو ان تمام باتوں کے جاننے سے جو ہم نے اوپر بیان کیں اسقدر تو ضرور تسلی ہوگی کہ ان بدنصیبوں کی بھی حالت غلامی کی ترمیم اور تخفیف میں جو کچھ اسلام نے کیا وہ کچھ کم نہیں ہے اور ایسا رحم و شفقت جو اسلام نے اُن کی نسبت کیا بے مثل و بے نظیر ہے اور متعدد تدبیریں اور تاکیدیں اور ہدایتیں اُن کی آزادی کی نسبت کیں اور طرح طرح سے آزاد کرنے پر رغبتیں دلائیں ہاں بلاشبہہ جو سمجھدار اور

دانشور لوگ ہیں وہ سمجھینگے کہ آیت حریت کے نازل ہونے سے پہلے جسقدر لوگ غلام ہوچکے تھے انکی آزادی کا دفعتاً حکم دیدینا محالات عملی سے تھا اور غلامی کے معدوم کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی کہ آیندہ سے غلاموں کا ہونا بند کردیا جاوے اور پہلے غلاموں کی آزادی اور غلامی کی حالت کی ترمیم کی تدبیر کیجاوے۔ پس یہی کام اسلام نے کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا نہیں ہے بلکہ اُسی کا ہے جس نے انسان میں حسن معاشرت کو پیدا کیا ہے۔

بقول مسٹر گبر کے گو حضرت مسیح نے غلامی کو موقوف نہ کیا ہو مگر ہم نہایت خوشی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے حضرت محمد رحمۃ للعالمین نے غلامی کو بالکل موقوف کردیا تمام قواعد اور قوانین غلامی کے جنکی رو سے ایک شخص دوسرے کا مملوک ہو جاتا تھا اور جو قدیم زمانہ کے بت پرستوں اور اُسوقت کی تمام دنیا میں بطور ایک ملکی رسم کے جاری تھی اور جن رسمونکو اُس بڑے مقدس مقنن موسیٰ نے بھی بطور ملکی قانون کے اپنی مقدس کتاب میں داخل کیا تھا اور جن کو حضرت مسیح نے بھی نہیں توڑا تھا اور جن کو حضرت مسیح کے حواریون نے بھی تسلیم کیا تھا دفعتاً منسوخ کردیا اور تمام پُرانی رسموں اور مبطل قانونوں کو ایک دو لفظ کے فرمانے سے کہ "اما منا بعد واما فداءً" مٹا دیا۔

	کتب خانۂ ہند ملت بشت		شیئے کہ ناکردہ قرآں درست	

صلی اللہ علیہ وسلم۔ بابی انت وامی یا رسول اللہ۔

اُس رسول مقبول ہادم الرقیت ناصر الانسان رحمۃ للعالمین نے اپنے مبارک ہونٹوں سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتے اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فامامنا کہ جب تم مقابلہ ہو کافروں سے تو گردنیں کاٹو جبکہ

بعد و اما فداء (سورہ محمد آیت ۴)۔ تم انپر گھسام کر چکو تو انکو قید کر لو یہ قید کرنے کے بعد یا تو انپر احسان رکھکر یا ان سے فدیہ یعنی چھڑوائی لیکر چھوڑ دو۔

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ کافروں کے مغلوب ہو جانے پر جو انکے قید کرنیکا حکم ہے اس سے مقصد انکی جان بچانا ہے اور قید کرنے کے بعد جو حکم ان کی نسبت ہے وہ دو امر میں منحصر ہے۔ ایک تو احسان رکھکر چھوڑ دینے میں اور دوسرے انسے چھوڑائی لیکر چھوڑ دینے میں جب دو حکم دیے جاتے ہیں تو ان لوگوں کو جن کی نسبت وہ حکم ہیں اسقدر تو ضرور اختیار ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے جونسے حکم کی چاہیں تعمیل کریں مگر دونوں میں سے ایک کا بجالانا واجب ہوتا ہے۔ انکو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے کسیکو بھی نہ کریں بلکہ کوئی اور امر اختیار کریں۔ پس قیدیوں کے ساتھ ان دونوں حکموں میں سے ایک کا عملدرآمد کرنا واجب ہے ان احکام دوگانہ سے جو خدا نے دیئے رقیت یعنی قیدیوں کا لونڈی اور غلام بنانا بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے۔ ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا چاہے تو جب تک فدیہ ادا نہو اسوقت تک اسکو قید رکھے۔ مگر وہ قیدی بدستور ایک قیدی ہوگا اور رقیت و ملوکیت کسی حالت میں اسپر طاری نہو گی۔ اور جب قیدی سے فدیہ کا ادا ہونا ناممکن ہوگا تو درحقیقت تعمیل ایک حکم کی ناممکن ہو گی اور اسی لئے اس پہلے حکم کی تعمیل واجب ہو گی۔

ہمارے ہاں کے عالموں کی رائے میں اس امر کی نسبت اختلاف ہے کہ کن صورتوں میں قیدیونکو احسان رکھکر چھوڑنا چاہیئے۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ انکو صرف اس حالت میں چھوڑنا چاہیئے جبکہ وہ مسلمانونکی رعایا ہو کر مسلمانوں کے ملک میں رہنا قبول کریں۔ اور بعض کی یہ رائے ہے جو بظاہر معقول بھی معلوم ہوتی ہے کہ قیدیونکو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دینا

چاہئے اور کوئی شرط اُن پر نہ لگائی جاوے اور چھوٹ جانے کے بعد اُنکو اختیار ہے کہ چاہیں مسلمانوں کے ملک میں رعیت ہوکر رہیں اور چاہیں اپنے خاص ملک کو چلے جاویں قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں احسان رکھکر چھوڑ دینے کی حالت میں کوئی قید و شرط نہیں لگائی ہے اور اسی لئے ہمارے نزدیک پہلی راے اُن عالموں کی پہلی راے سے زیادہ مستند اور معتبر و صحیح ہے۔

دیکھو کتابت یعنی بمعاوضہ روپیہ کے خط آزادی لکھ دینے اور فدیہ لیکر چھوڑنے میں چنداں فرق نہیں ہے اگلے غلاموں کی نسبت جو کتابت کا حکم ہے وہ اگلے غلاموں کی آزادی کی نہایت معتبر دستاویز ہے۔

جس نالائق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان باشندوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی) ہوتا ہے اُسکو دیکھکر ہمکو کچھ کم رنج نہیں ہوتا مگر ہم ان خطبہ کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اُسکا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ شریعت اسلام کے حکم اور اُس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اُس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہگار کے حاضر ہوگا خواہ مکہ میں جاکر یہ کام کرے یا مدینہ میں۔

سر ولیم میور اسلام میں ایک یہ نقص بتلاتے ہیں کہ اسلام میں مذہب کے معاملہ میں راے کی آزادی روک دی گئی ہے بلکہ بالکل معدوم کردی ہے۔

مگر سر ولیم میور کی اس راے کا جس سے وہ مذہب الاسلام میں مذہبی راے کی آزادی نہونے کا نقص نکالتے ہیں ٹھیک ٹھیک مطالب سمجھنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اسلام میں ایسی کونسی چیز ہے جو مذہبی معاملات میں آزادی راے کو

روکتی اور معدوم کرتی ہے اور اور مذہبوں میں کونسی ایسی بات ہے جو اس آزادی کو نجات
دیتی ہے۔

یہودی جن کی کتب مقدسہ گویا مذہب اسلام اور مذہب عیسائی دونوں کی بنیاد
ہیں یہ پکا عقیدہ رکھتے ہیں کہ توریت کا ہر ایک لفظ مع اُسکے تاریخی مضمون کے باوجودیکہ
اُن کے مصنف بھی معلوم نہیں ہیں وحی آسمانی ہیں اور اس لئے سہو وخطا وغلطی سے
بالکل مبرا ہیں اور ہر ایک انسان کو بغیر ذرا سے بھی تامل کے اور بغیر کسی حجت کے اور
بغیر استعمال کرنے اپنے قوائے عقلیہ کے اُن کے حق ہونے کا اعتقاد کرنا چاہیئے۔

عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ بلحاظ اعتقاد نسبت کتب مقدسہ کے وہ دو فرقے ہوگئے
ہیں ایک وہ جو یہ یقین کرتے ہیں کہ کتاب مقدس تمام وکمال وحی من السماء ہے۔ دوسرا
وہ جو صرف اُسکے ایک حصہ کو وحی سمجھتا ہے جو مسائل و احکام سے متعلق ہے اور دوسرے
حصہ یعنی تاریخی حالات کو وحی نہیں سمجھتا۔

مگر قطع نظر اُس اختلاف کے جو عیسائیوں کو کتب مقدسہ کے الفاظ اور اُن
کے وحی ہونے کی نسبت ہے اُنکو دو ایسے بڑے بڑے مذہبی مسائل پر یقین کرنا فرض ہے
جن کے سبب سے مذہبی معاملات میں آزادی رائے کامل طور سے بالکلیہ نیست و نابود
ہو جاتی ہے اور اس لئے عیسائی خدا کی برگزیدہ قوم (یعنی یہود) سے بھی زیادہ خراب
حالت میں ہیں اور وہ دو مسئلے یہ ہیں۔

ایک مسئلہ "توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید" کا ہے یہ ایک نہایت عجیب طور کا
مسئلہ ہے جسکی نسبت عقل کو کام میں لانا منع ہے۔ لفظ تثلیث کا خدا کے تین متعدد
جسموں کے ظاہر کرنیکو حضرت عیسیٰ کی دوسری صدی تک یعنی اُسوقت تک جب کہ

تہیوفلس بشپ آف اینٹیوک نے اسکو ایجاد کیا جاری نہیں ہوا تہا اور یہ تثلیث کا مسئلہ مذہبی کونسل نائس یا نائسیا میں بہی جو ۳۲۵ برس بعد حضرت عیسیٰ کے ہوئی تہی اور جس میں ایویس کے مسائل کی نسبت اعتراض کیا گیا تہا طے نہیں ہوا تہا اور کچہہ اسی پر موقوف نہیں ہے کیونکہ پارسن اور مشہور و معروف یونانی عالموں کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اصل عبارت متن انجیل کی جسپر خاص اس مسئلہ کا استدلال کیا جاتا ہے الحاقی ہے۔ پس اگر اعتقاد کی خوبی نہایت عجیب و مشکل و خلاف عقل مسائل پر اعتقاد لانے میں ہو تو بلاشبہہ عیسائیوں کا اعتقاد بہت بڑا اعتقاد متصور ہوگا۔ قبل اسکے کہ کوئی شخص عیسائی کہلاوے اور اسکو عیسائیوں کے حقوق خدا کی بارگاہ میں حاصل ہوں اسکو اس مسئلہ عجیب و غریب پر پکا اعتقاد لانا چاہیے۔ تمام عیسائی یہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مسئلہ قانون قدرت اور آئین عقل کے بالکل برخلاف ہے تاہم آنکہہ بند کرکے اور عقل کو محض بیکار و معطل چھوڑ کر نہایت اصرار و تعصب سے اسپر اعتقاد کرنا چاہیے۔ دلیل و عقل کو اس میں دخل دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ فدیہ کا یعنی حضرت عیسیٰ کا تمام بنی نوع انسان کے پہچہلے اور حال کے اور آیندہ کے گناہوں کے عوض صلیب پر چڑہنے اور جان دینے کا ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو قدرت اور عقل دونوں کے برخلاف ہے اور یہ مسئلہ بہی ایسا مسئلہ ہے جس سے معاملات مذہبی میں آزادی راے بالکل معدوم ہوجاتی ہے۔ اگرچہ یہ بہی کہا جاسکتا ہے کہ مسئلہ فدیہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے سبب سے انسان اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں رہتا اور بدی اور بداخلاقی کے دروازہ کو کہولدیتا ہے۔ کیونکہ جسقدر کثرت سے کوئی گناہ کریگا اسیقدر زیادہ نجات دینے والے کی نیکی کا ثبوت ہوگا

بقول شخصے۔

گناہ من ارنامدے درشمار	ترا نام کے بودی آمرزگارا

پس جو کوئی زیادہ گناہ کریگا وہی شخص زیادہ رحمت کا مستحق ہوگا جو حق ایک بڑے ولی کو ہونا چاہیے۔ اس لئے سب سے بڑا گنہگار سب سے بڑا ولی ہوگا۔ مگر ہم ایسی راے کو پسند نہیں کرتے اور سچے ایماندار وں کو جو دلی صدق وا خلاص سے یقین رکھتے ہوں انکا نیکوکار ہونا لازم سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ نہ کے بعد بھی دوزخ بالکل خالی نہوگی کیونکہ عیسائی مذہب کے موافق بھی تمام کافر جو بیشمار گذرے ہیں اور جن کے بیشمار نام ہیں سب دوزخ میں جاوینگے اور اس کے تنگ و تاریک مکانوں میں قید رہینگے۔

ایک مسئلہ مذہب عیسوی کا جو سرنوشت کے نام سے مشہور ہے حسن معاشرت کے حق میں ویسا ہی مضرت بخش ہے اگر اس مسئلہ کا معتقد نیک طبیعت اور صاف دل ہو تو بآسانی اسکو یقین ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالی نے ازل سے اسکا نام کتاب حیات میں لکھ رکھا ہے اور اسیوجہ سے وہ خیال کرتا ہے کہ اگر اسکی برائیاں اور اس کے گناہ سمندر کے کناروں کے ریت کے برابر بھی ہو جاویں تب بھی اسکا نام صفحہ کتاب حیات سے نہ مٹا یا جائیگا اور اگر وہ کمبخت بے نصیب بچارا اور بدخصلت خشک طبیعت عبوس صورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسکا نام صفحہ کتاب حیات میں مندرج نہیں ہے اور اس لئے وہ اپنے قدرتی مزاج کے خراب میلان کو روکنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور نیکی کی طرف رجوع کرنیکو اسے کوئی ترغیب نہیں رہتی۔

مذہب اسلام کی نسبت یہ بات بڑے اطمینان اور بھروسہ سے کہی جاسکتی ہے کہ سر ولیم میور نے جو راے اسکی نسبت لکھی ہے وہ سٹیٹ اسلام کے بالکل برخلاف ہے

بلکہ مذہبی عقیدہ اور مذہبی معاملات میں جو آزادی رائے اسلام نے دی ہے وہ بےنظیر ہے اور شاید دنیا میں کوئی مذہب اس معاملہ میں اُس سے فائق نہیں ہے۔

ہم اس مقام پر ایک مشہور و معروف فرانسیسی عالم یعنی ایم ڈی سنٹ ہلیئر کی رائے نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی اس تحریر کی تائید میں صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کی شہادت کو پیش نہیں کرتے بلکہ اور مذہب اور خصوصاً مذہب عیسائی کے فیاض اور دانشمند بے تعصب معتقدوں کی بھی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔

مصنف موصوف نے لکھا ہے کہ "اسلام میں کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھکر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے۔ مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ کیا جاوے اور اگر اب تک اس میں چند شبہات موجود ہیں تو اسکا الزام مذہب اسلام پر نہیں ہے کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ ہونا ممکن ہے"

اب مذہب اسلام کی آزادی رائے کا حال مذہبی معاملات کی نسبت غور کرو۔ دین محمدی صلعم کی رو سے تمام مذہبی روایتوں اور حدیثوں کی نسبت ہر ایک شخص آزادانہ رائے دے سکتا ہے راویوں کی نسبت۔ روایت کے مضمون کی نسبت۔ نہایت آزادانہ تحقیقات و تفتیش کریگا اور اُن تمام روایتوں اور حدیثوں کو جو اسکی آزادانہ تحقیقات اور بے تعصب رائے میں تحقیق کے بعد نامعتبر ٹھیریں نامقبول کرنے کا ہر ایک شخص کو کلیتہ اختیار حاصل ہے۔ جو روایتیں اور حدیثیں کہ غور و فکر و تحمل سے تحقیقات کرنے کے بعد عقل اور قدرت کے برخلاف ثابت ہوں یا اور کسی طرح موضوع قرار پاویں یا جو روایتیں اور حدیثیں بے سند ہوں اُن سب کو رد کر دینے کا کلیۃ مجاز ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز

صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث بے سند گوز شتر ہست - یہ قول ایک ایسے بڑے شخص کا ہے جسکو لوگوں نے نبی سے کچھ ہی کم مان رکھا ہے۔

قرآن مجید کی نسبت بھی جس کے ہر ایک لفظ کو مسلمان وحی سے مانتے ہیں مذہب اسلام میں جسقدر آزادی حاصل ہے کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔ ہمنے قرآن مجید کے سچ ہونے کو بھی اسکے سچ ہونے سے مانا ہے۔ ثبوت مذہب اسلام کی رو سے ہر ایک شخص کو آزادی ہے کہ خود قرآن مجید کے احکام پر غور کرے اور جو ہدایت اُس میں پاوے اُسپر عمل کرے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی راے اور اجتہاد اور سمجھ کا پابند نہیں ہے۔ مذہب اسلام میں ایسی قوت کسیکو نہیں ہے کہ دوسرے کو خواہ بزحا(؟) اُسکی سمجھ کے اپنی اطاعت اور اپنے اجتہاد کی پیروی پر مجبور کرے۔ ہر شخص آپ اپنے لیے مجتہد ہے۔ صحابہ جنکو ہم بعد پیغمبر کے بزرگ سمجھتے ہیں اُنکی نسبت بھی اکابر مذہب اسلام کا یہ قول ہے کہ "نحن رجال وھم رجال" پس اس سے زیادہ اور کیا مذہبی معاملات میں آزادی راے ہو سکتی ہے۔

مگر ہم یہودی اور عیسائی مذہب میں اس قسم کی آزادی راے معاملات مذہبی میں نہیں دیکھتے۔ مذہب اسلام میں یہ بھی ہدایت نہیں ہے کہ اُسکا جو سب سے بڑا اصول ہے یعنی خدا کے وجود اور اُسکی وحدانیت کا ماننا وہ بھی اندھادھندی کے اعتقاد اور بے مداخلت عقل اور بے سمجھے غلامانہ طور پر تسلیم کر لیا جاوے۔ کیونکہ خود قرآن مجید ہی اس بڑے مسئلہ کو جبر و سختی و ناسمجھی سے تسلیم کرنیکو نہیں کہتا بلکہ دلیلوں اور قدرتی نشانیوں سے اُسکو سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کے وجود اور اُسکی وحدانیت کو تمام قدرتی چیزوں کے وجود سے ثابت کیا ہے اور اُسکے بعد اُس لازوال ہستی اور ہمہ راستی

پر یقین کرنے کی ہدایت کی ہے - چنانچہ اُس پاک کتاب میں لکھا ہے کہ خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر تم چلتے پھرتے آدمی ہوئے -

ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون -

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون -

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو پیدا کیا اور زمین میں سے تمہارے لئے جوڑا بنایا کہ اُس سے تمکو چین ہو اور آپس میں تمہاری محبت و شفقت پیدا کی اسی میں اُن لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں -

ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات للعالمین -

خدا ہونے کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری نرالی بولیوں کا اور تمہارے بھانت بھانت کے رنگوں کا ہونا ان چیزوں میں تمام دنیا کے لوگوں کے لئے خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں

ومن آیاتہ منامکم باللیل والنہار وابتغاءکم من فضلہ ان فی ذلک لآیات لقوم یسمعون -

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سو رہنا اور اُسکی مہربانی سے رزق کا تلاش کرنا اسی میں لوگوں کیلئے جو بات کو سنتے یعنے سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں

ومن آياته يريكم البرق خوفا وطمعا وينزل من السماء ماء فيحيي به الارض بعد موتها ان في ذلك لآيات لقوم يعقلون ۔

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے بجلی کی چمک اور کڑک کا تمکو دکھانا جس سے تم ڈر جاتے ہو اور مینہ برسنے کے لالچ کرتے ہو اور برساتا ہے آسمان سے مینہ پھر مری ہوئی یعنی خشک زمین کو زندہ یعنی ہرا کردیتا ہے اس میں اُن لوگوں کیلئے جو سمجھدار ہیں خدا کے ہونے پر بہت سی نشانیاں ہیں ۔"

ومن آياته ان تقوم السماء والارض بامره ومن آياته ان يرسل الرياح مبشرات وليذيقكم من رحمته ولتجري الفلك فيه بامره ۔

خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُسی کے حکم سے آسمان و زمین کھڑے ہیں خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہے کہ مینہ کی خوشخبری لانے والی ہوا کو چلاتا ہے تاکہ اُسکی رحمت کا تم مزہ چکھو اور اُس کے حکم سے پانی میں کشتیاں چلیں

الله الذي يرسل الرياح فتثير سحابا فيبسطه في السماء كيف يشاء ويجعله كسفا فترى الودق يخرج من خلاله ۔

خدا وہ ہے کہ ہوا چلاتا ہے پھر وہ بادلوں کو ہانک لاتی ہے پھر جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور پھر بادلوں کو ٹکڑے کردیتا ہے پھر اُن میں سے بوندیں ٹپکاتا ہے ۔

الله الذي خلقكم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفا وشيبة (سورة روم)

خدا وہ ہے جس نے تمکو پہلے نہایت ہیچ ناتوان پیدا کیا پھر تمکو ناتوانی سے قوی کیا پھر قوی سے ضعیف کردیا اور بڑھاپے سے تمہارے بال بھی سفید کردیئے ۔

الم تران الله انزل من السماء ماء فاخرجنا	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس
به ثمرات مختلفا الوانها ومن الجبال	سے رنگ برنگ کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید
جدد بیض وحمر مختلف الوانها و	سرخ اور سیاہ بھجنگ رنگتیں کالیں اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں
غرابیب سود ومن الناس والدواب	اور چوپاؤں میں طرح بہ طرح کے رنگ بنائے۔ آسمانوں میں اور زمین
والانعام مختلف الوانه کذلک (سورہ	میں خدا کے ہونے پر یقین والوں کیلئے بہت سی
فاطر)۔	نشانیاں ہیں اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کو
ان فی السموات والارض لآیات للمومنین	بہتایت سے پھیلانے میں یقین والوں کے لیے
وفی خلقکم وما یبث من دابة آیات لقوم	بہت سی نشانیاں ہیں اور رات کے جانے اور
یوقنون واختلاف اللیل والنهار وما	دن کے آنے اور اُن کے بڑا ہونے اور چھوٹا ہونے
انزل الله من السماء من رزق فاحیا	اور آسمان سے مینہ کے برسنے پھر مردہ زمین کے
به الارض بعد موتها وتصریف الریاح	زندہ کرنے اور ہوا کے ادل بدل کرنے میں
آیات لقوم یعقلون۔ تلک آیات الله	سمجھدار لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔
نتلوها علیک بالحق فبای حدیث بعد	یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ٹھیک ٹھیک تجھکو بتلاتی ہیں۔
الله وآیاته یومنون (سورہ جاثیہ)	
هو الذی انزل من السماء ماء	پھر کونسی بات ہے جس پر اللہ کی اور اُسکی نشانیوں
فاخرجنا به نبات کل شی	کے بعد ایمان لاوینگے خدا وہ ہے جو برساتا ہے
فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا	آسمان سے پانی پھر پانی کے سبب ہمنے تمام اُگنے
ومن النخل من طلعها قنوان دانیة	والی چیزیں پائیں پھر ہمنے اُس سے سبز پودے
وجنات من اعناب والزیتون	نکالے جس میں سے دانوں کے گچھے نکلتے ہیں

والرمان مشتبها وغیر متشابه انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعه ان فی ذلکم لآیات لقوم یومنون (سورہ انعام)	اور کھجور کے درختوں میں انکی ٹہنیوں میں سے پھل کر بوجھ سے زمین کو جھکے ہوئے گا بہ نکلتے اور انگور اور زیتونوں اور انار کے باغ ایک سے اور الگ طرح کے اگتے ہیں دیکھو اس کے پھل کو جب کہ وہ پھلے اور پکے اس میں ہی بلاشبہ ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں خدا کے ہونے کی نشانیاں ہیں۔
هو الذی مد الارض وجعل فیها رواسی وانهارا ومن کل الثمرات جعل فیها زوجین اثنین یغشی اللیل النهار ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون (سورہ رعد)	ہم وہ ہے جس نے زمین کو ایسا بڑا بنایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور اس میں تمام پھلوں کو دو دو بنایا۔ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے اس میں بیشک بہ ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔
وفی الارض قطع متجاورات وجنات من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون (سورہ رعد)	اور زمین کے مختلف ٹکڑے آپس میں ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ ہیں کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں کسی کی بہت گھنی شاخیں ہیں اور کسی کی چھدری جو ایک سے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور کھانے میں ایک دوسرے سے مزیدار ہیں اس میں ہی بیشک ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔
الذی جعل لکم الارض مهدا	

وسلک لکم فیہا سبلا وانزل من السماء ماء
فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی کلوا
وارعوا انعامکم ان فی ذلک لآیات لاولی
النہی (سورہ طہ) ۔

وہ خدا ہے جسنے تمہارے لیئے زمین کو بچھونا بنایا
اور تمہارے لیئے اُس میں رستے جاری کیئے
اور آسمان سے مینہہ برسایا پھر ہمنے پانی کے سبب
مختلف اُگنے والی چیزوں کے جوڑے نکالے کہ تم
اور اپنے جانوروں کو چراؤ اس میں بھی عقل والوں
کے لیئے خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں اور تمہارے
لیئے مویشی کو پیدا کیا اُن میں گرم ہونے کا سامان
اور بہت سے منافع ہیں اور اُن ہی میں سے تم
کہاتے ہو اور تمکو اُن سے زیبایش ہے جب کہ
شام کو چرا کر لاتے ہو اور چرانے کو لیجاتے ہو
اور تمہارا بوجھ کسی شہر کو اٹھا لیجاتے ہیں جہاں تم
بغیر ادھ موے ہوے نہ پہونچ سکتے تھے ۔

والانعام خلقہا لکم فیہا دفء ومنافع
ومنہا تاکلون ولکم فیہا جمال حین تریحون
وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد
لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ۔
(سورہ نحل)

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما
فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا
سائغا للشاربین ۔ (سورہ نحل)

اور تمہارے لیئے مویشی میں ایک بڑی نصیحت
ہے ہم تمکو وہ چیز پلاتے ہیں جو اُن کے پیٹ
میں گوبر و لہو کے سبب بنتی ہے یعنی اچھا خاصا
دودہ جو پینے والوں کے حلق میں آسانی سے
اُتر جاتا ہے ۔

ومن آیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ان
یشاء یسکن الریح فیظللن رواکد علی ظہرہ

اور خدا کے ہونے کی نشانیوں میں سے ہیں پہاڑوں
کی مانند جہاز سمندر میں چلنے والے اگر خدا چاہے

ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور۔ (سورۂ شوریٰ)	ہوا بند کر دے وہ سمندر کی پیٹھ پر ٹھہر جاویں اس میں بھی بیشک اُن لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔
واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لاتعلمون شیئاً وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون۔ (سورۂ نحل)	اور اللہ نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا تم کچھ نہیں جانتے تھے بنایا تمہارے سننا کہ تم شکر کرو کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے جو اوپر آسمان کی وسعت میں ہیں کون انکو تھامے ہوئے ہے بجز خدا کے اس میں بھی بیشک اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں خدا کے ہونے پر نشانیاں ہیں۔"

اگر چند آیتوں کے مضامین کو مختصراً ایک جگہ جمع کر دیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ کس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے خدا کے ہونے پر قدرتی چیزوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ دنیا کو دیکھو کہ وہ کیسی عجیب چیز ہے۔ تاروں بھرا آسمان۔ اندھیرے کو اجالا کرنیوالا سورج۔ گھٹنے بڑھنے والا۔ اندھیری رات میں چاندی کے سے ورق سے بچھا دینے والا چاند۔ دریا کی موجوں اور بے نشان رستوں میں رستہ بتانے والے ستارے خدا کی طرح بطرح کی صنعتیں کھلی ہوئی آنکھوں والوں کو خدا کے ہونے کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ زمین خدا نے تمہارے لئے بنائی اُس میں ہر طرف کو جانے آنے کے رستے رکھے تم اسپر رہتے ہو اور ادہر ادہر پھرتے ہو۔ بادلوں کے بے انتہا دل اس نیلے گھیرے کے سینہ میں پیدا ہوتے ہیں کھڑے رہتے ہیں ڈولتے پھرتے ہیں پھر غائب

ہوجاتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں - یہ پہاڑونکی صورت کے اگلے

بادل روئی کے پھوئے کی طرح ہوا کے جھوکے سے اڑنے پھرنے والے دل کے دل

ہو ملا دو اُ مینہہ برساتے ہیں پژمردہ زمین کو سرسبز کرتے ہیں - گھاس اوگتی ہے اونچے اونچے

کھجور کے درخت پتوں کی خوشنما جھتریوں سمیت اوگتے ہیں جن کے گرد کھجوروں کے

گچھے لٹکتے ہیں کیا یہ اُسکے پیدا کرنے والے ہونے کی نشانیاں نہیں ہیں - تمہاری مویشی

بھی کیا عجیب نہیں ہیں - تمہارے لئے گھاس کو دودہ بنا دیتی ہے اُسکے اون سے تم اپنی

پوشاکیں بناتے ہو - دن بھر جنگل میں چرتی ہیں شام کو صف باندھکر تمہارے گھر آتی ہیں -

پھر اُن بڑے بڑے پہاڑوں یعنی جہازونکو دیکھو جو اپنے کپڑے کے پر پھیلائے سمندر کی

لہروں پر دوڑتے اڑتے پڑے پھرتے ہیں - پر پھیلاتے ہیں جست کرتے ہوئے جاتے

ہیں ہوا انکو لئے پھرتی ہے مگر جب خدا نے ہوا بند کرلی تو وہ مردہ کی طرح پڑے ہیں پر

ہل تک نہیں سکتے کیا یہ ایک کرشمہ نہیں ہے - تم کیا کرشمہ چاہتے ہو تم خود کیا کچھ کرشمہ

نہیں ہو چند برس پہلے تمہارا وجود نہ تھا - تمکو خدا نے مٹی سے پیدا کیا - چھوٹے سے بڑا

کیا - خوبصورت بنایا - طاقت تمکو دی - خیالات کی قوت تم میں رکھی - تمکو ایک دوسرے

پر رحم آتا ہے - اگر تمکو ایسا نہ بناتا تو تمہارا کیا حال ہوتا - پھر تمہارے بال سفید ہوتے ہیں

تمہاری طاقت گھٹ جاتی ہے - ناتوان ہوجاتے ہو - پھر تمہارا وجود نہیں رہتا - یہ سب

چیزیں اُس کے بنانے والے ہونے کی نشانیاں ہیں -

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

تمام قرآن اسی قسم کے قدرتی مضامین سے بھرا ہوا ہے جن سے اُس علۃ العلل یعنی

خدا کے ہونے پر استدلال کیا ہے - پھر خدا کی وحدانیت کی دلیلیں عام فہم طریقہ پر بیان کی

امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ماکان لکم ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله بل هم قوم یعدلون - امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ءاله مع الله بل اکثرهم لا یعلمو (سورہ نمل)

ہیں اور یوں فرمایا ہے کہ "کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے تمہارے لئے آسمان پرسے مینہ برسایا پھر ہم نے اُس سے درخت شاداب اُگائے تم اُن کے درخت نہیں اُگا سکتے تھے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر کافر وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے پھر جاتے ہیں کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور کس نے اس میں دریا بنائے اور کس نے زمین کے پہاڑ بنائے اور کس نے دو سمندروں میں جزیرہ بنایا - کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے مگر بہت کافر وں میں ی نہیں جانتے اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو دونوں برباد ہو جاتے "

ہر گیا ہیکہ از زمیں روید وحدہ لاشریک لہ گوید

پس امور مذہبی میں جیسی آزادی رائے اسلام میں ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگی یہ کہنا کہ اسلام کے نہ قبول کرنے کی لازمی سزا تلوار ہے مذہب اسلام پرمنجملہ ان سخت اور جھوٹے الزاموں کے ایک الزام ہے جو غیر مذہب والوں نے ناانصافی سے اُسپر کئے ہیں یا وہ مذہب اسلام سے ناواقف ہیں یا دیدہ و دانستہ حق پوشی کی نظر سے باندھے ہیں - اسلام صرف دلی یقین اور قلبی تصدیق پر منحصر ہے اور دلی یقین جبر و زبردستی سے پیدا ہی نہیں ہو سکتا - پس کیونکر یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس چیز سے وہ بات پیدا ہی نہیں ہو سکتی جس کی ضرورت اسلام کے لئے ہے اُسکے کرنیکو خود اسلام ہی ہدایت کرے -

جو لوگ مذہب اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اور خدا کے کلام کو ایک ادنی توجہ

سے ہی دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خیال کہ اسلام زبردستی و تلوار کے زور سے قبلوایا گیا قرآن مجید کے اس صاف اور روشن حکم کے بالکل برخلاف ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم (سورہ بقر آیت ۲۵۷)

دین پر لانے میں کچھ دباؤ ڈالنا نہیں ہے کیونکہ ہدایت کی راہ یعنی اسلام گمراہی یعنی کفر سے علانیہ کھل گئی ہے پھر جو کوئی بتوں کا منکر ہو اور اللہ پر ایمان لاوے تو بیشک اُسنے نہایت مضبوط کنگوہ پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے کے قابل نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے "۔ ایک اور جگہ خدا نے فرمایا ہے

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (سورہ یونس آیت ۹۹ و ۱۰۰)

کہ "اگر چاہتا اللہ تیرا پروردگار تو سب جو زمین میں ہیں اکٹھے ایمان لے آتے پھر کیا تو دباؤ ڈال سکتا ہے لوگوں پر تاکہ مسلمان ہو جائیں (یعنی دباؤ سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا) کسی شخص کو یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بغیر حکم خدا کے ایمان لاوے اور اللہ اُن لوگوں پر ناپاکی ڈالتا ہے جو نہیں سمجھتے "

جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثنا کے قتل و غارت و نیست و نابود کر دیں۔ اُس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اُسنے کبھی تمام کافروں اور بت پرستوں کے نیست و نابود کرنیکا یا کسیکو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں بلاشبہہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنی خدا پرستوں کے امن اور اُن کی جان و مال

کی حفاظت اور انکو خدا پرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس
پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا۔

اسلام میں سب سے بڑا مقصد جیسا اس لازوال ہستی پر خود یقین لانا ہے ویسا
ہی اس کے وجود اور اسکی وحدانیت کا علی العموم مشتہر کرنا ہے شروع اسلام کے زمانہ
کے مسلمانوں پر بہت بڑا فرض تھا اور حال کے زمانہ کے مسلمانوں پر بھی بقدر اس حاجت
اور ضرورت کے جواب باقی ہے فرض ہے کہ کافروں میں اور کافروں کے ملک میں تعلیم پر
اور ایسے خدائے واحد کے وجود کا یقین جو دکھائی نہیں دیتا اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں
کے دلوں میں بٹھلا دیں۔ جن ملکوں میں اس مقصد کے ادا کرنے میں کوئی مانع و مزاحم
نہیں ہے اس ملک پر اسلام نے تلوار نکالنے کی اجازت نہیں دی۔ مگر جب کافر خدا کے
نام کی منادی کے مانع ہوں اور خدا پرستوں کو جان و مال کے امن سے نہ رہنے دیں
جیسے کہ مکہ کے کافروں نے کیا اور پھر جہاں گئے وہ بھی تعاقب میں دوڑے اسوقت
بلاشبہہ اپنا بچاؤ کرنے اور خدا کے نام کو بلند کرنے کی غرض سے اسلام نے تلوار
نکالنے کی اجازت دی ہے مگر اسی وقت تک جہاں تک کہ یہ مقصد حاصل ہو جائے
تاکہ مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت ہو اور بذریعہ وعظ و تلقین و پند و نصائح کے خدائے
واحد ذوالجلال کا جلال لوگوں کے دل میں بٹھا دیں تاکہ اسی واحد حقیقی کی پرستش دنیا
میں جاری ہو۔ مسلمان کافروں میں بہ امن و امان رہیں اور اپنے چال وچلن اور عادات
و عبادات اور اخلاق محمدی سے خود اپنے تئیں مجسم اسلام بنا دیں تاکہ کافر نور اسلام کو اس
مجسم اسلام میں دیکھیں اور اسلام پر دل سے یقین لا دیں۔

ہمارے اس قول کی تصدیق کہ وہ تلوار صرف اسی مقصد کے حاصل ہونے تک نکالی

جاتی ہے نہ کافروں کی زبردستی مسلمان ہونے کے مقصد سے وہ اسباب سے ہوتی ہیں کہ بمجرد حاصل ہونے اس مقصد کے تلوار میان میں رکھ لیجاتی ہے گو کہ ایک بھی کافر مسلمان نہ ہوا ہو۔

یہ مقصد یعنی یہ کہ مسلمان امن سے رہیں اور خداے واحد کی پرستش کیا کریں اور خدا کا نام لوگوں میں بلند کریں اور اپنے چال چلن اور عادت و عبادت و اخلاق و محبت دینی سے اسلام کی مجسم صورت لوگوں کو دکھلادیں تین طرح سے حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ ایک مذہب ہو جاوے اور وہاں کے لوگ مسلمان ہو جاویں جیسا کہ مدینہ میں ہوا۔

یا یہ کہ صلح رہے یعنی یہ کہ کفار اداے فرائض مذہبی سے معترض نہوں جیسے کہ ابتدا مکہ میں تھا یا جن مسلمانوں نے حبشہ میں ہجرت کی تھی انکا حال تھا یا کافر لڑائی کی حالت میں مسلمانونکو ملک میں رہنے اور آمد و رفت کرنے اور انکی جان و مال کی حفاظت اور اداے فرائض مذہبی سے معترض نہ ہونے پر صلح کرلیں۔

یا یہ کہ ملک فتح اور کفار مغلوب ہو جاویں تاکہ انکو طاقت دشمن کی مسلمانوں سے اداے فرائض مذہبی اور اعلاے کلمۃ اللہ کی نہ رہے۔

ان تینوں صورتوں میں سے مقصد حاصل ہونے کے بعد فوراً تلوار میان میں رکھ لیجاتی ہے گو کہ ایک کافر بھی مسلمان نہ ہوا ہو اور اگر پچھلے دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ میں امن قایم ہوا ہو تو کسیکو کسی کی مذہبی رسومات میں دست اندازی کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو آزادی رہتی ہے کہ بغیر اسکے کہ کوئی شخص اسکو ایذا پہونچاوے اپنے مذہب کی تمام رسومات کو ادا کرے۔

اس بیان سے اُن مصنفوں کی بھی سخت غلطی صاف صاف ظاہر ہوتی ہے جنھوں نے

نے لکھا ہے کہ "اسلام میں دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنے دینا مطلق نہیں ہے"
ہاں ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ مسلمان فتحمندوں میں سے بعضوں نے نہایت
بیرحمی کی اور دوسرے مذہب کی آزادی کو برباد کردیا۔ مگر مذہب اسلام کا اندازہ ایسے
افعال سے نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمکو یہ بات تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا انھوں نے مذہب اسلام
کے مطابق عمل کیا یا نہیں اور اسوقت ہمکو یہ بات معلوم ہو جاویگی کہ اُن کے افعال مذہب
اسلام کے بالکل برخلاف تھے۔ مگر اسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان
فتحمند جو اپنے مذہب کے بھی پابند تھے دوسرے مذہب کی آزادی میں خلل انداز نہ تھے
اور اپنی تمام رعایا کو بلا لحاظ قوم و مذہب کے ہر طرح کا امن اور آزادی بخشتے تھے۔
تواریخ سے ہمکو بیشمار مثالیں مسلمان فتحمندوں کے دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنے
کی ملتی ہیں اور ہم اس مقام پر چند رایوں کی نقل کرتے ہیں جو اس باب میں عیسائی مصنفوں
نے لکھی ہیں اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے مذہب کو آزادی سے رہنا اسلام
کی خاصیت میں سے ہے۔

چمبرز سائیکلوپیڈیا میں ایک عیسائی مصنف نے جس کی ذات سے بہت کم توقع
ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کا طرفدار ہو اسپین کے علم تواریخ پر ایک آرٹیکل لکھا ہے اور اُسنے
اُس معاملہ میں یہ لکھا ہے کہ "اسپین کے بنی امیہ خلفاء کی حکومت کی ایک مشہور و معروف
بات قابل بیان کے ہے کیونکہ اس سے اسپین کی ہمعصر (یعنی عیسائی) اور پچھلے سلاطین
بادشاہوں کے مقابلہ میں بلکہ اس اُنیسویں صدی کے زمانہ تک اُن بادشاہوں کی بڑی
عمدگی پائی جاتی ہے یعنی اُن کا عام طور سے دوسرے مذہب کو مذہبی معاملات میں آزادی
کا دینا۔

گاڈفری ہگنز صاحب نے اس معاملہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "کوئی بات ایسی عام نہیں ہے جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت اسوجہ سے سننے میں آتی ہے کہ اُس میں تعصب زیادہ ہے اور اُس میں دوسرے مذہب کو آزادی نہیں ہے یہ عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے۔ وہ کون تھا۔ (عیسائی) جس نے مور مسلمان باشندگان اسپین کو اسپین سے بایں وجہ جلاوطن کردیا تھا کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے اور وہ کون تھا (عیسائی) جس نے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندونکو قتل کیا تھا اور اُن سبکو بطور غلام کے دیدیا تھا اسوجہ سے کہ وہ عیسائی نہ تھے۔ مسلمانوں نے بمقابلہ اسکے یونان میں کیا کیا۔ کئی صدیوں سے عیسائی امن وامان کے ساتھ اپنی ملکیت پر قابض چلے آتے ہیں اور اُن کے مذہب۔ اُن کے پادریوں۔ اُن کے بشپ۔ اُن کے بزرگوں۔ اُن کے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی ہے۔ جو لڑائی بالفعل (یعنی بزمانہ تحریر کتاب) یونانیوں اور ترکوں میں ہورہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو حال میں دمیرارا کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تھی کچھ زیادہ مذہب کیوجہ سے نہیں ہے۔ یونانی اور حبشی اپنے فتحمندوں کی اطاعت سے آزاد ہوا چاہتے ہیں اور اُن کا ایسا کرنا واجب ہے۔ جب کبھی خلیفہ فتحیاب ہوتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوجاتے تھے تو فوراً اُنکا رتبہ بالکل فتحمندوں کے برابر ہوجاتا تھا۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے سیراسین یعنی مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ وہ کسی شخص کو ایذا نہیں دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش وخرم تھے"۔

لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مور اسوجہ سے جلاوطن کیئے گئے تھے کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے مگر مجھکو گمان ہے کہ اسکا سبب اور ہی تھا یعنی میں خیال کرتا ہوں

کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اسقدر غالب آگئے تھے کہ اوان عیسائی ہاٹمس یعنی دیندار سمجھتے تھے کہ انکی دلیلوں کا جواب صرف مذہبی عدالت سے سزا دینا اور تلوار سے ہوسکتا ہے۔ اور مجکو کچھ شبہہ نہیں ہے کہ جہانتک اُن کی ناقص قوت جواب دینے کے باب میں تھی وہانتک اُن کا یہ خیال صحیح تہا۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی۔ ایرانی۔ سپین خواہ ہندو قتل نہیں کیے جاتے تھے جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب بہ امن و امان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیے جاتے تھے۔ اور اس چھوٹے حق کی بابت ایک محصول[1] دینے میں جو اسقدر خفیف ہوتا ہے کہ کسیکو گراں نہیں معلوم ہوتا۔ خلفاء کی تمام تاریخ میں کوئی بات ایسی نہیں ملسکتی ہے جو ایسی رسوائی کا باعث ہو جیسے کہ (عیسائیوں میں) مذہبی عدالت سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنے کے سبب جلایا گیا ہو۔ نہ مجھکو یہ یقین ہے کہ زمانہ امن میں صرف اسوجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُسنے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ پہلے مسلمان فتحمندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بیرحمیاں کی ہیں جنکا الزام عیسائی مصنفوں نے بھی جد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے

---

[1] مسٹر ہگنز نے یہاں غلطی کی ہے۔ کافروں سے جو مفتوح ہوجاتے ہیں اس معاوضہ میں کہ ان کو اُن کے مذہب پر چھوڑ دیا گیا ہے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ اسوجہ سے کہ مثل مسلمانوں کے بلا مرد یا قلیل مرد پر فوجی خدمت کرنے پر مجبور نہیں کیے جاتے اور گورنمنٹ کی بغرض قایم رکھنے حکومت اسلامی اور بحال رہنے امن و امان کے کوئی خدمت بجا نہیں لاتے بلکہ گورنمنٹ اُن کے حفظ امن کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے معاوضہ میں اُن سے جزیہ لیا جاتا ہے اور یہ بھی لازمی نہیں ہے بلکہ خلیفہ کو بنظر

کرنی چاہیے کہ ایک ایسا گروہ اور قریبًا ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا۔ اور جن قوموں کی نسبت بہت پست ہونیکا طعن کیا جاتا ہے ان میں سے کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا۔

مشہور و معروف مورخ مسٹر گبن جو زمانہ حال کے مورخوں میں سب سے بڑا مورخ ہے اور جسکی سند نہایت معتبر گنی جاتی ہے اس امر کی نسبت اپنی کتاب میں یہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیوں کو اُنکے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرت نے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قایم کیں اُن سے خلیفاؤں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہو جاوے۔ ملک عرب حضرت محمد کے خدا کی عبادت گاہ اور اُسکا ملوک تھا۔ مگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والے اور بت پرست جو انکو نہ مانتے تھے شرعًا نیست و نابود کیے جا سکتے تھے۔ مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان فتحمندوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنے کے بعد اس مرتاض اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معتقدوں سے بمتانت یہ استدعا کی گئی ہے کہ وہ حضرت محمد کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں لیکن اگر اُنہوں نے نہ مانا تو ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا تو وہ اپنے عقیدہ میں اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق ہیں۔

ایک مصنف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو الیسٹ اور ویسٹ اخبار میں چھپا تھا اور جسکا

عنوان یہ تھا کہ اسلام بطور ایک ملکی نظام کے ہے" اسلام میں آزادی مذہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ صرف حضرت محمدؐ ہی ایسے بانی مذہب کے تھے جو ایک دنیوی بادشاہ بھی تھے اور سپاہی بھی تھے اور یہ دونوں قوتیں خاصکر اسلیئے تھیں کہ تشدد اور اولو العزمی کو روکا جاوے اور اولو العزمی کی جانب وہ مائل تھے اور تلوار اُنکے اختیار میں تھی اسیلئے خیال ہوتا ہے کہ جبکہ اُنھوں نے مذہب کو دنیوی حکومت کا وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا جس کے سبب سے وہ لوگ شرع اور حق اُسی بات کو سمجھتے تھے۔ جو آپ جاری کرنا چاہتے تھے تو چاہیے کہ اُنکا مجموعہ احکام شرعی اور تمام مجموعوں سے مختلف ہو بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اُن احکام انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان کی طبیعت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب اگر ہم یہ بات دیکھیں کہ آنحضرت کے احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہی بلکہ اُسکے برخلاف یہ دیکھیں کہ حضرت محمدؐ نے قومی معاملات میں حق رسانی اور فیض کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کے احکام قرار دیے ہیں تو ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ آنحضرت اپنے ہمعصروں میں ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتے تھے"

پھر اُسی مصنف نے اُسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ" اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسیکو ایذا نہیں پہونچائی کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لئے قایم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کو مذہب کو بجبر تبدیل کرنیکا قصد نہیں کیا۔ ہاں اُسنے اپنے مسائل کا جاری ہونا چاہا مگر اُسکو جبراً جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگونکو فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے اور مفتوحہ سلطنتیں اُن شرائط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتداء سے

چوتھے حصہ میں ہم اُن فائدوں کو بیان کرتے ہیں جو اسلام کی بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں۔

دنیا میں مذہب اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے اور اسلام نے کسی مذہب کو اس قدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں جسقدر کہ عیسائی مذہب کو پہنچائے ہیں۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنی حضرت یحیٰی پیغمبر سے) جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا اور پھر بالکل دارومدار اُس عجیب شخص پر ہے جسکو اُنہوں نے اتنا بزرگ و مقدس سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنی حضرت عیسیٰ پر) مذہب اسلام ہی کا یہ احسان عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادے اور نڈر دل اور نہایت استوار ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار رہا اور یہودیوں سے مقابلہ کیا اور علانیہ اور دلیرانہ اسبات کا اعلان کیا کہ "جان، دی باپٹسٹ" یعنے حضرت یحییٰ بلاشبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰ بیشک عبد اللہ اور کلمۃ اللہ و روح اللہ تھے پس کونسا مذہب اس بات کا دعوی کر سکتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اُس نے عیسائی مذہب کی حمایت میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے۔ جو سب سے بڑی خرابی حواریون کے بعد عیسائی مذہب میں پیدا ہوگئی وہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا اور یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اُس لازوال سچ کے بھی متناقض تھا اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف تھا جو حضرت عیسیٰ نے فرمائی تھیں اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں۔ یہ امر اسلام کی لازوال عظمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کو پھر جاری کیا اور اُس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جسکی خاص تلقین حضرت عیسیٰ نے کی تھی۔ اسلام ہمیشہ اُس زمانہ کے عیسائیوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے عیسائیوں

سے اسی سچے مذہب کے قبول کرنیکی استدعا کی جسکا وعظ حضرت مسیح نے کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئاً بہت سے عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھل گئیں اور اس ذلیل حالت سے خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے اور انہوں نے پھر اسی رتبہ کے حاصل کرنیکی کوشش کی جو پہلے اُن کو حاصل تھا یعنی انہوں نے صرف قرآن کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہ لاشریک نہ اور عیسیٰ مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے اور نہایت معزز لقب ما یونیٹیرین یعنی موحدین عیسائی سے معزز ہے۔

اگر یہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں سے اٹھا لیا جاوے تو مسٹر گبن کی یہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل مطابق ہو جاویگی کہ اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال ڈیکن یعنے پوپ کے محل میں آجاویں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کرینگے جس کی پرستش ایسی پُراسرار رسومات کے ساتھ اُس عظیم الشان عبادت گاہ میں کیجاتی ہے۔ اکسفورڈ یا جنیوا میں جا کر اُنکو چنداں حیرت نہوگی مگر گرجا میں جاکر سوال وجواب کا پڑھنا اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے اُن کی تحریرات اور اُن کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اُس پر غور کرنا پڑیگا:

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے اُس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آسنے عیسائیونکو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونک دی۔ تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے اور اُسکو معصوم جانتے تھے جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے

صلیب پر چڑہایا خدا ہوسکتا تھا۔ اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہونچایا جس کے سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا جسکی تصدیق "ایاک نعبد وایاک نستعین" سے ہوتی ہے اسلام میں ہی کمال ہے اور اسی کمالیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا" الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔"

موسیٰ کی پانچوں کتابوں میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ مرنے کے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان ہے۔ نیکی کی جزا۔ دشمن پر فتح پانا۔ عمر کا بڑا ہونا مفلسی سے نجات پانا بیان ہوا ہے اور گناہ کی سزا۔ مرنا۔ قحط پڑنا۔ وبا کا ہونا مفلسی کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا۔ موت کے بعد اور پیغمبروں اور نبیوں نے انکا کچھ کچھ ذکر کیا مگر جس تفصیل اور کاملیت سے اسلام نے اسکو بتایا جس کے لئے خدا نے گویا یہ کام رکھ چھوڑا تھا کسی نے نہیں کیا تھا مگر جو کہ روحانی حالتوں کو یعنی گنہگاروں کی ارواحوں کی تکلیفوں کا اور نیک آدمیوں کی ارواحوں کی راحت اور خوشی کا بیان کرنا اور تصویر کھینچدینا بجز اسکے اور کسی طرح ہو نہیں سکتا تھا کہ اُسکو ایسی چیزوں اور حالتوں کے پیرایہ میں تشبیہا بیان کیا جائے جنکو انسان اپنی اس زندگی میں اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ انکا حال بہشت اور دوزخ کے نام سے اور خوشی اور ایذا و تکلیف اٹھانے کے مختلف طریقوں اور سامانوں سے بیان کیا گیا ہے۔

اسلام سے پہلے یہودی اور عیسائی اکثر پیغمبروں اور پاک شخصوں سے نہایت بداخلاقی کے افعال قبیحہ منسوب کرتے تھے اگرچہ ہماری دانست میں اُن تمام تحریر دنکو الہام ربانی سے کچھ تعلق نہ تھا مگر تمام یہودی اور عیسائی اُن تمام تحریروں کو الہام ربانی اور اُن نبیوں اور مقدس لوگونکو اُن افعال قبیحہ کا مرتکب یقین کرتے ہیں

اسلام نے اُن معصوم نبیوں اور خدا پرست شخصوں اور پاک خصلت بزرگوں کو ان تہمتوں
سے بچایا اور جو تمام یہودیوں اور عیسائیوں نے اُنپر لگائے تھے انکو تندہی سے دفع کیا اور
تمام پیغمبروں اور نبیوں اور بہت سے مقدس بزرگوں کے معصوم اور بےگناہ ہونیکا دنیا
کے بہت بڑے حصہ پر یقین کرا دیا۔ مسلمان عالموں نے اسلام کے اس مسئلہ پر یقین دلانے
سے کرا دیا و پیغمبر سب پاک و معصوم ہیں توریت کو بڑے غور سے پڑھا اور عیسائیوں اور
یہودیوں کی تمام غلطیوں کو ظاہر کر دیا اور اُنہوں نے دریافت کیا کہ یہ غلطیاں کچھ تو اس سبب
سے پڑی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت کی عبارت اور الفاظ کی غلط طور پر تعبیر
کی اور کچھ اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیمی نسخوں میں جو کوڈیسیس
کہلاتے تھے اور جو قلمی تھے متعدد وجوہ سے غلطیاں تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کر کے
انکو صحیح کیا اُن کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی اور سب سے بڑا سبب اُن غلطیوں کا یہ
ہوا کہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بغرض تسلسل مطلب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ ملا
لکھے تھے اور جن میں بلاشک بہت سی غلطیاں ہیں اُنکو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے
مقدس تحریر سمجھا تھا پس اگر اسلام نہوتا تو اُن پیغمبروں اور نبیوں اور خدا کے پاک بندوں
یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت لوط اور اُن کی بیٹیوں اور حضرت اسحاق اور یہودا اور حضرت
یعقوب کی بیویوں اور بیٹوں اور ہارون اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں ایسی ہی مٹی خراب
رہتی جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے
جیسے کہ ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں جنکو دائم الحبس کر کے کالے پانی بھیجتے ہیں یا
اُنکے گناہوں کی سزا کے لئے اُنکو سولی پر لٹکاتے ہیں صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے
جس نے اُن تمام بزرگوں کی بزرگی دنیا میں اُس حد تک پھیلائی جس کے وہ مستحق تھے۔

دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دی تھیں"

اُسی مصنف نے لکھا ہے کہ "اسلام کی تاریخ میں ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کو غیر آزاد رکھنے کے بالکل برخلاف ہے اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں اُسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نکرنا پایا جاتا ہے یہانتک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لاماٹین نے اُن واقعات کا جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ یہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی تمام روے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں" اور ایک انگریز سیاح سیلڈن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" اب دیکھو کہ یہ سب رائیں بہت سے بے طرفدار اور فیاض طبع عیسائی مصنفوں کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزاد رکھنے کا نام بھی نہیں ہے کیسی برخلاف ہیں۔

تیسرے حصہ میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔

مذہب یہود اور عیسائی مذہب کے شامل بیان کرنیکی یہ وجہ ہے کہ مجھے اسبات کا یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے شریعت موسوی کے کسی حکم یا مسئلہ کو تغییر و تبدیل نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ کی شریعت کو بدستور جاری رکھا۔ خود حضرت عیسیٰ کے اس قول سے جو متی کی انجیل باب ۵ ورس ۱۷ میں مندرج ہے کہ "یہ مت خیال کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنیکو آیا۔ میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں" ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے پس اسوجہ سے ضرور بالضرور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جو فائدے

یہودی مذہب نے مذہب اسلام سے اٹھائے ہیں مذہب عیسوی نے بھی نہ وہ فائدے حاصل کیے ہیں۔ مذہب یہود بلا شبہہ ربانی مخرج سے پیدا ہوا تھا اُسنے اس لازوال مسئلہ یعنی وحدانیت خدا کی تلقین اُس حد تک کی جسقدر کہ نجات ابدی کے حاصل کرنیکو ضروری اور اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لایق تھی مگر اُس وحدانیت کو کاملیت سے اسلام نے شائع کیا جس سے مذہب یہود کا مسئلہ بھی کامل ہو گیا۔

تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہو سکتا ہے۔ وحدت فی الذات۔ وحدت فی الصفات وحدت فی العبادت۔ وحدت فی الذات کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شئے شریک نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور نہ کوئی شئے اُس کے مشابہ ہے نہ آگ نہ پانی نہ ہوا۔ وحدت فی الصفات کے یہ معنی ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہو سکتی ہیں وحدت فی العبادت کے یہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لایق سمجھنا اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لئے بجا لانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا وغیرہ۔ ان تینوں حدوں میں سے پہلی دو حدوں کو اور تیسری وحدت کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر (جو ناقص تھا کیونکہ نجات کے لئے کافی تھا اور نہ کامل طور پر تھا کیونکہ وحدت کا پورا کمال اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لایق نہ تھا) یہودی مذہب نے بیان کیا اور تیسری وحدت کے اخیر حصہ کو جس سے درحقیقت اُس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر ہی نہیں کیا۔ اسلام نے پہلی دو حدوں کو بھی "لیس کمثلہ شیء" فرما کر کامل کیا۔ پس نہ آگ جو موسیٰ نے دیکھی خدا تھا اور نہ وہ آواز "انی انا اللہ" کی جو موسیٰ نے سنی خدا تھا اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جسکو یہودیوں نے

سمجھتے ہیں۔ انکا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے۔ پوپ گنہگاروں کے گناہوں کی بخشش دینے کا دعوے رکھتا ہے۔ پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کردے۔ درحقیقت پوپ لحاظ ان اختیارات کے جو اُسکو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسی سے کم نہ تھا بلکہ دو چار قدم آگے بڑہا ہوا تھا۔ قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا اور جو برائیاں اُس سے پیدا ہوتی ہیں اُنکو تبلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقل کی اطاعت کو چھوڑیں اور خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں۔ چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة	"اے کتاب والوں یعنی عیسائیوں آؤ ایک بات
سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا	پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے اور وہ بات یہ ہے
نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا	کہ ہم خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو
اربابا من دون اللہ (آل عمران آیت ۵۷)	اُسکے ساتھ شریک کریں اور نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو
	(یعنی پوپوں اور بڑے بڑے پادریونکو) پروردگار خدا کے سوا"

اور پھر دوسری جگہ فرمایا کہ عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشونکو پروردگار بنالیا

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا	خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور اُن کو سوائے
من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا	اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی
الا لیعبدوا الھا واحدا لا الہ الا ھو سبحانہ	عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے اور نہ اور کوئی
عما یشرکون۔ (سورہ توبہ آیت ۳۱)	خدا پاک ہے اُس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں"[1]

[1] جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں (جلد ۱ صفحہ ۲۲) لکھا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر بت پرستی

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم جو اسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلعم کے پاس

روی عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ
قال اتیت رسول اللہ صلعم وفی عنقی
صلیب من ذھب فقال لی یا عدی اطرح
ھذا الوثن من عنقک فطرحتہ فلما
انتہیت الیہ وھو یقرأ اتخذوا احبارھم
ورھبانھم اربابا من دون اللہ حتی
فرغ منھا قال فقلت لہ انا لسنا نعبدھم
قال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ
ویحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ قال
فقلت بلی قال فتلک عبادتھم ۔
(معالم التنزیل)

آئے اور اُن کے گلے میں سونے کی صلیب
پڑی ہوئی تھی آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اس
بت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ پس انہوں
نے نکال ڈالی جب وہ پاس آئے تو آنحضرت
قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے کہ عیسائیوں نے
اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا
کے سوا جب آنحضرت پڑھ چکے تو عدی نے عرض
کیا کہ ہم تو اُن کی پرستش نہیں کرتے آپ نے فرمایا
کہ کیا یہ نہیں ہے کہ وہ حرام کر دیتے ہیں اُس چیز کو
جسے خدا نے حلال کیا ہو اسکو حرام سمجھتے ہو عدی
نے کہا ہاں یہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا کہ بس یہی
اُنکا پوجنا ہے

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُسکے ہر ایک مسئلہ سے بیجا
نفرت کرتے رہے۔ مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑے بہت غور سے
اُسکو دیکھا اور کالون اور لوتھر مقدس کے دل پر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا جبکہ ان دونوں نے قرآن مجید

متعلق صفحہ ۳۲ ۔ ور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور
رہبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنہوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کونسی چیز حلال ہے
اور کونسی چیز حرام اور خدا کے احکام کی تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے۔

کی اس قسم کی آیتونکو پڑہا جس میں پوپ کو اور پادریونکو خدا کے سوا دوسرا خدا یا جھوٹا خدا ماننے کی مذمت تھی تو وہ سمجھے اور اُس سچے مسئلہ نے اُنکے دل پر اثر کیا اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور اپنا پادری ہے وہ چلا اُٹھے کہ پالیا پالیا اور اسیوقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئے اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جس میں وہ خود اور اُن کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے نکل آئے اور صاف صاف اُسکے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے۔

جس کی بدولت ہم لاکھوں عیسائیونکو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دنیا کے عیسائی ایسے ہی بت پرست ہوتے جیسے کہ اب تک رومن کیتھلک فرقہ کے لوگ بت پرست ہیں اور حضرت مسیح کی مومی مورت صلیب پر لٹکی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں پس عیسائی مذہب پر یہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے

چونکہ درحقیقت لوتھر مقدس نے مذہب اسلام سے یہ ہدایت پائی تھی اس لئے اُسکے مخالف علانیہ اسپر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان تھا[1]۔ تاہم اُسنے اپنی کوششونکو

[1] جیمنی برارڈنے پوپ کی طرف سے جرمنی کے فرمانرواؤں کے اور خصوصاً لوتھر مقدس کے ذمہ یہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرنے اور تمام پادریوں کو اس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں مراکس کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتھر کے عقیدہ میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں کا جو میل بت پرستی کے برخلاف ہے اُسپر غور کرو۔ ہاتنیس الفانس دو والڈس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنیکو موجود ہیں کہ اسلام میں اور لوتھر کے مذہب میں ایک رتی بھر کا بھی تفاوت نہیں ہے حضرت محمد نے بھی انہی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ مرتد (یعنی پیروان لوتھر) کرتے ہیں۔ انہوں نے (یعنی حضرت محمد نے) روزوں کا وقت تبدیل کر دیا

نہیں چھوڑا اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ
یا رفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے
(جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کردیا۔ ہمکو یقین ہے کہ اگر لوتھر مقدس اور زندہ رہتے تو ضرور
وہ مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ
کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر
اُس نبی آخرالزماں پر یقین کرتے جسنے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔
پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسانمند رہنا چاہئے۔

متعلق صفحہ ۲۲۲۔ اور یہ لوگ (یعنی پیروان لوتھر) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک شخص نے
اُسکی تائید میں یہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں
کو کھانا کھلادینا لکھا ہے۔ اُسی کی پیروی سے لوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار کی تھی۔ پس لوتھر
کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی جگہ جمعہ کو سبت قرار دیا
اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اُسی شخص نے اُسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت
کا کوئی دن نہیں ٹھرایا وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لوتھر نے کی تھی) اُنھوں
نے ولیوں کی پرستش کو رد کردیا اور لوتھر کے فرقہ کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں حضرت محمد صلعم کسی
کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کالون بھی اُسکو ضروری نہیں سمجھتا ان دونوں نے طلاق کو جائز
رکھا ہے وعلیٰ ہذا القیاس (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تمت

الخطبۃ الخامسۃ

فی

حالات کتب المسلمین

حسبنا کتاب اللہ

جس زمانہ سے کہ خداے مجید کی توحید کے سب سے بڑے مجدد نے لا الہ الا اللہ کا وعظ فرمایا اُس زمانہ سے تمام مسلمان خداے پاک بیچون و بے نمون پر دلی مضبوطی اور غیر متزلزل اعتقاد اور ایمان رکھنے میں ہمیشہ اور ہر جگہ ممتاز اور سرفراز رہے ہیں اور دینی علوم کی طرف بھی بہت بڑی توجہ کی ہے مگر جب تک کہ خلفاے بنی عباس کی خلافت کو جو بنی امیہ کے بعد ہوئی تھی پوری مضبوطی نہ ہولی مسلمانوں میں دنیادی علوم و فنون کا رواج جیسا کہ چاہیے ویسا نہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں خلفاے عباسیہ کی سرپرستی سے مسلمانوں میں ہر ایک قسم کے علوم و فنون کا چرچا ہوا۔ اُن کے سینہ میں علم کی محبت بھی قرآن مجید کی ترویج کے شوق کی ہمسری کرنے لگی۔ عرب کے لوگوں کے چال چلن میں بلاشبہہ یہ ایک عجیب وغریب وصف ہے جب اسمٰعیل کی اولاد کو مناسب تحریک ہوئی تو اُنہوں نے ہر قسم کے

علم کی دولت کو بھی اسی آسانی سے لوٹ لیا جس طرح کہ انہوں نے مشرق میں بے مثل
فتوحات حاصل کی تھیں۔ اُن کے قلم کی فتوحات بھی اُن کی تلوار کی فتوحات کی مانند معروف
و مشہور لیکن اُن سے زیادہ دیرپا ہوئیں۔ پرانی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی موجودہ شائستگی
اور روشن دماغی میں مسلمانوں کا رہین منت ہے کیونکہ یورپ کی مغربی حدود کے
مرکز سے علم کی وہ شعاعیں نمودار ہوئیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی کرۂ ارض کی مخلوق کے دلوں کو
منور کر دیا۔

ایک غیر متعصب عیسائی مصنف کا قول ہے کہ "اگر زیادہ تصریح سے بیان نہ کیا جاوے
تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان نویں صدی سے تیرہویں صدی تک جاہل یورپ کے روشن
دماغ معلم رہے ہیں۔ عربی علم حکمت۔ علم طب۔ تاریخ طبعی۔ جغرافیہ۔ تواریخ عام
صرف و نحو۔ بلاغت اور دل آویز فن شاعری میں بکثرت تصنیفیں عمل میں آئیں اور اکثر ان
میں سے تا قیام سلسلہ بنی آدم جاری رہیں گی اور اپنے مفید مطالب سے ان کو فیض
بخشیں گی۔"

مگر حال کے زمانہ کے نکتہ چینوں کو اگلے زمانہ کے علماء دین کی تصانیف کے عیب
و ہنر جانچنے کے وقت ان تصانیف کے اصلی حالات پر خیال نہیں رہتا۔ انکو یاد رکھنا چاہئے
کہ ان مصنفوں نے وہ تصنیفیں اس زمانہ میں کی تھیں جب کہ علم تحقیق کے مسلم قواعد کا عرب
میں وجود بھی نہ تھا۔ اسی وجہ سے جس طرح کہ ان مصنفوں کے خیالات کی بلند پروازی اور
اور ان کے استعارات کی وسعت کی کچھ روک ٹوک نہ تھی اسی طرح قواعد ترتیب اور خوش
اسلوبی سے اتفاقیہ انحراف کی بھی کوئی چیز ان کے مانع اور مزاحم نہ تھی۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی مصنف کے عیب و ہنر کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہیں

ہو سکتی اور نہ کسی شخص کو اُس کے منشا کا ٹھیک علم ہو سکتا ہے بجز اُن کے جنکو مصنف کے زمانہ کے قواعد انشا پردازی اور خیالات کے ڈھنگ سے یا اُن آمور سے جو کسی نہ کسی طرح اُس مضمون سے جس میں وہ کتاب تصنیف ہوئی ہے علاقہ رکھتے ہیں پوری واقفیت اور کامل مہارت حاصل ہو۔ اسی عدم مہارت اور عدم واقفیت کا سبب ہے کہ غیر ملک کے محققین نے جب ہمارے مذہب کی خوبیوں پر کوئی راے قایم کرنیکا حوصلہ کیا ہے تو اُنمیں فاش فاش غلطیاں کی ہیں۔

اسکے سوا اور امور بھی ایسے ہیں جو کسی مصنف کی لیاقت کا صحیح صحیح اندازہ کرتے وقت دہوکے میں ڈالدیتے ہیں۔ مثلاً ایک ہی مصنف کی دو تصنیفوں میں سے ایک تو بہت بڑا اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اور دوسری محض بے حقیقت ہوتی ہے اور اُسکا سبب دونوں تصنیفوں کے موضوع کا مختلف ہونا ہوتا ہے۔ محمد اسمٰعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اُس کی صحیح بخاری ہے جو بہ لحاظ اُس حیثیت کے جس حیثیت سے کہ وہ تصنیف ہوئی ہے نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ویسی نہو۔ دوسری کتاب اُسکی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لایق نہیں ہے اسکا سبب یہی ہے کہ اُن دونوں کتابوں کی تصنیف کا موضوع مختلف ہے۔ اسی طرح نام کی مشابہت بھی دہوکے میں ڈالدیتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کتاب اُسی شخص کی ہے جو ایک مشہور مصنف ہے حالانکہ وہ اُسکی تصنیف نہیں ہوتی بلکہ اُسکے ہمنام دوسرے شخص کی تصنیف ہوتی ہے۔ کبھی اس طرح پر دہوکا پڑجاتا ہے کہ ایک کتاب میں اُسکے مصنف نے کسی مشہور شخص کی روایتیں کثرت سے نقل کیں لوگوں نے سمجھا کہ وہی مشہور شخص اُسکا مصنف ہے اور اس خیال سے اُس کتاب کو اُس مشہور شخص کی

طرف منسوب کیا اور مستند قرار دیا۔ رفتہ رفتہ اسکی ایسی قدر ہوگئی جس کی کہ وہ ہرگز مستحق نہ تھی جیسیکہ تفسیر ابن عباس کا حال ہے۔

یہ باتیں تو صرف تمہید کی تھیں جن کو ہم لکھ چکے اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کتب مذہبی کی تصنیف کے فن کا نرالا ڈھنگ جو مسلمانوں نے اختیار کیا تھا سب لوگوں کے ذہن نشین ہوجاوے اور اس مقصد کے لیے مصنفوں نے جو مختلف طریقے دینیات کے مستند شعبوں مثل حدیث۔ سیر۔ تفسیر۔ فقہ کی کتابوں کی تصنیف میں اختیار کئے ہیں اُن کو بیان کریں۔ اس سے ہماری غرض یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے آیندہ نکتہ چینیوں کی ہدایت کے لئے ایک سیدہا راستہ بن جاوے کیونکہ اکثر لوگوں نے جو ہماری دینیات کی کتابوں کے حالات سے ناواقف تھے ہماری کتب دینیات کو دیکھکر نہایت ناسزا اور درشت کلمات کہے ہیں اور اُن کے بعد جو لوگ گذرے ہیں اُنھوں نے بھی بار ہا اندہوں کی طرح اُن کی تقلید کی ہے۔

اول کتب حدیث

جناب پیغمبر خدا اور صحابہ کرام اور نیز تابعین کے زمانہ میں حدیثوں کے قلمبند ہونیکی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اُس زمانہ میں لوگوں کو اُسکی چنداں ضرورت نہ تھی اور اگر ٹھیک اور اصلی وجہ بیان کیجاوے تو یہ تھی کہ حدیثوں کے لکھنے اور جمع کرنے سے اکثر صحابہ کرام شدید مخالف تھے اور ہمارے نزدیک انہیں صحابہ کرام کی راے نہایت صحیح اور بہت درست تھی۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں فن تصنیف عرب میں محض ایک ابتدائی حالت میں تہا آیت میں ایسی باتوں کے لیے حافظہ بہترین مخزن خیال کیاجاتا تہا۔ ان اسباب سے نبوت سے

دو سو برس تک اور ہجرت سے دو سو برس کے قریب تک حدیثوں کا قلمبند ہونا عمل میں نہیں آیا تھا۔ جب حدیثوں کا لکھنا شروع ہوا تو اُسوقت یہ مشکل پیش آئی کہ مختلف سببوں سے احادیث موضوعہ جو صحیح حدیثوں میں مخلوط ہوگئی تھیں اسقدر زمانہ کے بعد صحیح حدیثونکو موضوع حدیثوں سے تمیز کرنا ایک امر اہم معلوم ہوا۔ تاہم بہت سے شخصوں نے جن کی استعداد اور علم کے اعلیٰ درجہ میں کسیکو کلام نہ تھا صحیح حدیثونکو موضوع حدیثوں سے علیحدہ کرنے کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا اور اپنے کام میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔

ان علمار نے جو محدثین کہلاتے ہیں حدیثوں کے اعتبار کا اندازہ کرنے کو چند قواعد قرار دیئے جنکو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اول۔ حدیث کے ہر ایک راوی کو جملہ راویوں کے نام جن کے ذریعہ سے اسکو حدیث پہونچی ہو سلسلہ وار پیغمبر خدا تک یا جہانتک وہ جانتا ہو بتلا دینا لازمی قرار دیا۔

دوم یہ امر ضروری قرار دیا کہ خود راوی اور نیز وہ سب لوگ جن کے ذریعہ سے سلسلہ وار وہ حدیث اُس تک پہونچی ہو راست گو اور معتبر ہوں اگر اُس سلسلہ راویان میں سے ایک راوی بھی ایسا نہ خیال کیا جاتا تو وہ حدیث معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ سلسلہ حدیث سے خارج کر دی جاتی تھی۔

سوم۔ حدیثوں کے لکھنے کے وقت اس بات کو بھی لازمی کیا تھا کہ جملہ راویوں کے نام جن تک اُس حدیث کا سلسلہ پہونچتا ہے حدیث کے ساتھ لکھہ دیئے جاویں۔ تاکہ اگر اُن راویوں کے عام چال چلن کی بابت اور لوگوں کو کسی قسم کی آگاہی ہو تو اُس سے مطلع کردیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ وہ راوی کس درجہ تک اعتبار کے لایق ہے۔

چہارم۔ مذکورۂ بالا قواعد کے سوا بعض محدثین نے اپنی تصنیفات میں حدیثوں کے

درجہ اعتبار کے قلمبند کرنے کی رسم اختیار کی تھی۔

جملہ حدیثیں مختلف اوقات میں ان اصولوں پر لکھی گئی تھیں رفتہ رفتہ کتب احادیث کی اسقدر کثرت ہو گئی ہے کہ اگر سب کی سب ایک جگہ جمع کی جاویں تو ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو اونٹوں کی ضرورت ہو۔ ان بیشمار کتب احادیث میں سے کتب مندرجہ ذیل بمقابلہ اوروں کے زیادہ مستند ہیں

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) ترمذی (۴) ابوداؤد (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ (۷) موطا امام مالک۔

---

[1] محمد اسمٰعیل بخاری ۱۹۴ ہجری مطابق ۸۱۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ ہجری مطابق ۸۷۰ء میں انتقال فرمایا۔

مسلم ۲۰۴ ہجری مطابق ۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ ہجری مطابق ۸۷۵ء میں انتقال فرمایا۔

ابو عیسیٰ محمد ترمذی ۲۰۹ ہجری مطابق ۸۲۴ء میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ ہجری مطابق ۸۹۲ء میں انتقال فرمایا۔

ابو داؤد ۲۰۲ ہجری مطابق ۸۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۲۷۵ ہجری مطابق ۸۸۸ء میں انتقال فرمایا۔

ابو عبدالرحمن احمد نسائی۔ نے ۳۰۳ ہجری مطابق ۹۱۵ء میں انتقال فرمایا

ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ نے ۲۹۳ ہجری مطابق ۹۰۶ء میں انتقال فرمایا۔

امام مالک ۹۵ ہجری مطابق ۷۱۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری مطابق ۷۹۵ء میں انتقال فرمایا۔

ابوعبدالرحمٰن نے احمد نسائی سے پوچھا کہ تیری کتاب کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اس نے انکار کیا۔ صراط المستقیم میں لکھا ہے کہ "از وے پرسیدند کہ کتاب سنن تو ہمہ صحیح است گفت لا"

ان کتب احادیث کی اور کتابوں پر ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں وہی حدیثیں منقول ہیں جو حتی الامکان صرف معتبر اشخاص سے مروی ہوئی ہیں اور اور کتب احادیث میں یہ قید نہیں ہے مگر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح کُتب مذکورہ بالا میں بعض مشتبہ یا موضوع حدیثوں کے ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اسی طرح اور کتب حدیث میں بعض احادیث صحیح کا ہونا بھی ممکن ہے۔

مگر پہلی قسم کی کتابوں کے استنثار کی نسبت یہ درجہ اشتباہ کا ایسا ضعیف ہے کہ علماء کو اُنپر اعتماد کامل رکھنے سے (بشرطیکہ وہ اعتقاد صرف مذہبی بنا پر نہو) تاوقتیکہ اُن کی تکذیب میں کوئی صریح دلیل نہ پیش ہو باز نہیں رکھتا۔ مگر دوسری قسم کی کتابوں کی نسبت یہ اعتقاد نہیں ہے۔ جو حدیثیں کہ اُن میں منقول ہیں وہ جب ہی قابل اعتبار خیال کی جاتی ہیں کہ اُنکی صحت کے لئے کوئی شہادت موجود ہو یا اُن کے نامعتبر ہونے کے لئے کوئی دلیل نہو۔

جس زمانہ میں یہ کتب حدیث زبانی روایتوں سے لکھی گئی تھیں راویوں نے اس بات کا التزام نہیں کیا (اور یقیناً ویسا کرنا بھی ناممکن تھا) کہ وہی الفاظ بجنسہ جو پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلے تھے بیان کریں بلکہ اپنے الفاظ میں پیغمبر خدا کا مدعا ادا کرتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوشش کسی حدیث کے مخصوص الفاظ کے معنی معین کرنے سے بعض احکام یا واقعات کے قایم کرنے میں کی جاوے اُس میں بڑی احتیاط

چاہئے کیونکہ ہمکو اطمینان کامل نہیں ہے کہ درحقیقت جناب پیغمبر خدا نے اُنہیں الفاظ کو استعمال کیا تھا۔

بہت سی حدیثیں ایک ہی باب میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس اُن میں سے ایک کو صحیح مان لینا اور باقیوں کو غلط بہت مشکل کام ہے۔ اس مشکل کے حل کیلئے عالموں نے چند قواعد وضع کیے ہیں اور اُن کا نام اصول علم حدیث رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض اُن میں کے کسی خاص حالت میں اُس مدعا کے انجام دینے کے لیے وضع کیے گئے ہیں قاصر ہوں۔

تمام بیہودہ قسم کی حدیثیں مشتبہ خیال کی گئی ہیں اور ایسی حدیثیں جو مطالب قرآن مجید سے متناقض ہیں غلط قرار دینے کے لایق ہیں۔ جس طرح کہ حضرت عائشہ نے حدیث "سماع موتیٰ" کی نسبت کیا تھا۔ کیونکہ وہ حدیث قرآن مجید کے اس بیان سے بالکل مخالف تھی "وما انت بمسمع من فی القبور" حضرت عائشہ کے اس قول سے ہر ایک مسلمان واقف ہے۔

ایسے لوگ جو بہ کثرت حدیثیں بیان کرتے تھے صرف اُن کی کثیرالروایت ہونیکی وجہ سے اُنکی روایتوں کی صحت میں کلام ہوتا تھا اور اگر کسی شخص کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث غلط ثابت ہو جاتی تھی تو اُسکی اور تمام روایتوں کے مشتبہ ہونے کے لیے کافی ثبوت سمجھا جاتا تھا اسی لیئے راویوں کے باب میں بہت سی کتابیں اسماء الرجال کی مرتب ہوئیں تاکہ معتبر اور غیر معتبر راویوں کا حال معلوم ہو جائے۔ مجدالدین فیروزآبادی نے جو ایک مشہور محدث اور بہت بڑا عالم ہے اپنی کتاب مسمیٰ بہ سفرالسعادت میں ترانوے مضمون شمار کیئے ہیں اور بیان کیا ہے کہ تمام حدیثیں جو ان مضمونوں میں سے کسی مضمون کے

کے باب میں ہوں سب صحیح معتبر ہیں علاوہ اسکے اور بہت سے ذی لیاقت محدثین نے احادیث موضوعہ پر بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں

پس ان لوگوں کو جو ہمارے دین کے اصول پر رائے دینا یا ہمارے علماء نے جو واقعات سیرۃ ان کتابوں میں لکھے ہیں اُنپر یا ہمارے دین کے مختلف مسائل پر بحث کرنا چاہیں تو انکو اپنی رائے اور خیال کی تائید میں صرف اُن حدیثوں کے حوالہ دینے پر اکتفا کرنا نہیں چاہیے جنکا اوپر ذکر ہوا - بلکہ مثل ایک محقق کے سب سے پہلے اُس ذریعہ کے صدق و صحت کی تحقیق کرنی چاہیے جہاں سے وہ حدیثیں پہنچی ہوں -

ان ضروری اصول کی فراموشی یا ناواقفیت کی وجہ سے غیر ملک کے بعضے مصنفوں سے (شاید نادانستہ) جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری یا تاریخ لکھتے وقت بڑی ناانصافی کا جرم سرزد ہوا ہے - علی الخصوص اُسوقت جبکہ باقاعدہ اور غیر متعصبانہ تحقیق کی جائز دلیلوں کے عوض اُنہوں نے اپنی نالائقی سے ٹھیک تضحیک اور ہجو اختیار کی ہے -

دوم کُتب سیر

مصنفین کتب احادیث نے تو یہ ہی خیال کیا تھا کہ جس مضموں پر وہ کتابیں لکھتے ہیں اور حدیثیں جمع کرتے ہیں اُنکو مذہب سے تعلق ہے اور وہ مذہبی مسائل کی بنا قرار پاوینگی اور انکی بنیاد پر بے انتہا مسائل اور جدید عقائد اور مناظرات مذہبی پیدا ہونگے - اگر اُنمیں احتیاط نہ کی جاوے تو مذہب اسلام کو نقصان پہنچیگا - اسی خیال سے اُنہوں نے راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر نہایت کوشش کی اور جسکو معتبر سمجھا اُس کی روایت لکھی مگر اہل سیر نے سیر کی کتابیں تصنیف کرتے وقت اُسکا کچھ خیال نہیں کیا

کیونکہ ان کو اس قسم کا مطلق اندیشہ نہ تھا اور کبھی انکو یہ خیال نہیں تھا کہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں کسی عقیدہ یا مذہبی مسئلہ کی بنیاد قرار پاویگی اور مذہبی اختلافات اور بدعات کا مادہ ہونگی اسلئے انہوں نے مثل اہل حدیث کے ان مضامین کی صحت پر جو انہوں نے اس میں لکھے اور ان راویوں کے اعتبار پر جن سے وہ حالات انکو پہونچے بہت ہی کم التفات کیا۔ ان کی تحریرات کا سب سے بڑا خزانہ زبانی روایتیں تھیں۔ جس کسی نے جو قصہ ان سے بیان کیا انہوں نے نہایت اشتیاق سے اسکو سنا اور اس قصہ کی اصلیت اور راوی کے چال چلن کی نسبت ذرا بھی تفتیش نہیں کی اور اس قصہ کو اپنی کتاب میں لکھ لیا ان مصنفوں کی غرض نہ تو کسی قصہ کی تصدیق تھی اور نہ کسی روایت کی اصلیت کی تحقیق بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ ہر ایک واقع کی نسبت مشہور اور زبان زد ہے اس کو لکھ لیں اور ایک جگہ جمع کر دیں اور ان قصوں کی صحت یا لغویت کی چھان بین پڑھنے والے کی جانفشاں تحقیق اور راے پر چھوڑ دیں۔ یہ رسم بہت جلد عام ہو گئی۔ اول اول تو راویوں کے نام بھی لکھے گئے اور پھر رفتہ رفتہ راویوں کے نام لکھنے کو بھی متروک کر دیا۔ ان کتابوں میں اکثر ایسی روایتیں بھی مندرج ہیں جن کے راوی مصنف کے زمانہ سے بہت پہلے گذر چکے تھے اور کچھ پتا نہیں معلوم ہوتا کہ مصنف نے کس طرح اس روایت کو اپنی کتاب میں لکھدیا۔ ان کتابوں میں اکثر انبیاے سابقین کے قصے بھی مندرج ہیں اور وہ وہی قصے ہیں جو ایک زمانہ میں یہودیوں میں مشہور اور زبان زد تھے اور جن کی اصلیت بالکل محض تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور انکا رتبہ دیو و پری کے قصوں سے کچھ زیادہ نہ تھا اسلئے مسلمانوں کے جملہ علوم میں سے وہ علم جو سب سے زیادہ غور اور تحقیق کا محتاج ہے وہ علم سیر ہے اور جس پر تمام علماء

کو نہایت عمیق توجہ کرنی لازم ہے۔

پس اُن کتابوں کو صرف یہ امر کہ وہ مشہور اور معروف علماے سابقین کی تصنیفات سے ہیں اعتبار کا مستحق نہیں کرتا ہے۔ مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والونکو ان کے اعتبار کو بہ لحاظ اس اصول کے جس پر خود اُن کے مصنفوں نے انکو تصنیف کیا ہے ساقط سمجھنا چاہیے اور جب تک کہ اُن کتابوں کی مندرجہ روایات کی صحت فی نفسہ ثابت ہونے اور اصول تحقیقات سے اُنپر طمانیت نہ ہوے اُن روایتونکا اُن کتابوں میں مندرج ہونا اعتبار کے لئے کافی نہیں ہے۔

ان وجوہ سے تاریخ محمد اسمٰعیل بخاری۔ تاریخ محمد جریر طبری۔ سیرت ابن سعد کاتب الواقدی اور دیگر علماء متبحر کی مشہور و معروف تصنیفیں جیسے مدارج النبوت۔ قصص الانبیاء۔ معراج نامہ شہادت نامہ مولدنامہ وغیرہ اور اور اسی قسم کی کتابیں سب کی سب یکساں حالت میں ہیں۔

ہمارے جناب پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھنے میں اور کتب سیر سے اُن حالات کو منتخب کرنے میں یورپین مصنفوں نے اسقدر متحملانہ تحقیقات کو اختیار نہیں کیا ہے جو اس مضمون کی عظمت کے شایان ہے بلکہ برخلاف اسکے ازراہ تعصب او بغض کے اُنھوں نے دیدہ و دانستہ اُس روشنی سے آنکھ چرائی ہے جسکی شعائیں اُن کے چہرہ پر پڑرہی تہیں اور اس طرح پر اُنھوں نے اپنے حق میں اس مثل کی تصدیق کی ہے کہ "کوئی شخص ایسا اندھا نہین ہے جیسے کہ وہ لوگ جو ارادتاً نہیں دیکھتے"

سوم کتب تفسیر

اکثر لیئق شخصون نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ بعض نے اسکے بلاغت اور

فصاحت آمیز کلام اور خوبصورت اور بے نظیر طرز بیان کی تفسیر کی ہے۔ بعض نے اُس کے پڑھنے کا خاص طریقہ معہ قرارت اور لہجہ کے بتلایا ہے۔ بعضوں نے صرف آیات احکام کی جو قرآن مجید میں ہیں تفسیر کی ہے۔ بعض نے اپنا وقت اور اپنی محنت آیات کے شان نزول دریافت کرنے میں صرف کی ہے۔ بعض نے اپنی تفسیروں میں واعظین کے لیے دلچسپ اور عجیب و غریب اور حمقا کے خوش کرنے کے لیے دور از عقل و قیاس مضامین جو یہودیوں کے ہاں مروج تھے جمع کر دیئے ہیں۔ بعضوں نے ایسی تفسیریں لکھی ہیں جو ان تمام مضامین پر حاوی ہیں۔

ان مفسرین نے اپنی تفسیریں لکھنے میں کتب سیر اور احادیث کی طرف رجوع کیا تھا جنکا بیان ہم ابھی کر چکے ہیں۔ یہ بات نہایت افسوس کے قابل ہے کہ یہ مفسرین اُن بیشمار جھوٹی روایتوں اور مصنوعی قصوں ہی کو جنکا موجود ہونا اُن کتابوں میں ابھی بیان ہو چکا ہے کام میں نہیں لائے۔ بلکہ ایسی روایتیں اور حدیثیں بھی اُنہوں نے اپنی تفسیروں میں لکھدیں جو صرف انہیں تفسیروں میں پائی جاتی ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں بھی جو بعض حیثیات سے درجہ اعتبار کا رکھتی ہیں اور جو صحاح ستہ یا صحاح سبعہ کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں قرآن مجید کی تفسیر کے لیے خاص ابواب مخصوص ہیں جو کتاب التفسیر کے نام سے موسوم کیئے جاتے ہیں اگر اُن کل کتابوں کے مضامین کو جو قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق ہیں ایک جگہ جمع کیا جائے تو معدودے چند صفحوں سے زیادہ نہ ہونگے مگر مفسرین نے نہایت موٹی موٹی جلدیں ایسی بیہودہ اور نامعتبر روایتوں سے بھر لی ہیں جنکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے غرضکہ ایسی تفسیریں اور علی الخصوص وہ جو واعظین کے فائدہ کے لیئے

لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بیہودہ قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور ملائک اور بہشت اور دوزخ اور ان کے اوصاف وخواص کے بیان کرنیکا دعویٰ کرتے ہیں اور کُتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو پیش کرتے ہیں سراسر غیر معتبر روایات سے مملو ہیں اور وہ روایتیں صرف یہودیوں کے ہاں جاری تھیں مگر خود مذہب یہودیہ انکے معتبر ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ان تفسیروں میں اکثر ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جو علماء دین کی طرف منسوب کی گئی ہیں مگر اس امر کا تحقیق کرنا کہ وہ روایتیں درحقیقت اُنہیں عالموں کی روایتیں ہیں ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ اس بات کا دریافت کرنا کہ وہ روایتیں ان مفسرین تک کیونکر پہونچیں۔

ان تفسیروں کے وہ حصے جن میں قرآن شریف کی بلاغت اور فصاحت اور اس کے طرز بیان کی خوبصورتی اور اُسکی قرأت کے خاص لہجوں کا بیان ہے بلاشبہ نہایت عمدہ اور قابل قدر کے ہیں مگر ان حصوں کے سوا تمام روایتیں اور قصے جو ان تفسیروں میں شامل ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کیونکہ وہ مثل سچے اور جھوٹے موتیوں کے باہم مخلوط ہیں اور یہ کام خریدار کا ہے کہ اُن میں سے سچے موتیوں کو منتخب کرلے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو بدون مناسب چھان بین اور کافی تحقیقات کے کسی ایسی تفسیر کے قصوں کا حوالہ دے کر ہمارے پاک مذہب پر خوردہ گیری اور عیب چینی کی بنیاد قائم کرتا ہے جیسے کہ اکثر یورپ کے مصنفین نے کیا ہے وہ نہایت غلطی اور دہوکہ میں پڑتا ہے۔

غرضکہ یہ تینوں قسم کی کتابیں جنکا اوپر ذکر ہوا مذہبی امور پر لکھنے والے اور بحث کرنے والے کے لئے نہایت بیش بہا اور نہایت بیقدر مادہ کو آن واحد میں جمع کرتی ہیں علمائے محققین اسلام نے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں جن کے وسیلہ سے وہ اس مخلوط مادہ سے

متعدد فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر یورپ کے مصنفین اُس سے محروم ہیں۔

اکثر عالم ایسے گذرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں اپنی نیک دلی سے نہایت سچا اور مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک امر کرنیکا پورا اختیار ہے گو وہ کام عقل اور قوانین فطرت کی رو سے کیسے ہی متناقض کیوں نہوں۔ اس مسئلہ کا انکو ایسا ہی دلی اعتقاد ہے کہ جو کوشش اُن کے اس اعتقاد کے سست او متزلزل کرنے میں کیجاے وہ یقیناً ناکام ہوگی۔ وہ ہر حجت اور دلیل کے سننے سے یا اسپر ذرا سے ہی غور کرنے سے جو اُن کے نشستین عقیدہ کے مخالف ہو ضد سے انکار کئے جاینگے۔ ایسے سادہ مزاج اور صاف باطن آدمیونکو بہشتی آدمیوں کا لقب دیا گیا ہے "کما قیل اهل الجنة بله" ان مقدس اور بزرگوار لوگوں نے اپنی تصنیفات میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ بلا کسی تمیز کے جملہ روایتوں کو معتبر خیال کرتے ہیں اور ہر واقعہ کو جو اُس میں مندرج ہے صحیح سمجھتے ہیں یہانتک کہ اگر کوئی روایت مختلف صورتوں میں اُنکے پاس پہونچے یا ایک ہی واقعہ کی نسبت متعدد روایتیں جو آپس میں متناقض ہوں اُن تک پہنچیں تو وہ اُنکو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ واقعہ متعدد دفعہ اور متعدد صورتوں میں واقع ہوا ہوگا جن کا الگ الگ بیان ہر ایک روایت میں ہے۔

پس ایسے لوگوں کی تصنیفات جنھوں نے صحیح اور کامل غور و فکر کے ساتھ اس مضمون کو نہیں لکھا ہے بلکہ اندہا دہندی سے مذہبی جوش و حرارت کی بنا پر لکھڈالا ہے غیر ملک کے اُن علماء کی نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے جو اپنی دلائل کو اُن کتابوں کی روایات مندرجہ پر مبنی کرکے اُن سے ایسے نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مذہب

اسلام کے حق میں مضر ہوں۔

اقسام مذکورہ بالا کے سوا ایک اور قسم کی کتابیں بھی ہیں جو محض اُن لوگوں کے لئے لکھی گئی تھیں جو مذہب اسلام پر بغیر کسی وسوسہ کے قوی اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ کتابیں اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ اُن لوگوں کا مذہبی اعتقاد زیادہ ہو اور اُنکی حرارت مذہبی زیادہ مشتعل ہو جائے جیسی کتاب شفاء قاضی عیاض ہے جس کی سند پر ہم اسی کتاب سے عبارت پیش کرتے ہیں۔

"قال القاضی ابوالفضل حسب المتامل ان یحقق ان کتابنا ھذا لم نجمعہ لمنکر نبوۃ نبینا ولا لطاعن فی معجزاتہ فنحتاج الی نصب البراھین علیھا وتحصین حوزتھا حتی لا توصل المطاعن الیھا ونذکر شروط المعجزۃ والتحدی وحدہ وفساد قول من ابطل نسخ الشرایع وردہ بل الفناہ لاھل ملۃ الملبین لدعوتہ والمصدقین لنبوتہ لیکون تاکیداً فی محبتہم ومنماۃ لاعمالھم ولیزدادوا ایماناً مع ایمانھم۔

ان مصنفین نے اپنی تصنیفات میں واقعات کا ذکر بلا تمیز اُن کی صحت اور عدم صحت کے اور بدون کوشش اُن واقعات کے اصلی معنی دریافت کرنے کے کیا ہے۔ پس اگر کوئی محقق نکتہ چیں اپنی دلیل کو کسی جھوٹی روایت پر جو ایسی کتاب میں منقول ہوں مبنی کرتا ہے تو وہ ایمانداری اور راست بازی سے ہمارے مذہب کی تحقیق اور تدقیق نہیں کرتا

اسی قسم کے بعض بزرگوار ذی علم لوگوں نے جو اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں اپنی تصنیف کے دائرہ کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ وہ ہر چیز کے امکان کو خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف منسوب کر کے اس بنا پر ہر ایک واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اُس کے

وقوع کے امکان کو منطقی دلیلوں سے تائید کر کے اپنے مذہب کے مخالف عیب جوئیوں کو جواب باصواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ کتابیں درحقیقت ایسی صحیح اور مدلل لکھی گئی ہیں کہ کوئی شخص جو کسی مذہب کو مانتا ہو اور مذہبی معجزات کا قائل ہو کسی عقیدہ مندرجہ کتب مذکور پر بدون اس کے کہ اپنے مذہب کو بھی ویسے ہی الزامات اور اعتراضات کا مورد بناوے حرف گیری نہیں کر سکتا۔

لیکن اس شخص کے نزدیک جو قوانین قدرت کے برخلاف کسی امر کے ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتا اور وحی اور الہام کو بھی نہیں مانتا ان کتابوں کی دلیلیں جن کی اصل کی بنا مذہب کے اوپر ہے اس آدمی کی مانند ہیں جس کی صرف ایک ٹانگ ہو اور چلنے پھرنے سے عاری ہو۔

اُن علماء نے جو اوروں کی نسبت زیادہ ذی علم تھے اپنی تصانیف میں ایک فلسفیانہ قاعدہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ مذہب علم سے تعلقات رکھتا ہے اُنھوں نے ہر روایت کی صحت کی تحقیق کی ہے اور ہر ایک لفظ کے معنوں پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان علماء فلسفی میں سب سے پہلے خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ایسی تصنیفات جیسی کہ اُن کی ہیں کچھ زیادہ مطبوع اور مروج نہ ہوئیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اُن کے مضامین عام لوگوں کے احاطہ فہم و ادراک سے باہر ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ وہ اُن بزرگوار مصنفوں کے مطبوع خاطر نہیں ہیں جو عقائد مذہبی پر فلسفی دلیلیں لانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت پر حکمت سے استمداد کیجائے۔

پہلی قسم کے علما کو جنہوں نے اپنے مذہب کے واسطے فلسفی دلائل پیش کرنے میں جانفشانی کی ہے دوسری قسم کے علما انکو دین حق کا دشمن قرار دیتے ہیں اور ان کو گمراہ کہتے ہیں جس اتہام سے خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی نہیں بچے ۔

لیکن ان کتابوں میں ایک اور نقص بھی پایا جاتا ہے یعنی وہ دلیلیں جو ان میں مستعمل ہوئی ہیں فلسفہ قدیم کے اصول پر مبنی ہیں جن میں سے اکثر تو وہ اب سے ساقط یا غلط ثابت ہوگئی ہیں یا علوم جدیدہ میں مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں ۔ مگر یہ نقص صرف علمائے دین اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور مذہبوں کے عالموں میں بھی جو دین کی بحث اصول فلسفہ پر کرتے ہیں موجود ہے ۔ اسلئے ہر مذہب و ملت کے عالموں کا جو اس کو پاک اور بے لوث رکھنا چاہتے ہیں یہ فرض ہے کہ ان کتابوں کی جو فلسفہ قدیم کے اصول پر لکھی گئی ہیں نظر ثانی کریں اور فلسفہ جدید کے اصول پر نئی کتابیں لکھیں اور اپنے مذہب کے اصول کو اصول قانون قدرت کے مطابق بحث کرنے کے قابل کریں ۔

چہارم کتب فقہ

جب کہ حدیثوں کا یہ حال تھا جو ہمنے اوپر بیان کیا تو ان لوگوں کا کام جنہوں نے احکام شرعی کو مستنبط کرنا چاہا نہایت ہی مشکل تھا اور جبکہ کتب حدیث لکھی جا چکیں اسوقت یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہوگیا جو عالم کہ سب سے زیادہ لائق تھا اس نے صرف قرآن[1] مجید کو اپنا رہنما سمجھا جس کی صحت و صداقت علی العموم مسلم تھی اور ۔ اور بڑے بڑے

[1] جناب پیغمبر خدا کے زمانہ میں قرآن مجید جیسا کہ بالفعل موجود ہے تمام و کمال یکجا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ وہ علیحدہ علیحدہ حصوں میں لکھا ہوا تھا اور کچھ آیتیں ایسی تھیں جو صرف لوگوں کو یاد تھیں اور بعض آدمی ایسے بھی تھے جنکو

عالموں نے جو مجتہد کہلاتے ہیں قرآن اور احادیث کو جو دستیاب ہوئیں (اور کچھ شک نہیں ہو افادہ ظن سے زیادہ اور کوئی بات اُن سے حاصل نہ ہوتی تھی) احکام شرع کے لیے ماخذ قرار دیا۔ اول قرآن مجید کو اور بعد اُسکے اُن حدیثوں کو جنکی صحت پر ان لوگوں کو یقین تھا جنھوں نے اُن کو جمع کیا تھا درجہ دیا جاتا تھا اُسکے بعد صحابہ کے اقوال اور کاموں کو اور بعض عالم تابعین کے اقوال اور کاموں کو بھی اس کام کے لئے فائدہ مند خیال کرتے تے جو لوگ کہ اس کام پر متوجہ ہوئے مجتہد اور فقیہہ اُن کا لقب تھا اکثر ایسی صورتیں بھی فقہائے اسلام کے سامنے پیش کی گئیں یا درحقیقت واقع ہوئیں جو قرآن مجید یا احادیث میں نہیں پائی گئیں اور اسیوجہ سے بادی النظر میں کوئی قطعی فیصلہ اُن صورتوں کا قرآن مجید یا کتب حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اس مجبوری کی حالت میں فقہائے اسلام نے قرآن مجید اور احادیث میں ایسے اصول کی تلاش کی جو اُن صورتوں پر بھی حاوی ہوں اور خوش قسمتی سے وہ اُس پر کامیاب ہوئے اور الفاظ کے استعمال اور طرز بیان سے اور ایک حکم کو جو کسی واقعہ میں ہوا تھا اُسکے مشابہ ایک دوسرے واقعہ پر قیاس کرنے سے اُس مطلب کو حاصل کیا۔

ان علماء نے بعض اوقات قرآن مجید کے ایسے حکم کو جو کسی صورت خاص سے متعلق تھا عام ٹھیرایا اور کبھی قرآن مجید کے ایسے حکم میں جو ظاہر میں عام ہوتا تھا مستثنیات قائم کیے۔ اُنہیں علماء نے بعض ایسے اصول و قواعد منضبط کیے جن پر عمل کرنے سے

تمام و کمال حفظ تھا۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں اُن لوگوں نے اُن تمام متفرق حصوں کو ایک جگہ جمع کیا جس طرح کہ اب موجودہ حالت قرآن مجید کی ہے اور ان تمام لوگوں نے جنھوں نے اُسکو خود پیغمبر خدا کے زبانی سنا تھا اُس مجموع کی صحت اور درستی کو تسلیم کیا۔

عجیب و غریب مقدمات میں بھی قرآن مجید اور حدیث سے احکام مستخرج ہو سکیں اور یہ ایک نئی
شاخ علم دین کی علوم دینیہ میں قائم ہوگئی جو بنام اصول فقہ موسوم ہے۔ اسی بنیاد پر انسان
کے تمام افعال کی نسبت احکام استخراج کیے گئے اور اس میں کتابیں لکھی گئیں جو کتب فقہ
کہلاتی ہیں۔ ان کتابوں میں سب سے پہلی کتاب جو فقہ حنفیہ کے اصول پر لکھی گئی
وہ فتاوی عالمگیری ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے حکم سے مرتب ہوئی تھی۔ فقہ کی تمام کتابوں
کے مصنفین کا نہایت شکر گذار ہونا چاہئے کہ انہوں نے اسقدر محنت اور جانفشانی سے
انکو لکھا ہے اور جسقدر تعظیم و اکرام ان مصنفین کو شایاں ہے اتنی ہی قدر و منزلت ان
کتابوں کی سزاوار ہے۔ لیکن باستثنائے ان احکامات کے جو خاص قرآن مجید سے جن
میں بحث نہیں ہو سکتا اخذ کئے گئے ہیں اور ان احکامات کے جو ان احادیث سے
لئے گئے ہیں جن میں روایتاً اور درایتاً دونوں طرح صحیح اور معتبر ہونے کا ظن غالب ہے
باقی احکامات کو گو کہ فقہا نے قرآن مجید اور احادیث ہی سے مستنبط کیا ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے
کہ وہ مثل نصوص صحیحہ کے مذہبی احکام ہیں۔ غیر ملک کے مصنفین اور نکتہ چین محققین نے
ایسے مستخرجہ احکام کو اصلی ارکان دین اسلام سمجھنے میں اکثر مغالطہ کھایا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ذی لیاقت علماء جنہوں نے ان احکامات کو اسلام
کے اصول اصلی سے مستخرج کیا ہے بہ نسبت ہمارے بہت بڑے عالم تھے۔ مگر اس اصول پر کہ "
الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کچھ خطا نہیں ہے اور وہ سب احکامات
مستخرجہ خطاء و غلطی سے بالکل مبرا ہیں۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری کتب فقہ دو قسم
کے اصول و احکامات سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک ان احکامات اصلی سے جو بغیر کسی شبہہ کے
منصوص ہیں دوسرے وہ جنکو علماء مجتہدین نے مستنبط اور مستخرج کیا ہے اور جو اسی وجہ سے

ممکن الخطا خیال کئے جا سکتے ہیں۔ پس اُن لوگوں کا جو ہمارے احکام شرعی کی تحقیق و تدقیق کرنا چاہیں فرض ہے کہ اول قسم کے احکام کو دوسری قسم کے احکام سے تمیز کریں کیونکہ اگر دوسری قسم کے احکام میں کوئی نقص پایا جائے تو اسکو مذہب اسلام پر عائد کرنا نہیں چاہئے بلکہ اسکا الزام اُس عالم کے سر پر ہے جسنے اُن احکامات کو استخراج کیا ہے اور جو مذہب اسلام کے ایک فقیہہ ہونے سے کچھ زیادہ رتبہ کا مستحق نہیں ہے۔

مذہب اسلام میں جو چار بڑے بڑے فقیہہ اور مجتہد گذرے ہیں جنکی تمام مسلمان تقلید کرتے ہیں اُنکی بھی یہی رائے ہے[1]

قال الشیخ عبد الوهاب الشعرانی فی الیواقیت کان ابو حنیفه رحمه الله اذا افتی یقول هذا رای النعمان ابن ثابت یعنی نفسه وهو احسن ما قدرنا علیه فمن جاء باحسن منه فهو اولی بالصواب

وقال کان الامام مالك رحمه الله تعالی یقول ما من احد الا وهو ماخوذ من کلامه ومردود علیه الا الرسول صلی الله علیه وسلم۔

ثم قال وکان الامام احمد رحمه الله یقول لیس لاحد مع الله ورسوله صلی الله علیه وسلم کلام وقال ایضا للرجل لا تقلدونی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرهم وخذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة وروی الحاکم والبیهقی عن الشافعی رحمه الله انه قال یوما للمزنی یا ابراهیم لا تقلدنی فی کل ما اقول وانظر فی ذلك بنفسك فانه دین وکان رحمه الله یقول لا حجة فی قول احد دون رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

تمت

الخطبة السادسة

فی

الروایات المرویات فی الاسلام

یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالة فتصبحوا علی

ما فعلتم نادمین

مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور اُنکے رواج کی ابتدا

تاریخ اسلام کے ابتدا زمانہ سے آجتک قرآن مجید شرع محمدی کا لازوال منبع رہا ہے اور ہمیشہ تک رہیگا۔ ہر مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ خود جناب پیغمبر خدا ہمیشہ قرآن مجید کے موافق کاربند ہوئے ہیں یعنی جو احکام قرآن مجید میں بہ نص صریح مندرج ہیں خواہ استدلالاً اُس سے نکلتے ہیں اُنہیں کے مطابق عمل فرمایا ہے۔ یہ اصول ہر قرن میں ملحوظ رہا اور کوئی قول برخلاف قرآن مجید کے تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہی اصول ہمکو حضرت عائشہ نے سکھایا ہے جبکہ اُنہوں نے سماع موتے کی حدیث کو قرآن مجید کے برخلاف ہونے کی وجہ سے رد کردیا۔ پس جو حدیث کہ قرآن مجید کے منشا کے متناقض ہو اُسکو یک

یک لخت غیر معتبر اور موضوع خیال کرنا چاہئے۔

لیکن جبکہ ہم وحی "غیر متلو" میں بھی یعنی ایسی وحی میں جس کا مطلب آنحضرت پر القا ہوا ہو اور اُس مطلب کو آنحضرت نے اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہو جس پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے اعتقاد رکھتے ہیں تو بلاشک ہم پر واجب ہے کہ احادیث نبوی کو جمع کر کے جہاں تک ممکن ہو اُنکی تحقیق اور تدقیق کریں۔ مگر جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے منشا کے خلاف نہیں ہو سکتی تو ہمکو اُس تحقیقات میں معلوم ہوگا کہ صحیح حدیثیں صرف تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جو قرآن مجید کے مطابق ہوں اور اُسکی تائید کرتی ہوں۔ دوسری وہ جن سے قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر ہوتی ہو۔ اور تیسری وہ جو ایسے امور سے متعلق ہوں جنکا قرآن مجید میں کچھ ذکر نہیں ہے۔

لیکن خود جناب پیغمبر خدا نے ہمکو ہدایت کی ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اُن کا تمام کلام وحی نہیں ہے بلکہ وحی "وہی ہے جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہے اور جس کی نسبت خود جناب پیغمبر خدا نے اُن کا وحی سے ہونا بیان فرمادیا ہے یا اُن میں ایسے امور بیان ہیں جو عقائد مذہبی۔ اخلاق۔ عالم عقبیٰ اور روح کے حالات سے علاقہ رکھتے ہیں جنکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ مذکورۂ بالا اقسام کے سوا باقی کلام آنحضرت کا وہ ہے جو تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا اور جسکی نسبت خود آنحضرت نے فرمایا ہے کہ "اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک انسان ہوں جب میں

انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من امر — تمکو تمہارے دین کی کسی چیز میں حکم کروں تو اُسکو پکڑ لو اور دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشئ — جب میں تمکو اپنی رائے سے کسی چیز میں حکم کروں تو میں من رائی فانما انا بشر۔ — بھی انسان ہوں۔

اور حدیث تابیر النخل میں فرمایا ہے کہ "میں نے ایک طرح کا گمان کیا تھا اور گمان کرنے میں تم مجھ سے کچھ جھگڑا مت کرو لیکن جب میں تمکو خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اُسکو پکڑ لو کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔

فانی انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا به فانی لم اکذب علی اللہ۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے جو بیماریوں کا علاج بتایا یا کسی رنگ کے گھوڑے کو پسند یا ناپسند کیا یا کوئی کام آنحضرت نے بطریق عادت کیا نہ بطور عبادت کے یا اتفاقیہ کوئی کام بغیر قصد کے ہو گیا یا آنحضرت کی ایسی باتیں جیسی کہ لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور نیز ایسے کام جو سردار کو لشکروں کے معین کرنے اور اُن کے لئے نشانیوں کے قرار دینے اور متخاصمین کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں یہ سب اسی دوسری قسم میں داخل ہیں۔ زید ابن ثابت نے کہا کہ میں آنحضرت کے ہمسایہ میں رہتا تھا پھر جب وحی آتی تھی تو مجھکو یاد فرماتے تھے اور میں اُسکو لکھ دیتا تھا۔ پھر جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے تو آنحضرت بھی ہمارے ساتھ اُسیکا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو ہمارے ساتھ اُسیکا ذکر کرنے لگتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو کھانے ہی کا ذکر فرماتے تھے۔ پس سوا ذکر آخرت کے باقی تمام باتیں تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتیں۔ باایں ہمہ ہم آنحضرت کے تمام افعال و اقوال کا نہایت ادب کرتے ہیں اور اُنکو مقدس اور نہایت نیک اور پاک اقوال اور افعال سمجھتے ہیں۔ مگر رسالت سے اُنکو کچھ تعلق نہیں۔

غرضکہ چار قسم کے اقوال آنحضرت کے ایسے ہیں جن پر ہمکو غور کرنی لازمی ہے۔
(۱) اول وہ جو ہمارے دین سے علاقہ رکھتے ہیں (۲) جو جناب پیغمبر خدا کے مخصوص حالات سے علاقہ رکھتے ہیں (۳) ایسے اقوال جو تمام لوگوں کے حالات پر موثر ہیں۔
(۴) وہ احکام جو سیاست ملکی اور انتظام مدنی سے متعلق ہیں

ان میں سے پہلی قسم تو کچھ غور طلب نہیں ہے مگر صرف پہلی تین قسمیں اس قابل ہیں کہ اُن کی نسبت اس قسم کی تحقیق و تدقیق کیجاے کہ کونسی اُن میں کی از روے وحی کے ہیں اور کونسی اُن میں کی از روے وحی کے نہیں ہیں اور ہمکو لازم ہے کہ صرف اُنہیں احادیث کو وحی سمجھیں جن کی نسبت ہمکو ایسا سمجھنے کے لئے کافی دلیل اور ثبوت ہے۔

اگرچہ جناب پیغمبر خدا نے ہمکو بتصریح اُن کے قدم بہ قدم چلنے بلکہ صحابہ اور تابعین کی پیروی کرنیکا حکم دیا ہے اگرچہ حکم محض متعلق بہ معاملات دین سمجھا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں نے بھی حتے الامکان مذکورہ بالا امور میں اُن کی پیروی کی کوشش کی ہے مگر ان ہر کے تین امروں کی پیروی کرنے میں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں یعنی اگر انکا وحی سے ہونا ثابت ہو تو اُسکی اطاعت اور پیروی ہمپر فرض ہے اور دوسری صورت میں ہم اپنی خوشی سے عالم عقبیٰ میں ثواب حاصل کرنے اور اپنے پیغمبر کی محبت اور اُنکی تعظیم اور عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں یا حالات زمانہ اُسکے ترک پر ہمکو مجبور کریں تو بغیر اسکے کہ مذہب میں کچھ نقصان عائد ہو یا کسی گناہ کے مرتکب ہوں اُنکو ترک کر سکتے ہیں۔

اسی قسم کے خیالات نے ہمکو جناب پیغمبر خدا کی جملہ احادیث کے جمع کرنے اور اُن کی تحقیق کرنے پر مجبور کیا۔ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اسلام کی سلطنت جزیرۂ عرب

میں وسیع ہوگئی تھی اور بیشمار لوگوں نے دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ ہر مسلمان کی جناب پیغمبر خدا تک رسائی محال تھی اسلئے جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کا علم اُن مسلمانوں تک پہونچانا جو اقطاع دور دراز میں رہتے تھے لازم ہوا اور اسی وجہ سے پیغمبر خدا نے اس امر کو پسند کیا جیسا کہ حدیث ذیل میں مذکور ہے پس اسی زمانہ سے روایت کے بیان کرنے کا رواج ہوا۔

ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو سیراب کرے جس نے ہمسے کوئی بات سنی اور اُسکو اُسی طرح دوسروں کو پہنچایا جیسے کہ ہمسے سنا تھا۔ سو اکثر پہنچائی گئی سننے والے سے زیادہ اُسکو یاد رکھنے والے ہیں۔

عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع
(رواہ الترمذی وابن ماجہ رواہ الدارمی عن ابی الدرداء)

اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں چند اشخاص بعض متفرق احادیث کو بھی قلمبند کرلیا کرتے تھے اور آنحضرت کی وفات کے بعد سے اس رواج کو زیادہ ترقی ہوتی گئی مگر ان دونوں زمانوں میں یہ رسم اسقدر محدود تھی کہ کسی خاص غور اور توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اُس زمانہ میں بہت سے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے خود جناب پیغمبر خدا کا کلام سنا تھا اور جو ایسے نہ تھے اُنکو جناب پیغمبر خدا کے اقوال اور افعال اور عادات کی نہایت آسانی سے واقفیت ہوسکتی تھی اور اسلئے احادیث کے جمع کرنیکی چنداں ضرورت نہ تھی۔

گر رفتہ رفتہ جبکہ وہ سن رسیدہ آدمی جنھوں نے جناب پیغمبر خدا کا زمانہ دیکھا تھا یکے بعد دیگرے انتقال کرتے گئے اُسوقت لوگونکو احادیث کے جمع کرنے کی اشد ضرورت معلوم ہوئی یہانتک کہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں چند دیندار اور پرہیزگار آدمیوں نے جنھوں نے اس دنیاے دوں پر لات ماری تھی اور اپنی جان کو محض راہِ خدا میں وقف کر دیا تھا احادیث کے جمع کرنیکا بوجھ اپنے سر پر اُٹھا لیا کتابیں لکھنی شروع کیں اور رفتہ رفتہ صحیح اور غیر صحیح کتابوں کا ایک انبار ہوگیا۔

اُس سزا کا بیان جسکا مستحق جھوٹ حدیث بیان کرنے والیکو جناب پیغمبر خدا نے قرار دیا ہے

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی حیات ہی میں اور آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حدیثوں کے اور لوگوں تک پہونچانے کی رسم شروع ہوگئی تھی مگر اس بات کا بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک شخص کے دوسرے شخص تک حدیث پہونچانے میں کسقدر احتیاط کرنیکا منشاء آنحضرت کا تھا اور اُس منشاء کے ظاہر کرنے کو ترمذی اور مسلم کی حدیثوں کا اِس مقام پر ذکر کر دینا کافی ہوگا۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھسے حدیث روایت کرنے میں پرہیز کرو مگر اُسقدر جتنا کہ تم جانتے ہو۔ سو جو شخص قصداً مجھپر جھوٹ کہیگا اُسکو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہیے (ترمذی)

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلعم اتقوا الحديث عني الا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (رواه الترمذي)

مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مجھسے کسی حدیث کو یہ جانکر روایت کرے کہ وہ جھوٹ ہے، تو وہ خود جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے (مسلم)

عن سمرۃ بن جندب والمغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلعم من حدث عنی بحدیث یرٰی انہ کذب فھو احد الکاذبین (رواہ مسلم)

مگر باوجود اس احتیاط کے ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں جھوٹی اور بے بنیاد روایتیں بعینہ اسی طرح پھیل گئیں جس طرح کہ جھوٹی روایتیں اور موضوع کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں میں مروج ہوگئی تھیں لیکن اتنا فرق ہے کہ علماے اسلام نے مقدس جھوٹ کو کبھی اپنے مذہب کے عقائد میں قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایسے کام کو ہمیشہ گناہ عظیم سمجھتے رہے اور اس لئے اُنھوں نے ایسی جھوٹی روایتوں کے بنانے والوںکو وہ کیسے ہی پاک اور نیک ارادہ سے اُنھوں نے ایسا کیا ہو جہنم کے سوا اور کہیں جگہ نہیں دی اور اُن کو اُس آگ سے بچانے میں کبھی کوشش نہیں کی۔ مگر برخلاف اسکے علماے مذہب عیسوی نے مثل آرجن وغیرہ کے صریح اپنے باطنی عقائد کے خلاف معاملات مذہبی میں مقدس جھوٹ کو کچھہ جائز ہی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول خیال کیا۔

سر ولیم میور صاحب اپنی اُردو تاریخ دین مسیحی میں بیان کرتے ہیں کہ ”دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھہ دین کا مباحثہ کیا جائے تو اُنہیں کی بحث کا طرز اور طریقہ اختیار کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ آخرکار آرجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے البتہ مسیحی باحثوں کی

تیز عقلی نکتہ سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ اسی سبب سے بعض لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں اس طرح سے کہ فیلسوف لوگ جب کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اُسکے حق میں کتاب لکھ کے کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلہ سے لوگ اُسپر متوجہ ہوکر اُسکی باتیں زیادہ اپنینگے اگرچہ اُسکی باتیں برخلاف مصنّف کی ہوتیں سو اسی طرح مسیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کے کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اُسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں شروع ہوا اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رہا یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید کے تھی" (میور صاحب کی تاریخ دین مسیحی حصہ دوم باب ۳)۔

موشیم نے اپنی کتاب تاریخ مذہبی میں اس طرح پر لکھا ہے کہ" افلاطونی اور فیثاغورثی حکما نے صدق اور پاکبازی کی حمایت میں فریب دینے اور جھوٹ بولنے کو جائز ہی نہیں قرار دیا ہے بلکہ مستحسن ٹھرایا ہے۔ یہودیان ساکن مصر نے اس عقیدہ کو قبل سن مسیحی کے اُن سے سیکھا۔ اس شخص کو کچھ کلام نہو گا جسکو کہ کتابوں کو مشہور آدمیوں کی طرف منسوب کرنے کی بیشمار جعل سازیاں نظمی پیشین گوئیاں اور اسی قسم کی واہیات چیزیں جنکی ایک بڑی مقدار اس صدی اور آئندہ صدیوں میں ظاہر ہوئی تھیں یاد ہیں میں نہیں کہتا کہ پکے عیسائیوں نے اس قسم کی سب کتابوں کو موضوع کیا تھا برخلاف اسکے اغلب یہ ہے کہ ان کے ایک جزو اعظم کے موجد فرقہات نسطیق بائی ہوئے تھے مگر اس بات سے کہ پکے عیسائی اس قصور سے محض مبرّا نہ تھے صریح انکار نہیں ہو سکتا (انکلیزیا

شکل ہسٹری باب ۲ صفحہ ۷۰ مطبوعہ ۱۸۶۰ء)"

ایک اور مقام پر موشیم نے اسی مضمون کو اس طرح پر لکھا ہے "لیکن اس کا اسقدر جلد عمل میں آنا مختلف اسباب پر موقوف تھا بالتخصیص یہ امر کہ حضرت مسیح کے صعود کے بعد ہی اُن کی سوانح عمری اور احکامات کی بہت سی تواریخیں جن میں جھوٹے قصے اور کہانیاں بھی ہوئی تھیں ایسے لوگوں نے شاید مرتب کی تھیں جن کے ارادے شاید بُرے نہ تھے بلکہ وہ وہمی سادہ مزاج اور مقدس جھوٹ کے عادی تھے اور بعد ازاں مختلف موضوع تصنیفات بنام نہاد حواریان مقدس سارے جہان میں مشہور کی گئیں" (ایکلیزیاسٹکل ہسٹری (سیرت) حصہ دوم باب ۲ صفحہ ۳۶)

اُس طرز تحریر کے بیان میں جو روایات کے لکھنے میں مستعمل کیا گیا تھا

اس بات کے ظاہر کرنے کو کہ حدیث ایک شخص سے دوسرے تک کس طرح پہونچی محدثین نے چند کلمات بطور اصطلاح کے مقرر کئے تھے اور اسی لئے حدیث کے ہر ایک راوی پر واجب تھا کہ انہیں کلمات مخصوص سے جو اُس حدیث کے واسطے موزوں ہوں حدیث کو شروع کرے اور یہ اسلئے کیا گیا تھا کہ ہر حدیث پر بلحاظ بیان کے اُسیقدر اعتبار کیا جاوے جس درجہ اعتبار کی وہ سزاوار ہو۔

کلمات مذکورہ یہ ہیں (۱) "حدثنا" یعنی اس نے مجھسے کہا (۲) "سمعتہ یقول" یعنی مینے اُسکو کہتے سنا (۳) "قال لنا" یعنی اُسنے مجھسے کہا (۴) "ذکرنا" یعنی اُسنے مجھسے ذکر کیا (۵) "اخبرنا" یعنی اُس نے مجھکو خبر دی (۶) "انبانا" یعنی اُسنے مجھکو آگاہ کیا (۷) "عن فلان"

یعنی اُس سے۔

اول کے چار کلمے صرف اُس صورت میں استعمال کئے جاتے تھے جبکہ کوئی راوی دوسرے شخص سے حدیث کے الفاظ بجنسہ بیان کر دیتا تھا۔ پانچواں و چھٹا کلمہ اس مقام پر استعمال کیا جاتا تھا جبکہ کوئی راوی اپنے سے اوپر کے راوی سے کسی امر یا واقعہ کی صحت کی نسبت دریافت کرتا تھا۔ اخیر کلمہ ایک مبہم کلمہ ہے اور اسی وجہ سے یہ امر منقح نہیں ہو سکتا کہ اخیر راوی نے جو دوسرے راوی کا نام لیا ہے وہ حدیث درحقیقت اُس راوی نے بیان کی ہے یا اسکے اور اخیر راوی کے درمیان اور لوگ روایت کرنیوالے بھی چھوٹ گئے ہیں۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کو خارجی امور کی تحقیقات ضرور ہوتی ہے مگر اُن کی نسبت علمار کی مختلف رائیں ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ اگر یہ محقق ہو جاے کہ وہ راوی سلسلہ روایت میں اور راویوں کی نام بفریب چھوڑ دینے میں متہم نہیں ہے اور وہ ایسے زمانہ میں اور ایسے مقام پر رہتا تھا کہ اُن کا ایک دوسرے سے ملاقی ہونا ممکن تھا گو کہ اُس ملاقات کا ثبوت نہو تو بھی یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی اور راوی نہیں چھوٹا ہے۔

دوسری رائے جو بعض علمار مستند کی رائے ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثابت ہونا بھی ضرور ہے کہ وہ دونوں اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ملاقی ہوئے ہوں۔

تیسری رائے جو بعض علمار کا قول ہے یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ وہ اتنے عرصہ تک یکجا رہے ہوں جو اُن کے ایک دوسرے سے حدیث سیکھنے کے واسطے کافی ہو۔

چوتھی رائے بعض عام عالموں کی یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت بھی ضرور ہے کہ ایک نے

دوسرے سے درحقیقت حدیث سیکھی ہی تھی۔

درجات احادیث کے بیان میں ایک راوی سے دوسرے تک پہونچنے کے لحاظ سے

جب کبھی کوئی حدیث بیان ہوتی ہے اسکا رتبہ سلسلہ روایت سے جانچا جاتا ہے اور اسکی شناخت کے لیے الفاظ مصطلح مقرر کیے گئے ہیں۔

اول۔ "مسند یا مرفوع"۔ یہ لقب اس حدیث کو دیا جاتا ہے جب کہ راوی صاف صاف بیان کرتا ہے کہ فلاں بات خود پیغمبر خدا نے بیان فرمائی تھی یا خود کی تھی یا اوروں نے انکے روبرو کی تھی اور آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

دوم۔ "مرفوع متصل"۔ اگر ایسے حدیث کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک لگاتار یعنی بلافصل پہونچتا ہو تو اسکو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

سوم "مرفوع منقطع"۔ اگر ایسی حدیث کے راویونکا سلسلہ بلا فصل پیغمبر خدا تک نہ پہونچے تو اس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

چہارم۔ "مرسل یا موقوف"۔ یعنی وہ حدیث جسکو پیغمبر خدا کے اصحاب نے بیان کیا ہو مگر پیغمبر خدا سے منسوب نہ کیا ہو۔

پنجم "مرسل یا موقوف متصل" اگر راویونکا سلسلہ اس صحابی تک جس نے اسکو بیان کیا ہے بلافصل چلا گیا ہو تو اس حدیث کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔

ششم۔ "مرسل یا موقوف منقطع" لیکن اگر راویوں کا سلسلہ اس صحابی تک مسلسل نہو تو اس حدیث کا یہ لقب ہوتا ہے۔

اس بات میں کہ آیا حدیث مرسل یا موقوف متصل کو معتبر اور قابل استدلال خیال کرنا چاہئے یا نہیں علماء میں اختلاف رائے ہے۔ لیکن صحابہ کی ایسی حدیث جس میں ایک ایسے واقعہ یا مقام کا مذکور ہو جہاں وہ خود موجود نہیں تھے تو اس حدیث کو کسی طرح بغیر اور کسی سند کے حدیث نبوی کے ہمپایہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اُن علماء کی رائے نہایت صحیح اور قرین انصاف ہے جو دربارۂ نزول وحی کے حضرت عائشہ کی روایات کو قابل سند نہیں خیال کرتے کیونکہ وہ اس زمانہ میں موجود نہیں۔

ہفتم۔ "مقطوع" یعنی وہ حدیثیں جو تابعین نے بیان کی ہیں اور اپنے سے اوپر کے صحابہ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔

ہشتم "مقطوع متصل"۔ اگر ایسی حدیث کے راویوں کا سلسلہ اس تابعی تک برابر چلا جاوے تو اُس حدیث کا یہ نام ہے۔

نہم۔ "مقطوع منقطع"۔ اگر اُسکا سلسلہ اُس تابعی تک نہ پہونچے تو اُس حدیث کو اس نام سے پکارتے ہیں۔

دہم۔ "روایت"۔ یہ اقسام مندرجہ بالا سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ نام اُن حدیثوں کا ہے جو اس طرح پر شروع ہوتی ہیں۔ "یہ بیان کیا گیا ہے" یا فلاں شخص نے یوں روایت کی ہے" اس قسم کی روایتیں بازاری گپ سے کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ایسی ہی روایتوں سے ہمارے مفسرین و مورخین نے اپنی تصنیفات کا حجم بڑا لیا ہے اور ایسی ہی واہیات اور بیہودہ باتوں سے ہشامی طبقات کبیر۔ کاتب الواقدی وغیرہ کتابیں سیر و تواریخ کی پایہ اعتبار سے ساقط گنی جاتی ہیں اور جو مایہ افتخار و ناز اُن عیسائی مصنفوں کا ہے جو مذہب اسلام کے برخلاف کتابیں لکھتے ہیں

درجات احادیث کے بیان میں بلحاظ راویوں کے چال و چلن یعنی اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے۔

جب کبھی کسی حدیث کے درجہ صحت کا امتحان راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے تو اُسکا درجہ بہ ترتیب ذیل قرار پاتا ہے۔

اول "صحیح"۔ اس نام سے وہ حدیث موسوم ہوتی ہے جس کے تمام راوی اول سے آخر تک پکے دیندار اور متقی اشخاص ہوں اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ متہم نہ ہوئے ہوں بلکہ تدین اور صدق مقال کے واسطے مشہور اور سب لوگوں کے نزدیک مسلّم ہوں۔

ایسی حدیثوں کا درجہ اعتبار اس سبب سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جبکہ اسی قسم کے راویوں نے علیحدہ علیحدہ بلا کسی اختلاف کے اُسی حدیث کو بیان کیا ہو مگر ایسی حدیثیں نہایت ہی قلیل ہیں۔

دوم "حسن"۔ اس لقب سے وہ حدیثیں ملقب ہوتی ہیں جن کے تمام راوی اوصاف حمیدہ میں اول قسم کی حدیث کے راویوں کی کوئی ہمسری نہ کر سکتے ہوں مگر باینہمہ پرہیزگاری اور عام ثقاہت کے ساتھ متصف ہوں اور اُس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو۔ اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں جن سے معتبر کتب احادیث مملو ہیں۔

سوم "ضعیف"۔ یہ نام اُن حدیثونکو دیا جاتا ہے جن کے تمام راویوں میں سے ایک شخص بھی اول یا دوم قسم کے راویوں کی مانند نہو۔ ان احادیث کے ضعف کا درجہ دیگر اسباب سے بھی زیادہ یا کم ہو جاتا ہے۔ ہمارے اں کی کتب احادیث جو دوسرے درجہ کی کہلاتی ہیں

اسی قسم کی احادیث سے بھری پڑی ہیں۔

چہارم۔ "غریب" یہ لقب اُن حدیثوں کا ہے جن کے راویوں میں سے کسی نے بجز ایک آدھ حدیث کے اور کوئی حدیث نقل نہ کی ہو جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں کچھ تجربہ نہیں رکھتا۔

راویوں کے درجہ اعتبار کے بیان میں اُن کے تفقہ فی الدین کے لحاظ سے

تمام صحابہ کبار اور تابعین اور تبع تابعین جب کوئی حدیث آنحضرت کی بیان کرتے تھے تو اُن کے الفاظ بعینہ وہی نہیں ہوتے تھے جو آنحضرت نے فرمائے ہوں اور ایسا کرنا امکان سے بھی خارج تھا معہذا یہ خیال کیا گیا ہے کہ بعض دعائیں ایسی ہیں جن کے الفاظ بجنسہ محفوظ ہیں غرضکہ تمام حدیث کے راویوں میں حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا رواج تھا۔ پس یہ بات قرین قیاس ہے کہ جو لوگ زیادہ علم رکھتے تھے اور تفقہ فی الدین کا اُنکو زیادہ ملکہ تھا وہ آنحضرت کے کلام کا بہ نسبت اوروں کے اچھی طرح پر مطلب سمجھتے ہونگے اور اوروں کو بھی ٹھیک طور پر بخوبی سمجھا سکتے ہونگے اسواسطے راویوں کے باعتبار اُن کے علم کے سات درجے کئے گئے ہیں۔

اول۔ وہ جو علم اور تفقہ میں زیادہ تر ممتاز تھے اور حافظہ بھی قوی رکھتے تھے۔ ایسے اشخاص ائمہ حدیث کہلاتے ہیں۔

دوم۔ وہ جو پہلوں سے کم درجہ رکھتے تھے اور جن سے شاذ و نادر ہی کسی غلطی کے سرزد ہونیکا احتمال تھا۔

سوم۔ وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر اُنکو اسقدر تعصب نہیں ہو گیا تھا کہ اعتدال سے متجاوز ہو گئے ہوں اور نیز اُن کے تدین اور صدق کلام میں کسی طرح کا شک و شبہہ نہیں تھا

چہارم۔ وہ جنکے حالات کی نسبت کچھہ اچھی طرح سے آگاہی نہیں ہے۔

پنجم۔ وہ جنہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا مگر اُنکا تعصب حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا تھا۔

ششم۔ وہ جن کی طبیعت میں شک اور وہم بڑا ہوا تھا اور اُنکا حافظہ بھی قابل اعتبار کے نہ تھا۔

ہفتم۔ وہ جو جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور اور بدنام تھے۔

علماے دین کی یہ راے ہے کہ اول تین درجہ کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو باعتبار ان کے مراتب کے صحیح خیال کرنا چاہیے اور اخیر کے تین درجہ کے لوگوں کی بیان کی ہوئی حدیثونکو بلا تامل رد کر دینا چاہیے۔ باقی رہ گئے چوتھے درجہ کے لوگ اُن کی بیان کی ہوئی حدیثونکو جب تک کہ اُن کے راویوں کا حال معلوم نہو قابل اعتبار سمجھنا نہ چاہیے

جو روایتیں کہ یہودیوں کے ہاں مذکور تھیں اُن کے بیان کرنے سے مسلمانونکو ممانعت نہ تھی

آنحضرت نے فرمایا تھا کہ یہودیوں کے ہاں جو روایتیں ہیں اُن کے بیان کرنے میں کچھہ ہرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق اُس حدیث سے ہوتی ہے جو بخاری میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے مسلمان یہودیوں کی روایتوں کے بیان کرنے میں

کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے اور وہ حدیث یہ ہے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پہونچاؤ مجھسے اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور حدیث بیان کرو بنی اسرائیل سے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جو شخص قصداً مجھپر جھوٹ بولیگا تو اسکو اپنا ٹھکانا آگ میں بنانا چاہیے۔ (بخاری)۔

عن عبد اللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار (رواہ البخاری)۔

روایات میں اختلاف ہونیکے اسباب

جب کبھی ہم راویوں کی روایتوں میں اختلاف دیکھیں تو ہمکو یہ نتیجہ نکالنا نہیں چاہیے کہ یہ روایتیں راویوں کی بناوٹ ہے جیساکہ عیسائی مورخ عموماً خیال کرتے ہیں۔ اسلئے کہ احادیث موضوعہ کے سوا اور بھی قدرتی اسباب ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے روایات میں اختلاف پڑنا ممکن الوقوع ہے۔ چنانچہ ہم اُن قدرتی اسباب کو بیان کرتے ہیں جن کے سبب روایتوں میں اختلاف پڑتا ہے۔

اول۔ حدیث کے مطلب کی غلط فہمی۔

دوم حدیث کے معنی سمجھنے میں دو راویوں کے باہم اختلاف۔ یعنی ایک ہی حدیث کے ایک نے کچھہ معنی سمجھے اور ایک نے کچھہ۔

سوم۔ حدیث کا مطلب لوگوں سے صاف صاف بیان کرنے کی عدم قابلیت۔

چہارم۔ راوی کے حافظہ کا قصور کہ یا تو اُسنے کسی حدیث کا کوئی جزو چھوڑدیا یا دو مختلف حدیثونکو باہم غلط ملط کردیا۔

پنجم۔ راوی کا کسی جزو حدیث کی تفصیل کا بیان کرنا اس غرض سے کرسننے والا بہ آسانی اسکو سمجھہ جاے لیکن سننے والے نے ازراہ غلطی اُس تفصیل کو بہی حدیث کا جزو سمجھا

ششم راوی نے اپنی گفتگو میں جناب پیغمبر خدا کے چند کلمات بیان کئے اور سُننے والوں نے اُسکے تمام کلام کو حدیث سمجھہ لیا۔

ہفتم کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والوں نے انکو غلطی سے حدیث سمجھہ لیا اور اُسی ذریعہ سے یہودیوں کی روایتوں کا اختلاف مسلمانوں کے ہاں منتقل ہو آیا۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے جن سے ہماری ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ہیں سب انہیں ذریعوں سے پیدا ہوے ہیں۔

ہشتم۔ وہ اختلاف جو زبانی روایات کے سلسلہ سے خودبخود عارض ہوتا ہے اور اس ذریعہ سے معمولی باتیں معجزات اور کرامات کی صورت پیدا کر لیتی ہیں۔

نہم۔ مختلف حالات جن میں کہ راوی نے آنحضرت کو دیکھا تہا یا کچھہ فرماتے سنا تہا یا کرتے دیکھا تھا۔

یہ تمام اسباب ایسے ہیں جن کے سبب سے بغیر ارادہ تصنع کے قدرتی طور پر روایتوں میں اختلاف پڑجاتا ہے۔ منجملہ ان کے نویں قسم ایسی ہے کہ باوجود اختلاف کے کل روایتونکا سچا ہونا ممکن ہے

موضوع حدیثونکا بیان

اس میں کچھہ شک نہیں ہے کہ بہت سی حدیثیں جناب پیغمبر خدا کے نام سے جہوٹی اور موضوع بنائی گئیں اور جو لوگ کہ ایسی شرمناک جعلسازی کے مرتکب ہوئے تھے وہ

وہ مختلف قسم کے لوگ تھے۔

اول۔ وہ لوگ تھے جو عوام الناس میں کسی نیک رسم یا کسی ثواب کے کام کی ترویج کے خواہاں تھے اور اپنے کامیاب ہونے کی غرض سے انہوں نے کوئی حدیث بنالی اس قسم کی جعلسازی زیادہ تر ان حدیثوں سے متعلق ہے جن میں چھوٹے چھوٹے نیک کاموں کے کرنے میں بڑے بڑے ثواب بیان کئے ہیں اور نوافل کے پڑھنے میں گناہوں کے بخشے جانے اور قیامت میں اعلیٰ درجے ملنے کے وعدے کئے گئے ہیں۔ قرآن کی سورتوں کے پڑھنے کی عجیب عجیب خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ بیماریوں سے شفا پانے اور رزق میں فراخی ہونے کی خاصیتیں یا بعض قرآن کی سورتوں کا قیامت میں گناہ بخشوانے کے لئے شفیع ہونا بیان ہوا ہے۔ ان موضوع حدیثوں کے بنانے والوں کا منشا یہ تھا کہ لوگ نیک کاموں میں اور قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل کے ادا کرنے پر زیادہ تر متوجہ ہوں۔ لیکن مذہب اسلام اس قسم کے فریبوں اور جھوٹوں کو پناہ نہیں دیتا بلکہ ان کو جہنم کی آگ میں ڈالتا ہے۔

دوم۔ واعظین نے اس غرض سے کہ ان کے گرد بہت سے لوگ جمع ہو جاویں اور سننے والے عجیب و غریب باتوں کے سننے سے خوش ہوں اور نیز اس غرض سے کہ سننے والوں کے دل میں نرمی اور رحم اور خدا ترسی اور رقت قلب اور نیک کاموں کی رغبت پیدا ہو اور برے کاموں کی دہشت ان کے دل میں پیدا ہو اور خدا کا خوف اور نجات کی امیدیں ان کے دل میں بھڑک اوٹھیں بہت سی حدیثیں موضوع کرلیں۔ مگر افسوس ہے کہ انکو یہ خیال نہیں کہ ان کے ان افعال سے مذہب اسلام بالکل نفرت کرتا ہے۔ یہ حدیثیں زیادہ تر دوزخ اور بہشت اور ملائک کے حالات وغیرہ

سے علاقہ رکھتی ہیں

سوم۔ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مذہب کے مسائل میں اختلافات کئے اور اُس تعصب میں جادہ اعتدال سے بڑھ گئے اور اپنی دلیلوں میں غلبہ حاصل کرنے کی غرض کو اس قسم کی حدیثیں وضع کرلیں جو اُن کے مفید مطلب ہوں۔

چہارم۔ مخالفین مذہب اسلام نے جو اُس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آنحضرت کی نسبت مشہور کی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں اور لوگوں نے غلطی سے اُنکو حدیثوں میں شمار کیا۔

ہمارے علمار نے احادیث موضوع اور غلط روایات مروجہ کے دریافت کرنے میں ازحد کوشش کی ہے اور اس باب میں اکثر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اور صحیح اور باطل روایتوں کی تحقیق اور تمیز کرنے کے لئے قواعد اور اصول منضبط کیے ہیں۔

مقدم اصول جو اس امر کی تحقیق کے لئے علمار نے قرار دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ احادیث کے الفاظ اور طرز عبارت کا امتحان کیا جاوے۔ جو حدیث کے مضمون کو قرآن مجید کے احکام اور عقائد و مسائل مذہبی مستخرجہ قرآن اور احادیث مستند سے مقابلہ ہو۔ احادیث کے منشار اور بیان کی تحقیق اور تدقیق کیجاوے کہ اس میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ تو نہیں ہے جو ازروے تاریخ کے غلط ہو یا اس میں ایسے عجائبات تو نہیں بیان ہوے جن کو عقل نہ تسلیم کرتی ہو جن حدیثوں میں اس قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں وہ موضوع خیال کیجاتی ہیں

مختصر طور پر اس کتاب کے پڑھنے والے جان لینگے کہ جن احادیث کو ہم مسلمان

قابل سند خیال کرتے ہیں اُن میں کم سے کم مندرجہ ذیل امور کا ضرور خیال ہونا چاہیے یعنی راوی نے صاف اور مصرح طور پر بیان کر دیا ہو کہ فلاں بات پیغمبر خدا نے فرمائی تھی یا کی تھی۔ سلسلہ راویوں کا پیغمبر خدا تک غیر منقطع ہو۔ پیغمبر خدا سے لیکر اخیر راوی تک جملہ راوی تقوی اور تدین اور نیک اعمال کے لئے مشہور ہوں۔ ہر راوی کو اپنے سابق راوی سے ایک سے زیادہ حدیثیں پہونچی ہوں۔ ہر راوی لیاقت علمی اور تفقہ میں ممتاز ہو تاکہ یہ امر متیقن ہو جاوے کہ اُسنے حدیث کے صحیح معنی کو سمجھ لیا ہوگا اور اوروں کو بھی ٹھیک طور سے سمجھا دیا ہوگا۔ حدیث کا منشا احکام مندرجہ قرآن مجید یا عقائد مذہبی مستخرجہ قرآن یا حدیث مستند سے متناقض نہو۔ اُسمیں عجائبات و غرائبات دور از عقل بیان نہوں بلکہ منشا حدیث کا اس قسم کا ہو جس کے تسلیم کرنے میں لوگوں کو کلام نہو۔

کوئی حدیث جس کی صحت اس طرح ثابت ہو جاوے کسی عقیدہ مذہبی کی بنا ہوسکتی ہے مگر باینہمہ اُس میں ایک اور شبہہ کا عارض ہونا باقی رہجاتا ہے یعنی وہ حدیث اسلئے کہ صرف ایک ہی شخص کی روایت ہے مفید یقین نہیں ہوسکتی بلکہ افادہ ظن کرتی ہے اس شبہہ کے سبب سے احادیث مستندہ کے بھی تین درجہ قائم کئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر احاد۔

متواتر وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جنکو جناب پیغمبر خدا کے زمانہ سے لیکر جملہ صحابہ کبار اور علماے دین نے ہر ایک زمانہ میں پیے درپے بالاتفاق صحیح اور مستند تسلیم کر لیا ہو اور اُن میں کسی نے کبھی کوئی جرح و قدح نکی ہو۔ ہر زمانہ کے علما کا قول ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حد تواتر کو پہنچا ہے۔ مگر بعض حدیثوں کو بھی متواتر بتاتے ہیں اور اُن کی

تعداد پانچ سے متجاوز نہیں ہوتی۔ ایسی احادیث پر بلا تکلف اعتبار کرنا اور اُن پر مقتضائے عمل کرنا واجب ہے۔

مشہور۔ اُن حدیثوں کو کہتے ہیں جو تواتر کے درجہ تک نہ پہونچی ہوں مگر ہر زمانہ کے عالموں نے اُنکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہماری کتب حدیث میں جو معتبر گنی جاتی ہیں منقول ہیں اور اس باعث سے اُنکی صحت بالعموم مسلم ہے اور ہمارے بعض عقائد مذہبی بھی اُن پر مبنی ہیں گو کہ وہ درایتاً تنقیح اور تنقید کے امتحان سے بری نہیں ہیں۔

خبر احاد اُن حدیثوں کا نام ہے جو مذکورۂ بالا حدیثوں کے اوصاف تک نہیں پہونچیں اور اسی قسم کی حدیثیں بہت کثرت سے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ علماے اسلام اس باب میں کہ اس پچھلی قسم کی حدیثوں پر کوئی عقیدۂ مذہبی مبنی ہو سکتا ہے یا نہیں مختلف الراے ہیں۔

جن لوگوں نے کہ احادیث کے جمع کرنے کا بوجھ اٹھایا تھا اُن میں سے جو سب سے اعلیٰ اور افضل اور ائمہ حدیث کہلاتے تھے اُنھوں نے اپنی ہمت صرف اس بات پر مصروف کی تھی کہ راویوں کے اعتبار کی کما حقہٗ تحقیق کرنے کے بعد حدیثونکو لکھیں اور اُنہیں لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں صحاح میں داخل ہیں۔ اور بعضوں نے اس بات پر ہمت مصروف کی تھی کہ جسقدر حدیثیں اُنکو ملیں وہ جمع کریں اُنہیں کی لکھی ہوئی کتابیں دوسرے درجہ کی گنی جاتی ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جامعین حدیث نے ایسی کسی حدیث کو نہ اختیار کیا ہوگا جو علانیہ بادی النظر میں غلط ہو مگر جسقدر کہ حدیثیں اُنھوں نے منتخب کرکے جمع کریں اُسپر اُنکو از روے درایت کے تحقیق اور تدقیق کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اُنھوں نے یہ کام اپنے سے بعد کے لوگوں پر چھوڑا تھا افسوس ہے کہ اُن کے بعد اُن کی حدیثوں پر

کی ایسی وقعت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ اُن کو بجز خاص علماے محققین کے درایتاً اُن حدیثوں کی تنقیح اور تنقید کی جراٴت نہیں ہوئی مگر از روے مذہب اسلام کے ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ اُن حدیثوں کی درایتاً تنقیح اور تنقید کرے۔ ہمارے مورخین نے اور مفسرین نے جو کام اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام دلدادہ ناقص اور ضعیف حدیثوں کو اپنی تصنیفات میں جگہ دیتے ہیں۔

عیسائی عالم جو کسی حدیث کے درجہ صحت اور تحقیق سے اُن قواعد سے جو علماے اسلام نے مقرر کیے ہیں محض واقف ہوتے ہیں اور روایت کے تو نام سے بھی واقف نہیں ہیں جب کوئی ایسی کتاب پڑھتے ہیں جس میں بجز بے بنیاد احادیث اور روایات کے اور کچھ نہیں ہوتا تو اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جزئیات اسلام سے واقف ہو گئے اور ہمارے مذہب کی نکتہ چینی اور تضحیک شروع کرتے ہیں اور جبکہ اُن کی یہ مایۂ افتخار تصنیفیں مسلمانوں کی نظر سے گذرتی ہیں تو اُسکا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کی بے علمی اور تعصب پر جو اُن کی تصانیف سے مترشح ہوتی ہے ہنستے ہیں اور اُن کی بیفائدہ صرف اوقات پر افسوس کرتے ہیں۔

سر ولیم میور اور دیگر عیسائی مصنفوں کے شبہات کی تردید

اگرچہ ہمنے مسلمانوں کی روایتوں کا پورا پورا اور بہ تفصیل بیان کیا ہے تاہم بنظر مزید تحقیق اُس آگاہی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہمکو اپنے نبی کی سوانح عمری لکھنے والے دو لیئق عیسائی مصنفوں سے حاصل ہوئی ہے یعنی اے اسپرنگر ایم ڈی اور سر ولیم میور ایل ایل ڈی سی۔

ڈاکٹر اسپرنگر نے مسلمانوں کی روایتوں اور راویوں کی نسبت بہت تھوڑا
بیان کیا ہے اور اُس تھوڑے ہی بیان سے اُن کے اس مضمون سے بہت کم واقفیت
ظاہر ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اُنکی مثال ٹھیک ٹھیک اُس شخص کی سی ہے جو نہایت تاریکی
میں پڑا ہو اور نور کی حقیقت کی تلاش میں تعصب اور کم فہمی سے جھوٹے شہابوں سے
دہوکہ کھا کر راہ گم کر گیا ہو اور بے اصل چیزوں کی پیروی میں اصل چیز کو بھی ہاتھ سے کھو دیا
ہو۔ مگر ان کا ایک بیان قابل غور ہے وہ کہتے ہیں کہ کتب دینیات میں اہل سنت و
جماعت کے ہاں چھ کتابیں سب سے معتبر ہیں یعنی صحیح بخاری مسلم۔ سنن ابو داؤد۔
ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جو اکثر کتب سابق پر
مبنی ہیں جنکی سنیوں کے ہاں بہت قدر ہے مثلاً (واضح ہو کہ بعض ناموں کی صحت
جو انگریزی میں لکھے ہوئے تھے نہیں ہو سکی) دارمی۔ دارقطنی ابن [illegible]۔ [illegible]۔ اعمی۔
برقانی۔ احمد سنی۔ بیہقی۔ حمیدی۔ خطابی۔ بغوی رزین۔ جزری ابن الاثیر مبارک
ابن جوزی نووی۔

اب اول تو یہ اخیر کی چودہ کتابیں اُن میں سے جسقدر سے کہ ہم واقف ہیں پہلی چھ
کتابوں پر مبنی نہیں ہیں سوائے مشکوٰۃ کے جو بغوی کی ہے اور اکثر اُن میں کی غیر معتبر
اور غیر مستند ہیں اور اُن میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ اُن چھ کتابوں میں نہیں ہیں
دوسرے یہ کہ کوئی حدیث ہو خواہ وہ پہلی قسم کی کتابوں میں ہو خواہ دوسری قسم کی
کتابوں میں نہ کسی مذہبی عقیدہ کی بنا قرار پاتی ہے نہ صحیح اور مستند تسلیم ہوتی ہے
جب تک کہ وہ اُن قواعد سے جو اوپر مذکور ہوئے صحیح نہ ثابت ہوئی ہو۔

سر ولیم میور نے کسقدر طوالت کے ساتھ اسلام کی روایتوں اور راویوں

کی نسبت بحث کی ہے مگر ہم بافسوس بیان کرتے ہیں کہ اُن کے طرز تحریر سے
صاف منکشف ہوتا ہے کہ قبل اسکے کہ ایک غیر متعصبانہ اور آزادانہ تحقیق اور جائز اور
منصفانہ دلیل سے کوئی نتیجہ مستخرج کریں اُن کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ یہ سب
روایتیں جھوٹی اور لوگوں کی محض بناوٹیں اور ایجادیں ہیں اور اول ہی سے اس بات
کا قصد کر لیا ہے کہ ان سب روایتوں کو ایسا ہی ثابت کریں۔ وہ امر حق کی تحقیق کرنا
نہیں چاہتے گو وہ امر حق کچھ ہی کیوں نہو جسکی تحقیق ہوئے غرض مصنف کا اصلی منشا
ہوتا ہے یا کم سے کم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہونا چاہئے۔ اُن کے طرز استدلال ہی سے
انکی غرض ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ اس فقرہ سے مطلب کو آغاز کرکے کہ "اگلے مسلمانوں
کی عادتیں روایت کے رواج کی مؤیدتھیں" فرماتے ہیں کہ اپنے نبی کے کاموں اور باتوں
سے زیادہ اور کس مضمون پر مسلمانان سابق سرگرمی سے بحث کرتے اسکے بعد صاحب
موصوف یہ رائے بیان کرتے ہیں کہ "ان روایات ہی نے امتداد زمانہ کی وجہ سے محمد صلعم
کو عجیب وغریب اوصاف سے متصف کر دیا۔ اُن کے پیرؤوں کے دل میں نادانستہ
یہ خیال گذرا کہ محمد صلعم کو انسانی طاقت سے بڑھکر قدرتیں حاصل ہیں" اسی مادہ سے بقدر
کثیر روایتیں وجود میں آئیں۔ جب کبھی ان بیانات کے امتحان کے لئے واقعات کا کوئی
اندازہ سر دست موجود نہ ہوتا تو حافظہ کو قوت واہمہ کی بے روک کوششوں سے
مدد دی جاتی"۔ "صحابہ کبار کی روایتوں کی تعظیم اور حرمت جو زمانا بعد میں لوگوں کو
تھی" وہ بقول صاحب موصوف "امتداد ایام کا اثر تھا جو لوگوں کے دلوں میں اور
روایتوں پر خود بخود ہوا ہوگا"۔

اب کہ سر ولیم میور اسطرح پر استدلال کرتے ہیں تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ دنیا میں

سب سے زیادہ نیک اور پرہیز گار شخص کا کیا حال ہو گا اگر اسکی ہر بات اور حرکت کو علانی اور ریاکاری کی دہندلی اور خراب عینک سے دیکھیں اور اسکے جملہ کلمات اور افعال کی غلط تاویل کریں اور جسقدر خراب معنی ہمارا تعصب اور حسد ایجاد کر سکے ان سکے اوپر عائد کریں۔

کیا حضرت موسیٰ کے تمام معجزات "انکے عصا کا سانپ کی شکل میں ہو جانا" "انکا ید بیضا" دریا کا خون کی مانند ہو جانا۔ مینڈکوں کی وبا" اور اور معجزات جو انسے مصر میں ظہور پذیر ہوئے تھے "بحر احمر میں بنی اسرائیل کے لئے رستہ کا کھل جانا" من وسلوی کا آسمان سے نازل ہونا" پتھر کی منقش لوحونکا ملنا جن پر خدا تعالی نے اپنی انگشت مبارک سے لکہا تھا خدا تعالی کا بنی اسرائیل کو تمام قوموں پر ترجیح دینا اور انکو میری منتخب قوم" کے خطابات سے سرفراز کرنا اور اسقدر برکتیں انکو عطا فرمانا اور حضرت اسرائیل کو "میرا پہلوٹا" بیٹا کہکر ممتاز کرنا کیا ان سب باتونکو دل لگی کے قصے اس طرز استدلال کے طور پر جسکو سر ولیم میور نے اختیار کیا ہے نہیں کہہ سکتے۔ جن کو اس نبی کے سرگرم پیروں یعنی بنی اسرائیل نے ایجاد اور وضع کیا ہو۔ جنہوں نے بسبب "متشکیانہ تعظیم" اور "شائقانہ تکریم" کے امتداد زمانہ میں اپنے نبی کو عجیب وغریب اوصاف" سے متصف کر دیا۔ کیا یہ بات بھی حضرت موسیٰ پر اسی طرح صادق نہیں آسکتی ہے کہ ان کی وضع کی شان کو دہیان اور مراقبہ سے عروج حاصل ہوا اور جسقدر دور زمانہ ان کے پیروں سے انکو کرتا گیا اس عجیب وغریب انسان کا نقشہ جو آسمان کے فرشتوں (بلکہ خود خدا ہی سے) بے تکلف پیغام وسلام رکہتا تہا زیادہ دہندلا لیکن زیادہ بڑا اتنا سب حاصل کرتا گیا۔ دل میں نادانستہ یہ خیال گذرا کہ انکو انسانی

طاقت سے زیادہ قدرتیں حاصل ہیں اور ایسے سامانوں سے جو انسان کے امکان سی باہر ہیں گھڑے ہوئے ہیں"۔ حضرت عیسیٰ اور انکے بااعتقاد اور سرگرم متبعین کا اسوقت کیا حال ہوتا اگر ہر شخص اُن روایات کو محض بناوٹی ایجادیں سمجھکر مضحکہ میں ڈالدیتا جنمیں حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدایش اور حضرت عیسیٰ کا ازسرنو زندہ ہونا اور اپنے مجروح ہات اپنے متبعین کو دکھلانا اور انکا آسمان پر چڑھ جانا اور اللہ تعالیٰ کے دست راست کی طرف بیٹھنا یعنی حسب قانون وحدت فی التثلیث کے اپنے ہی دست راست کیطرف بیٹھنا مذکور ہے۔

لیکن عقل و فہم تعظیم ہمکو اُن لوگوں کی احادیث اور افعال پر عیب رکھتے اور اُن کی بدترین تاویل کرنے سے مانع آتی ہے جنہوں نے تقویٰ اور نیک اعمال کی وجہ سے شہرت اور عظمت حاصل کی ہو اور اس امر سے بھی البتہ انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر مصنف کو لازم ہے کہ جب اوروں کی تحریرات اور تصنیفات کی چھان بین کا ارادہ کرے تو اپنے آپکو تعصب اور کم ظرفی سے پاک و صاف کرلے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب اور خلفا ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو محض خدا تعالےٰ کی طرف مصروف کردیا تھا وہ امر حق کو مانتے تھے اور اس جہان فانی کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ وہ ایماندار صادق القول اور نیک طینت تھے اور ہمارے احادیث کے جمع کرنے والوں نے بدیں غرض کہ احادیث نبوی کا ایک مجموعہ ہوجاوے دور دراز کے سفر اختیار کئے تھے۔ اُنہوں نے حکام وقت کے ہات سے سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ اُن کو بے شمار دقتیں پیش آئیں اور ایسی ایسی مصیبتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں جو بہ مشکل خیال میں آسکتی ہیں۔ بایں ہمہ اُنہوں نے کبھی اپنے کام سے پہلوتہی نہیں کی اور اُس کو انجام تک پہنچایا جس سے صحیح ثابت ہے کہ اُن کو دینی اور نیک نیت

وجہوں سے اس امر کی تحریک ہوئی تھی اور نہ ہم کسی طرح مجاز نہیں ہو سکتے کہ انکے افعال کو
ریاکاری اور فریب کی طرف منسوب کریں اور اُن کی تصنیفات کی اُس بے بنیاد بیان پر
کہ محض بناوٹی ایجادیں ہیں بیجا تحقیر کریں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "ترقی پذیر سلطنت کی احتیاجیں تو ان کے مجموعہ
سیاست کی افزایش کی خواہاں ہوئیں۔ جو چیز کہ پہلے عربوں کی سادہ وضعی اور محدود
نظام مدنی کے واسطے بخوبی کفایت کرتی تھی اُن کی اولاد کی روزافزوں احتیاجوں
کے واسطے غیر مکتفی ہو گئی"۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ اور اسی قسم کے اسباب قرآن مجید کے معدود
اور مختصر مسائل کی توسیع اور اس کے اخلاق کے غیر مکمل مجموعہ کی تکمیل کے متقاضی ہوئے"

اس بیان میں سر ولیم میور نے دو طرح پر غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جامعین
حدیث کو ترقی سلطنت اور مجموعہ سیاست سے کچھ سروکار نہ تھا یہ لوگ محض دین کی
طرف متوجہ تھے۔ اُنھوں نے احادیث نبوی کو محض باغراض دینی جمع کیا تھا۔
اُن کی جمع کی ہوئی حدیثوں میں دین ہی کو بہت بڑی نسبت ہے یعنی انکا بیسواں
حصہ بھی اُمور سیاست سے متعلق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا
کہ مسلمانوں نے امور متعلق سیاست کو الہامی سمجھا ہو۔ خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں ایسے اُمور میں صحابہ سے صلاح لیتے تھے اور اُس صلاح
کے مطابق کاربند ہوتے تھے۔ اُس زمانہ کے بعد بھی اُن روایتوں کو جو سیاست سے
متعلق تھیں کسی نے الہامی نہیں سمجھا چنانچہ اس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں قرآن
مجید اور نیز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز متعلق سیاست اور انتظام مدن
کو باستثناء چند اُصول عام کے بالکل فرمانرواؤں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے اور صرف

یہ حکم دیا ہے کہ ذی فہم لوگوں سے مشورہ کرکے کام کریں جو زمانہ کے حالات اور ڈھنگ کے واسطے ضروری ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور اُن کی اولاد کو اپنی روز افزوں احتیاجوں کے واسطے قرآن مجید کی تکمیل کے لیئے حدیثوں کے تلاش کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہاں بلاشبہہ مسلمانوں میں یہ خواہش تھی کہ ہر امر میں خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے اُسی طرح پر کارروائی کریں جس طرح پر کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی اور یہ اُس محبت اور عشق کا تقاضا تھا جو ہم مسلمان اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رکھتے ہیں اور اسی لیے ہر قسم کی احادیث کو جمع کرتے تھے۔ پس یہ عشق و محبت نہایت قابل ستایش تھی۔ مگر افسوس ہے کہ سرولیم میور نے مسلمانوں کی اس عمدہ صفت کو بھی بدترین تاویل میں بیان کیا ہے۔

اس کے بعد سرولیم میور صاحب یہ فقرہ لکھ کر کہ "اولاً قرآن ہی چال چلن کا نافذ قانون تھا" یہ بیان کرتے ہیں کہ "پھر وہ اپنی غرض اصلی کے واسطے مکتفی نہوا اور اس نقص کی تلافی سنت یعنی پیغمبر صاحب کے احکام اور افعال سے کی گئی" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "انہوں نے (یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کبھی اپنے آپ کو خطا سے مبرا نہیں قرار دیا بجز اُس صورت کے جبکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے القا ہوتا تھا۔ مگر اس نئے عقیدہ نے یہ بات تراش لی کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل میں ایک الٰہی اور غیر خاطی ہدایت منضم ہے۔"

ہم مسلمانوں کا معاملات دینی و دنیوی میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کی کوشش کرنا خواہ وہ امور دین سے علاقہ رکھتے ہوں خواہ اُمور دنیا سے خواہ اُمور سیاست مدن سے اور خواہ امور متعلق عادت اور عبادت سے دوسری چیز ہے۔ اور اس بات کا اعتقاد

کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کونسا قول اور فعل از روے وحی کے غیر قابل خطا کے تھا اور کونسے افعال صحابہ کے مشورہ سے کیے گئے تھے جنکو وحی سے کچھ تعلق نہ تھا دوسری چیز ہے۔ سر ولیم میور نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیئے خواہ خود غلطی میں پڑکر ہماری نسبت ناانصافی سے یہ اعتقاد منسوب کیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل میں ایک الٰہی اور غیر خاطی ہدایت منضم ہے۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم مسلمان تمام قول و فعل اپنے پیغمبر کو اسی ادب اور عظمت سے دیکھتے ہیں جیسے کہ ایک نبی اولوالعزم کے اقوال و افعال ادب اور عظمت کے مستحق ہیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ روایتوں کی بناوٹ و اشاعت کا "کام عوام الناس کے فائدوں اور سلطنت کے ملکی حالات پر اسقدر موثر تھا کہ بطور خود لوگوں کی سرگرمی پر بالکل چھوڑ دینے کے قابل نہ تھا۔" اور اپنے بیان کی تائید میں ڈاکٹر اسپرنگر کے مندرجہ ذیل فقرہ کو نقل کرتے ہیں جو قسطلانی شرح بخاری سے انکو ہاتھ لگا تھا اور وہ فقرہ یہ ہے "چونکہ پیغمبر صاحب کے ہر معتبر اور صحیح بیان کی جو دستیاب ہو سکے قلمبند کرنے کی ضرورت اشد تھی اس لیے خلیفہ عمر نے ایک گشتی حکم اس باب میں جاری کیا اور بالتخصیص ابوبکر بن محمد کو روایات کی جمع کرنے پر مامور کیا۔

اگر قسطلانی نے یہ مضمون لکھا ہے تو محض غلط ہے حضرت عمر حدیثوں کے جمع کرنے کے خود مخالف تھے جسکو سر ولیم میور نے بھی قبول کیا ہے اور جو عنقریب معلوم ہوگا کسی خلیفہ یا کسی مسلمان حاکم نے اُن لوگوں کے کام میں جو بطور خود حدیثیں جمع کرتے تھے کبھی دخل نہیں دیا۔

ہم علانیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جنکا یہ بیان ہے کہ "خلیفہ عمر نے تمام احادیث موجودہ کے باقاعدہ جمع کرنے کا گشتی حکم جاری کیا تھا" ہمکو حدیث کی کوئی ایک کتاب بھی تمام کتب احادیث میں سے

ایسی نشان دیں جو کسی خلیفہ یا حاکم کے حکم سے جمع کی گئی ہو۔ برخلاف اسکے ہم اعتماد سے کہتے ہیں کہ یہ کل کتابیں بلا استثنا ایسے مقدس لوگوں نے مرتب کی تھیں جو اپنے زمانہ کے خلفاء کے دربار میں جانے سے بھی از حد پرہیز کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے خلفاء جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہ تھے بلکہ سلاطین اور بادشاہ تھے کیونکہ سلسلہ خلافت کا جناب رسالتمآب کی وفات کے تیس برس بعد ختم ہو گیا تھا۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں نہایت ضعیف اور نہایت غیر مستند روایتیں واقدی سے نقل کرتے ہیں۔ اُن روایتوں میں اخیر روایت یہ ہے کہ خلیفہ عمر جانشین ابوبکر نے سنت کے قلمبند کرنیکا ارادہ کیا اور ایک مہینہ تک اس باب میں خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ لیکن آخر کار جب اس کام کے شروع کرنے پر آمادہ ہوئے تب یہ فرما کر باز رہے کہ "مجھکو ایک قوم کا ذکر یاد ہے جنہوں نے اسی قسم کی تحریرات قلمبند کی تھیں اور کتاب ربانی کو چھوڑ کر انپر عمل کیا تھا۔

یہ روایت جس طور بیان میں واقدی نے نقل کی ہے وہ ایسی ہے جیسی کہ اس قسم کی روایتوں میں ایک افواہی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ در اصل صرف اتنی بات ہے کہ حضرت عمرؓ احادیث کے جمع کرنے کے برخلاف تھے اور انکو یقین تھا کہ حدیثوں کا ٹھیک ٹھیک طور پر جمع ہونا نہایت مشکل ہے اور اُنکے جمع ہونے سے بلا شبہہ ایسی ہی خرابی پیدا ہوگی جیسی کہ یہود کے ہاں پیدا ہو گئی۔

اختلاف روایات کے اسباب یعنی انسان کے حافظہ کا عام ضعف۔ غلطیاں۔ مبالغہ۔ تعصب۔ حمایت اور نیز وہ تفرقہ اور فساد جو بعد شہادت حضرت عثمان کے اسلام میں پھیل گیا تھا سر ولیم میور نے بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "اسی صدی میں روایات نے جڑ پکڑی اور مستقل شکل حاصل کی۔ اختتام صدی پر روایات موجودہ کی باقاعدہ تلاش شروع ہوئی اور

باضابطہ لکھی گئیں۔ وہ نمونہ جو اسوقت ڈھالا گیا تھا کم سے کم اپنی مخصوص ہئیت پر برابر چلا آیا۔

ہمکو اس مقام پر اختلاف روایات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم اُس کو اوپر بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ہمکو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب آتا ہے کہ اگرچہ سر ولیم میور کے نزدیک قریب قریب تمام موجودہ روایات اسلام محض بناوٹی ہیں باایں ہمہ اُنہوں نے اپنے سب بیانات کو واقدی کی روایات پر مبنی کیا ہے جس میں ضعیف ترین روایات منقول ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ ان سب روایتوں کو ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق اور غیر متعصبانہ تصنیف کے مسلمہ قوانین کی رو سے اور نیز مطابق اپنے عقیدہ کے اُن کو لازم تھا کہ اول احادیث صحیحہ اور موضوعہ کی تحقیق اور تمیز کرتے اور پھر مذہب اسلام اور بانی اسلام کی نسبت معترض ہوتے۔ تمام عیسائی مصنفوں کی تصنیفات میں جنہوں نے دین اسلام کی نسبت لکھا ہے اسی امر ضروری کی کوتاہی پائی جاتی ہے مگر وہ اپنے عیبوں کو نہایت خوشگواری سے ہضم کر جاتے ہیں اور دوسروں کی نسبت عجیب و غریب پیرایہ میں نکتہ چینی کرنے کو موجود ہوتے ہیں۔

اگر سر ولیم میور کی محض یہ غرض ہے کہ روایات اسلام کا لغو اور غیر معتبر اور موضوع ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاوے تب بھی مذہب اسلام کی کچھ بے عزتی اور ذلت نہیں ہے۔ مسلمانوں نے اس امر کو کچھ چھپا نہیں رکھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر کتابیں احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ میں تمیز کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں اور اُن کی صحت اور درجہ اعتبار کے جانچنے کے لیئے اصول و قواعد اور سخت امتحانات قرار دیئے گئے ہیں۔ جھوٹی حدیثوں کے بنانے والے گنہگار ٹھیرائے گئے ہیں اور اسی قسم کی اور باتیں اسی غرض سے کام میں لائے گئی ہیں۔ ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ اس باب میں یہود کے

مذہب کا حال بدتر اور عیسائی مذہب کا حال بدترین ہے۔ مذہب عیسوی میں موضوعہ کتابوں اور بیشمار رسالوں کی وجہ سے کتب دینی جو روزانہ ہر کلیسا میں مستعمل ہوتی تھیں بہت بڑھ گئی تھیں اور دیندار لوگوں کے باہم بے انتہا مناقشوں اور قضیوں کے باعث ہوگئی تھیں جبکہ قسطنطین اعظم نے دین عیسوی قبول کیا تو منجملہ اور اغراض کے جن کے واسطے اُس نے مجلس نیس (نسیا) کو سنہ ۳۲۵ء میں جمع کیا تھا ایک یہ بھی غرض تھی کہ صحیح اور موضوع اناجیل میں امتیاز کی جاوے۔

والٹیر لکھتا ہے کہ عیسائیان سابق اس بات سے مشہور تھے کہ اُنہوں نے عیسیٰ کے نام پر صنعت توشیح میں چند اشعار لکھکر ایک پرانے کاہنہ کی طرف منسوب کئے تھے اور حضرت عیسیٰ کی طرف سے بادشاہ اوڈیسا کے نام جعلی خطوط بنائے جس زمانہ میں کہ کسی ایسے بادشاہ کا وجود ہی نہ تھا۔ حضرت مریم کے خطوط۔ سنیغا کیجانب سے۔ پلوس کے نام کے خطوط۔ پلاط کے خطوط اور افعال مصنوعی اناجیل۔ جھوٹے معجزات۔ اور اور ہزاروں جعلسازیاں اور فریبوں کے الزامات بھی لگائے گئے تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے بعد دو یا تین صدی کے اندر اس قسم کی کتابوں کی تعداد کثیر ہوگئی تھی۔

وہ اہم مسئلہ دربارہ الوہیت مسیح جس نے کہ کلیسائے نصاری میں ہل چل ڈالدی تھی مجلس نیس میں جو روم کے بادشاہ قسطنطین نے سنہ ۳۲۵ء میں منعقد کی تھی طے ہوا۔ اس مجلس میں اٹھارہ بشپ اور دو ہزار پادریوں نے حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کیا اور بہت حجت کی لیکن سب سے سخت مباحثوں اور مناظروں کے بعد یہ بات قرار پائی کہ حضرت مسیح خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ خدائے پدر سے پیدا ہوئے ہیں

(نعوذ باللہ منہا) ایریسیں جو منجملہ اٹھارہ بشپہائے معترضین کے تھا فرقہ نویسٹیرین (مؤمنین)
کا سرغنہ ہوا یعنے اُن لوگوں کا جو حضرت مسیح کی الوہیت کے منکر تھے اور اسی بناء پر بالزام
بیدینی جلاوطن کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کو قسطنطنیہ میں پھر بلا لیا اور اپنے
عقاید کو فوقیت بخشنے میں کامیاب ہوا حتی کہ تمام صوبجات روم میں اُنہوں نے رواج پایا
باوجود اس کے کہ اُس کے سخت مخالف آثانا سیوس نے جو فرقہ تثلیثیہ کا سرگروہ تھا از
حد کوشش کی۔ اسی مجلس نیس کی کارروائیوں کے تتمہ میں مرقوم ہے کہ آبائے کلیسیا نے
اس امر کی تحقیق میں نہایت حیران اور ششدر رہکر کہ توریت اور انجیل میں کونسے صحیفے
صحیح اور کونسے غیر صحیح ہیں اُن سب کو بلا تمیز و لحاظ ایک قربان گاہ پر رکھدیا سُنا ہے کہ
جو صحیفے لائق تنسیخ تھے زمین پر گر پڑے۔

دوسری مجلس ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی تھی جنمیں ان اُمور کی جو روح القدس
کے بارہ میں مجلس نیس نے غیر منفصل چھوڑ دیئے تھے تشریح کی گئی تھی اور اسی موقع پر یہ
عقیدہ قرار پایا کہ روح القدس بلاشک وہ رب ہے جو باپ سے نفاذ پاتا ہے اور باپ اور
بیٹے کے ساتھ باہم مخلوط ہو کر اُس نے احترام حاصل کیا ہے ۴۳۱ء میں تیسری عام مجلس
نے جو بمقام افیس مجتمع ہوئی تھی یہ فیصلہ کیا کہ حضرت مریم بلاشک ام اللہ تھیں۔ خلاصہ یہ کہ
حضرت عیسیٰ میں دو صفتیں تھیں اور ایک وجود۔ نویں صدی میں کلیسائے روم اور یونان
کے مابین وہ اختلاف و تفرقہ عظیم واقع ہوا جس کے بعد شہر روم میں تخمیناً انتیس خونریز
مشاجرات کرسی پوپ کے حصول کے واسطے واقع ہوئے۔

سر ولیم میور اُن مضرت آمیز اسباب کا ذکر کر کے جو خلیفہ مامون الرشید کی
متعصبانہ عملداری میں اپنی کارروائی کر رہے تھے اور یہ بیان کر کے کہ روایتوں کا

عام طور سے جمع ہونا ایسے ہی اسباب کی وجہ سے عمل میں آیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ خراب اور
بے اصل مادہ کی کثرت خود مسلمانوں ہی کی چھان بین کے اندازہ سے قیاس کی جاسکتی ہے
انکا قول ہے کہ اس باب میں ڈاکٹر ویل کی رائے قابل اعتماد اور تعریف ہے۔ ڈاکٹر
موصوف لکھتے ہیں کہ ایسے وقت میں روایات زبانی پر اعتماد کرنے سے جبکہ وہ حافظہ
سے منتقل ہوتی آتی تھیں اور جس زمانے نے اختلافات اسلام میں پیدا کرتی تھیں اختراع
اور بناوٹ کے لیے ایک وسیع رستہ کھولدیا جبکہ کسی دینی یا دنیوی معاملہ کی حمایت کی
ضرورت ہوتی تو اس سے سہل کوئی بات نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کی کسی زبانی روایت
کا حوالہ دیتے۔ اس قسم کی روایات کی اصلیت اور جس طور سے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے نام کو تمام دروغ اور بیہودہ ممکنات کی تائید میں بدنام کرتے تھے اس امر سے صاف صاف
ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ بخاری نے جو علماء سے روایت حاصل کرنے کے واسطے ملکوں
ملکوں پھرا تھا بہت سے برسوں کی چھان بین کے بعد اس بات پر قرار دیا کہ منجملہ چھ
لاکھ روایات کے جبکہ اُس زمانہ میں مروج ہونا تحقیق ہوا تھا صرف چار ہزار معتبر اور
مستند تھیں اور اس منتخب تعداد میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر
بلا وسواس مجبور ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کے بالیاقت جامعین کے تجربہ سے بھی یہی
منکشف ہوتا ہے۔ اسی طرح ابو داؤد کی نسبت بھی سنا گیا ہے کہ پانچ لاکھ روایتوں
میں سے جو اُس نے جمع کی تھیں چار لاکھ چھیانوے ہزار کو خارج کر دیا اور صرف چار
ہزار کو مستند قرار دیا"

اس جگہ ہم اس بات پر کہ تعداد روایات خارج شدہ کی کیا اصلیت ہے اور کس اُصول
پر خارج شدہ روائیتیں خارج کی گئی تھیں اور آیا اُس سے اُن کل روایتوں خارج شدہ کا

موضوع ہونا لازم آتا ہے یا نہیں بحث کرنی نہیں چاہتے بلکہ ہم ڈاکٹر ویل اور سر ولیم میور دونوں کی رائے سے متفق ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم اس بات کا بھی افسوس کرتے ہیں کہ ڈاکٹر ویل کے اس بیان کے بموجب کاربند ہونے کے بجائے کہ "چار ہزار روایات منتخبہ بخاری میں سے یورپین محقق کم سے کم نصف کے خارج کرنے پر بلا وسواس مجبور ہوتا ہے" یورپین محققوں نے جن میں سر ولیم میور سب سے نمبر اول ہیں بخاری کی چار ہزار روایات پر بھی قناعت نہ کر کے اپنی تصنیفات کو واقدی۔ ہشامی۔ مولود نامہ۔ معراج نامہ اور اور کتابوں پر جن میں سوا بیہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں ہے اور جن کو خود مسلمانوں ہی نے خارج کر دیا ہے مبنی کرنے کی جانب مائل ہوئے ہیں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "جامعین نے گو کہ وہ غیر معتبر روایات کے اخراج میں بید ہڑک تھے روایات معتبر کی تمیز میں کسی عمدہ قانون کا برتاؤ نہیں کیا" اسکی تشریح وہ اگلے جملہ میں اس طرح پر کرتے ہیں کہ "مضمون روایت سے کچھ بحث نہ تھی بلکہ محض نام ہی جنکی طرف وہ روایت منسوب ہوتی تھی مسئلہ اعتبار کو حل کر دیتے تھے۔ اگر یہ نام الزام سے مبرا ہوتے تو روایت مستند قرار پاتی۔ کوئی بیہودگی کیسی ہی صریح کیوں نہ ہو کسی روایت کو جو اس امتحان میں پوری ہوتی روایات مستندہ کے رتبہ سے خارج نہیں کر سکتی تھی"

سر ولیم میور کا یہ بیان ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے مگر انہوں نے اس موضوع سے جس پر جامعین حدیث نے حدیثوں کو جمع کیا غور نہیں کی۔ جس وقت کہ حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اور اول اول اُن کے جمع ہونیکا کام شروع ہوا تو پہلا کام جامعین حدیث کا یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو صرف اُن کے راویوں کی معتبری تحقیق کر کے ان حدیثوں کو قلمبند کر لیں بشرطیکہ بادی النظر میں کوئی ایسا امر جو اُس حدیث کی صحت میں مخل ہو موجود نہ ہو۔ دوسرا

کام اُن حدیثوں کی معتبری اور نامعتبری کا بلحاظ اُن کے مضامین کے تھا اسکا وقت اُن جامعین کو نہیں ملا تھا کیونکہ پہلا ہی کام جو اُنہوں نے کیا وہی نہایت سخت اور مشکل تھا۔ اگرچہ پہلے لوگوں کے دلوں میں اُن بزرگوں کی جنہوں نے حدیثوں کو باعتبار راویوں کے جمع کیا تھا۔ ایسا ادب اور ایسی عظمت جم گئی تھی کہ اکثر دل سے اُس دوسرے کام کی نسبت جو باقی رہا تھا توجہ نہ کی لیکن بہت سے علما محققین ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اُس دوسرے فرض کو بھی ادا کیا ہے اور اُس کے لیے قواعد بھی منضبط کیے ہیں اور اُصول حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور بلحاظ مضامین حدیث کے حدیث کی معتبری اور نامعتبری قرار دینے کو فن درایت سے موسوم کیا ہے۔ قطع نظر اس کے اسوقت ہر ایک مسلمان کے اختیار میں ہے کہ بہ لحاظ اُصول درایت کے جس کتاب کی حدیث پر چاہے اُس کے معتبر اور نامعتبر ہونے کی بحث کرے اور جس کو نامعتبر سمجھے اُسکو نہ مانے۔

سر ولیم میور اپنے بیان کے ضمن میں راویوں کے ایماندار ہونے کو تسلیم کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ موضوع روایتیں معتبر روایتوں کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہیں اور بغرض تمیز مابین صحیح اور موضوع روایتوں کے اس طرح پر لکھتے ہیں کہ "وہ اُمور جن پر کسی روایت کے اعتبار کا غلبہ بالخصوص منحصر ہونا چاہیئے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ آیا مسلمانوں میں بالعموم مضمون مروی کی جانب رعایت اور طرفداری پائی جاتی تھی یا نہیں دوم یہ کہ آیا راویوں میں کسی خاص غرض تعصب یا کسی غرض کے آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور سوم یہ کہ آیا راوی کو واقعات کے علم کا بذات خود موقع ملا تھا یا نہیں۔"

ان تین قواعد میں سے سر ولیم میور میں اخیر کے دو قواعد کے تسلیم کرنے میں ہمکو کچھ کلام نہیں ہے کیونکہ یہ دو بھی منجملہ اُنہیں قواعد کے ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

قاعدہ اول کی نسبت ہم حیران ہیں کہ بغیر زیادہ کسی تفصیل کے ہم اُس کو اس بات کے لیئے کہ آیا فلاں حدیث صحیح ہے یا غلط اور کس قدر صدق یا کذب اُس میں موجود ہے کس طرح پر قاعدہ قرار دیں۔

اس حیرانی کے رفع کرنے کو ہم نے اُس تفصیل کی طرف رجوع کی جو اُس کی نسبت سر ولیم میور نے تحریر فرمائی ہے۔ وہ مذکورہ بالا امر پر دو طرح سے نظر ڈالتے ہیں یعنے زمانہ کے لحاظ سے اور مضمون کے لحاظ سے زمانہ کو وہ چند حصوں میں تقسیم کرتے ہیں پہلا حصہ اُسوقت تک شمار کرتے ہیں " جب تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت شروع نہیں ہوئی تھی وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے اُس زمانہ کے حالات کے شاہد یا تو عمر میں اُن سے چھوٹے یا اُن کی برابر ہیں اسواسطے پیغمبر صاحب کی ولادت سے پیشتر کے واقعات یا اُن کی طفولیت کے حالات کے باب میں اُن کی شہادت معتبر نہیں ہے اور انکی نوجوانی کے سوانح بھی اُنہیں سی بہت کم اشخاص نے مشاہدہ کئے ہونگے "

بظاہر یہ بیان لوگوں کے خیال میں صحیح معلوم ہوتا ہوگا لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ سر ولیم میور نے سب سے اول یہ فرض کر لیا ہے جیسا کہ اُنہوں نے خود لکھا ہے کہ " روایت کی سب سے پہلی ترویج کا زمانہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا تھا " مگر اس رائے کے برخلاف محکم ترین دلائل موجود ہیں اور ثابت ہے کہ روایات کے بیان کرنے کی رسم جناب پیغمبر خدا کی حیات میں شروع ہوئی تھی دوم یہ کہ صاحب موصوف نے اس بات کو ایک امر واقعی تسلیم کر لیا ہے کہ جملہ اصحاب اور وہ بھی جنھوں نے

جناب پیغمبر خدا کی حیات میں وفات پائی تھی یا تو جناب پیغمبر خدا سے چھوٹے تھے یا
اُن کی ہم عمر تھے اور یہ امر تاریخی واقعہ کے خلاف ہے اور صحابہ بھی بلحاظ عمر کے اتنے
تو ضرور ہی تھے کہ جناب پیغمبر خدا کی ولادت سے ذرا پیشتر کے واقعات ذریعہ انکے
بچپن اور جوانی کے حالات کو بچشم خود مشاہدہ کیا ہو اور اُن کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھکر اور درست
بے کم و کاست نقل کیا ہو اور ایسے ہی لوگوں کے بیان کو ہم مستند قرار دیتے ہیں

علاوہ اس کے کسی واقعہ کی صدق کی تحقیق کو شخص گواہان معاینہ کی موجودگی
پر موقوف رکھنا شہادت کے قواعد مسلمہ سے جن کو تمام شائستہ اور مہذب قوموں نے
تسلیم کر لیا ہے سراسر انحراف کرنا ہے۔ گواہان معاینہ کے سوا اور بھی چند امور ہیں جنکا
عمل ایسا ہی مستحکم ہوتا ہے اور کسی واقعہ کے صدق یا کذب کو ضرور قائم کر دیتے ہیں
صرف اسقدر فرق ہے کہ ہر واقعہ جس کی نسبت کوئی معتبر گواہ معاینہ تصدیق کرے وہ فوراً
تسلیم کر لیا جاتا ہے اور صورت ثانی میں تواتر اور کثرت راویوں کی اُس کی صحت کو تلافی
ہیں۔ پس جناب پیغمبر خدا کے کسی زمانہ کے واقعات کی تصدیق میں ہم اس سے زیادہ اور
کچھ نہیں کر سکتے کہ اُن مسلمہ قوانین کی شہادت کے بموجب جو انسان کے قوا سے متعلق
ہیں بدون لحاظ کسی مذہب کے مرتب کئے ہیں گواہ کے بیان کے صدق
کا امتحان کریں۔

سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ "اگر کسی واقعہ کی جانب توجہ بالتخصیص مائل نہو
تو اس کی نسبت کامل اور ٹھیک بیان کی اُمید رکھنی بے فائدہ ہو گی اور بہت سے برسوں
کے گذرنے کے بعد ایسے گواہ سے زیادہ سے زیادہ یہ توقع ہو سکتی ہے کہ واقعات قابل
الذکر کا عام طور پر بیان کر دے" اس اصول کو صاحب موصوف جناب پیغمبر کی

سوانح عمری کے اُس زمانہ تک جبکہ بقول اُن کے جناب پیغمبر خدا ایک فریق کے سرگروہ ہوگئے نہایت شد ومد سے مستعمل کرتے ہیں اور اُسکو اُس زمانہ کے پیشتر تک وسعت دیتے ہیں جبکہ بقول اُن کے آنحضرت نے علانیہ دعوی نبوت کیا تھا اور شرک سے مخالفت کی تھی اور اہالیان مکہ سے کھلم کھلا لڑائی اختیار کی تہی" اور اس بیان سے یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے اُن حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا جب تک کہ انہوں نے عام شہرت حاصل نہیں کی تھی غیر ممکن ہے۔

سر ولیم میور کے اس فرضی اُصول کو جو انہوں نے اپنی ذہانت سے اختراع کیا ہے ہم بلا وسواس مان لیتے اگر ہم اس تردد میں نہوتے کہ اگر یہہ اُصول مان لیا جاوے تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اُس سوانح عمری کی نسبت جو اُن کی شہرت حاصل کرنے سے پیشتر وقوع میں آئی تہی کیا کیا جاوے گا کیا" اُن کی نسبت بہی کامل اور ٹھیک ٹھیک بیان کی اُمید رکھنی بے فائدہ ہوگی" اور کیا اُن حالات کا ٹھیک ٹھیک اور قرار واقعی دریافت ہونا غیر ممکن ہوگا

ہمکو جناب پیغمبر خدا کے اُس زمانہ کی سوانح عمری کی بہ نسبت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے حالات قبل پیدایش اور وقت پیدایش اور اُن کے ایام طفولیت اور ایام جوانی کی سوانح عمری سے زیادہ تر غرض ہے کیونکہ ہم جناب پیغمبر خدا کے کسی واقعہ ماقبل ولادت اور اُن کی کسی سوانح عمری ایام طفولیت کو ایسا نہیں پاتے جس کی صحت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صحت کا مدار رہا ہو اور ہمکو آنحضرتؐ کے تمام حالات زندگی میں ایک امر بہی ایسا نہیں دکہائی دیتا جسکی صلیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کے کسی واقعہ کی صحت پر موقوف ہو۔ مگر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے

باب میں ایسا نہیں ہے اُن دونوں انبیا علیہم السلام کی عمر کے تمام مشہور زمانہ کی اصلیت اُن کی عمر کے غیر مشہور زمانہ کی صحت پر منحصر ہے۔ ہمکو کس طرح اس امر کا یقین ہو سکتا ہے کہ وہ لاوارث بچہ جس کو فرعون کی بیوی نے دریائے نیل میں ایک صندوق میں بہتا ہوا پایا تھا عمران کا حقیقی بیٹا تھا جس کو تمام دنیا حضرت موسیٰ کہتی ہے۔ اور ہم کو کس طرح اس بات کا یقین کلی ہو سکتا ہے کہ وہ بچہ جس کو ہم "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" اور عیسائی "ابن اللہ" کے خطابوں سے مخاطب کرتے ہیں اور جس کی نسبت یقین ہے کہ بن باپ کے پیدا ہوا تھا داؤد کی نسل میں سے تھا اور وہ وہی تھا جس کو اب عیسیٰ مسیح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں امر جو موسوی اور عیسوی مذہب کی بنیاد ہیں ایسے اسرار سے بھرے ہوئے ہیں جنکا ثابت کرنا ایسا محال اور ایسا غیر ممکن ہے جیسا کہ دنیا میں کسی چیز محال اور غیر ممکن کا ممکن ثابت کرنا ہے۔ اگر ہم سر ولیم میور صاحب کے اُصول مندرجہ بالا کو صحیح تسلیم کریں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ مبادا ہمارے مذہب کے حق میں مضر ہو کیونکہ ہم بھی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔ چونکہ اس خیال سے ہمارا دل تھرّاتا ہے اس لیئے ہم سے یہ امید ہرگز رکھنی نہیں چاہیئے کہ ہم ایسے ضرر رساں اُصول کو منظور کریں۔

ہمکو صرف اس زبانی بیان سے کہ سر ولیم میور کا اُصول غیر صحیح ہے تسکین نہیں ہوتی بلکہ ہم زیادہ بحث کر کے اُس سقم کو دریافت کرینگے جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات کو صحیح ماننے میں حیرانی ہوتی ہے۔

یہ سقم جس کو ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں سر ولیم میور کے الفاظ "بہت سے برسوں

کے گذرنے کے بعد کے غیر مصرح ہونے سے واقع ہوا ہے اور ایسا کلام شہادت کے مسلمہ قوانین کے برخلاف ہے اُن کو بجائے ان الفاظ کے اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ ایسے زمانہ کے انقضا کے بعد جو ایک جائز تحقیق اور نتیجہ کی صحت کے احتمال کو غیر ممکن کر دے" لیکن جناب پیغمبر خدا کے غیر مشہور زمانہ حیات کو اس قدر عرصہ نہیں گذرا تھا زمانہ رواج روایت میں بہت سے آدمی زندہ موجود تھے جنہوں نے جناب پیغمبر خدا کی پیدایش ان کا بچپن اُن کا لڑکپن اور اُن کی نوجوانی دیکھی تھی اور گو بقول سر ولیم میور کے "اُن کا حافظہ اور خیال پیغمبر صاحب کی زندگی کے حالات کو بالتخصیص ذہن نشین کرنے میں مصروف نہ تھا" تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ تمام چشم دیدہ باتوں کو بھول گئے ہوں۔

برخلاف اس کے جبکہ "ایک بیکس یتیم بچہ۔ ایک شخص بے شہر باشندہ" ایک ایسا شخص جس کی نسبت تمام سکنائے مکہ میں سب سے کم یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اُس کی پڑوسیوں کی آنکھیں اس کی طرف متوجہ ہوں اور جبکہ ایسا غیر مشہور شخص ایسا عام چال وچلن اختیار کرے جو اپنی نوعیت میں نہایت جلیل القدر ہو اور جو اس کے خاندان اُس کے ہمسایوں اور اس کے ہموطنوں پر بالعموم شاق ہو تو قیاس اس کا مقتضی ہے کہ ہر شخص جو اُس سے قربت رکھتا ہو گا اُس کی زندگی کے غیر مشہور زمانہ کے حالات اور خفیہ طرز معاشرت اور افعال کی سخت چھان بین کریگا اور اُس کی خفیہ معاشرت کے ہر واقعہ کا اُسی طرح کے اُن واقعات سے مقابلہ کریگا۔ جو اُن سب کے روبرو واقع ہوئے ہوں اور جنکی نسبت وہ سب معاینہ کے گواہ ہوں۔

سر ولیم میور آگے چلکر بیان کرتے ہیں کہ اس سے ضرور یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ

جملہ صورتوں میں جن پر کوئی قاعدہ منجملہ قواعد متذکرہ صدر کے موثر ہوتا ہے صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی اور عیسائیوں کے لئے فن تحقیق اور تدقیق سے یہی قسم کے قانون کا اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ ہر روایت جس کی ابتدا واقعات مرویہ کی حقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب انداز صراحت بیان کے بیہودہ ہے اس سے ہمارا (یعنی عیسائیوں کا) بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے پیچھا چھوٹ جاویگا جن میں کہ گذرے ہوئے بیان اور سنجے ہوئے کلام کی جزوی علامات نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہیں بلکہ ہمنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سر ولیم میور کے مذکورہ بالا قواعد شہادت کے اصول مسلمہ کی رو سے سراسر غلط ہیں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جو نتیجہ ان قواعد سے مستنبط کیا ہے کہ صراحت ایک بڑی علامت بناوٹ کی ہوگی" وہ بھی غلط ہے اور جناب پیغمبر خدا کی زندگی کے زمانہ غیر مشہور پر ٹھیک ٹھیک صادق نہیں آتا ہے۔ انکا یہ بیان کہ "ہر روایت جسکی ابتدا واقعات مرویہ کے درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان کے بیہودہ ہے" قانون شہادت کے خلاف ہے۔ اگر وہ اسطرح پر کہتے کہ "وہ روایت جسکا راوی۔ نہ یہ کہ جسکی ابتدا سے روایت۔ واقعات مرویہ کے درحقیقت ہمعصر نہیں ہے حسب اندازہ صراحت بیان بیہودہ ہے" تو گنجایش تھی۔

وہ نتیجہ جو سر ولیم میور نے عیسائیوں کے فن تحقیق و تدقیق کے قانون کو روایات اسلام پر مستعمل کرنے سے حاصل کیا ہے یہ ہے کہ "بیہودہ قصوں کی ایک تعداد کثیر سے انکا پیچھا چھوٹ جائے گا کہ جن میں گذرے ہوئے بیان اور سنجے ہوئے کلام کی علامتیں نقلی کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہیں" لیکن ہمکو اس بات کے کہنے سے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس استنباط میں بھی غلطی کی ہے

کیونکہ یہ استنباط بھی شہادت کے مسلمہ قوانین کے سراسر خلاف ہے جب کبھی کوئی ایسی روایت بیان کی جاتی ہے جس میں کہ تمام جزدی علامتیں کل کی تازگی کے ساتھ موجود ہوں اور جو امتداد زمانہ کی وجہ سے غیر ممکن معلوم ہوتی ہیں تو اس بنا پر جو شبہہ پیدا ہوتا ہے راوی کی نسبت ہوتا ہے کہ اُسکو کیونکر یہ تفصیل یاد رہی نہ مضمون روایت کی نسبت کیونکہ اُسکا صحیح ہونا حیز امکان سے خارج نہیں ہے اور اسلئے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جامعین روایات کو قواعد منضبطہ کے بموجب راوی کا چال چلن ہر طرح بے لوث ثابت ہو جاے اور اُسکے حافظہ پر اعتماد ہو اور اُن واقعات کے یاد رہنے کا بھی امکان ہو تب مضمون روایت کو بھی صحیح تسلیم کرنے میں کچھہ شک وشبہہ نہیں رہتا۔

اسکے بعد سر ولیم میور دوسرے زمانہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی وہ جداگانہ حصہ زمانہ کا جو محمد صلعم کے مشہور حصہ عمر اور فتح مکہ کے مابین حائل ہوتا ہے" اُنکے کل بیان کا لب لباب یہ ہے کہ ہم اُن روایات کو معتبر تسلیم نہیں کر سکتے جن میں "بناوٹ کے افعال" "بے بنیاد اتہامات" اور مبالغہ آمیز الزامات جو محمد (صلعم) کے مخالفوں کی طرف عائد ہوتے ہیں منقول ہیں کیونکہ تمام کفار نے جو مکہ کے رہنے والے خواہ مدینہ کے رہنے والے تھے سب نے اسلام قبول کر لیا تھا اور تمام یہودی عیسائی اور مشرکین نکالدیے گئے تھے اور اب کوئی ایسا شخص وہاں نہ رہا تھا جو ایکطرفہ بیان کی تردید کرتا اور چونکہ خود محمد صلعم کفار پر لعنت کیا کرتے تھے تو کب ممکن تھا کہ کسی مسلمان کو اُنکی حمایت کی جرأت ہوتی اور اسی وجہ سے" اہل روایت بھی کفار سے نفرت کرتے تھے اور مورخین ہمیشہ" اُس شہادت کی طرز پر جو اُنکے خلاف ہوتی تھی آنکھ لگاے رہتے تھے"

بغیر اسکے کہ ہم اس مقام پر بیان کو طول دیں یا یہ کہیں کہ صاحب موصوف کا بھی

قول اور انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین پر بھی صادق آتا ہے خصوصاً اس زمانہ پر جب کہ
حضرت موسیٰ نے نہایت بیرحم لڑائیوں کے بعد تمام کفار کو نیست و نابود کر دیا تھا اور جب کہ
قسطنطین اعظم کے زور سے تمام لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ مگر ہم اس امر کو
اس کتاب کے پڑہنے والوں کی منصفانہ راے پر چھوڑتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں
کہ آیا یہ ممکن ہے کہ نیکی۔ ایمانداری۔ اور صداقت کے کل آثار یعنی قانون قدرت کے
وہ بیش بہا جوہر جو انسان کے قواے اخلاقی کا مادہ ہیں لاکھوں ذی فہم اشخاص کے
سینوں سے یک لخت محو ہو گئے ہوں اور وہ سب یکدل اور یکزبان ہو کر بدترین افعال
کی طرف مائل ہوے ہوں یعنی دروغگوئی اور واقعات کی غلط بیانی کی طرف جو اُن سب کے
روبرو واقع ہوئے ہوں اور جنکو اُن سب نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہو یہی امر یعنی اُن واقعات
کے گواہان معاینہ کی تعداد کا ہزاروں اور لاکھوں کو پہونچنا اُن واقعات کے غلط بیانی کی
عدم امکان پر دلالت کرتا ہے۔

ذاتی میلان پر غور کرنے کے وقت سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "راوی کی اس ہوس
نے کہ محمد صاحب کی صحبت میں بار پاوے" کیونکہ اُنکے نام کے ساتھ "شرافت وحرمت مربوط
تھی اور اُنکی دوستی حصول مدارج اور عزت کی باعث تھی" اور اس ہوس نے کہ "محمد صاحب
کے کسی فرضی الہام یا معجزہ سے علاقہ قریبہ حاصل کرے" کسواسطے کہ "وحی میں مذکور ہونا
سب سے بڑی ممکن الحصول عزت شمار کیجاتی تھی خلاف فطرت واقعات کے اختراع یا مبالغہ
پر جرأت بڑہائی اور روایات کے مبالغہ غلط بیانی اور نیز ایجاد کی باعث ہوئی"

جب کوئی مصنف ایسے میلان راے اور تعصب کی وجہ سے بالکل طرفدار بنجاے
تو اس میں کچھ چارہ نہیں۔ یہ کسطرح خیال میں آسکتا ہے کسی مذہب کے ابتدائی زمانہ کے

معتقدین جو اپنے مذہب پر سچا اعتقاد رکھتے ہوں اور جن کے دلوں کے مغز سے مخفی کونوں میں بھی یہ اعتقاد ہو کہ پیغمبر خدا کی سنت کا اتباع ہماری نجات کا یقینی اور محفوظ رستہ ہے اور انکے احکام سے سرتابی کرنا ضلالت ابدی کا موجب ہے یہ کسطرح ممکن ہے کہ ایسے پاک اور پرہیزگار آدمی سب کے سب اپنے نبی کے فرمانے کو بالاے طاق رکھکر اور اپنی مقدس کتاب کے احکام اور نصائح سے آنکھ بند کر کے دروغگوئی ۔ فریب دہی ۔ اور ریاکاری میں یک لخت مبتلا ہو گئے ہوں خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی بداعمالیاں اور گناہ اُن سے سرزد ہوے ہوں ۔ بطور مثال کے کسی مذہب کو لو ۔ ہندو مذہب کو ۔ بودہ مذہب کو دیگر مشرکین کے مذہب کو یہودی مذہب کو ۔ عیسوی مذہب کو معہ اسکے بہت سے فرقوں کیتھلک ۔ پروٹسٹنٹ ۔ یونی ٹیرین ۔ ٹرینیٹیرین ۔ ویزلینز ۔ بپٹسٹ ۔ جمپرز ۔ مورمنز ۔ وغیرہ کو تو تم اُن میں سے ہر مذہب کے ابتدائی زمانہ کے معتقدین میں نیکی ۔ صداقت ۔ ایمانداری ۔ راست بازی سرگرمی ۔ راسخ الاعتقادی ۔ اور جاں نثاری کی بو پاؤگے اور اپنے نبی کے احکامات اور اپنے مذہب کے قوانین سے انحراف کرنے کے خیال ہی سے انکو خائف اور ہراساں پاؤگے ۔ ہمکو اپنے بیان کی تائید اور تصدیق کے لئے منجملہ ہزاروں مثالوں کے صرف ایک ہی مثال کافی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ جبکہ زید ابن ثابت سے حضرت ابوبکر نے قرآن مجید کے اجزاے منتشرہ کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارشاد کیا تو کچھ عرصہ تک زید ابن ثابت خوف کے مارے عالم سکوت میں رہے اور پھر جب ہوش وحواس درست ہوے تو حضرت ابوبکر سے خوف اور غصہ اور بے صبری کے ملے ہوے جوش سے استفسار کیا کہ ایسے کام کرنے کی جو خود پیغمبر خدا کی موجودگی میں نہیں کیا گیا آپ کیونکر جسارت کرتے ہیں ۔ پھر یہ کسطرح ذہن میں آسکتا ہے کہ اُن لوگوں نے جو پیغمبر

خدا سے اسقدر خوف اور اُن کی اسقدر تعظیم کرتے تھے اور جو بجز صداقت کے اور کسی چیز کو نہیں جانتے تھے فی الفور ایسی برائیوں کے اختیار کرنے سے اپنے آپ کو ذلیل اور خوار کر دیا ہو اور ایسے گناہ عظیمہ اُن سے سرزد ہوتے ہوں۔

اسی طرح کی متعصبانہ طبیعت سے سر ولیم میور آگے چلکر یہ بیان کرتے ہیں کہ "ہم اس باب میں بعض مشتبہہ شہادت رکھتے ہیں کہ عایت ادرجانب داری نے روایت پر ایک گہرا اور مستقل نقش کر دیا" اس کے بعد صاحب موصوف روایات موضوعہ کے رواج کے بہت سے اسباب کے ضمن میں یہ کہتے ہیں کہ "قومی میلان عموماً تمام اسلام میں پہیلا ہوا ہے اس وجہ سے اور بہی زیادہ مضر ہے" اسی طرح "محمد صاحب کی توقیر اور اُن کو عجیب وغریب اوصاف سے متصف کرنے کی خواہش" سر ولیم میور کے نزدیک تمام فضول کی ابتدا آنحضرت ہی سے ہوئی تھی کیونکہ سر ولیم میور بموجب اپنے اعتقاد کے ذرا بہی شک نہیں رکھتے کہ "اصلی واقعات ایک دہمناک خیال کی رنگ آمیزی سے اسطرح آراستہ یا مبدل ہو گئے ہیں" اسکے بعد سر ولیم میور کہتے ہیں کہ "محمد صاحب کی توقیر کی اسی عام خواہش کی طرف اُن مسلم معجزات کو بہی منسوب کرنا چاہئے جن سے کہ اُن کے سب سے ابتدائی تاریخیں بہی مملو ہیں" اسکے بعد سر ولیم میور نے اپنی بے انتہا خفگی اُن یہودی اور عیسائی عالموں پر ظاہر کی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی بشارات کا ذکر کیا ہے۔ سر ولیم میور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کو بہی موضوع اور بے اصل اس وجہ سے بتلاتے ہیں کہ "پیغمبر اسلام کو حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں خیال کرنے کی خواہش اور شاید ثابت کرنے کی کوشش انکی حیات ہی میں شروع ہوئی تھی" بعد اسکے وہ کہتے ہیں کہ "دلیل خلف سے بہی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے یعنی

وہ روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی اور مسلم تھیں اسلیئے کہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً بے اعتبار یا بالکل خارج ہوگئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی" پھر وہ کہتے ہیں کہ "اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اسقدر کامل طور سے ثابت کرنا جیسا کہ مقامات گذشتہ کو ثابت کیا گیا غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہمکو ان روایتوں کا جو اوائل میں ترک کردی گئیں تھیں کچھہ پتہ نہیں معلوم ہوتا۔

یہ خلاصہ ہے سر ولیم میور کے ایک طول طویل بیان کا جس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی محققانہ تحریر نہیں ہے بلکہ ایک مخالف مذہب کی تحریر ہے اور ایسے طرز میں لکھی گئی ہے جو ایک متعصب مخالف کے مناسب اور موزوں ہے جو اپنے بیانات اور اپنی زبان اور بائز تحقیق کی رعائت میں محتاط نہیں ہے اور جو اپنے مذہب کے سوا اور مذہب کی باتوں پر اور بالخصوص اُس مذہب کی باتوں پر جس سے اُس کے مذہب کو کسی کسی طرح پر مضرت پہنچی ہو نہایت حقارت اور بے اصل شبہہ کی نظر سے دیکھتا ہے اگر ہمسے ایسے بے موقع اور غیر معتدل بیانات کی نظیر طلب کیجائے تو ہم اُن سخت اور کفر آمیز کلمات کا حوالہ دیں جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے مذہب کے بارہ میں استعمال کیا کرتے تھے۔

سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "روایتیں جو عمدہ شہادت پر مبنی تھیں کیونکہ اوائل اسلام میں مشہور تھیں عموماً بے اعتبار یا کل خارج ہوگئیں کیونکہ اُن سے محمد صاحب کی تحقیر یا کسی فاسد عقیدہ کی تائید معلوم ہوئی"

مگر یہ کیسا غلط بیان ہے اور یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس امر کو وہ خود اسقدر اعتماد اور گھمنڈ کے ساتھ نہایت صاف اور بے لاگ زبان میں بیان کرتے ہیں گویا کہ وہ

درحقیقت ایک مسلم تاریخی واقعہ ہے اور شک وشبہہ کی گنجایش نہیں رکھتا ہے اس کی نسبت کوئی سند نہیں پیش کرتے ہیں بلکہ نہایت دلجمعی سے اس معاملہ کو محض یہ کہکر دفعتاً طے کرتے ہیں کہ " اس معاملہ کی حالت کی وجہ سے اس مقام کو اسقدر کامل طور سے ثابت کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ اب ہمکو اُن روایتوں کا جو اوائل میں ترک کردی گئی تھیں کچھہ پتہ معلوم نہیں ہوتا " کیا اسطرحپہ دلیل (۱) ایک مذہب کا اثر نہیں ہے معہذا سر ولیم میور کا یہ بیان بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ تمام اتہامات اور تحقیر کے الفاظ جو مشرکین اور یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے مسلمانوں کی کتابوں میں بلکہ قرآن مجید میں بھی بیان ہوئے ہیں اور کوئی بات نہ خارج کی گئی ہے اور نہ مخفی رکھی گئی ہے۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی روایات میں اختلافات واقع ہوئے تھے ہم تسلیم کرتے ہیں مگر ہم اُنکے اس تہتک آمیز اسباب کی طرف منسوب ہونے سے جو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیئے ہیں اعتماد کے ساتھ انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ اختلافات محض اُن وجہوں سے عارض ہوئے ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں ۔

ہمکو اس بات کے دریافت ہونے سے کہ عیسائی مصنفوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف غلط اور بیجا اتہامات ہی نہیں لگائے ہیں بلکہ بدون کسی وجہ کے اپنے دل میں یہ سمجھکر خوش ہوئے ہیں کہ ہمارے پیغمبر کے نام پاک پر اُنہوں نے دھبہ ثابت کیا ہے کچھہ بھی تعجب اور ملال نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ بے اصل بات کچھہ بھی تعجب اور ملال کے لائق نہیں ہوتی مگر ان بے اصل خیالات کی بنا ڈاکٹر اسپرنگر ایم ڈی سے معلوم ہوتی ہے جنہوں نے ایشیاٹک سوسئٹی بنگال کے ایک جرنل یعنی ایک رسالہ میں اور بعد ازاں اپنی کتاب بائی اوگرفی آف محمد میں اس مضمون پر بحث کی تھی۔ سر ولیم میور کی عمدہ خصلت اور لیاقتوں کی قدر سے جو ہمارے دل میں تھی اور نیز اُنکی بہت بڑی مہارت مشرقی علم ادب کی

وجہ سے ہمکو قوی اُمید ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر اسپرنگر کے یکطرفہ بیانات اور الزامات کی کماحقہ موشگافی کرینگے اور ایک سنجیدہ تحقیقات اور منصفانہ راے سے رسول عربی کی معصومیت کی حمایت کرینگے مگر افسوس کہ وہ امید کیسی بے اثر نکلی۔

ڈاکٹر اسپرنگر سورہ "والنجم" کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب نے قریش کے بتوں اور معبودوں کی نہایت تعریف کی اور اُنکو تسلیم کرلیا" اور جبکہ وہ سجدہ میں گئے قریش نے بھی سجدہ کرنے میں اُنکا اتباع کیا۔ اس تمام قصہ کی صحت کو وہ مصنف مواہب لدنیہ کے حوالہ پر مبنی کرتے ہیں"

سر ولیم میور اس مضمون پر یوں بحث کرتے ہیں کہ "بظاہر ایک خوب معتبر قصہ موجود ہے جس سے محمد صاحب کا کفار مکہ کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیان کو واقدی اور طبری کے بیان پر مبنی کرتے ہیں اور خاصکر ایک دلچسپ عبارت پر جو اس قصہ کی اسناد کی تشریح میں مصنف مواہب لدنیہ نے لکھی ہے، جو اعتراضات و شکوک کو اسلام کی ضرر اور فساد عقیدہ کے خوف کی طرف منسوب کرتا ہے۔

مصنف مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب میں اس مضمون پر تمام مختلف روایتوں اور علمار کی رایوں کو لکھدیا ہے اور اسلئے ہم اس مقام پر اُس کتاب کی عبارت کا بجنسہ نقل کردینا کافی سمجھتے ہیں اور اُسی کے ساتھ اُسکی کامل تشریح بھی کرینگے اور اس غرض سے کہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو مواہب لدنیہ کی عبارت کو جداگانہ دفعات میں منقسم کرتے ہیں۔

اول چند لوگ حبش کے ہجرت کرنے والوں میں سے آئے جبکہ رسول اللہ صلعم

وقدم نفر من مهاجرة الحبشة حين قرأ عليه السلام والنجم اذا هوى حتى بلغ افرأيتم اللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى القى الشيطان في امنيته اى في تلاوته تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى فلما ختم السورة سجد صلى الله عليه وسلم وسجد معه المشركون لتوهمهم انه ذكر آلهتهم بخير وفشى ذلك بالناس واظهره الشيطان حتى بلغ ارض الحبشة ومن بها من المسلمين عثمان ابن مظعون و اصحابه وتحدثوا ان اهل مكة قد اسلموا كلهم وصلوا مع صلى الله عليه وسلم وقد امن المسلمون بمكة فاقبلوا اسراعا من الحبشة۔

نے یہ آیت پڑھی "والنجم اذا ھوی" (قسم ہے ستارہ کی جب نیچے کو آتا ہے) یہانتک کہ جب آنحضرت اس آیت پر پہونچے "افرأیتم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری" (کیا تم نے دیکھا لات اور عزی کو اور پھر منات کو جو تیسرا ہے) تو شیطان نے انکی تلاوت میں یہ الفاظ ڈالدیے "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی" (یہ بڑے بت ہیں اور انکی شفاعت کی امید ہے) ایس جب آنحضرت نے سورہ ختم کی تو سجدہ کیا مشرکوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا کیونکہ انکو یہ گمان ہوا تھا کہ رسول اللہ نے انکے خداؤں کو بھلائی سے یاد کیا۔ اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی اور شیطان نے اسکو مشہور کیا۔ یہانتک کہ ملک حبش میں اور ان مسلمانوں میں جو وہاں تھے یعنی عثمان بن مظعون اور ان کے ساتھیوں میں یہ خبر عام ہوئی۔ ان لوگوں نے آپسمیں گفتگو کی کہ مکہ کے سب لوگ اسلام لائے اور آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھی اور مسلمانوں کو مکہ میں امن ہو گیا۔ وہ لوگ بڑی تیزی سے حبش سے روانہ ہوے۔

ولما تبين المشركين عدم ذلك رجعوا الى اشد ما كانوا عليه۔

دوم۔ اور جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے تو پہلی سے زیادہ سختی پر مائل ہوے۔

سوم- قاضی عیاض نے "شفاء" میں اس قصہ پر اور اسکی اصل کے سست ہونے پر کافی وشافی گفتگو کی ہے لیکن اسکے بعض حصوں پر گرفت کی گئی ہے۔ جیسا کہ آتا ہے۔

وقد تکلم القاضی عیاض رضہ فی الشفاء علی ہذہ القصۃ وتوہین اصلہا بما یشفی ویکفی لکن تعقب فی بعضہ لما سیاتی۔

چہارم- امام فخر الدین رازی نے کہا ہے۔ جیسا کہ شیخ نے انکی تفسیر کا ملخص سمجھا ہے کہ یہ قصہ جھوٹ ہے اور گڑھا ہوا ہے۔ اسکا بیان کرنا جائز نہیں ہے خدا نے کہا ہے کہ "آنحضرت اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے۔ وہ نہیں ہے مگر وحی جو کہ وحی بھیجی گئی" اور خدا نے کہا "ہم تمکو پڑھا دینگے سو تم نہ بھولو گے"۔

وقال الامام فخر الدین الرازی کما لخصہ من تفسیرہ ہذہ القصۃ باطلۃ وموضوعۃ لا یجوز القول بہا قال اللہ تعالی وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی وقال تعالی سنقرئک فلا تنسی۔

پنجم- بیہقی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے روایت کی رو سے۔ پھر بیہقی نے اسبات پر گفتگو کی ہے کہ اس قصہ کے راوی مطعون ہیں۔

وقال البیہقی ہذہ غیر ثابتۃ من جہۃ النقل ثم اخذ یتکلم فی ان رواۃ ہذہ القصۃ مطعونون۔

ششم- نیز بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے سورہ نجم پڑھی اور انکے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور آدمی اور جن نے سجدہ کیا۔ اس روایت میں غرانیق کی حدیث

وایضاً فقد روی البخاری فی صحیحہ انہ علیہ السلام قرأ سورۃ

النجم وسجد معه المسلمون والمشركون والانس والجن وليس فيه حديث الغرانيق بل روى هذا الحديث من طرق كثيرة و ليس فيها البتة حديث الغرانيق

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے مگر کسی میں غرانیق کی حدیث مذکور نہیں ہے۔

ولاشك ان من جوز على الرسول تعظيم الاوثان فقد كفر لان من المعلوم بالضرورة ان اعظم سعيه كان في نفي الاوثان ولو جوزنا ذلك ارتفع الامان عن شرعه وجوزنا في كل واحد من الاحكام والشرائع ان يكون كذلك ويبطل قوله تعالى يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته فانه لا فرق في العقل بين النقصان في الوحي والزيادة فيه فبهذه الوجوه عرفنا على سبيل الاجمال ان هذه القصة موضوعة وقد قيل ان هذه القصة من وضع الزنادقة لا اصل لها انتهى

ہفتم۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو شخص ان سیئات کو جائز رکھے کہ رسول اللہ نے بتوں کی تعظیم کی تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ تو بداہتہً معلوم ہے کہ آنحضرت کی بڑی کوشش بتوں کا مٹانا تھا۔ اور اگر ہم اسکو جائز کریں تو شریعت پر کچھ اعتبار رہیگا اور ہمکو کل احکام و شریعتوں میں ایسا ہی بار خیال کرنا لازم آیگا۔ اور خدا کا یہ قول باطل ہو جایگا کہ "اے رسول خدا کی طرف سے جو تجھپر اتارا گیا ہے اسکو لوگوں کو پہونچا دے اگر تونے ایسا نہ کیا تو تونے اپنی رسالت کو نہیں پہونچایا" کیونکہ کلام کے اعتبار سے وحی کے گھٹانے میں اور زیادہ کردینے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ پس ان دلیلوں سے ہمنے مجملاً جان لیا کہ یہ قصہ گڑھا ہوا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کے موضوعات سے ہے جس کی کچھ اصل نہیں ہے۔

ہشتم - اور ایسا نہیں ہے بلکہ اُسکی ایک اصل ہے - کیونکہ اُسکو روایت کیا ہے

ولیس كذلك بل لها اصل فقد اخرجها ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر من طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعید ابن جبیر وكذا ابن مردویه والبزار وابن اسحاق فی السیرة وموسی ابن عقبة فی المغازی وابو معشر فی السیرة كما نبه علیه الحافظ عماد الدین ابن كثیر وغیره

ابن ابی حاتم وطبری وابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے اُنہوں نے ابو بشر سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے اور اسی طرح ابن مردویہ اور بزار اور ابن اسحاق نے سیرت میں اور موسیٰ ابن عقبہ نے مغازی میں اور ابو معشر نے سیرت میں جیسا کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

نہم - لیکن کہا ہے کہ اُس کے سب طریقے مرسل ہیں اور یہ کہ وہ صحیح طور سے مسند

لكن قال ان طرقها كلها مرسلة وانه لم یرها مسندة من وجه صحیح وهذا متعقب بما سیاتی۔

نہیں کی گئی ہے - اور اسپر اعتراض کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

دہم - اور اسی طرح اُسکے اصل کے ثابت ہونے پر شیخ الاسلام اور حافظ ابو الفضل

كذا نبه علی ثبوت اصلها شیخ الاسلام والحافظ ابو الفضل العسقلانی فقال اخرج ابن ابی حاتم والطبری وابن المنذر من

عسقلانی نے تنبیہ کی ہے سو کہا کہ روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور طبری اور ابن المنذر نے متعدد طریقوں سے شعبہ سے اُنہوں نے ابو بشر سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے کہا اُنہوں نے کہ پڑھا رسول اللہ صلعم نے مکہ

طرق عن شعبة عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ والنجم فلما بلغ افرأیتم اللات والعزی ومنات الثالثۃ الاخری القی الشیطان علی لسانہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی فقال المشرکون ما ذکر آلھتنا بخیر قبل الیوم فسجد وسجدوا فنزلت ھذہ الآیۃ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ الآیۃ۔

میں "والنجم" کو پس جب پہونچے اس آیت پر "افرأیتم اللات والعزی ومنات الثالثۃ الاخری" شیطان نے آنحضرت کی زبان پر یہ الفاظ ڈالدیئے "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی" پس کہا مشرکوں نے آج سے پہلے کبھی محمد نے ہمارے خداؤں کو بھلائی سے یاد نہیں کیا تھا پھر آنحضرت نے سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا پس یہ آیت اتری "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ" اخیر آیت تک

یازدہم۔ اور روایت کیا ہے اسکو بزار نے اور ابن مردویہ نے امیہ بن خالد کی روایت

واخرجہ البزار وابن مردویہ من طریق امیۃ بن خالد عن شعبۃ فقال فی اسنادہ عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس فیما احسب ثم ساق الحدیث وقال البزار لا یروی متصلا الا بھذا الاسناد

سے امیہ نے شعبہ سے۔ پس کہا "اسکے اسناد جہانتک میں جانتا ہوں سعید بن جبیر کی روایت ابن عباس سے ہے" پھر حدیث بیان کرنے لگے اور بزار نے کہا۔ یہ حدیث اتصال کے ساتھ صرف اسی اسناد سے مروی ہے۔ اسکے وصل کرنے میں امیہ بن خالد متفرد ہے اور وہ مشہور ثقہ ہے۔

تفرد بوصلہ امیۃ بن خالد وھو
ثقۃ مشھور

وقال ایضاً روی ھذا من طریق
الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس
انتھے والکلبی متروک لا یعتمد علیہ

دوازدہم۔ اور کہا اگر یہ روایت کی گئی ہے کلبی کے طریقہ سے اسنے ابو صالح
سے اُسنے ابن عباس سے انتہٰی۔ اور کلبی چھوڑ دیا گیا ہے
اسپر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔

وکذا اخرجہ النحاس بسند آخر فیہ
الواقدی وذکرھا ابن اسحاق
فی السیرۃ مطولۃ واسنادھا عن محمد
ابن کعب وکذلک ابن عقبۃ فی
المغازی عن ابن شہاب عن الزھری
وکذا ابو معشر فی السیرۃ لہ عن محمد
ابن کعب القرظی و محمد ابن قیس
واوردہ من طریقۃ الطبری واوردہ ابن ابی
حاتم من طریق اسباط عن السدی ورواہ
ابن مردویہ من طریق عباد ابن صہیب
عن یحیی ابن کثیر عن الکلبی عن ابی
صالح وعن ابی بکر الھذلی وایوب

سیزدہم۔ اور اسی طرح اُسکو نحاس نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے
جس میں واقدی ہے اور اُسکو ابن اسحاق نے کتاب
سیرت میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اُسکو محمد بن کعب سے
اسنادکیا ہے اور اسی طرح ابن عقبہ نے مغازی میں
ابن شہاب سے اُسنے زہری سے اور اسی طرح ابو معشر
نے سیرت میں محمد بن کعب قرظی کے طریقہ سے محمد
بن قیس کے طریقہ سے۔ اور طبری اُسی کے طریقہ سے
لایا ہے۔ اور ابن ابی حاتم لایا ہے اسباط کے طریقہ
سے وہ سدی سے اور ابن مردویہ نے اُسکو روایت
کیا ہے طریقہ عباد بن صہیب سے وہ یحییٰ بن کثیر سے
وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور ابو بکر ہذلی سے اور
ایوب سے وہ عکرمہ سے اور سلیمان تیمی نے اُن تین شخصوں سے
جنہوں نے ابن عباس سے روایت کیا۔ اور طبری اُس

عن عكرمة وسليمان التيمي عن
من حدثه ثلاثتهم عن ابن عباس
واوردها الطبري من طريق العوفي
عن ابن عباس ومعناهم كلهم في ذلك
واحد وكلها سوى طريق سعيد بن
جبير اما ضعيف واما منقطع لكن
كثرة الطرق تدل على ان للقصة اصلا

کو عوفی کے طریق سے لایا ہے اور وہ ابن عباس کی
اور سب کا مطلب ایک ہی ہے اور وہ سب طریقے سوا
سعید بن جبیر کے طریقہ کے یا ضعیف ہیں یا منقطع ہیں
لیکن بہت سے طریقوں کا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے
کہ قصہ کی کچھ اصل ہے۔

چہاردہم۔ باوجود اسکے کہ اسکے دو طریقے ہیں جو مرسل ہیں۔ اور انکے راوی صحیح

مع ان لها طريقين آخرين مرسلين رجالهما
على شرط الصحيح احدهما ما اخرجه
الطبري من طريق يونس ابن يزيد
عن ابن شهاب حدثني ابوبكر ابن
عبد الرحمن بن الحرث عن ابن هشام
فذكر نحوه والثاني ما اخرجه ايضا من
طريق المعتمر ابن سليمان وحماد ابن
سلمة كلاهما عن داود ابن ابي هند
عن العاليه۔

کی شرط کے موافق ہیں ایک تو وہ جسکو طبری نے
روایت کیا ہے یونس بن یزید کے طریقہ سے یونس
نے ابن شہاب سے کہ حدیث بیان کی مجھسے ابوبکر
بن عبد الرحمان بن الحرث نے بن ہشام سے اسی
طرح ذکر کیا اور دوسرے وہ جسکو طبری نے روایت کیا
معتمر بن سلیمان کے طریقہ سے اور حماد بن سلمہ کے طریقہ
سے دونوں نے داؤد بن ابی ہند سے داود نے
عالیہ سے۔

پانزدہم۔ کہا حافظ ابن حجر نے جرأت کی ابن العربی نے اپنی عادت کے موافق پس کہا

قال الحافظ ابن حجر وقد تجرا ابن

کہ ذکر کیا طبری نے اس باب میں بہت سی روایتونکو

العربي كعادته فقال ذكر الطبري
في ذلك روايات كثيرة لا اصل لها و
هو اطلاق مردود عليه وكذا قول القاضي
عياض هذا الحديث لم يخرجه اهل
الصحة ولا رواه ثقة بسند سليم
متصل مع ضعف نقلته واضطراب
رواياته وانقطاع اسانيده وكذا قوله
من حكيت عنه هذه القصة من
التابعين والمفسرين لم يسندها احد
منهم ولا رفعها الى صاحب واكثر
الطرق عنهم في ذلك ضعيفة واهية

جن کی کچھ اصل نہیں ہے" اور یہ مطلقاً حکم لگانا رد
کیا گیا ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا قول کہ "
اس حدیث کو صحت والوں نے نہیں روایت کیا
اور نہ کسی ثقہ نے کسی مسند متصل صحیح سے روایت
کیا۔ اسکے ساتھ اُسکی نقل کرنے والے ضعیف
ہیں اور اُسکی روایتوں میں اضطراب ہے اور
اُسکی سندیں منقطع ہیں" اور اسی طرح قاضی عیاض
کا یہ قول کہ تابعین و مفسرین میں سے جن سے اس
قصہ کی حکایت کی گئی ہے کسی نے اسکو سند کے
ساتھ نہیں بیان کیا اور نہ کسی نے اُسکو کسی صحابی
کی طرف مرفوع کیا اور اکثر طریقے جو اُن سے مروی
ہیں ضعیف اور واہی ہیں۔

شانزدہم۔ کہا کہ بزار نے بتا دیا کہ یہ حدیث کسی ایسے طریقہ سے مروی نہیں ہے

قال وقد تبين البزار انه لا يعرف
من طريق يجوز ذكره الا طريق
ابي بشر عن سعيد بن جبير مع الشك
الذي وقع في وصله واما الكلبي فلا
يجوز الرواية عنه لقوة ضعفه ثم
رده من طريق النظر بان ذلك

جسکا ذکر کرنا جائز ہو بجز اس طریقہ کے جو ابو بشر
نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے لیکن باینہمہ
اُسکے وصل میں شک واقع ہوا ہے۔ لیکن کلبی تو
اس سے روایت کرنی جائز نہیں ہے بوجہ اُسکے
نہایت ضعف کے۔ پھر اس حدیث کو عقلاً رد کیا ہے
کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے

لو وقع لاشتهر لکثرة من اسلم قال — حالانکہ یہ کہیں منقول نہیں۔ انتہیٰ۔

ولم ینقل ذلک انتہیٰ

ہشتم۔ اور یہ سب باتیں قواعد حدیث کے مطابق نہیں چل سکتیں، لیکن جب حدیث

وجمیع ذلک لا یمشی علی القواعد — کے بہت سے طریقے ہوں اور انکے مخرج جداگانہ

فان الطرق اذا کثرت وتباینت — ہوں تو اس بات کی دلیل ہوگی کہ انکی کچھ اصل ضرور

مخارجہا دل ذلک علی ان لہا اصلا — ہے۔ اور ہم نے بیان کیا کہ تین سندیں اُن میں سے

وقد ذکرنا ان ثلاثة اسانیدہا — صحیح کی شرط کے موافق ہیں۔ اور وہ مرسل ہیں

علی شرط الصحیح وھی مراسیل — اُن کو مرسل سے دلیل لاتے ہیں وہ لوگ جو مرسل

یحتج بمثلہا من یحتج بالمرسل وکذا — سے دلیل لاتے ہیں اور اسیطرح وہ لوگ بھی جو

من لا یحتج بہ لاعتضاد بعضہا — مرسل سے نہیں دلیل لاتے کیونکہ بعض حدیث کو بعض

ببعض (مواہب) — سے تقویت ہوتی ہے

اس قصہ کی نسبت مصنف مواہب لدنیہ نے جو طول طویل بحث کیا ہے وہ اس مقام پر ختم ہوتا ہے۔ مگر مصنف مواہب لدنیہ نے اخیر کو جو یہ بات بیان کی ہے کہ روایت کے متعدد و مخرج ہونے سے اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اُسکی کچھہ اصلیت ہے اور تین سندیں جنکا سلسلہ آنحضرت تک نہیں پہنچا صحیح تصور کرنے کے لائق ہیں اور جو لوگ کہ ایسی روایتوں کو جنکا سلسلہ آنحضرت تک نہ پہونچا ہو صحیح تصور نہیں کرتے وہ بھی اُسکے متعدد ہونے کے سبب اُنکو تسلیم کرینگے“ یہ بیان اُسکا محض غلط ہے۔ جو روایتیں کہ اس باب میں ہیں اور جو خود اُسنے بیان کی ہیں باہم مختلف ہیں، اور روایات مختلفہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکے متعدد مخارج ہیں۔ اور روایت مرسل یعنی جسکا سلسلہ آنحضرت

تک نہ پہنچا ہو گو اُسکو متعدد لوگوں نے بیان کیا ہو قابل سند نہیں ہے جب تک کہ اُسکی
تائید کسی سے کوئی روایت مستند موجود نہو اور نیز وہ روایت قرآن مجید کے مخالف نہو
لیکن جبکہ کوئی روایت مثل روایت مذکورہ بالا کے قرآن مجید کے احکام کے برخلاف
ہو اور جبکہ وہ جناب پیغمبر خدا کے اُن تمام حالات کے برخلاف ہو جو شرک کے مٹانے اور
خدائے واحد کی عبادت کرنے سے متعلق ہیں اور جبکہ وہ اسلام کے اصلی اصول
سے اتفاق نہ رکھتی ہو اور معہذا ایسی مختلف اور مشتبہ ہو جسکا مدار صرف اسباب پر ہو
کہ وہ الفاظ کسنے کہے تھے اور کہنے والا بھی محقق نہوا ہو تو ایسی روایت از روئے عقل
اور انصاف کے کس طرح اُن قواعد میں داخل ہو سکتی ہے جن میں اس روایت کے
داخل کرنے کو مصنف مواہب لدنیہ نے کوشش کی ہے۔

وہ لوگ بھی جو اس روایت کے حامی ہیں اسبات کا صاف صاف اقرار کرتے ہیں
اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسکی تائید میں کوئی کافی ثبوت اور کوئی قابل اعتماد سند موجود
نہیں ہے اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ سر ولیم میور اسقدر اعتماد کے ساتھ کس بنا پر یہ بیان
فرماتے ہیں کہ "بظاہر ایک خوب مستند قصہ موجود ہے جس سے محمد صاحب کا مشرکین مکہ
کے ساتھ ایک عارضی موافقت اور مصالحت کر لینا ثابت ہوتا ہے"۔

اس روایت کی صحت کی نسبت رائے قائم کرنا اس کتاب کے پڑھنے والوں پر
چھوڑتے ہیں۔ خود مصنف مواہب لدنیہ نے جو روایتیں اسکی نسبت لکھی ہیں انہیں سے
اُسکی صحت اور عدم صحت کا سراغ لگاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فقرہ "تلک الغرانیق العلی
ان شفاعتهن لترجی" ہرگز جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکلا تھا کیونکہ
خود مصنف مواہب لدنیہ نے لکھا ہے جیسا کہ فقرہ دوم میں ہم نے نقل کیا ہے کہ جب

مشرکونکو یہ بات معلوم ہوئی کہ پیغمبر خدا نے یہ لفظ نہیں فرمائے تھے تو انہوں نے پہلے
سے بھی زیادہ دشمنی اختیار کی"

جناب پیغمبر خدا کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ گذرا ہے یعنی جب جناب مکہ میں تشریف
رکھتے تھے کہ کفار مکہ آنحضرت کے ساتھ نہایت جفا و بے رحمی سے پیش آتے تھے اور ہر
طرح جو انکا وحشیانہ غضب ایجاد کر سکتا تھا آنحضرت کو ایذا پہنچاتے تھے کفار مکہ
جناب پیغمبر خدا کے مواعظ میں مخل ادا ہوتے تھے کسی وقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے
تھے آنحضرت کو نماز پڑھتے وقت تنگ کرتے تھے۔ جبکہ آنحضرت خدا کی حمد و
ثنا بیان فرماتے تھے مشرکین بھی اپنے بتوں کی تعریف کیا کرتے تھے پس
مذکورہ بالا روایت سے جو منصفانہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب آنحضرت
سورہ نجم نماز میں پڑھ رہے تھے کفار مکہ حسب عادت مخل ہوئے اور اپنے بتوں کی تعریف کی
یعنی جبکہ جناب پیغمبر خدا سورہ نجم پڑھ رہے تھے اور اس آیت پر پہنچے "افرأیتم
اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری" تو مشرکین میں سے کسی نے اپنے بتوں
کی تعریف کی غرض سے یہ جملہ کہا "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی" اور
جبکہ جناب پیغمبر خدا نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی براہ برابری اپنے بتوں کو سجدہ کیا
مشرکین میں اسباب کا اختلاف ہوا کہ وہ جملہ کس نے کہا کچھ عجب نہیں کہ مشرکین سمجھے
ہوں کہ وہ جملہ پیغمبر خدا ہی نے فرمایا تھا۔ مگر ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ پیغمبر خدا نے
وہ جملہ نہیں کہا اور اسلیئے آنحضرت سے زیادہ دشمنی پر مستعد ہو گئے۔ اسوقت کے مسلمان
ہرگز یقین نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت نے وہ جملہ فرمایا ہو اور کہنے والا بھی متحقق نہیں ہوا
اسلیئے انہوں نے کہا کہ شیطان نے کہا تھا بعد اسکے جب روایات کے بیان کرنے

اور لکھنے کی نوبت پہونچی تو مسلمان عالموں میں اختلاف ہوا۔ جو لوگ شیطان کے زیادہ معتقد تھے اور اسباب پر یقین کرتے تھے کہ شیطان پیغمبروں کے کلام میں اسطرح اپنا کلام ملا سکتا ہے کہ پیغمبر ہی کی زبان سے نکلتا ہوا معلوم ہو انہوں نے کہا کہ پیغمبر ہی کی زبان سے وہ لفظ نکلے تھے۔ کیونکہ شیطان نے وہ لفظ ملا دیئے تھے۔ مگر دونوں فریق اسبات کو تسلیم نہیں کرتے کہ پیغمبر صاحب نے وہ لفظ کہے تھے۔ بایں ہمہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جناب رسول خدا کے اصحاب میں سے کسی نے ان الفاظ کا کسی نہج پر پیغمبر خدا کی زبان مبارک سے نکلنا نہیں خیال کیا کیونکہ کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اُن صحابہ میں سے جو اُسوقت ایمان لا چکے تھے کسی نے اس بات کو بیان کیا ہو۔ بلکہ نہ کسی نے صحابہ میں سے اور نہ کسی نے کبار تابعین میں سے اُسکو بیان کیا ہے یہی بے سر و پا روایتیں ہیں جنکا ذکر طبری اور واقدی اور ابن اسحاق نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

جو کچھ ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ وہ جملہ مشرکین میں سے کسی نے کہا تھا اُس کی تشریح خود مواہب لدنیہ کی ایک روایت میں مندرج ہے جسکو ہم بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

اُس روایت کا ترجمہ یہ ہے "اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ جب اس آیت پر پہونچے۔

وقیل انه لما وصل الی قوله ومناة الثالثة الاخری خشی المشرکون ان یاتی بعدها بشئ یذم آلھتھم به فبادروا الی ذلک الکلام فخلطوه فی تلاوة النبی

ومناة الثالثة الاخری" تو مشرکوں کو ڈر ہوا کہ اسکے بعد کچھ ایسی چیز نہ پڑھیں جس میں اُن کے خداؤں کی مذمت بیان کریں۔ پس وہ لوگ فوراً یہ کلام کرنے لگے اور رسول اللہ کی تلاوت

صلعم علی عادتھم فی قولھم لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ و نسب ذلک الی الشیطان لکونہ الحامل لھم علی ذلک او المراد بالشیطان شیطان الانس (مواہب)۔

میں ملا دیا اپنی اُس عادت کے موافق جیساکہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس قرآن کو سنو مت اور اُس میں گڑبڑ کردو۔ اور یہ بات منسوب ہوگئی شیطان کی طرف۔ کیونکہ اُسنے اُن لوگونکو اسپر آمادہ کیا تھا یا شیطان سے مراد آدمیوں کی شیطان ہیں (ایسی شریر آدمی)

روایات کے معتبر قرار دینے کے لیے سرولیم میور نے ایک اور قاعدہ ایجاد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب کسی روایت میں محمد صاحب کی تحقیر کے کلمات ہوں مثلاً بعد ہجرت کے اگر اُن کے متبعین میں سے کسی نے بے ادبی یا اُن کے دشمنوں نے گستاخی کی ہو یا کارخیر میں ناکام ہونا یا کسی واقعہ یا عقیدہ میں اصول اور منشار اسلام سے اختلاف اور انحراف پایا جاوے تو اُسکے تسلیم کرنے کو قوی دلیلیں ہیں کیونکہ یہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایتیں اختراع کرلی جاویں یا مخترع ہوکر محمد صاحب کے متبعین میں رواج پاسکیں۔ درحقیقت کسی روایت کی صحت کے اثبات کا یہ ایک عجیب طرز ہے! کیا ہمکو ان تمام روایات کو صحیح اور مستند مان لینا چاہیے جنکو مخالفین اسلام نے موضوع اور مخترع کیا تھا اور جنکو مسلمان عالموں نے اپنی کتابوں میں اس غرض سے نقل کیا ہے کہ اُنکی تردید کریں اور اُنکو موضوع اور بے اصل ثابت کریں یا وہ کسی غلطی کے سبب سے مسلمانوں میں رواج پاگئی تھیں اور جن کی نسبت علما نے تحقیق کی اور بتایا کہ یہ روایتیں ملحدوں اور کافروں کی پھیلائی ہوئی روایتیں ہیں۔ دراصل یہودیوں نے اور بالخصوص عیسائیوں نے اس قسم کی بیہودہ روایتیں اور قصے آنحضرت کی نسبت اور دین اسلام کی نسبت اس حاسدانہ ارادہ

ہے کہ نئے مذہب اور اسکے بانی پر عیب لگائیں اختراع کر لیتے تھے۔ پس انکا مذکورہ بالا وجوہات سے مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہونا کوئی دلیل اُنکی صحت کی نہیں ہوسکتی۔

تعجب ہے کہ سر ولیم میور اُن روایات کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ قیاس میں نہیں آتا کہ ایسی روایت اختراع کر لیجائے یا مخترع ہو کر متبعین محمد صاحب میں رواج پا سکے"۔ یہی اُن کی دلیل اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ روائتیں جھوٹی اور مخالفین اسلام اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخترع ہیں۔

سر ولیم میور ایک اور نیا قاعدہ ایجاد کرتے ہیں اور اسکا نام "تلون آمیز اختراع" قرار دیتے ہیں اور اُسکی مثالیں اسطرح پر بیان کرتے ہیں کہ "مثلاً بیس گواہ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ محمد صاحب خضاب کیا کرتے تھے اور خضاب کی دوا کا نام بھی بتاتے ہیں۔ بعض صرف اسیقدر دعوی نہیں کرتے ہیں کہ ہمنے بچشم خود اس امر کو پیغمبر صاحب کی زندگی میں مشاہدہ کیا تھا بلکہ اُن کی وفات کے بعد آپ کا بال جس پر کہ رنگ محسوس ہوتا تھا دکھلادیا تھا۔ اور بیس گواہ جنکو ایسے ہی عمدہ ذریعے واقفیت کے حاصل تھے بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے کبھی خضاب نہیں کیا اور اُنکو خضاب کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اُنکے سفید بال اسقدر تھوڑے تھے کہ شمار میں آسکتے تھے

اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب پیغمبر خدا کے سفید بال نہایت کم تھے کہ گنتی میں آسکتے تھے اور آنحضرت نے تمام عمر کبھی خضاب نہیں کیا۔ جو لوگ کہ ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے اُنکا یہی بیان ہے ۔ جو کہ سفید بال ہونے سے پہلے اکثر بال بھورے ہوجاتے ہیں تو جن لوگوں نے اُن بھورے بالوں کو دیکھا خیال کیا خضاب کئے ہوئے ہیں اور اُنہوں نے آنحضرت کا خضاب کرنا بیان کیا اور اُسی بھورے بال کو دکھاکر استدلال کیا۔

خضاب کی دوا کا ذکر کسی معتبر حدیث میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں اُس شے کا ذکر ہے جسکو پیغمبر خدا بروقت غسل کے اپنے سر پر ملتے تھے - پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان روایات کا اختلاف حالات مذکورہ بالا کے سبب قدرتی اسباب سے وقوع میں آسکتا ہے اُنکو دیدہ و دانستہ عیارانہ بناوٹیں نہیں کہہ سکتے اور نہ اُن روایتوں اور نہ اسی قسم کی اور روایتوں کو جنکا ذکر سر ولیم میور نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں کیا ہے متناقض روایتیں کہہ سکتے ہیں -

پس اسکے سر ولیم میور اس قسم کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ خاتم نبوی کے باب میں جس میں کوئی جانب داری مطالب خاندانی یا عقیدہ کے متعلق نہ تھی نہایت متناقض روایتیں ہیں ایک فریق کا قول ہے کہ اپنے مراسلات پر مہر لگانے کی ضرورت سے پیغمبر صاحب نے خالص چاندی کی ایک انگشتری بنوائی تھی دوسرے فریق کا بیان ہے کہ خالد ابن سعید نے اپنے واسطے ایک لوہے کی انگوٹھی جسپر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا بنوائی تھی اور محمد صاحب نے اس انگوٹھی کو پسند کرکے اپنے پاس رکھ دیا - ایک تیسری روایت ہے کہ اس انگشتری کو عمرو ابن سعد حبش سے لائے تھے اور چوتھی روایت ہے کہ معاذ ابن جبل نے اُس مہر کو اپنے لئے یمن میں کھدوایا تھا - بعض روایتوں میں منقول ہے کہ محمد صاحب اس انگشتری کو سیدھے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اور بعض میں لکھا ہے کہ اُلٹے ہاتھ میں - بعض روایات میں مندرج ہے کہ مُہر کا رُخ اندر کی طرف رکھا کرتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ باہر کی طرف کو - بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس پر جملہ صدق اللہ منقش تھا اور بعض سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ محمد رسول اللہ تھا - اب یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں کیونکہ یہ متواتر بیان کیا گیا ہے

کہ محمد صاحب کی وفات کے بعد اُسی انگشتری کو ابو بکر اور عمر اور عثمان نے زیب انگشت کیا تھا اور عثمان کے ہاتھ سے چاہ غریس میں گر پڑی تھی - ایک روایت یہ بھی ہے کہ نہ تو پیغمبر صاحب نے اور نہ کبھی اُن کے خلفاے راشدین نے کوئی انگشتری پہنی تھی "

جس طبیعت سے اُن روایتوں کو بیان کیا ہے بلاشبہہ نہایت افسوس کے قابل ہے اور سر ولیم میور کی طبیعت سے نہایت بعید معلوم ہوتا ہے - یہ بیان سر ولیم میور کا کہ "یہ سب روایتیں ایک ہی انگشتری کی طرف اشارہ کرتی ہیں" محض غلط ہے اور جو دلیل اُسکے بیان کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ غلط ہے - کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ چاندی کے خول کی انگشتری کو کسی دیکھنے والے نے نری چاندی کی انگوٹھی خیال کی ہو؟ یا چاندی کی انگوٹھی علیحدہ اور خول والی انگوٹھی علیحدہ ہو کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ معاذ ابن جبل والی انگوٹھی پر جملہ "صدق اللہ" اور جناب پیغمبر خدا کی ہوائی انگوٹھی پر جملہ "محمد رسول اللہ" کندہ ہو؟ کبھی آنحضرت نے انگوٹھی کو سیدھے ہاتھ میں پہنا ہو اور کبھی اُلٹے ہاتھ میں اور کبھی اس طرح پہنا ہو کہ مہر کا رُخ اندر کی طرف ہو اور کبھی باہر کی طرف - اُس انگوٹھی کو آنحضرت اور خلفاے راشدین ہمیشہ اور ہر وقت پہنے نہیں رہتے تھے جس شخص نے انکو ایسی حالت میں دیکھا اُسنے بیان کیا کہ کبھی انگوٹھی نہیں پہنی تھی - جو کہ سر ولیم میور نے غلطی سے یا دانستہ اُن سب روایتوں کو ایک ہی انگشتری سے متعلق کیا ہے اسلئے اپنی دلیل میں بلا تفصیل بیان کرتے ہیں کہ وہی انگشتری صحابہ تک پہونچی تھی حالانکہ وہ صرف وہ انگشتری تھی جسپر جملہ "محمد رسول اللہ" کندہ تھا - پس اُن روایتوں میں سے کوئی روایت بھی متناقص نہیں ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ سر ولیم میور نے اپنے فرضی اور دلنشیں نقوش و خیالات کو اسقدر آزادی دیدی ہے کہ اُنکو حجت و برہان کی صراط مستقیم سے منحرف کر دیا ہے اور ہر شے متعلق باسلام کو گو کیسی ہی سادہ اور قرین قیاس کیوں نہو

شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے پر مائل کیا ہے اور اسکو جعلسازی اور ایجاد اور اختراع وغیرہ ناموں سے بدنام کرتے ہیں سر ولیم میور کی تجربہ کاری سے بحیثیت ایک اعلی درجہ کے عالم ہونے کے یقینی امید تھی کہ انکو اس بات سے مطلع کردیگی کہ بعض بیانات جن کی تائید میں کوئی دلیل و ثبوت نہو ہمیشہ اسی مقصد کی خرابی کے باعث ہوتے ہیں جس کی حمایت کی ان سے توقع کی گئی ہو۔

ہر صحیح دماغ اور ذی ہوش شخص کو اس بات کے معلوم ہونے سے ملال ہوگا کہ سر ولیم میور نے قواعد فن تصنیف سے اسقدر انحراف اختیار کیا ہے کہ دین اسلام پر الفاظ ذیل میں ایک بیجا اتہام عائد کرتے ہیں یعنی وہ فرماتے ہیں کہ "مقدس جھوٹ کی رسم اصول اسلام سے منحرف نہیں ہے۔ مروجہ دینیات اسلام کی رو سے فریب بعض حالتوں میں روا ہے خود پیغمبر صاحب نے اپنے احکام و نظیر سے اس عقیدہ کی ترغیب دی ہے کہ بعض مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے" اس عبارت کے حاشیہ میں وہ بیان کرتے ہیں کہ "مسلمانوں کے ہاں عام اعتقاد یہ ہے کہ چار موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اول۔ کسی شخص کی جان بچانے کے واسطے۔ دوم۔ صلح اور اتفاق کرانے کے واسطے۔ سوم۔ عورت کی ترغیب دینے کے واسطے۔ چہارم۔ سفر یا مہم کے وقت میں"۔

ان کی مثالیں بھی صاحب موصوف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "اول کی نسبت تو پیغمبر صاحب کی صریح منظوری موجود ہے۔ عمار ابن یاسر کو کفار مکہ نے بہت اذیت پہنچائی اور اسلام سے انکار کرنے پر انہوں نے رہائی پائی۔ پیغمبر صاحب نے اس فعل کو پسند کیا اور فرمایا کہ "اگر وہ پھر ایسا کریں تو پھر اسی طرح انکار کردینا" (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷ ½)۔ ایک اور روایت خاندان یاسر میں چلی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے

عمار کو پکڑ لیا اور جب تک کہ اُن سے محمد صاحب کی مذمت اور اپنے معبودوں کی تعریف نہ کرالی اُنکو نہ چھوڑا۔ جب وہ پیغمبر صاحب پاس آئے اور اُنہوں نے حال پوچھا تو کہا کہ یا نبی اللہ بڑی خرابی کی بات ہوئی۔ جب تک کہ مینے آپ کی مذمت اور اُن کے معبودوں کی تعریف نہ کی مجھکو نہ چھوڑا۔ پیغمبر صاحب نے پوچھا کہ تو اپنے دل کا کیا حال پاتا ہے تو جواب دیا کہ ایمان مین مستقل اور مطمئن ہے۔ اُسوقت محمد صاحب نے فرمایا کہ اگر وہ پھر ایسا کریں تو تو پھر یہی کہدینا۔ محمد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عمار کا جھوٹ ابوجہل کے سچ سے بہتر ہے۔"

سر ولیم میور کی نکتہ چینی ہر ایک شخص کو تعجب میں ڈالتی ہوگی شکسپیر کا قول ہے" دیکھو کہ کسطرح ایک سادہ قصہ تمکو دھوکہ دیدے گا۔" اول تو اُن روایتوں کی جسکو سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معتبر سند درکار ہے دوسرے جن الفاظ میں صاحب موصوف نے ان مضمونوں کو بیان کیا ہے وہ درست اور ٹھیک نہیں ہیں یعنی زیادہ تر عام اور غیر معین ہیں۔ سر ولیم میور اول موقع جھوٹ بولنے کے جواز کا "کسی کی جان بچانا" بیان کرتے ہیں۔ اول تو یہی غلط ہے۔ کیونکہ بموجب اُن روایتوں کے جو اُنہوں نے بیان کی ہیں اُن کو لازم تھا کہ "اپنی جان بچانا" لکھتے اور اس بے دھڑک اور پُرجرأت بیان کے بجاے سر ولیم میور کو لازم تھا کہ جملہ شرائط اور قیود اور مواقع کی جو صدق سے اسطرح انحراف کرنے کو جائز ٹہراتے ہیں تصریح کر دیتے۔ جس فریبندہ اور معیوب پوشاک میں سر ولیم میور نے اس مضمون کو ملبوس کیا ہے اگر وہ اُتار لیجائے تو وہ اصلی نتائج جو بذریعہ جائز اور منصفانہ دلیل اور صحیح مقدمات سے مستنبط ہونگے یہ ہونگے کہ اگر کفار یا کوئی اور بیرحم و جفاکار اشخاص جبر اور اذیت یا قتل کی دھمکی سے کسی ایسے آدمی سے

اُس شے کا انکار کرالیں جسکو کہ وہ اپنے دل سے اور ایمان سے برحق سمجھتا ہو اور جس کے اوپر وہ ایسی مصیبت میں بھی دلی اعتقاد رکھتا ہو تو ایسے حال میں اگر وہ اُس سے انکار کرے تو سزاے ارتداد کا ہرگز مستوجب نہیں ہے"

جبریہ مواعید سے انحراف کے جواز کی تصدیق فرانس اول بادشاہ فرانس کی مشہور و معروف نظیر سے بھی ہوتی ہے یعنی اس بادشاہ کو چارلس خامس نے جنگ پاویا (۱۵۲۵ء) میں مقید کرکے مادرڈ کے پر ذلت صلحنامہ کا بالجبر اقبال کراکے دستخط کرا لیے تھے۔ بادشاہ فرانس نے مخلصی پاتے ہی اپنے قول و قرار پر قائم رہنے سے بعذر اجبار انکار کیا اور پوپ کلیمنٹ سابع نے درحقیقت اُسکو اس جبریہ حلف سے بری کردیا۔

آدمی کے افعال کے جرم اور بےجرمی کا مدار نیت اور اختیار پر ہوتا ہے اور اسی بنا پر تمام لوگ افعال کو نیک و بد قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ کلمات اور حرکات جو کسی شخص سے بسبب اذیت اور قتل کی دہمکیوں کے لکھوا اور کرائیے گئے ہوں اُسی درجہ اور ویسی سزا کے مستوجب ہیں جیسے اُس شخص کے کلمات اور حرکات جو بلا اجبار و اکراہ اُس سے سرزد ہوئے ہوں۔

یہ اصول جس سے کہ اسلام کی پاکیزگی اور سچائی ظاہر ہوتی ہے اور جو محض ایک بےخطا اور قدرتی فطرت کا بےکم و کاست سچا نمونہ ہے اور جسکو سر ولیم میور نے البتہ اس قابل الاعتراض اور خراب صورت میں بیان کیا ہے قران مجید میں نہایت سادہ اور صریح طور پر بالفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خدا کے ساتھ کفر کیا

من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۸)۔

بعد ایمان لانے کے۔ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اُسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ لیکن جس نے کفر کے ساتھ سینہ کہولا پس اُنپر خدا کا غصہ ہے اور اُنپر بڑا عذاب ہے"

اس آیت پر فقہا نے غور کی ہے اور اُسکے حکم کا مقصد دو طرح پر قرار دیا۔ اول عزیمت۔ یعنی باوصف اذیتوں اور تکلیفوں اور قتل کے خوف کے جو کفار اُس پہونچا رکہیں وہ ظاہرا میں بہی اُسی سچ پر قائم رہے جس پر وہ ایمان رکہتا ہے۔ دوم رخصت یعنی ایسی حالت میں اُسکو اپنے بچانے کے لئے اجازت ہے کہ ظاہر میں اُس ایمان کا جسکی تصدیق اُسکے دل میں ہے بطور تقیہ کے انکار کرے اور دشمنوں کی ایذا سے نجات پاوے۔ البتہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ سر ولیم میور نے اس حقیقت کو اُس مقدس جہوٹ پر محمول کیا ہے جسکا رواج عیسائیوں میں تہا اور اسپر بہی ہمکو نہایت تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اپنے مدعا کو عجیب اختصار اور اقتصار کے ساتھ ادا کیا ہے یعنی اُن چند لفظوں میں کہ "کسی کی جان بچانے کے واسطے" جس کے بیان کے لئے قرآن مجید میں بہی باوجود اُسکی مشہور و معروف مختصر البیانی کے ایک پوری آیت درکار ہوئی ہے۔

دوسرا موقع جواز کذب کا بقول سر ولیم میور کے وہ ہے جبکہ کوئی شخص صلح و آشتی کرانا چاہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ امر روایت ذیل سے بخوبی ثابت ہے۔ اس روایت کا ترجمہ انگریزی زبان میں جو انہوں نے تحریر فرمایا ہے وہ حسب مندرجہ ذیل ہے۔

"وہ شخص جو دو شخصوں کے مابین صلح کرائے اور اُنکے رفع نزاع کے واسطے کلمات خیر کہے جہوٹا نہیں ہے گو وہ کلمات دروغ ہوں"

مگر یہ ترجمہ جو سر ولیم میور نے کیا ہے محض غلط ہے۔ اصل حدیث جو بخاری اور

مسلم میں ہے اور جسکو مشکوٰۃ میں بھی نقل کیا گیا ہے ہم بجنسہٖ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "ام کلثوم نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہے جھوٹا وہ شخص جو صلح کراوے درمیان آدمیوں کے پس کہے بھلائی اور پہنچاوے بھلائی"

عن ام کلثوم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا و ینمی خیرا

(متفق علیہ مشکوٰۃ ا ھ)

قاضی بیضاوی نے اسکی شرح اس طرح پر کی ہے کہ "پہونچا دے وہ باتیں جو مفید ہوں اُسکو اور چھوڑ دے شر کی باتوںکو"

قال القاضی البیضاوی ای یبلغ ماسمعہ ویدع شرہ (کرمانی)۔

سر ولیم میور کی عربی علمیت کو خیال کرکے ہمکو افسوس ہوتا ہے کہ بجائے اسکے کہ وہ خود اصل حدیث پر غور کرتے اور خود اُسکا صحیح ترجمہ لکھتے اُنہوں نے کپتان اے ۔ این میتھیو کے غلط ترجمہ مشکوٰۃ کو اختیار کیا اور کپتان میتھیو نے دانستہ یا نادانستہ کیسی غلطی کی ہے کہ الفاظ "گو وہ کلمات دروغ ہوں" اپنے ترجمہ میں بڑھا دیئے ہیں اور وہ الفاظ حدیث میں نہیں ہیں۔

ہمارے مذہب میں اگر کوئی شخص کسی ماجرے کے حالات پورے پورے نہ بیان کرے اور قصداً کسی بدنیتی سے اُس ماجرے کی کوئی بات کہے اور کوئی بات نہ کہے اُس پر بھی کذاب کا اطلاق ہوتا ہے اسلئے جناب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر صلح کروانے کی حالت میں صرف اچھی ہی باتوں کا تذکرہ کرے تو وہ کذابوں میں داخل نہیں ہے۔ یعنی جو سزا کہ ایسے شخص کے لئے ہے جس نے بدنیتی سے کچھ باتوںکو چھوڑ دیا ہے اُس سزا کا مستحق

نہین ہے"

تیسرا اور چوتھا موقع جس میں سر ولیم میور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ ہے "کسی عورت کو ترغیب دینے میں" اور "سفر یا مہم میں"۔ سر ولیم میور فرماتے ہیں کہ "بلحاظ تیسرے موقع کے ہمارے پاس ایک افسوس آمیز نظیر موجود ہے کہ محمد صاحب نے ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں اپنی ازواج سے جھوٹے وعدے کرنے معیوب نہ سمجھے اور بلحاظ چوتھے موقع کے انکا معمول تہا کہ بوقت ترتیب مہمات (باستثناے مہم تبوک) اپنے مدعاے اصلی کو پوشیدہ رکھتے تہے اور کسی سمت غیر کی جانب روانگی کا عزم مشتہر کر دیتے تہے۔

سر ولیم میور نے تیسرے موقع کی جو نظیر پیش کی ہے وہ محض غلط ہے۔ کوئی صحیح روایت اس معاملہ میں قابل اعتبار موجود نہیں ہے اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اُس کی بابت ایک لفظ بہی نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ بنیاد کے استحکام اور ضعف ہی سے اوپر کی عمارت کے استحکام اور ضعف کا حال کہل جاتا ہے پس کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہو سکتی جبکہ اس روایت کی صحت کا جسپر وہ مبنی ہو کافی ثبوت نہو۔

ترتیب مہمات کے وقت غیر سمت کے عزم کو مشتہر کرنے کی تائید میں بہی کوئی معتبر روایت نہیں ہے لیکن اگر ہم اُسکو صحیح ہی تسلیم کرلیں تو کیا سر ولیم میور قوانین جنگ سے بہی واقف نہیں ہیں جو اسپر نکتہ چینی کرتے ہیں؟ جب تک کسی فریق سے عزم جنگ مشتہر نہیں کیا گیا ہے اُسوقت تک کوئی ایسا کام کرنا جس سے طرف ثانی کو دہوکا ہو بلاشبہ خلاف اخلاق اور خلاف صداقت کے ہے۔ لیکن جب جنگ کا اشتہار دیدیا جاوے تو اُسوقت کوئی ایسا حیلہ کرنا جس سے فریق ثانی مغلوب ہو صداقت کے خلاف نہیں ہے

تعجب یہ ہے کہ سر ولیم میور اُس الزام کو جو عیسائی مذہب پر قدیم سے چلا آتا ہے مسلمانی مذہب پر عائد کرنا چاہتے ہیں۔ مقدس جھوٹ کا تو مسلمانوں کو خواب میں بھی خیال نہیں آیا ہوگا کیونکہ اسکا تصور ہی اُس صدق حقیقی کی نقیض ہے جو قرآن مجید کا لُب لُباب اور جوہر ہے اور اُسکی ہر سطر میں جلوہ نما ہے۔ برخلاف اسکے یہودیوں اور عیسائیوں کے اِن جیساکہ تاریخ سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے منجملہ ارکان مذہبی کے مقدس جھوٹ بھی ایک رکن تھا اور ہمکو اسبات کے سننے سے تعجب آتا ہے کہ مقدس پال حواری نے اُسکو بُرا بھی نہیں سمجھا تھا گناہ سمجھنا تو درکنار جیسے کہ خود عیسائی عالم اس امر کو مقدس پال کے اس کلام سے ثابت کرتے ہیں جہاں اُنہوں نے فرمایا ہے کہ "اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی ظاہر ہوئی اور اُسکی بزرگی زیادہ ہوئی تو کسلئے میں گنہگار گنا جاتا ہوں" (پال کا خط رومیونکو باب ۳ ورس ۷)۔

اب ہم تاریخ کی کتابوں سے اُس مقدس جھوٹ کا ذکر کرتے ہیں جو عیسائی مذہب میں مروج تھا۔ کتاب کرسچین ایتھولوجی ان ویلڈ میں مرقوم ہے کہ "کلیسیا کا دو شریف دراست باز فرزند یعنی موشیم جسکی سند اور مسلمہ صداقت میں پادریوں کو بھی کبھی کلام نہیں ہوا ہے امر ذیل کی تصدیق کرتا ہے۔ پیروان افلاطون وفیثاغورث نے اس امر کو ایک اصول قرار دیا تھا کہ صدق و پرہیزگاری کے مطالب کی ترقی کی غرض سے دھوکا دینا اور نیز بروقت ضرورت جھوٹ کا استعمال کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے یہودیان سکنائے مصر نے حضرت عیسیٰ کے آنے سے پیشتر اس اصول کو اُن سے (یعنی پیروان افلاطون وفیثاغورث سے) سیکھا اور اخذ کیا تھا جیساکہ بیشمار تحریرات سابقہ سے بلاحجت واعتراض ثابت ہے اور عیسائیو نیز اس مضر غلطی نے ان دونوں ذریعوں سے اثر کیا

جیساکہ اُن بیشمار کتابوں سے جنکو نامی وگرامی اشخاص کی طرف اتہاماً منسوب کیا ہے ظاہر ہے خلاصہ صدر صرف دوسری صدی کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ بیشمار اناجیل وخطوط وغیرہ حسب بیان موشیم غلط موضوع ہوئی تہیں اور غلط منسوب کی گئی تہیں۔ مگر چوتہی صدی میں اس مروجہ اصول میں کہ دینی مطالب کی ترقی کے واسطے دہوکا دینا اور جہوٹ بولنا نہایت ثواب کا کام ہے بہت کم استثنا وقوع میں آئے ہیں۔ بلانڈل دوسری صدی کے ذکر میں بیان کرتا ہے کہ خواہ مزوّروں اور کذابوں کی اشد بیحیائی خواہ معتقدین کی قابل افسوس سریع الاعتقادی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت خراب زمانہ تہا اور مقدس جہوٹ میں اور سب زمانوں سے سبقت لیگیا تہا کسوبن اس طرح پر شاکی ہے کہ مجھکو دین عیسوی کے ابتدائی زمانہ میں اس بات کے دریافت ہونے سے رنج ہوا کہ بہت سے لوگ کلام ربانی کو اپنے اختراعات سے مدد دینے سے ناموری سمجھتے تھے بدیں غرض کہ ہمارے نئے عقیدہ کو عقلاے کفار گوش دل سے سنیں" (صفحہ ۸۰-۸۲)۔

اسی کتاب میں یہ بہی بیان ہے" اورجب کبہی معلوم ہوتا تہا کہ انجیل مرامر میں اہل دین کی مطالب یا حکّام ملکی کے اغراض کے جواُن سے ساز رکہتے تہے موافق نہیں ہے تو ضروری تحریفات کرلی جاتی تہیں اور طرح طرح کے مقدس جہوٹ اور جعلسازیاں کچھہ مروج ہی نہ تہیں بلکہ بہت سے پادریوں نے اُنکو جائز قرار دیا تہا" (صفحہ ۵۲)۔

اس کتاب میں ایک اور مقام پر یہ بیان ہے" اول کی تین صدیوں کے لحاظ سے ہمکو اپنے دین کی صحیح تاریخ کا کچھہ علم نہیں بجز اُسکے جو نہایت خراب اور بگڑے ہوے ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے کسواسطے کہ اُن اہل سیر کی روایتیں اور حکایتیں جو اُس زمانہ میں گذرے ستہے ذرا بہی اعتبار کے قابل نہیں ہیں یہ محض مقدس جہوٹ و جعلسازی

کی وجہ سے مشہور ہیں مگر ان موروثی گرجہوں اور شہروں میں بھی یوسی بیس بشپ قیصریہ صدی آیندہ میں ان سے بہی سبقت لیگیا جسنے کلام حق کو چھانٹ چہونٹ کر دین کے عام مطالب سے موافق کر دینے میں کوئی ہمسر نہ تھا وہ خود براہ فخر بیان کرتا ہے کہ جس سے ہمارے دین کی عظمت و نام آوری بڑھے مینے بیان کر دیا ہے اور جو اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف مائل ہو مینے سب چھوڑ دیا ہے" (صفحہ ۳۶)

"متعدد اہل سیر کی تحریرات میں عدیم الامکان ریاضت اور عام سفلہ پن کی جو عیاشی و بدوضعی کی طرف مائل ہے ایک عجیب لاوٹ پائی جاتی ہے شہوات جسمانی اور خوف ایمانی کے مابین غلبہ حاصل کرنے کی صحیح کوششیں اکثر قابل تضحیک معلوم ہوتی ہیں گو بعض ان میں کی لذات دیرینہ سے ثابت ہوئی ہوں لذات جدیدہ کی خواہش ان میں مستتر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ صرف طبیعت انسانی کی ضعف کی وجہ سے اور ہمکو صرف اسیوقت بیخ امیز حیرت ہوتی ہے جبکہ وہ صفات ملکوتی کے حصول کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انکے خام اور بیہودہ عقائد جو لاطینی زبان میں بیان ہیں پادریان کیتھلک کے ہر وعظ و خطبہ میں مخلوط ہیں اور حواریان ذی الہام کے عقائد او نیز حضرت مسیح کے ملفوظات کی نسبت زیادہ تر منقول ہوتے ہیں لیکن یہ امید ہے کہ ٹرٹیولین کے خیالات لاطائل "ڈی ہابی ٹیو میولیرس" اور سنٹ باسل کی "ڈی ویرا ورجی نے ٹے ٹی" نوجوان عورتوں کو نہیں دکھلائی جائینگی۔ تمام بے اعتقاد مصنف جنہوں نے احکام الہی کا فلسفہ کی روسے امتحان کیا ہے دین عیسوی کو کفر بتا کر مضرت پہونچانے میں اسقدر ساعی نہیں ہوئے ہیں جسقدر کہ حضرات اہل سیر ہوئے ہیں۔ انہوں نے چشمہ آب ہی کو زہر ملا کر دیا ہے اور ان سب بے اعتقاد مصنفین نے اسکا پانی پینے سے لوگوں کو باز رکھا ہے انکی صحیح الاعتقادی

نے جو اسوجہ سے عارض ہوئی تہی کہ وہ طبائع و معاملات انسانی سے محض ناتجربہ کار
اور علوم طبعی سے بالکل ناواقفیت رکہتے تہے انجیل کی مبیشرانہ تعریفات و تصریحات
کی استعانت سے کلیساے روم میں عجیب و غریب بیہودگیوں اور بدعتوں کا ایک
جم غفیر شائع کردیا جنکو باوجود داد و فریاد عقل کے خوش اعتقادی اب بہی ہضم کر جاتی
ہے۔ صرف اسیقدر مضرت اُن سے نہیں پہنچی ہے۔ اُنہوں نے اخلاق کی بنیاد کو کہوکلا
کردیا۔ اُنہوں نے اس مقولہ کی (جسکو میں موشیم کے الفاظ میں لکہتا ہوں) تلقین
کی کہ دہوکا دینا اور جہوٹ بولنا جبکہ اُن ذریعوں سے مطالب دین ترقی پذیر ہوں
ثواب ہے۔ کچہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس مطلق العنان اصول نے دروغگوئیوں
اور جعلسازیوں کے چشمہ کا دہانا کہول دیا جسکا پانی ابتداے دین عیسوی کی سرزمین پر
مثل طوفان کے چہا گیا اور اُن فریبوں اور باطنی ذخیرونکو جو فی زماننا عیسائیان مہذب
کیتہلک کو انگشت نما اور بدنام کرتے ہیں رواج دیا۔ اہل سیر میں اول سے لیکر
آخر تک سب سے بڑا خاصہ یہ پایا جاتا ہے کہ کفرآمیز سفلگی۔ سریع الاعتقادی تعصب
اور فریب دہی کے حامی تہے۔ باایںہمہ ایسے لوگوں کو جانشینان پطرس حواری نے
پاک اور مقدس لوگونکی فہرست میں لکہا ہے ؎

سر ولیم میور کو مناسب تہا کہ اُن حالات پر خیال کر کے اسلام کی نسبت مقدس جہوٹ
کے بیجا طور پر تہمت لگانے کی کوشش نہ فرماتے۔ اسلام سرتاپا صدق ہے۔ وہ نہایت درجہ
کے صدق اور راستبازی کا دین ہے اور اسی حیثیت سے اور سب دینوں پر جنمیں
کسی نہ کسیقدر جہوٹ کی آمیزش پائی جاتی ہے فوقیت کے دعوی کا مجاز ہے۔

تمت

فی

القرآن وہو الہدی والفرقان

انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون

قرآن جناب پیغمبر خدا پر کسطرح نازل ہوا

قرآن مجید جناب پیغمبر خدا پر حضرتِ موسے کی طرح پتہر کی تختیوں پر کہدا ہوا نازل نہیں ہوا تہا اور نہ اسبات کی ضرورت پڑی تہی کہ اُنکے ٹوٹ جانے کے سبب اُسکے ضایع ہونے کا خوف ہوا ہو اور پہر آنحضرت کے اصحاب کے لئے اُسکی دوبارہ نقل پتہر کی تختیوں پر کہودنے کی ضرورت پڑی ہو۔ اُسکے نزول کی نسبت کوئی امر عجائبات سے بہرا ہوا نہ تہا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سینا کا پہاڑ تہا اور مسلمانوں کے دل پتہر کی لوحیں تہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ بیشک وہ اُتارا ہوا ہے عالموں کے پروردگار کا اُسکو اُتارا ہے روح الامین نے اوپر تیرے

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین

وانه لفی زبر الاولین (سوره شعراء)

دل سکے تاکہ تو ہو ڈرانے والوں میں سے (اسکو اتارا ہے) عربی زبان واضح میں اور بیشک وہ ہے اگلوں کے صحیفوں میں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نزول وحی کی کیفیت اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام

عن عائشة ان الحارث بن هشام سال رسول الله صلعم فقال یا رسول الله کیف یاتیك الوحی فقال رسول الله صلعم احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علی فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول

نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے پس پھر مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے اور میں یاد رکھتا ہوں جو کہا اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھ سے کلام کرتا ہے پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے۔

(متفق علیہ)۔

جو طریقہ نزول وحی کا اس حدیث میں رسول خدا نے بتایا ہے کوئی عجیب امر یا اسرار نہیں ہے لیکن بالفعل ہم اس مضمون کو اور وحی کی حقیقت کے بیان کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ جب پیغمبر خدا کی سوانح عمری کے اس مقام پر پہنچیں جبکہ آنحضرت پر اولاً وحی نازل ہوئی تھی اسوقت ہم اسکو شرح و بسط سے بیان کرینگے۔

وحی یعنی قرآن مجید جب نازل ہوتا تھا لکھا جاتا تھا یا نہیں

آنحضرت کے زمانہ سے پیشتر اور نیز آنحضرت کے زمانہ میں ملک عرب میں کوئی معین

یا باقاعدہ طریقہ تعلیم کا جاری نہیں تھا عربوں میں صرف دو شاخیں علم کی تہیں یعنی قدرتی فصاحت و بلاغت اور علم الانساب۔ اُنکی تحصیل کے لیئے کسی مکتب یا مدرسہ میں تعلیم پانیکے ضرورت نہ تہی وہ صرف زبانی تعلیم پر منحصر تہے اسیوجہت اُس زمانہ میں بیشمار آدمی لکہنا اور پڑہنا نہیں جانتے تہے اور جو لوگ لکہنا اور پڑہنا جانتے تہے اُنکی تعداد بہت محدود تہی اسیلیے یعنی جو لکہنا پڑہنا نہیں جانتے تہے جہلوں کے مقابلہ میں اُمی کہلاتے تہے اگرچہ ان دونوں قسموں کے لوگوں میں بہت ہی کم فرق تہا۔

اس میں کچہ شک نہیں کہ انحضرت صلعم کو لکہنا پڑہنا کچہ نہیں آتا تہا نہ وہ خود کچہ لکہ سکتے تہے اور نہ اور وں کا لکہا پڑہ سکتے تہے اور اسی سبب سے انحضرت کا لقب امی ہوگیا تہا۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق بہت سی معتبر اور مستند روایات اور احادیث سے ہوتی ہے اور اُسکے برخلاف ایک ہی ایسی روایت نہیں پائی جاتی جو کسیقدر بہی معتبر ہو۔ درحقیقت اگر آنحضرت کو لکہنا پڑہنا آتا ہوتا تو آنکے صحابہ رفقا اور متبعین اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور نہ اُنکی ازواج مطہرات اور اُنکے عزیز اور اقربا اور بالخصوص اُنکے چچا جنہوں نے اُنکو پالا تہا چپ رہ سکتے تہے اور نہ ایسی جرأت ہوسکتی تہی کہ اپنے قبیلہ کے سامنے خلاف واقع اپنے آپ کو امی فرماتے اور قرآن مجید میں بہی اسی لقب سے اپنے تئیں ظاہر کرتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مخالفین کو اُنکی گرفت کا آسان موقع ہاتہ آجاتا اور رفقاء اسلام کی تصدیق پر اُن کو ہرگز یقین نہ آتا۔ قطع نظر اسکے ایک ایسی خفیف بات کے چہپانے سے جناب پیغمبر خدا کو کیا فائدہ تہا۔ اُنکا لکہا پڑہا ہونا منصب نبوت کے کسیطرح مخالف نہ تہا اور نہ اس سے قرآن مجید کی شان اور اُسکے معجزہ میں اور بےمثل فصاحت و بلاغت میں کچہ

کچھ فرق آسکتا تھا کیونکہ حروف کے لکھ لینے یا پڑھ لینے سے کوئی انسان فصیح و بلیغ نہیں ہوسکتا خصوصاً ایسا فصیح و بلیغ جس کا مثل عرب کے بڑے بڑے فصحا میں سے کوئی بھی نہ تھا

اسلام کے مورخوں میں سے کسی کو اس بات کا انکار نہیں ہے کہ اس زمانہ میں فن تحریر کا عرب میں رائج تھا اور کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے اور انکا لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے۔ اُس زمانہ کے بڑے بڑے شاعر اپنے قصیدوں کو کعبہ کے دروازوں اور دیوار پر آویزاں کرتے تھے چنانچہ قصائد سبعہ معلقہ اسی نام سے مسلمانوں میں معروف و مشہور ہیں۔ اُنکا قول صرف اسقدر ہے کہ فن تحریر کا رواج تھا مگر بہت کم لوگ اُسکو جانتے تھے اور بمقابلہ نہ جاننے والوں کے اُنکی تعداد بہت قلیل تھی۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وحی جو آنحضرت پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھی دو قسم کی تھی۔ اول وہ تھی جس کے بجنسہ الفاظ پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ پیغمبر خدا پڑھ سناتے تھے۔ دوسری وہ جسکا مطلب پیغمبر خدا پر القا ہوتا تھا اور پیغمبر خدا اپنے الفاظ میں اُسکو بیان فرماتے تھے۔ اول قسم کی وحی کو ہم اصطلاحاً وحی متلو یا قرآن یا کلام اللہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کی وحی کو وحی غیر متلو یا حدیث۔

جبکہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیغمبر خدا پر نازل ہوتی تھی تو آنحضرت کسی کاتب کو بلواتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ جو بذریعہ وحی کے القا ہوتے تھے لکھوا دیتے تھے تاکہ لوگ بخوبی اُسکو یاد کرلیں اور وہ محفوظ رہیں خود قرآن مجید کی کثیر آیتیں جیسے "الم ذلک الکتاب" اور آیت "لا یمسہ الا المطہرون" اسپر دلالت کرتے ہیں گو کہ پچھلی آیت کی دوسری حقیقت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات نازلہ کے لکھنے کی رسم اوائل ایام نزول
وحی سے اختیار کی گئی تھی کیونکہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آنحضرت کے ہجرت
کرنے سے پیشتر یعنی اس زمانہ میں جبکہ اسلام کا آغاز تھا اور ایک ضعف کی حالت میں
تھا ان معدود لوگوں کے پاس جو ایمان لے آئے تھے ان وحیوں کی نقلیں موجود تھیں
اور حضرت عمر کے خاندان میں بھی انکے مسلمان ہونے سے پیشتر اصل ایک نقل تھی اسلیے
کہ انکی بہن مسلمان ہو گئی تھیں۔

جب کوئی قرآن کی آیت ایسی نازل ہوتی تھی کہ اسکے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہوتی تھی تو سمجھا جاتا تھا کہ نئی سورۃ شروع ہوئی
ہے چنانچہ ابو داود نے ابن عباس کی روایت
سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سورۃ کا علیحدہ ہونا
نہیں جانتے تھے جب تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
نازل ہو۔

عن ابن عباس قال کان رسول
اللہ صلعم لا یعرف فصل السورۃ حتی
ینزل علیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
(رواہ ابوداود)۔

پوری سورت وقت واحد میں نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض آیتیں کسی وقت اور بعض
آیتیں کسیوقت نازل ہوتی تھیں اور اسیوجہ سے کسی سورت کی آیتیں بترتیب لکھی نہیں
جاتی تھیں بلکہ جدا جدا چمڑوں یا اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھی جاتی تھیں۔

اسبات کے ثبوت میں کہ جو کچھ چمڑوں یا ہڈیوں یا کھجور کی چھال وغیرہ پر لکھا گیا تھا وہ
بالکل محفوظ اور متعدد لوگوں کے قبضہ میں تھا۔ چار معتبر حدیثیں موجود ہیں

پہلی حدیث ابن عباس کی ہے جو بخاری میں منقول ہے "ابن عباس نے کہا کہ میں نے
محکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمع کیا

عن ابن عباس قال جمعت المحکم فی

عہد رسول اللہ صلعم فقلت لہ وما المحکم قال المفصل (بخاری باب تعلیم الصبیان القرآن)

میں نے اُس سے کہا کہ محکم کیا۔ اُنہوں نے کہا مفصل

دوسری حدیث قتادہ کی بھی بخاری میں موجود ہے قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس

حدثنا قتادہ قال سئلت انس بن مالک من جمع القرآن علی عہد النبی صلعم قال اربعۃ کلھم من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید (بخاری باب القراء)

بن مالک سے پوچھا کہ آنحضرت کے زمانہ میں قرآن کسنے جمع کیا کہا چار شخصوں نے جو چاروں انصار تھے ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل زید بن ثابت۔ ابوزید

تیسری حدیث انس کی بخاری میں موجود ہے انس کہتے ہیں کہ آنحضرت نے وفات کی اور

عن انس قال مات النبی صلعم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید (بخاری باب القراء)۔

چار شخصوں کے سوا کسی نے قرآن نہیں جمع کیا۔ ابو الدرداء۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابوزید

اور چوتھی وہ حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں زید ابن ثابت نے جب قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا تو قرآن مجید کی تمام آیتیں جو مختلف وقتوں میں نازل ہوئی تھیں اور مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں اور مختلف اشخاص کے قبضہ میں تھیں اُن سب کو منگا کر اکھٹا کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ تحریرات تھیں سب موجود اور محفوظ تھیں۔

سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کیونکر ہوئی اور کسنے کی

ہمکو واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور انکی ہدایت اور حکم کے موافق عمل میں آئی تھی جیسے کہ ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ابن عباس نے حضرت عثمان سے کہا کس چیز نے تمکو آمادہ کیا انفال کی طرف کہ وہ مثانی میں سے ہے اور براءۃ کی طرف کہ وہ مائین میں سے ہے۔ تمہارے اس ارادہ کا پھر ان دونوں کو ملا دیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا۔ اور ان دونوں کو سبع طوال میں رکھا۔ اس بات پر تمکو کس چیز نے آمادہ کیا۔ عثمان نے کہا حضرت پر بہت سی آیتوں والی سورتیں ایک مدت میں اترتی تھیں۔ اور جب آپ پر کچھ اترتا تھا تو آپ ان میں سے کسیکو جو لکھا کرتے تھے بلاکر فرماتے تھے کہ ان آیتوں کو اس سورۃ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر کیا گیا ہے اور انفال ان میں سے ہے جو اول مدینہ میں اتری۔ اور براءۃ سب سے اخیر میں اتری۔ اور اسکا قصہ اسکے قصہ سے ملتا ہوا تھا۔ پھر آنحضرت کا انتقال ہوگیا اور آپ نے بتایا نہیں

وعن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى الانفال وهي من المثاني والى البراءة وهي من المئين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بسم الله الرحمن الرحيم ووضعتموها في السبع الطوال ما حملكم على ذلك قال عثمان كان رسول الله صلعم مما يأتي عليه الزمان ينزل عليه السور ذوات العدد وكان اذا انزل عليه شيء دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وكانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدينة وكانت براءة من آخر القران نزولا وكانت قصتها شبيهة بقصتها فقبض رسول الله صلعم ولم يبين لنا انها منها فمن

اجل ذلك قرنت بينهما ولم اكتب سطر بسم الله الرحمن الرحيم ووضعتها في السبع الطوال (رواه احمد والترمذي وابو داود)

کہ وہ اس سے ہے۔ پس اسیوجہ سے مینے ان دونوںکو ملادیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور ان دونوںکو سبع طوال میں رکھا

بخاری کی ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود نے ستر سورتیں خود آنحضرت کے منہہ سے سنکر یاد کرلی تھیں چنانچہ اس میں لکھا ہے کہ عبد اللہ نے خطبہ پڑہا اور کہا کہ بخدا مینے آنحضرت کے منہہ سے کچہہ اوپر ستر سورتیں لیں (یعنی سیکھیں)۔

عن شقيق بن سلمة قال خطبنا عبد الله فقال والله لقد اخذت من في رسول الله صلعم بضعا وسبعين سورة (بخاری باب تالیف القرآن)

ایک اور روایت میں بخاری ان لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کرلیا تہا اور انکے نام یہ ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود۔ سلام معاذ ابن جبل۔ ابی ابن کعب

اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات کے تہوڑے ہی دن بعد ہوئی تہی ستر شخص ایسے شہید ہوے تہے جنکو قرآن مجید بالکل حفظ تہا۔

ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ گو جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی بے ترتیبی سے لکہا ہوا موجود ہو مگر جن لوگوں نے کہ پوری سورتیں یاد کرلی تہیں ان میں آیتوں کی بالکل ترتیب تہی اور وہ ترتیب یقینی آنحضرت کی ہدایت اور حکم کے موافق تہی۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے کہ قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کرلیا تہا اس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب بہی آنحضرت ہی کے فرمانے سے لوگونکو معلوم ہوگئی تہی۔

جناب پیغمبر خدا خود بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور مسلمانونکو بھی اُسکے پڑھتے رہنے کی ہمیشہ ہدایت کرتے تھے

اس مضمون کی نسبت ہمکو کچھہ زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اُن معتبر اور مستند حدیثونکا نقل کر دینا کافی ہے جن سے امر مذکورہ کا ثبوت ہوتا ہے اور جن سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور یاد رکھنے میں جس ترتیب سے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا تھا کسقدر لوگونکو توجہ تھی اور وہ حدیثیں یہ ہیں۔

پہلی حدیث بخاری کی ہے۔ اسمیں بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان سے روایت ہے

عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القران وعلمہ (رواہ البخاری)

کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں اچھا وہ شخص ہے جسنے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

دوسری حدیث مسلم کی ہے کہ عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن عقبہ بن عامر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفہ فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او الی العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم قلنا یا رسول اللہ کلنا نحب ذلک قال افلا یغدو احدکم الی المسجد فیعلم

باہر تشریف لائے اور ہم لوگ صفہ میں تھے پس فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کسکو یہ پسند ہے کہ ہر روز صبح کو بطحان یا عقیق جائے اور دو اونٹنیاں لائے بغیر اسکے کہ مرتکب جرم ہو یا قطع رحم کرے۔ ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو ہم سب لوگ چاہتے ہیں۔ آپنے فرمایا کیس پس تم لوگ مسجد میں ہر صبح کو آکر دو آیتیں کتاب اللہ کی نہیں سیکھتے

لیقرا آیتین من کتاب اللہ خیر لہ من ناقتین	یا نہیں پڑہتے۔ جو دو اونٹنیوں سے اُسکے لئے
وثلث خیر لہ من ثلث واربع خیر لہ من	بہتر ہیں اور تین تین سے بہتر ہیں اور چار چار سے
اربع ومن اعدادھن من الابل (رواہ مسلم)	بہتر ہیں۔ اور جتنی ہوں اُتنی اونٹنیوں سے بہتر

ہیں۔

تیسری حدیث مسلم اور بخاری دونوں کی ہے عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلعم	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کا ماہر ہو وہ پیام کرنیوالے
الماہر بالقران مع السفرۃ الکرام البررۃ	بزرگ نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن
والذی یقراء القران ویتتعتع فیہ	پڑہتا ہے اور اُس میں وقت اُٹہاتا ہے اور وہ اُسپر
وھو علیہ شاق لہ اجران (متفق	شاق ہے اُسکو دوہرا ثواب ہے۔

علیہ)

چوتھی حدیث بھی مسلم اور بخاری دونوں میں موجود ہے ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم	صلعم نے فرمایا رشک کے قابل صرف دو شخص
لاحسد الا علی اثنین رجل اتاہ اللہ	ہیں ایک وہ جسکو خدا نے قرآن دیا ہو (یعنی اُسکو
القران فھو یقوم بہ اناء اللیل واناء	قرآن پڑہنا آتا ہو) اور وہ برابر دن رات تلاوت
النھار ورجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفق	کرتا رہے اور ایک وہ جسکو خدا نے مال دیا ہو وہ
منہ اناء اللیل واناء النھار (متفق علیہ)	وہ برابر دن رات خرچ کیا کرے (یعنی خیرات دیا

کرے)۔

پانچویں حدیث کو بھی مسلم اور بخاری دونوں نے نقل کیا ہے ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ

عن ابی موسیٰ قال قال صلعم مثل	آنحضرت نے فرمایا جو مسلمان قرآن پڑہتا ہے

المومن الذی یقراء القرآن مثل الاترجۃ ریحھا طیب وطعمھا طیب ومثل المومن الذی لا یقراء القرآن مثل التمرۃ لا ریح لھا وطعمھا حلو ومثل المنافق الذی لا یقراء القرآن کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریح وطعمھا مر ومثل المنافق الذی یقراء القرآن مثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر (متفق علیہ)

اُسکی مثال ترنج کی سی ہے اُسکا مزہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی - اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اُسکی مثال چھوارے کی سی ہے - خوشبو نہیں اور مزہ میٹھا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اُسکی مثال اندراین کی ہے خوشبو کچھ نہیں اور مزہ کڑوا - اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اُسکی مثال ریحانہ کی ہے خوشبو اچھی اور مزہ کڑوا -

چھٹی حدیث کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے - ابو ہریرہ کہتے ہیں

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم تعلموا القرآن فاقرؤہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقراء وقام بہ کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحہ کل مکان ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علی مسک (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھو قرآن اور پڑھاو - کیونکہ جو شخص قرآن سیکھے اور پڑھے اور اُسپر قائم رہے اُسکے لئے قرآن ایسا ہے جیسی ایک کیسہ مشک سے بھرا ہوا - اُسکی خوشبو ہر جگہ پہنچتی ہے - اور جو شخص قرآن سیکھکر سو گیا ہو اور وہ اُس کے پیٹ میں ہو وہ مثل ایک کیسہ کے ہے جو مشک بھر کر بند کر دیا ہو -

ساتویں حدیث کو بیہقی نے نقل کیا ہے - ابن عمر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم ان ھذہ القلوب تصداء کما یصداء

وسلم نے فرمایا کہ دلونکو بھی مورچہ لگجاتا ہے جس طرح لوہے کو لگتا ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ پھر

الحدید اذا اصابہ الماء قیل یارسول اللہ وما جلاءھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن (رواہ البیہقی)۔

وہ صاف کیونکر ہو فرمایا موت کو بہت یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے۔

آٹھویں حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ممبر

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال لی رسول اللہ صلعم علی المنبر اقراء علی قلت اقراء علیک وعلیک انزل قال انی احب ان اسمعہ من غیری فقراءت سورۃ النساء حتی اتیت الی ھذہ الایۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا قال حسبک الآن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان (متفق علیہ)۔

پر مجھسے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قرآن سناؤ مینے کہا آپ کے آگے میں پڑھوں اور آپ پر تو نازل ہوا ہے۔ آپنے فرمایا کہ مجھے یہ ولہ پسند ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ پس مینے سورہ نساء پڑھی یہانتک کہ میں اس آیت پر آیا "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا" (یعنی پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ لائینگے اور تجھکو ان سب گواہوں پر گواہ لائینگے) آپنے فرمایا اچھا بس۔ مینے جو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو گرا رہی تھیں۔

نویں حدیث ابو داؤد میں بیان ہوئی ہے ابو سعید کہتے ہیں کہ میں ضعیف مہاجروں

عن ابی سعید الخدری قال جلست فی عصابۃ من ضعفاء المہاجرین و ان بعضھم لیستتر ببعض من العری وقاری یقرء علینا اذ جاء رسول اللہ

کے ایک گروہ میں بیٹھا تھا۔ اور اُن میں سے بعض بعض سے بوجہ عریانی چھپتے تھے۔ اور ایک قاری ہمپر قرآن پڑھتا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلعم جب کھڑے

صلعم فقام علینا فلما قام رسول اللہ	ہوئے تو قاری چپ ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا اور فرمایا
صلعم سکت القاری فسلم ثم قال	کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے کہا خدا
ما کنتم تصنعون قلنا کنا نستمع الی	کی کتاب سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے
کتاب اللہ تع فقال الحمد للہ الذی جعل	جس نے میری امت میں سے ایسے لوگوں کو کیا جن
من امتی من امرت ان اصبر نفسی	کے ساتھ مجھے صبر کرنیکا حکم ہے۔ کہا ابو سعید خدری
معهم قال فجلس وسطنا لیعدل	نے کہ پھر آنحضرت ہم لوگوں کے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ
بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا	آپ کو ہم لوگوں کی برابر کریں پھر ہاتھ سے اشارہ
وبرزت وجوههم له فقال ابشروا	کیا کہ یوں میں پس لوگ گرد اگرد بیٹھ گئے اور سب کا
یا معشر صعالیک المهاجرین بالنور	منہ آنحضرت کی طرف تھا پس فرمایا کہ اے مفلس
التام یوم القیمة تدخلون الجنة	مہاجرین تمکو خوشخبری ہو نور کامل کی قیامت کے
قبل اغنیاء الناس بنصف یوم وذلك	دن تم لوگ جنت میں مالداروں سے آدھے دن
خمسمائة سنة (رواه ابوداود)	پہلے جاؤ گے اور یہ پانچسو برس کا ہوگا۔

نازل ہونا قرآن کا سات قراتوں میں یا قرات مختلفہ میں

اختلاف قرأت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے سبب سے عیسائی مصنفوں کو نہایت دھوکا پڑا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں اختلاف قرأت ہے اسی طرح کا اختلاف قرأت قرآن مجید میں بھی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں بالکل مختلف ہیں اور جو اسباب کہ عہد عتیق اور عہد جدید میں قرأت مختلفہ کے پیش آنے

ہیں اُس سے اور قرآن مجید کی قرأت سبعہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہم قرآن مجید کی قرأت سبعہ یا اختلاف قرأت کو اُنہیں معنوں میں لیں جن معنوں میں کہ عیسائیوں نے لیا ہے تو بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے قرآن مجید میں اختلاف قرأت مطلق نہیں ہے۔

عہد عتیق اور عہد جدید میں جو اختلاف قرأت ہے اُسکی بنیاد اور اُسکے اسباب اور اُسکے نتائج ریورنڈ مسٹر ہارن نے یہ بیان کیے ہیں کہ "دو یا زیادہ قرأت مختلفہ میں صرف ایک ہی قرأت صحیح ہوسکتی ہے اور باقی یا تو کاتب کی عمداً تحریفات یا غلطیاں ہونگی" مگر قرآن مجید میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ تمام اختلاف قرأت اُس معنی میں جس میں کہ مسلمانوں نے اس اصطلاح کو قرار دیا ہے جسقدر قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں وہ سب صحیح اور سب درست ہیں گو ظاہر میں یہ امر کیسا ہی متناقض معلوم ہوتا ہو۔

ریورنڈ مسٹر ہارن نے عہد عتیق اور عہد جدید میں قرأت مختلفہ کے واقع ہونے کے یہ اسباب بیان کیے ہیں (۱) "ناقلوں کی چوک اور غلطیاں (۲) منقول عنہ میں سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا (۳) کاتبوں کا بدون کسی کافی سند کے متن کی عبارت کی اصلاح کی خواہش کرنا (۴) قصداً تحریفات کا کرنا جو کسی فریق کے حصول مدعا کے واسطے کی گئی ہوں" ان اسباب کو قرآن مجید کی اختلاف قرأت سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں جو اختلاف قرأت ہیں اُنکے اسباب حسب تفصیل ذیل ہیں۔

اول۔ تمام قرآن مجید یا اُسکی سورتیں ایک وقت میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ کوئی آیت کسی سورت کی کسیوقت میں اور کوئی آیت کسیوقت میں نازل ہوئی تھی۔ ایک سورت ابھی ختم ہونے نہیں پائی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہونی شروع ہوئی اور ایسی

چند آیتیں نازل ہوئیں جن کا مضمون اُس سورۃ کی آیتوں سے جو پہلے نازل ہو چکی تھیں محض مختلف تھا اور یہ سورۃ بھی نامکمل رہ کر ایک اور سورۃ نازل ہونی شروع ہو گئی اور اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ تمام آیتیں جس طرح پر نازل ہوئیں علیحدہ علیحدہ چمڑوں کے ٹکڑوں پر لاو بے ترتیبی سے لکھی ہوئی رہیں۔ اگرچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام آیتوں اور سورتوں کی ترتیب لوگوں کو تبلادی تھی تاہم تمام لوگوں کو جنکے پاس قرآن مجید کی آیتوں کی نقلیں منتشر حالت میں موجود تھیں اُن سب کو اُسکا علم نہیں ہوا تھا اس سبب سے آیتوں کو بے ترتیب پڑھنے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض لوگوں نے بعض آیتوں کو اُن آیتوں کیساتھ ملا کر پڑھا جن سے وہ ٹھیک طور پر علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔

دوم۔ نقطوں کا اختلاف۔ قدیم تحریر میں جس کے نمونے اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں نقطوں کے دینے کا بہت کم رواج تھا۔ فعل مضارع کے پہلے حرف "ی" غائب کے صیغہ پر اور حرف "ت" حاضر کے صیغہ پر آتی ہے لکھنے میں ان دونوں حرفوں کی ایک ہی ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلے حرف کے نیچے دو نقطے ہوتے ہیں اور دوسرے حرف کے دو نقطے ہوتے ہیں نقطوں کے لکھنے کا قدیم تحریر میں رواج نہونے سے کسی نے اُس حرف "ی" پڑھا اور کسی نے "ت" اور علماء نے اُسکو اختلاف قرارت قرار دیا۔

سوم۔ عرب کی مختلف قوموں میں جو مختلف قطاع میں رہتی تھیں مختلف لہجے تھے۔ ہر ایک قوم اپنے لہجے میں قرآن مجید کی آیتوں کو پڑھتی تھی اور اس اختلافِ لہجہ کو بھی علماء نے اختلاف قرارت میں داخل کیا ہے۔

چہارم۔ اعراب کا اختلاف۔ قدیم تحریر میں لفظوں پر اعراب دینے کا بھی دستور نہ تھا اور نہ اہل عرب کو کہ عربی خود اُنکی مادری زبان تھی اعراب دینے کی ضرورت تھی۔ مگر بعض

بوجہ جملوں کے وصل سیح پر ربط دینے سے اعراب میں اختلاف ہوجاتا ہے اس سبب سے
لوگ بعض الفاظ کے اعراب میں اختلاف رکھتے تھے مثلاً وضو کی آیت میں جو لفظ "ارجلکم"
واقع ہے بعضوں نے خیال کیا کہ اُسکا عطف "وجوھکم" پر ہے جو اُسی آیت میں واقع ہے
اور اس سبب سے اُنہوں نے "ارجلکم" کے "ل" کو مفتوح پڑھا اور بعضوں نے اُسکا عطف
"رؤسکم" پر خیال کیا اور "ارجلکم" کے "ل" کو مکسور پڑھا۔ اگرچہ ایسی مثالیں بہت کم
ہیں مگر علما نے اُسکو بھی اختلاف قرأت میں داخل کیا۔ حالانکہ درحقیقت یہ ایک بحث نحو کے
قواعد سے متعلق ہے نہ اختلاف قرأت سے۔

پنجم۔ عربی زبان سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی مادہ کے افعال
کے لیئے عربی زبان میں متعدد ابواب ہوتے ہیں اور ان ابواب سے ایک ہی مادہ کے
مختلف طرح پر صیغے مشتق کیئے جاتے ہیں اور گو وہ لکھنے میں ایک ہی صورت کے ہوں
مگر اُن کا تلفظ مختلف ہوجاتا ہے اسوجہ سے بعض لفظوں کو قرآن مجید کے کسی شخص نے کسی
باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ سے پڑھا اور کسی نے دوسرے باب سے مشتق سمجھ کر کسی تلفظ
سے پڑھا۔ عرب میں بعض قومیں اُن ابواب میں سے کسی باب کا استعمال کرتی تھیں اور بعض
کسی باب کا۔ اور اسی سبب سے اُن الفاظ کے تلفظ میں اختلاف ہوجاتا تھا۔ اس قسم کا
اختلاف بھی بہت ہی شاذونادر قرآن مجید میں ہے۔ علما اسلام نے اُسکو بھی اختلاف
قرأت میں داخل کیا حالانکہ وہ صرف عربی زبان کے قواعد صرف سے متعلق ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگا کہ کتب عہد عتیق اور عہد جدید پر عیسائی عالموں نے
جن معنے کر اختلاف قرارت کا اطلاق کیا ہے اور جو اسباب اُس کے بیان کیئے ہیں
اُس سے اور قرآن مجید کے اختلاف قرارت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر اختلاف

قرأت کے وہی معنی قرار دیں جو عیسائی عالموں نے قرار دیئے ہیں تو اُس کا قرآن مجید کی نسبت استعمال کرنا صریح غلطی او خطا ہے۔

جو اُمور کہ ہم نے اوپر بیان کیئے ہیں اُن کی توضیح کے لیئے ہم چند حدیثوں کو اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ونحن نقراء القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجیی اقوام یقیمونہ کما یقام القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ (رواہ ابو داؤد والبیھقی فی شعب الایمان)

پہلی حدیث ابو داؤد و بیہقی کی ہے اُس نے جابر سے بیان کیا ہے کہ جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت ہم لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں عربی و عجمی دونوں قسم کے لوگ تھے پس فرمایا کہ پڑھو سب اچھا ہے۔ اور آیندہ ایسی قومیں آئینگی کہ اُس کو سیاٹے سے پڑھینگی تیر کے سیاٹے کی مانند جلدی کرینگی او ٹھہر کر نہ پڑھینگی۔

عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرئیل فقال یا جبرئیل انی بعثت الی امۃ امیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرء کتابا قط قال یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف (رواہ الترمذی)

دوسری حدیث ترمذی کی ہے اُس نے ابی ابن کعب سے بیان کیا ہے ابی ابن کعب نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جبرئیل سے ملے پس فرمایا کہ اے جبرئیل میں مبعوث ہوا ایک جاہل امت کی طرف جس میں بوڑھے اور بوڑھیاں اور لڑکا اور لڑکی اور ایسے آدمی ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اے محمد قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اقرانی جبرئیل علی حرف فراجعتہ فلم ازل استزیدہ ویزیدنی حتی انتھی الی سبعۃ احرف قال ابن شہاب بلغنی تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام (متفق علیہ)

تیسری حدیث بخاری اور مسلم کی ہے ان دونوں نے ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجکو جبرئیل نے قرآن پڑھایا ایک حرف پر پھر میں نے اسنے دوہرا کر پڑھوایا پس میں برابر زیادہ پڑھواتا رہا اور وہ زیادہ کرتے گئے یہانتک کہ سات حرف (یعنی قراۃ) تک پہنچے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجکو یہ ساتوں حرف معلوم ہوے سو مطلب ایک ہی رہتا ہے کسی حلال وحرام میں ان سے اختلاف نہیں پڑتا۔

عن عمر بن الخطاب رضـ قال سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرء سورۃ الفرقان علی غیر ما اقرءھا وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقرءنیھا فکدت ان اعجل علیہ ثم امھلتہ حتی انصرف ثم لببتہ بردائہ فجئت بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقلت یا رسول اللہ انی سمعت ھذا یقرء سورۃ الفرقان

چوتھی حدیث بخاری ومسلم کی ہے ان دونوں نے حضرت عمر سے بیان کیا ہے۔ عمر بن خطاب نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑھتے سنا خلاف اس کے جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ اور مجکو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھایا تہا پس قریب تہا کہ میں انپر جلدی کروں پھر میں نے انکو چھوڑدیا یہانتک کہ وہ پھر کر چلے پھر میں انکو چادر پکڑ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لایا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے انکو سورہ فرقان اور طرح سے پڑھتے سنا۔ اس طرح سے نہیں جس طرح آپنے مجکو پڑھایا تہا۔ رسول اللہ

علی غیرما قرانیها فقال رسول الله	صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُن کو چھوڑ دو کہ پڑھیں
صلی الله علیہ وآلہ وسلم ارسلہ اقراء	پس اُنہوں نے اُسی طرح پڑھا جیسا میں اُنسے سن چکا تھا
فقراء القرأة التی سمعتہ یقراء فقال	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی طرح
رسول الله صلی الله علیہ وآلہ وسلم	اُتری ہے پھر مجھ سے کہا پڑھو۔ میں نے پڑھا تو فرمایا کہ
ھکذا انزلت ثم قال لی اقراء فقرأت	اسی طرح اتری ہے قرآن سات حرفوں پر اترا ہے جس طرح
فقال ھکذا انزلت ان القرآن انزل	آسان ہو پڑھو۔

علی سبعۃ احرف فاقرأو ما تیسر منہ (متفق علیہ واللفظ لمسلم)۔

پانچویں حدیث بخاری کی ہے انہوں نے ابن مسعود سے بیان کیا ہے کہ ابن مسعود

عن ابن مسعود قال سمعت رجلا	کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا
فقرء وسمعت النبی صلی الله علیہ و	اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسکے خلاف پڑھتے
آلہ وسلم یقراء خلافہا فجیئت بہ النبی	سنا پس میں اُسکو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا
صلی الله علیہ وآلہ وسلم فاخبرتہ فعرفت	اور اس بات کی اطلاع کی۔ پس میں نے حضرت کے چہرہ
فی وجھہ الکراھۃ فقال کلاکما محسن	پر ناگواری دیکھی پھر آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک
فلا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا	پڑھتے ہو سو اختلاف مت کرو۔ تم سے پہلوں نے
فھلکوا (رواہ البخاری)۔	اختلاف کیا تو ہلاک ہوئے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ہر شخص کو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کے اختلاف قرات اور توریت اور انجیل کے اختلاف قراتیں بہت بڑا فرق ہے اور وہ اختلاف قرات جسکو ہم نے مداول میں داخل کیا ہے یعنی آیتوں کا آگے پیچھے اور الٹ پلٹ پڑھنا وہ اختلاف حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں قریب قریب معدوم ہو گیا تھا۔ جبکہ زید ابن ثابت نے

قرآن مجید کے مختلف حصوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا اور جب حضرت عثمان کی خلافت کے
عہد میں جنہوں نے زید ابن ثابت کے جمع کیئے ہوئے قرآن مجید کی نقلیں مسلمانوں میں تقسیم
کر دی تھیں اُس اختلاف کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

حاضر اور غائب کے صیغوں کا اختلاف جو صرف "ی" اور "ت" کے نقطوں کے
سبب سے تھا وہ باقی رہا۔ موجودہ قرآنوں میں جنمیں اختلاف قراءت بھی لکھا جاتا ہے نہایت
احتیاط سے حاشیہ پر اُن اختلافات کو لکھدیا جاتا ہے مگر قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو ظاہر
ہے کہ وہ اختلافات نہایت قلیل اور شاذ و نادر ہیں اور معہذا اُس سے اصلی مطلب اور احکام قرآن
مجید میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

تلفظ کا اختلاف بھی قریب قریب معدوم ہو گیا ہے۔ کیونکہ قریش کے تلفظ کو سند قرار
دینے میں کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ قریش ہی کے لہجہ اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا
اور اُسی لہجہ اور زبان میں جناب پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُسکو پڑھا کرتے تھے لیکن چونکہ
اس زبان میں بعض حروف ایسے ہیں جن کا تلفظ اور قوموں سے ادا نہیں ہو سکتا اس سبب سے
اس اختلاف سے بالکل پیچھا نہیں چھوٹا مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت یافتہ عرب
کو قرآن پڑھتے ہوئے سنیں تو فوراً پہچان لینگے کہ یہ اختلاف اب بھی موجود ہے مگر یہ اختلاف صرف
قرآن مجید کے پڑھنے میں محسوس ہوگا نہ اسکے املا میں اور اسی لیئے وہ اختلاف ضبط تحریر میں
نہیں آسکتا اُسکا اندازہ کرنیکو اُن لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہے۔

اعراب کا اختلاف بھی چند مقام میں جو بلحاظ قواعد صرف و نحو کے وقوع میں آیا ہے ابتک موجود
ہے۔ اور اُسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھ بھی دیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اُس کی
نسبت ہر ایک امر کی تشریح کی جاتی ہے۔ ابواب کے اختلاف سے جو صیغوں میں تلفظ کا اختلاف ہے

وہ بھی بعض بعض جگہ موجود ہی۔ اُس کی بھی تصریح اُسی قسم کے قرآن مجید کے حاشیوں پر کیجاتی ہی اور تفسیروں میں اُن پر پوری بحث ہی۔

مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان اختلافات سے قرآن مجید کے اصلی معنی اور مقصد میں کچھ اثر واقع نہیں ہوتا اور جو الزام کہ عیسائیوں پر اپنی کتابوں میں تحریف کرنیکا ہے اُس قسم کا الزام مسلمانوں پر قرآن کی آیات میں تصرف کرنے اور کمی وبیشی کرنیکا یا اپنی کتاب مقدس میں قصداً غلط اصلاحیں کرنے کا یا کسی فریق کے مدعا کے حاصل کرنے کے لیئے تحریف کرنیکا یا کسی آیت کو چھپا ڈالنے کا الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ علم ادب کی ایک شاخ ہے جو بالتخصیص قرآن مجید کی عبارت پڑھنے سے علاقہ رکہتی ہے اور جسکا نام علم تجوید ہے اسپر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں اور علماء نے شرح وبسط سے اسکی شرحیں کی ہیں۔

قرآن مجید میں آیات کے ناسخ ومنسوخ ہونے کا بیان

عیسائی عالموں نے الفاظ ناسخ ومنسوخ کے معنے سمجھنے میں جنکا اطلاق علماے اسلام نے بطور اصطلاح کے آیات قرآنی پر کیا ہی بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اُنہوں نے غلطی سے یہ سمجھا ہی کہ ناسخ آیتوں نے منسوخ آیتوں کو اس وجہ سے کہ اُنمیں کچھ نقص یا کسی قسم کا اشتباہ تھا بیکار کردیا ہی۔ مگر اُنکا یہ خیال بالکل غلط ہی کیونکہ علماے اسلام نے جو دینیات کے مسائل کے محقق ہیں اُن معنوں سے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں مختلف معنی قرار دیئے ہیں۔ مسلمانوں کا اسبات پر ایمان رکھنا ایک مذہبی فرض ہی کہ خدا تعالے علیم اور علام الغیوب ہی یعنی اُسکو ماضی اور حال اور استقبال کا یکساں علم ہے پس اگر ناسخ ومنسوخ کے یہ معنی سمجھے جاویں کہ اللہ تعالے نے ایک اپنے حکم سابق کو کسی حکم مابعد سے بدیں وجہ کہ اُس پہلے حکم میں کچھ نقصان تھا منسوخ کردیا تو اُسکے یہ معنی ہونگے

کہ حکم سابق کے وقت خدا تعالےٰ کی صفت علم کامل میں کچھ نقصان تھا اور ایسا عقیدہ اسلام کی رو سے کفر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ علمائے اسلام نے جن معنوں میں لفظ ناسخ و منسوخ کو استعمال کیا ہے اسکا یہ مطلب نہیں ہے جو عیسائی عالم سمجھتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ کا لفظ اصطلاحاً دو چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ ایک نبی سابق کی ایسی شریعت پر جو دوسرے نبی کی شریعت سے تبدیل ہو گئی ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کی شریعت سے پہلے ایک مرد اپنی زوجہ کی حیات میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی سے شادی کر سکتا تھا حضرت موسیٰؑ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کی زندگی میں اُسکی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن اُس کے مرنے کے بعد کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے مرد کو کامل اختیار دیا تھا کہ جب چاہے اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور گھر سے باہر نکالدے اس حکم کو بقول عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ نے تبدیل کر دیا اور حکم دیا کہ مرد اپنی زوجہ کو کسی صورت سے طلاق نہیں دیسکتا۔ جب تک کہ اُس نے کسی سے زنا نہ کیا ہو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی طلاق دینے کو مرد کے اختیار میں رکھا لیکن اُسپر یہ قید لگائی کہ اگر بغیر کسی اشد ضرورت اور معقول وجہ کے ایسا کرے تو وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوگا۔

الفاظ ناسخ و منسوخ کا استعمال جو علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین کی نسبت کیا ہی اور جسکا یہ مقصود ہی کہ ناسخ سے وہ شریعت مراد ہے جو شریعت نبی سابق کو غیر واجب العمل کردے اور منسوخ سے وہ شریعت سابق مراد ہی جو غیر واجب العمل ہو گئی ہو۔ ان معنوں میں تو قرآن مجید کی آیتوں پر لفظ منسوخ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعد کوئی ایسی شریعت نازل نہیں ہوئی اور نہ نازل ہو گی جو شریعت اسلام کو غیر واجب العمل کردے۔ مگر ہم انبیائے سابقین کی شریعت کے منسوخ ہونے پر زیادہ بحث نہیں کرینگے بلکہ صرف اس مختصر بیان پر ختم کریں گے

کہ علمائے اسلام نے شریعت انبیائے سابقین پر بھی ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق اُن معنوں میں نہیں کیا ہے جو عیسائی خیال کرتے ہیں۔

جو کچھ کہ ہم نے اوپر بیان کیا اُس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن مجید کی وہ آیت جسکو ہم ذیل میں لکھتے ہیں قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت کے منسوخ ہونے سے کچھ علاقہ نہیں ہے ورنہ اُس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت قرآن مجید کی دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے۔ کیونکہ اُس آیت میں جو کچھ بیان ہے وہ انبیائے سابقین کی شریعت کے ناسخ و منسوخ ہونے سے تعلق ہے نہ قرآن مجید کی ایک آیت کے دوسری آیت سے اور وہ آیت یہ ہے۔

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر (سورہ بقر آیت ۱۰۰، ۹۹)

اہل کتاب جو کافر ہوئے اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے خدا کی طرف سے کوئی بھلائی اُترے۔ اور خدا خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہتا ہے اور خدا بڑی فضیلت والا ہے۔ ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے اچھی لاتے ہیں یا اُس کی برابر کیا تو یہ نہیں جانتا کہ خدا ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذیفہم شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت کا قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اُس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ اُن کی شریعت کے برخلاف کوئی حکم ہو اُس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ہم جس آیت یعنی حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ

کرتے یا بھلاتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی کے مانند حکم بھیجدیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے بلکہ اُس کو صرف شریعت اہل کتاب یا رسوم مشرکین سے علاقہ ہے جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی وبیشی ہوگئی ہے۔

دوسرے ناسخ ومنسوخ کی اصطلاح کا اطلاق علمارنے قرآن مجید کی آیتوں و احادیث نبوی پر بھی کیا ہے۔ لیکن نہ ان معنوں میں جو عیسائی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ایسے احکام ہیں جو امر واحد سے علاقہ رکھتے ہیں مگر وہ احکام مختلف حالات اور مواقع پر صادر ہوئے ہیں اور جبکہ وہ حالت باقی نہیں رہتی تو وہ حکم جو اس حالت سے متعلق تھا غیر واجب التعمیل ہوجاتا ہے اور دوسرا حکم جو حالت تبدیل شدہ سے مناسب ہو صادر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں علماے اسلام حکم اول پر منسوخ اور حکم ثانی پر ناسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر اسکے یہ معنی کسی طرح نہیں ہوسکتے کہ حکم اول میں کسی قسم کا نقص تھا بلکہ وہ حالت خاص جس کے واسطے وہ حکم مناسب تھا باقی نہیں رہی اس لیئے وہ حکم بھی واجب التعمیل نہیں رہا لیکن درحقیقت منسوخ نہیں ہوا کیونکہ اگر احیاناً وہی حالت پھر ظہور پذیر ہو تو وہی پہلا حکم واجب التعمیل ہوگا۔ اور دوسرا حکم واجب التعمیل نہ رہیگا۔

مثلاً جب شراب پینے کی امتناع کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کا بھی جو عرب میں بالتخصیص شراب پینے کے لئے مخصوص تھے منع فرمایا۔ مگر جب شراب پینے کی امتناع کا حکم عموماً سب لوگوں کو معلوم ہوگیا اور اسکا رواج بھی اُٹھ گیا تو آنحضرت نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی اجازت دیدی۔ اسی قسم کی ایک

مثال ہے کہ جب تک مسلمان مکہ میں تھے جہاں کفار قریش کی حکومت تھی اور مسلمان انکے محکوم تھے اسوقت تک انکو اپنے حکام کے ہات سے ہر قسم کی تکلیفوں اور سختیوں کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت کرنیکا حکم تھا لیکن جبکہ مسلمان انکی عملداری کو چھوڑکر دوسرے ملک میں چلے گئے تو اسوقت جہاد کرنے کے احکام صادر ہوے۔ ان دونوں مثالوں میں علماے اسلام نے مصطلحا حکم اول کو منسوخ اور حکم ثانی کو ناسخ سمجھا ہے۔ لیکن اگر پہلی صورتیں پھر پیش آویں تو وہی پہلے حکم واجب التعمیل ہونگے۔

مختلف امور میں بعض احکام شریعت حضرت موسے کے ایسے تھے کہ جب تک خاص احکام ان کی نسبت آنحضرت پر نازل نہیں ہوے آنحضرت نے انہیں حکموں پر عمل کیا۔ مگر جب خاص حکم نازل ہوے تو انکے مطابق کاربند ہوئے اور علما نے ان احکام موسوی پر بھی منسوخ اور ان احکام خاص پر ناسخ کا اطلاق کیا۔ ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صرف اصطلاحیں ہیں جو علما نے مقرر کی ہیں۔ محققین علماے اسلام کا عقیدہ ہے کہ الفاظ ناسخ و منسوخ اپنے اصلی اور لغوی معنوں میں قرآن مجید کی نسبت مستعمل نہیں ہوئے ہیں۔

جعفر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ "میرا کلام قرآن مجید کو منسوخ نہیں کرتا ہے مگر قرآن مجید کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت ایک آیت کو منسوخ کرتی ہے"۔ اور ابن عمر کی حدیث میں جو یہ روایت ہے کہ "میرا ایک کلام میرے دوسرے کلام کو منسوخ کرتا ہے جس طرح کہ قرآن کی بعض آیتیں قرآن کی بعض آیتوں کو منسوخ کرتی ہیں"۔ ان حدیثوں کی معتبر سند نہیں ہے اسلیے تسلیم کے قابل نہیں ہیں۔

اس باب میں ابن ماجہ کی حدیث نہایت صحیح اور معتبر ہے جو ان دونوں حدیثوں کے برخلاف ہے اور جسنے ان لوگوں کی رائے کی جو قرآن مجید کی ایک آیت سے دوسری آیت کے

منسوخ ہونے کے قائل ہیں بخوبی تردید ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوما یدارؤن فی القرآن فقال انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض وانما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضا فلا تکذبوا بعضہ ببعض فما علمتم منہ فقولوا بہ وما جھلتم فکلوہ الی عالمہ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں پس فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصے سے لڑایا (یعنی رد کیا) اور خدا کی کتاب تو اسلیئے اُتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو پس بعض کی بعض سے تکذیب مت کرو۔ اس میں سے جو جانتے وہ کہو اور جو نہ جانو اُسکو اُسکے واقف کار پر چھوڑ دو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی کسی آیت کی ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے۔

مگر عالموں کا یہ اختلاف محض لفظی بحث پر مبنی ہے کیونکہ دونوں فریق یعنی وہ لوگ جو ناسخ و منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور جو لوگ اسکے قائل نہیں ہیں دونوں کے مباحثوں سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ہم اس مقام پر اُن پہلی دو حدیثوں کے نامعتبر اور غیر مستند ہونے پر بحث کرنی بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں فریقوں کا بہ لحاظ حقیقت حال کے ایک ہی عقیدہ ہے۔

ایک زمانہ کے بعد جبکہ فقہاے اسلام نے قرآن مجید سے اوامر اور نواہی کا استنباط شروع کیا اور کتب فقہہ کا تالیف ہونا شروع ہو گیا تو اُنہوں نے الفاظ ناسخ و منسوخ کو اور بھی زیادہ وسیع اصطلاح میں استعمال کرنا شروع کیا جسپر نہ تو اُن الفاظ کے لغوی اور لفظی

معنی کا اور نہ ان معنوں کا جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں ٹھیک اطلاق ہو سکتا ہے
مثلاً انہوں نے دیکھا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں کسی معاملہ کی نسبت ایک
عام حکم ہے اور پھر کوئی خاص آیت انکو ایسی ملی کہ جس سے اس عام حکم میں کسی حالت میں
استثنا پایا جاتا تھا تو انہوں نے اس خیال سے کہ وہ پہلی آیت اپنی عمومیت پر باقی
نہیں رہی اسکو منسوخ اور دوسری آیت کو اسکا ناسخ قرار دیا حالانکہ یہ صرف ایک فرضی
اصطلاح ہے چنانچہ ہم ایک مثال سے اس امر کی زیادہ تر تشریح اور توضیح کرتے ہیں۔
قرآن مجید میں ایک یہ آیت ہے کہ۔

والذین یتوفون منکم ویذرون	"جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور چھوڑ جاتے
ازواجا وصیۃ لازواجہم متاعا الی	ہیں بیبیاں۔ وصیت کر جاویں اپنی بیبیوں کیلئے
الحول غیر اخراج فان خرجن فلاجناح	فائدہ دینا ایک برس تک بن نکالے۔ پس اگر نکلجاویں
علیکم فیما فعلن فی انفسہن من معروف	پس نہیں گناہ ہے تم پر اس چیز میں کہ کریں وہ اپنے
واللہ عزیز حکیم (سورہ بقر آیت ۲۴۲)	حق میں کچھ بہتری اور اللہ غالب اناہے۔

اس آیت کے صاف اور سیدھے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے مرنے کے بعد ازواج
چھوڑ جاویں انکے ایک برس کے نان و نفقہ کے لیے وصیت کر جاویں تاکہ عورت (جو کہ اس
جہان میں اپنے تمام حوائج ضروری میں اپنے خاوند کی محتاج ہوتی ہے) اپنے رنج اور مایوسی
کے ایام میں خاوند کے مر جانے سے مصیبت اور تکلیف میں نہ پڑے۔ ہمارے فقہاء نے بیان
کیا کہ اس آیت سے تین حکم نکلتے ہیں (۱) شوہر پر واجب ہے کہ زوجہ کے سال بھر کے نان
نفقہ کی وصیت کر جاوے (۲) زوجہ شوہر متوفی کی جائداد میں سے ایک سال سے زیادہ
کے نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہے (۳) زوجہ شوہر کی وفات کی تاریخ سے سال بھر تک

کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

جب کہ فقہا نے اپنی ذہانت سے یہ قرار دیا کہ اس آیت سے یہ تین مسئلے نکلتے ہیں تو انکو ایک ور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا (سورہ بقر آیت ۲۳۴ و ۲۳۵)	اور جو لوگ تم میں سے وفات پاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں۔ تو انتظار کرائیں (یہ عورتیں) اپنی جانوں کو چار مہینے اور دس دن پس جب پہنچیں اپنی مدت کو پس تم پر کچھ گناہ نہیں ہو اس چیز میں کہ وہ اپنے حق میں بھلائی سے کوئی بات کریں اور خدا اس چیز سے خبر رکھتا ہو جو تم کرتے ہو اور نہیں گناہ ہے تم پر اس بات میں کہ اشارۃً تم نے عورتوں سے پیغام نکاح کیا ہو یا تم نے اپنے دل میں چھپا رکھا ہو۔ خدا جانتا ہے کہ تم انکو یاد کروگے مگر اُنسے خفیہ عہد مت کرو بجز اسکے کہ اچھی بات کہو۔

اس آیت میں انہیں فقہا نے اُس میعاد کی تصریح اور تعیین پائی جس میں عورت کو شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرنا نہیں چاہیے اور اُنہوں نے سمجھا کہ تعیین میعاد پہلی آیت کے تیسرے حکم سے جو اُنہوں نے از خود اپنی ذہانت سے قرار دے لیا تھا مختلف ہو تو اُنہوں نے پہلی آیت کے تیسرے حکم کو بہ لفظ منسوخ تعبیر کیا اور پچھلی آیت کو اُسکا ناسخ قرار دیا۔

اُس کے بعد انکو ایک اور آیت نظر پڑی جو ذیل میں مندرج ہے۔

ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان اور اُنکے لیے چوتھائی حصہ ہی تمہارے ترکہ میں سے

فان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد اگر تمھارے کوئی اولاد ہو پس اگر کوئی ہو تو انکے لئے
وصیۃ توصون بھا او دین (سورۂ نسا آیت) اٹھواں ہے تمھارے ترکہ میں سے بعد وصیت کے جو تم نے کی ہو یا قرضہ
اس آیت سے انہوں نے یہ دیکھا کہ بیوہ عورت کے لئے اس آیت میں صاف صاف
معین حصہ شوہر کے ترکہ میں سے معین ہے تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ پہلی آیت سے جو انہوں
نے پہلا اور دوسرا حکم استخراج کیا تھا وہ دونوں حکم بھی اس آیت سے منسوخ ہو گئے اور
یہ آیت اُن کی ناسخ ہے

ہر سمجھدار آدمی یہ بات جانتا ہے کہ مذہب اسلام میں فقہا کا ایسا درجہ نہیں ہے جیسا
کہ عیسائی مذہب میں پوپ کا درجہ ہے جسکو عیسائی خطا اور نسیان سے مبرا سمجھتے ہیں۔
مسلمانوں کے مذہب میں قرآن مجید ہر شخص کی دسترس میں ہے اور ہر شخص کو اس میں حق
بات تلاش کرنیکا اختیار ہے۔ ہر مسلمان اس بات کا مجاز ہے کہ اگر وہ چاہے تو مذکورہ بالا تینوں
مسئلوں کو جو فقہا نے مذکورۂ بالا آیت سے اخذ کئے ہیں اور جو درحقیقت ایک مسئلہ بھی
اُن مسئلوں میں سے اُس آیت سے اخذ نہیں ہو سکتا نہ مانے اور صاف کہدے کہ ان
آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ایک دوسرے کی ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔ پس کسی آیت کو ناسخ
اور کسی کو منسوخ قرار دینا صرف فقہا کی رائے ہے جو انہوں نے اپنے مسائل کے استنباط کے
طریقہ کی تسہیل کے لئے اختیار کی ہے مگر اُس سے یہ بات کہ درحقیقت قرآن میں ناسخ و منسوخ
ہے لازم نہیں آتی۔

مگر افسوس یہ ہے کہ عیسائی عالموں نے جو سمجھا ہے اسمیں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے
مشہور و معروف مورخ گبن اور ہمارے زمانہ کے بڑے عالم سر ولیم میور نے ناسخ و منسوخ کی
اصطلاحوں کے صحیح اور اصلی معنوں سے جن میں ہمارے فقہا نے انکو مستعمل کیا تھا ناواقفیت

کی وجہ سے صریح مغالطہ کھایا ہے اور وہ خیالات بیان کئے ہیں جنکو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں
گبن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "مرضی الٰہی کے دائمی اور کامل انداز کے بجائے آیات قرآن
(مجید) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سمجھ کے مطابق مرتب ہوئی تھیں۔ ہر وحی انکی حکمت عملی
یا خواہش کے مناسب ہے اور انہوں کا تناقض اس وسیع قول سے کہ کسی پہلی آیت میں کسی پچھلی
آیت سے تبدیل یا ترمیم ہو گئی ہے رفع ہو گیا ہے"
سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ تنسیخ کا آسان عقیدہ قرآن
میں تسلیم کیا گیا ہے مگر مسلمان اس اجتماع ضدین کی تطبیق کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں
تاہم بہ مجبوری اُن کو معترف ہونا پڑتا ہے کہ قرآن میں کم سے کم دو سو چھبیس آیتیں منسوخ ہیں"۔
اس خطبہ کے شروع میں ہمنے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل
ہوتی تھی۔ اول وحی متلو یعنی کلام اللہ دوم وحی غیر متلو یعنی حدیث۔ یہ ممکن ہے کہ بعض شخصوں
نے غلطی سے دوسری قسم کی وحی کو پہلی قسم کی وحی سمجھا ہو۔ اور انکو قرآن مجید میں نہ پاکر یہ گمان
کیا ہو کہ بعض آیتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور جو کہ اُنکے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اسلیئے قرآن مجید میں
مندرج نہوئیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا خیال جبکہ ہوا خود اُس کی غلطی ہے۔ علاوہ اسکے اسبات کے
فرض کرلینے کے لیئے کہ کوئی آیت ایسی تھی جس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور اس لیئے قرآن مجید
سے خارج رکھی گئی تھی کوئی سند نہیں ہے۔ چنانچہ ہم اس امر کی نسبت اس خطبہ کے اخیر میں یہی
بحث کرینگے۔

کیا جناب پیغمبر خدا قرآن مجید کی کوئی آیت بھولگئے تھے

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جناب پیغمبر خدا کو تمام قرآن من اولہ الی اٰخرہ جو نازل ہوا تھا
یاد تھا اور کبھی کوئی آیت آنحضرت نہیں بھولے نہ آپ کے دل سے محو ہوئی اور تمام آیتیں جو

آپ پر نازل ہوتی تھیں آپ کاتبوں سے لکھوا دیتے تھے۔ اس کی سند میں قرآن مجید کی ایک آیت کا اور بخاری کی ایک حدیث کا لکھدینا کافی ہے قرآن کی آیت یہ ہے سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله (سورہ اعلیٰ) تجکو پڑھا دینگے سو تو نہ بھولیگا مگر جو خدا چاہے۔

بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر اس طرح پر کی ہے ہم تجکو پڑھا دینگے جبرئیل کی زبان (سنقرئك) على لسان جبرئيل وسنجعلك سے یا تجکو قاری کردینگے قرأت کے الہام سے پس قارئا بالهام القرأة (فلا تنسى) اصلا من تو نہ بھولیگا مگر حافظہ کی قرأت سے باوجود اس کے قوة الحفظ مع انك امى ليكون ذلك آية کہ تو ان پڑھ ہے کہ یہ ایک نشانی ہو دوسری تیرے اخرى لك (الا ما شاء الله) نسيانه بان نسخ لیے مگر جو خدا چاہے) اُسکا بھلا دینا اس طرح پر کہ تلاوته وقيل المراد به القلة والندرة لما روی اُس کی تلاوت منسوخ کر دی اور کہا گیا ہے کہ کم انه عليه السلام اسقط آية في الصلوة سے مراد کم ہونا اور نادر ہونا ہے اسلئے کہ روایت فحسب أبي رض انها نسخت فسأله فقال ہے کہ آنحضرت نے ایک آیت نماز میں چھوڑ دی۔ نسيتها او نفى النسيان راسا فان القلة پس ابی رض نے سمجھا کہ وہ منسوخ ہو گئی سو حضرت تستعمل للنفی (بیضاوی) سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھول گیا۔ یا بھولنے کی مطلقاً نفی مراد ہے۔ کیونکہ قلت کا لفظ نفی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بیضاوی نے اول تو یہ لکھا ہے کہ "فلا تنسى" سے یہ مطلب ہے کہ پیغمبر صاحب قرآن کو ہرگز نہیں بھولنے کے۔ "الا ما شاء الله" کے لفظ میں اُسنے تین رایں قائم کی ہیں۔ ایک یہ کہ منسوخ شدہ آیت کو بھول جاوینگے۔ یہ صرف اُس کی رائے ہے قرآن مجید سے اسپر کوئی نص نہیں ہے۔ دوسری رائے اُسنے ایک حدیث پر قائم کی ہے کہ آپ ایک آیت پڑھنی بھول گئے تھے اگر ہم اُس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو بھی اُس سے بھول جانا کسی آیت کا یعنی دل سے محو

ہو جانا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسری رائے اس کی نسیان سے قطعی انکار کی ہے۔ یہ رائے صحیح ہے گو کہ جو وجہ اُس نے لکھی ہے وہ خود اُسکے دل کی پیدا کی ہوئی ہے جسکے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔

قرآن مجید کا طرز بیان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے قادر مطلق ہونے کے اظہار کیلئے ہر ایک حکم اور ہر ایک امر کے ساتھ جملہ استثنائیہ فرماتا ہے مگر اُس سے درحقیقت یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ واقع ہی ہوگا بلکہ اُس سے محض اظہار قدرت مراد ہوتا ہے اس کی سیکڑوں مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ پس اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آیت کو بھول گئے تھے یا بھول جاویں گے۔ بلکہ صرف اظہار قدرت کے لیئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم قرآن کا کوئی جزو نہیں بھولوگے لیکن جبکہ خدا چاہے۔ زمخشری جو علم عربیت کا بہت بڑا عالم ہے یہی بات لکھتا ہے کہ اس جملہ سے استثناء مراد نہیں ہے اور اُس کی مثال اس طرح پر دی ہے۔ کہ مثلاً کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے اُس میں تو بھی شریک ہے مگر جو خدا چاہے۔ تو اس طرح کہنے سے کسی چیز کا استثنا کرنا شریعت سے مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس مقام پر بھی جملہ استثنائیہ سے کسی آیت کا مستثنیٰ کرنا مقصود نہیں ہے۔

فی الکشاف کما تقول لصاحبك انت سهيمي فيما املك الا ما شاء الله لا يقصد استثناء شيء (کشاف)

بخاری میں اسی کے متعلق دو حدیثیں حضرت عائشہؓ سے مذکور ہیں پہلی حدیث یہ ہے

عن عائشة سمع النبی صلعم رجلا يقرأ فی المسجد فقال يرحمه الله لقد اذكرنی كذا وكذا اٰية من سورة كذا (بخاری باب نسیان القرآن)

کہ عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں پڑھتے سنا پس کہا کہ خدا اسپر رحم کرے مجکو یہ آیتیں اُس سورہ سے یاد دلائیں۔

عن عائشۃ قالت سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقراء فی سورۃ باللیل فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا اٰیۃ کنت انسیتہا من سورۃ کذا (بخاری باب نسیان القران)۔	دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سورۃ پڑھتے سنی رات کو پس فرمایا کہ خدا اسپر رحم کرے مجھکو فلاں فلاں آیتیں یاد دلائیں جنکو میں فلاں سورۃ سے بھول گیا تھا۔

اول توان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں ہوا تھا اور اس بات پر یقین نہیں ہوسکتا کہ حضرت عائشہ خود موجود تھیں۔ کیونکہ اسکا کوئی اشارہ اُن حدیثوں میں نہیں ہے اور اس لیئے یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں۔ دوسری وجہ ان حدیثوں کے قابل استدلال نہونے کی یہ ہے کہ اُن میں سے کسی میں نہیں بیان کیا کہ وہ آیت کونسی تھی جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھول گئے تھے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ کس سورت کی وہ آیت تھی قطع نظر اسکے مسلمان جو نسیان سے انکار کرتے ہیں اُسکا یہ مقصد ہے کہ کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے محو نہیں ہوگئی تھی کہ ہمیشہ کیواسطے معدوم ہوگئی ہو اگر اُس نسیان کو جو اُن حدیثوں میں مذکور ہے تسلیم بھی کرلیں تو اسکا نتیجہ صرف اتنا ہے کہ جسوقت اُس شخص نے وہ آیت پڑھی اُسوقت آنحضرت کو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسکا خیال نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ خوب یاد دلایا یہ امر مقتضائے بشریت ہوسکتا ہے کیونکہ ہم بشریت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبرا نہیں کرتے ہیں۔ اُن آیت کا یاد آجانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے وہ آیت محو نہیں ہوئی تھی۔

قرآن مجید حضرت ابوبکر کی خلافت میں کس طرح جمع ہوا

قرآن مجید کے جمع ہونے کا صحیح اور کامل بیان حضرت ابوبکر کی خلافت میں بخاری کی ایک صحیح اور مستند حدیث میں مذکور ہے جسکو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔

زید بن ثابت کہتے ہیں کہ مجکو ابوبکر نے اہل یمامہ کے	عن زید بن ثابت قال ارسل الی
قتل کے زمانہ میں بلا بھیجا۔ عمر بن خطاب بھی وہاں	ابو بکر مقتل اهل الیمامة
موجود تھے ابوبکر نے کہا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا	فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر
کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری بکثرت سے قتل ہوگئے	ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر
اور میں ڈرتا ہوں کہ اور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے	یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی
مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا۔ اور میری	ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب
یہ رائے ہوتی ہے کہ تم قرآن کے جمع کرنیکا حکم کرو۔ میں نے	کثیر من القرآن وانی اری ان تامر
عمر سے کہا تم وہ کام کیونکر کروگے جسکو رسول اللہ صلی اللہ	بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا
علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا خدا کی قسم یہ عمدہ	لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم
بات ہے۔ عمر اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے یہانتک	قال عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر
کہ خدا نے میرا سینہ اسکے لیے کھولدیا اور میں نے بھی	یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک
اس کام میں وہ فائدہ دیکھا جو عمر نے سوچا تھا۔ زید کہتے	ورایت فی ذلک الذی رای عمر قال
ہیں کہ ابوبکر نے کہا تم جوان عاقل آدمی ہو تم پر ہم بدگمانی	زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل
نہیں کرسکتے۔ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے	لا نتهمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول الله
لیئے وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن کی جستجو کرکے اسکو جمع کرو	صلی الله علیه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه

فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال	سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھپر
ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من	اتنا گراں نہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنیکا حکم گراں علوم
جمع القران قال قلت لابی بکر کیف	ہوا میں نے ابوبکر سے کہا تم لوگ وہ کام کیونکر کروگے
تفعلون شیا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ	جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر
علیہ وآلہ قال ھو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر	نے کہا خدا کی قسم یہ اچھا کام ہے۔ ابوبکر اسی طرح اصرار
یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی	کرتے رہے یہانتک کہ خدا نے میرا سینہ اس کے لیئے
شرح لہ صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن	کھولدیا جسکے لیے ابوبکر و عمر کو خیال دلایا تھا پس میں
اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال	قرآن کو تلاش کر کے جمع کرنے لگا ہڈیوں اور سفید پتھر
حتی وجدت اخر سورۃ التوبۃ مع	کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے یہانتک
ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع	کہ سورہ توبہ کا اخیر میں نے ابو خزیمہ انصاری کے پاس
احد غیرہ، لقد جاءکم رسول من انفسکم	پایا اور کسی کے پاس نہیں پایا "لقد جاءکم رسول من
عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ براءۃ وکانت	انفسکم عزیز علیہ ما عنتم" سے براءۃ کے اخیر تک اور
الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ	سب قرآن ابوبکر کے پاس تھے یہاں تک کہ خدا نے
ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر	انکو وفات دی۔ پھر عمر کے پاس تھے انکی زندگی تک
(رواہ البخاری)	پھر حفصہ کے پاس جو عمر کی بیٹی تھیں۔

مذکورہ بالا حدیث سے تین امر کی قرار واقعی تصریح ہوتی ہے۔ اول حضرت عمر کے اس کہنے سے کہ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری قتل ہوگئے ہیں اور مجکو اندیشہ ہی کہ اگر اور مقاموں میں سخت لڑائی ہو اور قرآن کے قاری بہت مارے جاویں تو اکثر حصہ قرآن کا ضائع ہو جاویگا۔ اس قول سے پایا جاتا ہے کہ اسوقت تک بہت سے قاری جن کو قرآن مجید

جس قدر کہ آنحضرت پر نازل ہوا تھا بخوبی یاد تھا موجود تھے۔

دوم۔ ہمکو بدرجۂ یقین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو قرآن مجید حفظ یاد تھا

سوم۔ اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں تھی جو تلاش کے بعد چمڑے یا مذبول یا اور کسی چیز پر لکھی ہوئی نہ ملی ہو۔

ان تمام بیانوں سے جو اوپر مذکور ہوئے اور نیز عبد العزیز بن رفیع کی حدیث سے جسکو ہم ابھی نقل کرینگے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ زید ابن ثابت نے کل قرآن مجید کو بے کم و کاست جمع کر لیا تھا اور یہ قرآن جو بالفعل ہمارے ہاتوں میں موجود ہے بجنسہٖ وہی ہے۔ کوئی چیز اس میں چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔

عن عبد العزیز بن رفیع قال دخلت انا وشداد بن معقل علی ابن عباس فقال له شداد بن معقل اترك النبي صلی الله علیه وسلم من شئ قال ماترك الا ما بين الدفتين قال ودخلنا علی محمد بن الحنفية فسالنا فقال ماترك الا ما بين الدفتين (بخاری)	عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباس کے پاس گئے شداد نے اُنسے کہا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ چھوڑا۔ ابن عباس نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں (یعنی قرآن) کہا اور گئے ہم محمد بن حنفیہ کے پاس اور اُنسے بھی پوچھا اُنہوں نے کہا کچھ نہیں چھوڑا مگر دو دفتیوں کے درمیان میں۔

حضرت عثمان جامع الناس علی القرآن کی خلافت میں قرآن مجید کی نقلوں کا تقسیم ہونا

وہی قرآن جسکو زید بن ثابت نے جمع کیا تھا حضرت عثمان کی خلافت تک مصحف کہلاتا تھا

حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں اُس کی متعدد نقلیں مختلف ممالک میں بھیجیں۔ چنانچہ یہ امر
نہایت تفصیل کے ساتھ بخاری کی حدیث میں مذکور ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن انس بن مالک ان حذیفة بن الیمان حذیفہ بن یمان عثمان کے پاس آئے اور وہ عراق
قدم علی عثمان وکان یغازی اہل الشام فی والوں کے ساتھ اہل شام سے لڑتے تھے آرمینیہ و
فتح آرمینیة واذربیجان مع اہل العراق آذربیجان کی فتح میں تو حذیفہ کو اُن لوگوں کا قراءۃ
فافزع حذیفة اختلافہم فی القراءۃ فقال قرآن میں مختلف ہونا رنج دہ ہوا۔ حذیفہ نے عثمان سے
حذیفة لعثمان یا امیر المومنین ادرک کہا اے امیر المومنین اس اُمت کی خبر لو قبل اسکے
ھذہ الامة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف کہ قرآن میں مختلف ہوں جس طرح یہود و نصاریٰ مختلف ہوئے
الیہود والنصاریٰ فارسل عثمان الی حفصة عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ صحیفے ہمارے پاس
ان ارسلی الینا بالصحف ننسخہا فی المصاحف بھیجدو ہم نقل کرکے واپس بھیجدینگے حفصہ نے عثمان
ثم نردہا الیک فارسلت بہا حفصة الی کے پاس وہ صحیفے بھیجدیئے۔ عثمان نے زید بن ثابت
عثمان فامر زید بن ثابت وعبد اللہ بن وعبداللہ بن الزبیر و سعد بن العاص و عبدالرحمن بن
الزبیر وسعد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا سو ان لوگوں نے اُن کو
الحارث بن ہشام فنسخوہا فی المصاحف مصحفوں میں نقل کیا اور عثمان نے تین قریشی گروہوں
وقال عثمان للرھط القرشیین الثلثة اذا سے کہا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابت قرآن کی کسی چیز
اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیء من میں اختلاف کرو (اور ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کی
القرآن (وفی حدیث "فی عربیة من عربیة القرآن" کسی عربیت کے متعلق اختلاف کرو دیکھو باب نزول
باب نزل القرآن بلسان قریش) فاکتبوہ القرآن بلسان قریش) تو اسکو قریش کی زبان میں لکھو
بلسان قریش فانما نزل بلسانہم کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں اترا ہے پس اُن

ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق قال ابن شهاب واخبرنی خارجة بن زید بن ثابت انه سمع زید بن ثابت قال فقدت آیة من الاحزاب حین نسخنا المصحف وقد کنت اسمع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقرء بها فالتمسناها فوجدناها مع خزیمة بن ثابت الانصاری من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه فالحقناها فی سورتها فی المصحف (رواه البخاری)

لوگوں نے ایسا ہی کیا یہانتک کہ جب صحیفوں کو مصحفوں میں نقل کر لیا تو عثمان نے صحیفے حفصہ کے پاس الٹے بھیج دیئے۔ اور جو قرآن کے نسخے نقل ہوئے انکو ملک کے ہر ایک حصہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اسکے سوا جو کچھ کہ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو سب جلا دیا جائے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھکو خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ انہوں نے زید بن ثابت سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے "احزاب" کی ایک آیت نہیں پائی قرآن کی نقل کرتے وقت۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکو پڑھتے سنا تھا پس ہم نے اس کی جستجو کی پس خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس یہ آیت پائی "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیہ" پس اسکو اسکی سورۃ میں مصحف میں ملا دیا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جملہ "اختلافهم فی القراءة" سے وہی اختلاف قراءۃ مراد ہے جسکا بیان شرح و بسط سے اوپر ہو چکا ہے اور جملہ "فی عربیة من عربیة القرآن" جسکو ہم نے دو خطوط ہلالی میں لکھا ہے اور جو ایک اور حدیث کا ٹکڑا ہے اس مطلب کو زیادہ تر واضح کرتا ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں جو نقلیں ہوئی تھیں وہ بالکل مطابق اصل کے تھیں اور ان میں کسی طرح تغیر و تبدل یا کمی و بیشی نہیں کی گئی تھی۔ لہجہ یا صیغوں کے تلفظ کا جو اختلاف عرب کی زبانوں میں تھا اسکا بھی کچھ نشان نہ تھا۔

زید ابن ثابت کی پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ کا اخیر حصہ خذیمۃ الانصاری کے پاس سے ملا تھا لیکن اس روایت میں بیان ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت خسزیمۃ الانصاری کے پاس سے نکلی تھی - ان دونوں بیانوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ جس زمانہ میں زید ابن ثابت نے قرآن کو جمع کیا تھا - اس زمانہ میں سورۂ توبہ کا آخری حصہ بھی خسزیمہ کے پاس سے ملا ہوگا اور سورہ احزاب کی آیت بھی انہیں کے پاس نکلی ہوگی - اس خبر کی روایت سے یہ سمجھنا کہ احزاب کی آیت بروقت نقل کرنے قرآن کی دستیاب ہوئی تھی یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ذکر بھی اس روایت میں اُسی وقت کا ہے جبکہ حضرت ابو بکر کے وقت میں زید ابن ثابت نے قرآن جمع کیا تھا اور اگر فرض کریں کہ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جبکہ قرآن کی نقلیں ہوتی تھیں تو بھی ممکن ہے کہ اُس جمع کیے ہوئے قرآن میں سے وہ آیت کسی طرح خراب ہوگئی ہو اور پھر تلاش سے خزیمہ کے پاس ملی ہو - یا ابن شہاب کو یا حضرت انس کو اس روایت کے بیان کرنے میں کچھ اشتباہ واقع ہوا ہو -

قرآن مجید کا اپنے طرز میں کامل ہونا اُسکے الہامی الاصل ہونیکو ثابت کرتا ہے

اس موقع پر ہم بشپ مڈلٹن کے بیان کو جو ایک عالم اور فاضل آدمی تھا نظر انداز نہیں کر سکتے وہ بیان کرتا ہے "کہ یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے اور جملہ عیوب سے جن کا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں - مگر ہمکو از روے فطرت کے خود بخود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس اور لطیف عمدہ پر اثر ہونا چاہیئے اور اُسکا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے - کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جس میں کسی قسم کا نقص ہو - خلاصہ یہ ہے کہ ہمکو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی

بلاغت کا متوقع ہونا چاہیئے"

اب چونکہ قرآن مجید اپنی طرز میں کامل ہے اسواسطے اُسکا الہامی الاصل ہونا لازم آتا ہے
اور اسی طرح سے اسکا الہامی الاصل ہونا اُسکے کامل النوع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان
سے جو خود ضعیف البنیان اور مرکب من الخطاء والنسیان ہے کوئی کامل اور بے عیب شے پیدا نہیں
ہوسکتی اسی امر کی نسبت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں دعوی کرتی ہیں۔

پہلی آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "اور اگر تم شک میں ہو اُس	وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا
چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری پس لاؤ اُس کی سی	فاتوا بسورة من مثله وادعوا
ایک سورۃ اور بلاؤ اپنے گواہوں کو خدا کے سوا اگر تم	شهداءکم من دون الله ان کنتم
سچے ہو پس اگر نہ کرو اور ہرگز نہ کر سکوگے تو بچو اُس آگ	صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا
سے جس کے ایندھن آدمی و پتھر ہیں جو کافروں کے	النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت
لئے طیار کی گئی ہے۔	للکافرین (سورۂ بقر آیت ۲۱ و ۲۲)
دوسری آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے کہ "کہہ کہ اگر تمام	قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان
انسان اور جن اس بات پر اتفاق کریں کہ اس قرآن کا مثل	یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو
لائیں تو نہ لا سکینگے گو ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔	کان بعضهم لبعض ظهیرا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹)

ان آیتوں کا مقصد و مدعا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ انسان ضعیف البنیان کی بنائی
ہوئی کوئی چیز کامل النوع نہیں ہوسکتی بلکہ صرف اللہ تعالے ہی جو خود ذات کامل ہے ہر شے کامل
النوع کا مخرج ہے اور یہ امر اس بات پر غور کرنے سے اور بھی زیادہ واضح اور غیر مشتبہ ہوجاتا ہے
کہ قدرت کی سب سے زیادہ سادہ اور سب سے کم پیچیدہ اشیاء میں سے ایک چیز کی بھی کسی مصنوعی
شے نے ہمسری نہیں کی ہے سبقت لیجانا تو درکنار۔

اگرچہ یہ بات ممکن ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز بناوے جو اور مصنوعی چیزوں کے وسیع دائرہ میں یکتائی کا دعویٰ کرے اور باوجودیکہ اور اشخاص اُس کی خوبی تک پہنچنے کے لیے بہت کچھ جد وجہد کریں اور اُس تک نہ پہنچ سکیں تاہم اُسکو کامل النوع کہنا ٹھیک اور جائز نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید کی خوبی چار چیزوں سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) اُسکے نہایت صاف اور شستہ دل پر اثر کرنیوالی دل کو رجھانیوالی فصاحت بلاغت سے۔

(۲) اُس کے اصول متعلق دینیات سے۔

(۳) اُس کے اخلاقی اصول سے

(۴) قانون سیاست اور انتظام مدن کے اصول سے جو اُسمیں مندرج ہیں۔ ان چار چیزوں میں سے پہلی چیز تو مخص اہل عرب سے متعلق تھی کیونکہ قرآن مجید اُنہیں کی زبان میں نازل ہوا تھا اور وہی دعوی بے مثلی کر رہے تھے باقی تین چیزیں تمام جہان کی طرف خطاب کی گئی تھیں اور ہم اپنے مخالفوں اور حریفوں کے روبرو جرأت اور اعتماد سے دعوی کرتے ہیں کہ کسی غیر الہامی شخص نے اُسکا مثل نہ تو پیدا کیا ہے اور نہ کوئی قیامت تک پیدا کرسکیگا۔

جو اصول کہ ہم نے اوپر بیان کیئے اُنسے مشہور مورخ گبن محض ناواقف تھا اور اسی ناواقفی کے سبب سے اُسنے مغالطہ کھایا ہے جہاں اُسنے یہ بیان کیا ہے کہ "پیغمبر خدا حرارت مذہبی یا جوش کیحالت میں اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں اور انسان اور ملائک دونوں کو اپنے قرآن کے ایک صفحہ کی بھی خوبیوں کے برابری کرنے کے لیئے قسم دلاتے ہیں اور جوش سے دعوی کرتے ہیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوسکتا ہے۔ یہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھ ایک سرگرم عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جسکا دماغ ایمان اور کیفیت کیواسطے موزوں ہے اور جسکا کان سُریلی آوازوں سے مسرت اندوز ہوتا ہے اور

جس کی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ طرز بیان کی فصاحت اور بلاغت ترجمہ کے ذریعے یورپ کے کافروں تک نہیں پہنچ سکتی وہ اُسکے قصے اور احکام اور بیانات کی اُس بے انتہا ناموزوں بے ربطی کو جس سے کسی قسم کا تصور و خیال بہت کم پیدا ہوتا ہے جو کبھی تو خاک پر غلطاں ہوتا ہے اور کبھی بادلوں کے پار ہو جاتا ہے نہایت بے صبری کیساتھ پڑھتے ہیں" مگر ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی بے مثل فصاحت و بلاغت کا دعوی محض اہل عرب کیواسطے مخصوص تھا نہ اور ملک کے لوگوں کے لیے۔ سیلیے مسٹر گبن کا بیان کچھ اُس دعوی کے مخالف نہیں ہو سکتا

پھر بھی مصنف بیان کرتا ہے کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے تجاوز ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور ڈیموستھینز کی فلپکس برتر عقل کیطرف منسوب کرنی چاہیئے" مگر ہم کسی ایسی مصنوعی شے کے وجود کے امکان کا اوپر اقرار کر چکے ہیں جس کی خوبی سے کوئی اور چیز ہمسری نہ کر سکے اور جو اُسی نوع کی اور مصنوعی اشیاء کے تمام دائرے میں ہمیشہ دعوی یکتائی کرتی رہے با ایں ہمہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی نوع میں کامل ہو۔

یہی مورخ پھر بیان کرتا ہے کہ "اوصاف آلہی کا بیان رسول عرب کی قوت مدرکہ کو عزاز بخشتا ہے لیکن اُن کے بلند ترین خیالات صحیفہ ایوب کی ذی شان سادگی کے سامنے جو اُسی ملک میں اور اسی زبان میں بہت مدت پہلے لکھا گیا تھا پست ہیں۔

ہم مسٹر گبن کے اُس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسٹر گبن میں قرآن مجید اور صحیفہ ایوب کے باہمی تفوق کی نسبت کے حکم دینے کا مادہ نہیں ہے لیکن ہم بدون خوف اعتراض کے کہہ سکتے ہیں کہ نہایت ذی علم عربی دانوں نے قرآن مجید کو بلحاظ فصاحت و بلاغت کے بے مثل قرار دیا ہے اور اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی تحریر اُس سے سبقت نہیں لے گئی اور نہ لیجا سکے گی

لبید سا بڑا شاعر قرآن مجید کی سورہ بقر کی چند آیتوں کو سنکر متحیر ہو گیا اور اُس کی بلاغت کا انسانی قوت سے برتر ہونے کا اقرار کیا اور آنحضرت کی رسالت کو قبول کر لیا۔

چند اور عیسائی عالموں نے بھی اسی کے موید رائیں قرآن مجید کی نسبت لکھی ہیں جنکو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

مسٹر کارلائل کا بیان ہے کہ میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی کا جوہر اُس کے تمام معانی میں موجود ہے جس نے کہ اُسکو وحشی عربوں کی نظروں میں بیش بہا کر دیا تھا سب سے اخیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ دراصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اسی سے ہو سکتی ہے۔

مسٹر گاڈ فری ہگنز لکھتے ہیں کہ "حضرت مسیح کی انجیل کی طرح قرآن مجید غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے۔ بڑے آدمیوں اور دولتمند آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کی گئی ہے وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا ہے۔ یہ امر اُسکے مصنف کی لازوال نیک نامی کا موجب ہی (خواہ وہ محمد عرب کے نامی پیغمبر ہوں یا اُسکے تیسرے خلیفہ عثمان، (واضح ہو کہ گاڈ فری ہگنز کا یہ اعتقاد تھا کہ قرآن حضرت عثمان کا تصنیف کیا ہوا ہے) کہ اُس میں ایسا ایک بھی کوئی حکم نہیں بتلایا جا سکتا ہے جس میں پولیٹکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو اور جس طرح کہ ویسٹ منسٹر ریویو نے منصفانہ رائے دی ہے کہ اگر کسی خود مختار مشرقی حاکم کو کوئی چیز کبھی روک سکتی ہے تو وہ غالباً قرآن مجید کی ایک بے تکلف آیت کسی باجرأت مظلوم کی زبانی ہو گی۔

ایک اور مصنف نے کوارٹرلی ریویو میں قرآن مجید کی نسبت یہ مضمون لکھا ہے کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے اور گیٹھ کا یہ قول بجا ہے کہ جسقدر ہم اُسکے قریب پہونچتے ہیں یعنی اُسپر زیادہ غور

کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھنچی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر کار فرحت آمیز تحیر میں ڈالدیتی ہے"

وہی مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "شادی اور غم محبت اور بہادری اور جوش کے وہ عظیم الشان اظہارات جنکی محض ضعیف آوازہاے بازگشت اب ہمارے کانوں پر اثر کرتی ہیں محمد کے وقت میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمد کو سب سے زیادہ نامی اور گرامی لوگوں سے کچھ ہمسری ہی کرنی نہیں پڑی تھی بلکہ انپر فوقیت حاصل کرنی تھی اور اپنے کلام کو اپنی رسالت کی علامت اور دلیل گردانا پڑا تھا"

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "ہم دفعتاً ازراہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جسقدر زمانہ کہ روم کو اپنی فتوحات حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اسکا دسواں حصہ بھی انکو نہ لگا۔ ایسی کتاب جس کی اعانت سے جملہ بنی سام میں یہی لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے جہاں کہ اہل فنیشیا تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ معہ ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھلانے کے واسطے آئے تھے۔ یہی لوگ جبکہ تاریکی محیط ہورہی تھی یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ۔ طب۔ ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھلانے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے تھے۔ اور ہم لوگوں کو غرناطہ کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کیواسطے رولانے کو آئے تھے۔

مسٹر سیل اس طرح پر لکھتے ہیں کہ "یہ بات علی العموم مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین اور مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں

لکھا گیا ہے لیکن اور زبانوں کی بھی کسیقدر آمیزش ہے گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے - وہ
لا کلام عربی زبان کا نمونہ ہے اور زیادہ پکے عقیدے کے لوگوں کا یہ قول ہے اور نیز اس کتاب
سے ہی ثابت ہے کہ کوئی انسان اسکا مثل نہیں لا سکتا (گو بعض فرقوں کی مختلف رائے ہے)
اور اسی واسطے اسکو لا زوال معجزہ قرار دیا ہے جو مردوں کے زندہ کرنے سے بڑھکر ہے اور تمام دنیا
کو اپنی ربانی الاصل ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اکیلا کافی ہے اور خود محمد نے بھی اپنی رسالت
کے ثبوت کے لیے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحاے عرب کو (جہاں کہ اس
زمانہ میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جنکا محض یہ پیشہ اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت
آرائی کی لطافت میں لائق اور فائق ہو جاویں) علانیہ کہلا بھیجا تھا کہ اسکے مقابلہ کی ایک سورۃ
ہی بنا دو - اس بات کے اظہار کے واسطے کہ اس کتاب کی خوبی تحریر کی اُن ذی لیاقت لوگوں
نے درحقیقت تعریف و توصیف کی تھی جنکا اس کام میں بصیر ہونا مانا ہے منجملہ بے شمار مثالوں کے
ایک مثال کو بیان کرتا ہوں - لبید ابن ربیعہ کا ایک قصیدہ جو محمد کے زمانہ میں سب سے بڑے
زبان آوروں میں تھا خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت اعلی تصنیف کیواسطے
مرعی تھا) اور کسی شاعر کو اُسکے مقابلہ میں کسی اپنی تصنیفات کو پیش کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی -
لیکن جبکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قرآن کی دوسری سورۃ کی آیتیں اُس کے مقابلہ میں لگائی
گئیں تو خود لبید (جو اُس زمانہ میں مشرکین میں سے تھا) شروع ہی کی آیت پڑھکر بحر تحیر میں غوطہ زن
ہوا اور فی الفور مذہب اسلام قبول کر لیا اور بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد
ہو سکتے ہیں - قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور رواں ہے بالخصوص اُس جگہ جہاں کہ وہ پیغمبرانہ وضع
اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے - وہ مختصر اور بعض مقامات میں مبہم ہے اور مشرقی ڈھنگ کے موافق
پُر حیرت صنعتوں سے مرصع اور روشن اور پر معنی جملوں سے مزین ہے اور اکثر جگہ اور علی الخصوص

اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی درجہ و رفیع الشان ہے۔

ولیم میوؔ اور دیگر عیسائی مورخوں کی غلطیاں نسبت قرآن مجید کے

عیسائی عالموں نے قرآن مجید کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ صریحاً لغو اور بیہودہ ہے تاہم اُسپر نظر ڈالنے اور اُن غلطیوں کو بیان کرنے سے درگذر نہیں کی جاسکتی۔

مسلمان پادشاہوں یا عالموں کو تو خدا نے توفیق نہیں دی کہ قرآن مجید کو خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے۔ یورپ کی زبان میں جس قدر اُسکے ترجمے ہوئے وہ غیر مذہب کے لوگوں یعنی عیسائیوں نے کئے۔ ابتدا میں جس طرح پر بذریعہ ان ترجموں کے قرآن مجید کا۔ رواج یورپ میں ہوا اُسکا بیان گاڈفری ہگنز نے عمدہ طرح پر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اگر عبرانی توریت کا ترجمہ اس طرح پر شائع ہوتا کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاتا اور ہر آیت پر جسکا مضمون کسی جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہنانے کا ذریعہ بنایا جاتا اور ایک بیقدر اور خراب شرح اُسکے ساتھ لگی ہوتی تو اُس ذریعہ کا کسیقدر تصور بندھ سکتا ہے جس کی وساطت سے یورپ میں قرآن مجید کی اشاعت ہوئی"۔

مگر ہم بعض عیسائی مصنفوں کے جیسے کہ مسٹر سیل ہیں شکرگذار ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں بہت کوشش کی ہے "اگر اس میں کہیں غلطی ہے تو مفسرین کی صحیح اور غلط تفسیر میں تمیز نکرنے کے سبب سے ہے جو درحقیقت مسٹر سیل کے لیے ایک نہایت مشکل کام تھا"۔

مگر ان عیسائی عالموں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے عجیب عجیب خیالات اور ایسے خیالات

جنکی کچھ بنیاد نہیں معلوم ہوتی قرآن مجید کی نسبت ظاہر کئے ہیں ہمفری پریڈو دین آف
نارویچ نے لکھا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو سکھاتے تھے کہ اس کتاب یعنی
قرآن) کا اصلی مسودہ آسمانی دفتر میں رکھا ہوا ہے اور جبرئیل میرے پاس ایک ایک سورۃ کی
نقل جس کی لوگوں میں شائع کرنے کی حسب ضرورت ہوا کرتی ہے لایا کرتے ہیں۔

یہ بیان ایک ایسا بیہودہ بیان ہے جس کی تردید کرنی ہی بے فائدہ ہے جب کبھی مسلمانوں
کی نظر سے ایسا بیان گذرتا ہے تو وہ متعجب اور متحیر ہو جاتے ہیں کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لکھا گیا ہے
مشہور مورخ مسٹر گبن نے اسی طرح کی جہالت کی باتیں لکھنے میں کچھ تامل نہیں کیا ہے
وہ لکھتے ہیں کہ وجود قرآن بقول آنحضرت کے یا اُنکے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات
الٰہی میں موجود ہے اور نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے اُسکی ایک نقل کاغذ پر لکھی ہوئی
ریشم اور جواہرات کی جلد میں حضرت جبرئیل فلک اول پر لائے تھے

لوح محفوظ کا نام مسٹر گبن نے انگریزی ترجمہ میں دیکھ لیا اور اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں
سمجھی اور یہ بات کہ قرآن مجید مخلوق ہے یا غیر مخلوق ایک فلسفی مسئلہ ہے جسکے سمجھنے تک مسٹر
گبن کا خیال ہی نہیں پہنچا۔

ڈین پریڈو کی نادرست مگر دلچسپ ایجادیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں کچھ کم تعجب انگیز اور
تحیر آمیز نہیں ہیں۔ انکا بیان ہے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پاس کاغذ پر لکھی ہوئی پوری
نقل قرآن مجید کی لائی گئی تھی اور اُنہوں نے اُسکو ایک صندوق میں رکھا تھا جسکا نام صندوق
رسالت تھا اور ابو بکر نے جو اُنکے جانشین ہوے سب سے اول اُسکو جمع کیا کیونکہ جب مسیلمہ نے
انہیں کی طرح اخیر زمانہ میں نبوت کا دعوی کیا تھا تو ایسی ہی کامیابی کی اُمید میں اسی طرح اُسنے
ایک قرآن مرتب کیا اور اُس کی ایک کتاب بنا کر اپنے متبعین میں شائع کی۔ اسوقت ابو بکر نے

محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قرآن کو بھی اسی طرح مشہور کرنا ضروری سمجھا۔

یہ چند مثالیں منجملہ اُن سیکڑوں بیہودہ باتوں کے ہیں جو عیسائی مصنفوں کی جملہ تحریرات میں اسلام کی نسبت پائی جاتی ہیں۔ سر ولیم میور نے ایک معقول قاعدہ مصنفی کا برتا ہے اور اپنے استدلالات میں مسلمانوں کی دینیات سے کسقدر واقفیت ظاہر کی ہے لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اُنہوں نے بحث کیواسطے صرف اُن روایتوں کو منتخب کیا ہے جنکو خود مسلمان بھی سب سے زیادہ ضعیف سب سے زیادہ مشکوک اور سب سے زیادہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں یا اُنکے مطلب اور مقصد میں مختلف الرائے ہیں۔

اُنہوں نے اولاً اپنی تمام لیاقتوں کو اسبات کے ثابت کرنے میں صرف کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں نوشت و خواند عرب میں معدوم نہ تھی اور "وحی بالعموم کھجور کے پتوں یا چمڑے یا پتھروں یا اور ایسی بے جوڑ اشیا پر جو سر دست دستیاب ہوتیں۔ لکھ لیجایا کرتی تھی"۔ مگر اس امر سے ہم نے خود اقرار کیا ہے اور کسی مسلمان کو اس سے کبھی انکار نہیں ہوا بلکہ اسکو تو ہم قرآن مجید کے لفظ بہ لفظ محفوظ ہونے کا جیساکہ پیغمبر خدا پر نازل ہوا تھا سب سے قوی دلیل خیال کرتے ہیں۔

سر ولیم میور آیات کے منسوخ ہونے کی نسبت کسی قدر طوالت کے ساتھ بحث کرتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ اسلام درست نہیں ہے اور اُس کی تائید میں کوئی شہادت بھی نہیں ہے مثلاً اُنکا بیان ہے کہ "اکثر حصہ قرآن کا صرف عارضی مدعا تھا جو ایسے حالات کی وجہ سے عارضی ہوا تھا جس کی عظمت بہت جلد جاتی رہی اور یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا پیغمبر صاحب کا منشا اُس قسم کی آیات سے اُن کی عام عظمت یا اُن کی ترویج تھی یا نہیں۔ قرینہ اسکو نہیں چاہتا کہ اُن جملوں کے نگاہ رکھنے کی اُنہوں نے کوشش کی ہو"۔

یہ غلطی جو سر ولیم میور کو ہوئی اکثر عیسائی مصنفوں کو لفظ منسوخ کے معنی سمجھنے کے سبب غلط فہمی کے سبب ہوئی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ منسوخ کے جو معنی عیسائی مصنف سمجھے ہیں ان معنوں میں قرآن مجید کی مطلق کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور اگر اس لفظ کے وہ معنی لیے جاویں جس میں مسلمان فقیہوں نے اس لفظ کو اصطلاحاً استعمال کیا ہے تب کوئی آیت عارضی مدعا کی قرآن مجید میں موجود نہ تھی اور سب سے دائمی ترویج مقصود تھی۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیہ میں ماکسی و ورولیں سے مندرجہ ذیل روایتیں نقل کرتے ہیں ایک روایت ہی کہ عبداللہ ابن مسعود نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو اسکو کاغذ پر سے اڑا ہوا پایا جس کی نسبت پیغمبر صاحب نے بیان کیا کہ وہ آسمان پر اڑ گئی اسکے بعد کی روایتوں میں اس واقعہ میں یہ معجزہ نما مضمون اور اضافہ کر دیا گیا کہ اس آیت کا اڑ جانا بابت سے مسلمانوں کے قرآنوں میں ان واحد میں واقع ہوا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت جس کے راوی کا بھی نام معلوم نہیں گزشتیں کے کبوتر کی مانند ایک صریح ایجاد ہے اور ہم اس بات سے خوش ہیں کہ سر ولیم میور نے بھی کہا ہے کہ اس روایت کی کچھ اصلیت نہیں ہے اور" بلاشک بناوٹ ہی۔

سر ولیم میور نے ایک نئی اصطلاح "وحی کامل" کی مسلمانوں کے مذہب میں قائم کی ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے محاورہ کے موافق ہے اور پھر اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ "وحی کامل سے میری مراد بلاشک اس وحی سے ہے جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخیر زمانہ میں موجود اور مروج تھی علاوہ اسکے جو شاید ضائع یا غارت یا غیر مستعمل ہو گئی ہو"

اس اصطلاح سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ شاید "آیات محکم" کا ترجمہ سر ولیم میور نے "وحی کامل" کیا ہو لیکن "آیات محکم" کے وہ معنی نہیں ہیں جو سر ولیم میور نے بیان کئے ہیں لیکن اگر ہم سر ولیم میور کی

اصلاح کو تسلیم کریں تو وحی کامل کا اطلاق اُن سب وحیوں پر ہوگا جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تہیں اور ہم اس بات کا یقین دلاتے ہیں اور آگے چلکر ثابت بہی کرینگے کہ کبہی کوئی وحی ضایع یا غارت یا غیر مستعمل نہیں ہوئی ہے۔

قرآن مجید کی ترتیب کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ "قرآن جس طرح کہ ہمارے زمانہ تک چلا آتا ہے اپنے مختلف حصوں کی ترتیب اور بندش میں مضمون یا وقت کی کسی معقول ترتیب اور نظام کا پابند نہیں ہے۔ اور یہ قیاس میں نہیں آتا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُسکے ہمیشہ اسی تسلسل میں پڑہنے کے واسطے فرمایا ہے ہو مضامین کی ابتر لاوٹ زمانہ اور معنی کے لحاظ سے جا بجا بے ربطی کسی جزو کا جو مدینہ میں نازل ہوا ہو بعض اوقات اُس آیت سے پیشتر واقع ہونا جو بہت عرصہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہو کسی احکام کا ایسے احکام کے پیچہے ملحق ہونا جو اُس کی تنسیخ یا ترمیم کرتا ہو۔ یا کسی دلیل کا دفعتاً ایسے فقرہ کے حائل ہوجانے سے منقطع ہوجانا جو اُسکے مقصد کے موافق نہو یہ سب باتیں ہمکو اس امر کے یقین سے باز رکہتی ہیں کہ ترتیب موجودہ یا درحقیقت کوئی کامل ترتیب محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات میں مستعمل اور مروج تہی۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب اُس طرز میں جس میں کہ قرآن مجید ہے ایسی باقاعدہ ہے اور بلحاظ معنے کے اپنی طرز خاص میں ایسی منظوم ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ بہت سی کتابیں محض اس علاقہ کی تشریح کی غرض سے تصنیف ہوئی ہیں جو سورتوں اور آیتوں کے مابین موجود ہے۔ قرآن مجید کی عبارت ایسی موجز اور مختصر ہے کہ دو آیتوں کے علاقہ باہمی کی جنکے معنے بادی النظر میں ایک دوسرے سے بیگانہ معلوم ہوتے ہیں کسی قدر تشریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جو اُس سے ناواقف ہوتے ہیں گو بحث والی اور

سامعہ خراش۔ ابتر۔ خام بے سری۔ مکرر بیانی۔ طول کلام۔ اُلجھاوٹ نہایت خام اور مہمل جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے معلوم ہوتی ہے۔

اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کسی مصنف کی تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے وہ خدا کا کلام ہے اور بعینہٖ وہی الفاظ لکھ لیئے گئے ہیں۔ کلام جب مخاطبین سے کیا جاتا ہے تو بہت سے اُمور مخاطبین کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اور متکلم اپنے کلام سے انکو محذوف رکھتا ہے مگر جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا عیسائی مصنف اس باریکی پہ خیال نہیں کرتے اور نہ شان نزول آیتوں کی اُن کی ذہن میں ہوتی ہے۔ اسلیے اُن کو آیات کے ربط میں مشکل پڑتی ہے مگر مسلمانوں کو ایسا نہیں ہوتا۔

ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ سر ولیم میور کے اعتراضات اسقدر عام ہیں کہ جواب کے قابل نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی مخصوص آیتوں کا نشان دیتے جن میں اُنکے نزدیک زمانہ اور معنی کے اعتبار سے جا بجا بے ربطی ہو یا ان براہین کا جو اُنکے نزدیک دفعتاً کسی ایسے فقرہ کے حائل ہوجانے سے منقطع ہوگئے ہوں جو اُن کے مدعا سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اُسوقت ہم یقیناً صاحب موصوف کی دقتوں کو حل کردیتے اور آیات کے واقعی علاقہ باہمی کا نشان دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے۔ بہ لحاظ سر ولیم میور کے اُس بیان کے "جو کسی احکام کے پیچھے کسی ایسے احکام کے ملحق ہونے کے باب میں ہے جو اُس کی ترمیم یا تنسیخ کرتا ہو۔" بارہا ہم لکھ چکے ہیں کہ اُن اصلی معنوں کی ناواقفیت جن میں کہ علماء اسلام نے اصطلاحات ناسخ و منسوخ کو در اصل استعمال کیا تھا ایسے لایق مصنف کے قلم سے ایسا بیان نکلا ہے۔

حضرت ابو بکر کے عہد خلافت میں قرآن مجید کے یکجا جمع ہونے کے طریقہ کو بیان کرکے سر ولیم میور حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اصلی جلد جو

پہلی دفعہ مرتب ہوئی حفصہ کے گھر میں دستیاب ہوئی اور ایک پر غور نظر ثانی عمل میں آئی۔ اگر زید اور اُنکے ساتھیوں میں کوئی اختلاف پایا گیا تو ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دی گئی اس وجہ سے کہ محاورہ قریش سے واقف تھے اور اس نئے مجموعہ کی اس طرح سے مکی زبان میں تطبیق کر دی جس میں کہ پیغمبر صاحب نے اپنے الہامات کو بیان کیا تھا۔

سر ولیم میور نے جو کچھ کہ بیان کیا ہے اُس کا مخرج دریافت کرنے میں ہم نہایت حیران ہیں مسلمانوں کے ہاں تو کسی کتاب میں ایسی حدیث یا کوئی روایت نہیں ہے۔ مذکورہ بالا بیان میں تین جملے علانیہ اعتراض کے قابل ہیں۔ (۱) نظر ثانی (۲) اس طرح سے تطبیق کر دی (۳) نیا مجموعہ۔ کسی قسم کی روایت سے ہمکو ثابت نہیں ہوتا کہ زید کے جمع کئے ہوئے قرآن مجید پر کبھی نظر ثانی ہوئی ہو۔ جس حدیث میں کہ اس امر کا تذکرہ ہے اور جسکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اُس میں یہ الفاظ ہیں" نسخوا ھا فی المصاحف" یعنی اُنہوں نے اُس کی چند نقلیں کر لیں۔ مگر اُس میں پر غور نظر ثانی کا کچھ ذکر نہیں۔

اس حدیث میں یہ عبارت بھی ہے کہ" اذا اختلفتم انتم و زید ابن ثابت فی شئ من القرآن" یعنے جبکہ تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن مجید کے اندر کسی چیز میں اختلاف واقع ہو۔ اگرچہ وہ چیز جس میں کہ اُنکو اختلاف واقع ہو بہت سے احتمالات کی گنجایش رکھتی ہے لیکن ہم اُسکے بعد ہی اُس کی تشریح پاتے ہیں جہاں کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ" فکتبوہ بلسان قریش" یعنی اُس کو قریش کی زبان میں لکھو۔ اب یہ صریح ظاہر ہے کہ وہ چیز اختلاف تلفظ کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ بخاری کی حدیث سے جو نقل کی گئی ہے یہ امر اور بھی زیادہ وضح ہو جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ" فی عربیۃ من عربیۃ القرآن" یعنی اگر تمکو قرآن کی عربیت کی کسی عربیت میں اختلاف ہو۔ ان لفظوں سے زیادہ تر تلفظ اور مد اور ادغام اور نونہائے تنوین سے علاقہ

معلوم ہوتا ہے جو عربی عبارت کے پڑھنے میں مختلف قومیں عرب کی استعمال کرتی ہیں۔ اس جملہ کے کہ "اس طرح سے مکی زبان سے تطبیق کردی" یہ معنی ہیں کہ کچھ اختلاف واقع ہوا تھا اور جامعین نے اُسکو بدلدیا۔ مگر حدیث سے یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بیشک جامعین کو کہا گیا تھا کہ اگر کچھ اختلاف تم میں ہو تو قریش کے محاورہ میں لکھو لیکن اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ درحقیقت اُن میں اختلاف واقع ہوا تھا پس سر ولیم کا یہ کہنا کہ "انہوں نے مکی زبان سے تطبیق کردی" صحیح نہیں ہے"

ہم نہیں جانتے کہ سر ولیم میور نے لفظ "نیا مجموعہ" کس بنا پر استعمال کیا ہے۔ اور کس جگہ سے اُنکو یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اس امر کی نسبت وہ اپنی کتاب کے حاشیہ میں اس طرح پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اس معاملہ کی خرابی اور ناموزونیت سے بچنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ قرآن اپنے بیرونی لباس کے لحاظ سے زبان عربی کی سات مختلف زبانوں میں نازل ہوا تھا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ خود محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی اس قسم کے خیال کے بانی اور موئید ہوئے ہوں بدیں غرض کہ ایک ہی آیت قرآنی کی مختلف الالفاظی کی دقت رفع ہوجائے۔ یہ عبارت ایک ایسی طرز اور تعصب سے لکھی گئی ہے جس پر ہم افسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جو تقوی۔ نیکی۔ صداقت۔ صاف باطنی۔ راست بازی کے واسطے ممتاز ہوں۔ دغا۔ فریب۔ اور ریاکاری کا الزام لگانا برہان جائز کے معینہ قوانین اور اخلاق اور تہذیب کے مسلم اُصول کے خلاف ہے۔ ہم اس امر کو اس کتاب کے پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتے ہیں اور اسپر زیادہ بحث نہیں کرتے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو سچے پاکباز اور تقوی شعار ہیں گو وہ کسی مذہب اور ملت کے کیوں نہ ہوں ویسی ہی تعظیم اور تکریم کے مستحق ہیں جیسیکہ خود اپنے ہاں کے بزرگ اور مقدس لوگ۔ معہذا کیا سر ولیم میور اس بات سے ناواقف ہیں کہ عربی زبان میں الفاظ کو مد اور بغیر مد اور ادغام اور بغیر ادغام اور با نون تنوین اور بغیر نون تنوین پڑھنے سے جو عرب کی

مختلف قوم کے مختلف طریقے سے تلفظ میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت لفظ میں یا معنی میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا لفظ کا ایک ہی مادہ مختلف صورت سے بلا تبدیل اصلی مادہ لفظ اور معنی کے پڑھا جا سکتا ہے جیسیکہ سورہ الحمد میں لفظ "مالک" کا ہے قدیم تحریر میں اُس کی یہ صورت ہے "ملک" یہ لفظ ملک بھی پڑھا جاتا ہے ملاک بھی پڑھا جا سکتا ہے لام کی تشدید سے۔ اور مالک بھی پڑھا جا سکتا ہے پس اگر اس لفظ کو کسی عرب نے کسی طرح پڑھا ہو باوصف اختلاف تلفظ کے کوئی تبدیل مادہ لفظ یا معنی میں نہیں ہے لیکن قریش کی زبان میں مالک کا لفظ جاری تھا اُسکا قائم رکھنا کون سے اعتراض کا مقام ہے۔

سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا وہ مقتضا اُس مقصد کا تھا جس مقصد سے اُنہوں نے کتاب لکھی ہے مگر سب سے زیادہ سچی بات جو اُنکے قلم سے نکلی ہے وہ یہ ہے کہ "دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسے خالص متن کے ساتھ رہی ہو" اور ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ ہمیشہ تک ایسی رہیگی اور اس امر کی تصدیق اُس پیشین گوئی سے ہوتی ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ خدا فرماتا ہے "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون" یعنی تحقیق ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم بالتحقیق اُس کی حفاظت کرینگے۔

سر ولیم میور اپنے بیانات کے اثنا میں فرماتے ہیں کہ "اگر ابوبکر کے قرآن کا متن خالص ہوتا تو ایسی جلدی وہ کیونکر خراب ہو جاتا اور اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک کامل نظر ثانی کا محتاج ہوتا" ہم نہایت صاف طور سے اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا قرآن نہ خراب ہوا تھا اور نہ وہ کسی نظر ثانی کا محتاج ہوا تھا اور نہ اُس میں نظر ثانی کی گئی تھی بلکہ صرف اُسکی نقلیں کی گئی تھیں۔

قرآن مجید میں اختلاف کے اسباب جو سر ولیم میور نے بیان کیے ہیں وہ صحت سے بالکل معرا ہیں۔ ہم قرأت مختلفہ کے ذیل میں جسقدر کہ اس مضمون کی نسبت بیان کرنا ممکن تھا شرح و

[illegible] کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

سر ولیم میور آگے چلکر بیان فرماتے ہیں کہ "لیکن جبکہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس حیثیت سے کہ اسکو پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا اب عینہٖ ویسا ہی موجود ہے۔ اس دعوی کے واسطے کہ خود پیغمبر صاحب ہی نے بعض آیات کو جو ایک مرتبہ وحی ظاہر کی گئی ہوں بعد کو تبدیل یا خارج نہ کر دیا ہو کوئی دلیل نہیں ہے"۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ جب تک یہ بات ثابت ہو کہ درحقیقت بعض آیتیں ایسی تہیں کہ پیغمبر خدا نے انکو خارج کر دیا تھا اسوقت تک بلاشبہ یہ بات کہ جس حیثیت سے قرآن پیغمبر صاحب نے چھوڑا تھا بجنسہٖ ویسا ہی موجود ہے جیسا کہ حدیث عبد العزیز سے اوپر بیان ہو چکا ہے اور تمام وحی قرآنی جو آنحضرت پر نازل ہوئی تہیں قرآن مجید میں موجود ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے کہ پیغمبر خدا نے نہ کسی آیت کو تبدیل کیا ہے او [illegible]

کر چکے ہیں [illegible]

کرتے ہیں

سر ولیم میور اپنے مذکورۂ بالا دعوی کی تصدیق پر مندرجۂ ذیل سندیں پیش کرتے ہیں اور ان بیانات کو کاتب الواقدی سے نقل کرتے ہیں کہ "عمر نے اُبی ابن کعب کی تعریف کی اور فرمایا کہ وہ قرآن مجید کا سب سے کامل قاری ہے ہم بہ تحقیق بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں کیونکہ اُبی کہا کرتا ہے کہ میں نے پیغمبر صاحب کو یوں فرماتے سنا ہے اور میں ایک لفظ بہی جو پیغمبر صاحب نے قرآن مجید میں درج کیا ہے نہیں چھوڑتا ہوں مگر اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے وہ حصے اُبی کی عدم موجودگی میں نازل ہوئے تہے جو بعض آیتوں کو جنکو وہ پڑھتا ہے تنسیخ یا ترمیم کرتے ہیں۔

سر ولیم میور نے جیسا کہ انکی تمام تحریر سے پایا جاتا ہے اس مضمون کو توڑ مروڑ دیا ہے اور جو کچھ اُنہوں نے بیان کیا ہے اُس اصل حدیث کے مضمون سے جو حضرت عمر سے منقول ہی سراسر خلاف ہی اور اس عبارت کا کہ "بعض آیات کو جو ابی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں" اُس حدیث میں پتہ بھی نہیں ہے۔ ہم اُس حدیث کو بجنسہ بے کم و کاست ذیل میں مندرج کرتے ہیں اور وہ حدیث یہ ہے

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا یحیی قال	ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا
حدثنا سفیان عن حبیب عن سعید بن جبیر	ہم لوگوں میں اُبی بڑے قاری ہیں اور علی بڑے قاضی
عن ابن عباس قال قال عمر اقرأنا ابی و	ہیں اور ہم لوگ اُبی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور وہ یہ
اقضانا علی وانا لندع من قول ابی وذاک ان	بات ہے کہ اُبی کہتے ہیں میں کوئی چیز جو رسول اللہ صلی اللہ
ابیا یقول لا ادع شیئا سمعته من رسول الله	علیہ وآلہ وسلم سے سن چکا ہوں نہ چھوڑوں گا۔ اور
صلی الله علیه وسلم وقد قال الله تعالی ما ننسخ	حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے ما ننسخ من آیة
من آیة او ننسها (بخاری کتاب التفسیر)۔	او ننسہا۔

اُس حدیث سے ظاہر ہے کہ کسی جگہ اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر بعض آیات قرآنی کو جن کو اُبی پڑھا کرتے تھے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث قرآن مجید سے احکامات استخراج کرنے سے متعلق ہے۔ ابی قرآن مجید کی ہر ایک آیت سے جو حکم مستخرج ہوتا تھا استخراج کرتے تھے اور جملہ احکامات مستخرجہ کو صحیح خیال کرتے تھے۔ انکی رائے یہ تھی کہ ظواہر آیات سے جو معنی یا احکام نکلتے ہوں اُنکے استخراج میں دوسری آیت پر نظر رکھنا ضرور نہیں جیسا کہ اہل ظواہر کا مذہب ہے لیکن حضرت علی مرتضی کی رائے اسکے برخلاف معلوم ہوتی ہے۔ اسپر حضرت عمر نے کہا کہ اُبی سب سے عمدہ قرآن پڑھنے والا ہے اور حضرت علی ہم میں سب سے بڑے قاضی ہیں یعنی سب سے بہتر

حکم دینے والے ہیں۔ اور ہم سب سے زیادہ قرآن مجید سے احکام و قوانین مستخرج کرسکتے ہیں اسواسطے ہم چھوڑ دیتے ہیں اُبی کے قول کو یعنی جو اُبی نے قران سے حکم کا استخراج کیا ہے اسکو چھوڑ دیتے ہیں اور حضرت علی سے اتفاق کرتے ہیں ہماری اس تشریح کی تصدیق خود اسی حدیث کے اس جملہ سے ہوتی ہے کہ "افضانا علی" کیونکہ اگر یہ حدیث محض قرات مختلفہ سے متعلق ہو تو یہ جملہ اُس کے بقیہ حصہ سے کچھ علاقہ نہ رکھیگا۔

ہمارے اس بیان کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ بخاری نے جو مسلمانوں کے ہاں نہایت نامی اور مقدس اور مستند محدثین میں سے ہیں اس حدیث کو اُس مقام پر بیان کیا ہے جہاں کہ وہ احکامات ناسخ و منسوخ سے بحث کرتا ہے نہ اس جگہ جہاں کہ اُسنے قرات مختلفہ کا بیان کیا ہے۔ مگر بخاری نے اسی حدیث کو کسی قدر ترمیم شدہ صورت میں اس مقام پر بھی بیان کیا ہے جہاں کہ اسنے قاریوں کے باہمی اختلاف پر بحث کی ہے چنانچہ اس حدیث کو بھی ہم نقل کرتے ہیں اور اس بات پر بھی بحث کرینگے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے کونسی حدیث صحیح ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حدثنا صدقۃ بن الفضل قال اخبرنا یحیی عن سفین عن حبیب ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قال عمر علی اقضانا و اُبی اقرانا و انا لندع من لحن اُبی و اُبی یقول اخذتہ من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا اترکہ لشی قال اللہ تعالی ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (بخاری باب القراء)	ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے کہا علی ہم لوگوں میں سب سے بڑے قاضی ہیں اور اُبی ہم لوگوں میں سب سے بڑے قاری ہیں اور ہم لوگ اُبی کی قرات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اُبی کہتے ہیں کہ میں نے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مونھ سے لیا ہے پس اسکو کسی طرح نہ چھوڑونگا۔ اللہ تعالی نے فرمایا ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا

(یعنی جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اُس سے اچھی یا اُس کی برابر لاتے ہیں)

اس حدیث میں وہ لفظ جس کا ترجمہ ہم نے قرات کیا ہے "لحن" ہے مگر جو کہ قرآن مجید کی اُن کی آیتوں کا ایک ہی لحن ہے اس لیے آیات قرآنی کی تلاوت پر بھی لحن کا اطلاق ہوتا ہے

یہ پہلی حدیث دو وجہ سے مشکوک ہے۔ اول یہ کہ گو اس حدیث کے اور نیز حدیث ما سبق دونوں کے راوی ایک ہیں مگر پہلی میں لفظ "قول" اور دوسری میں لفظ "لحن" مستعمل ہوا ہے اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ صدقہ ابن فضل اس حدیث کے راوی نے لفظ "لحن" کو بجائے "قول" کے براہ غلطی استعمال کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں دو جملے ہیں ایک "علی اقضانا" اور دوسرا "ما ننسخ من ایۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا"۔ ان دونوں جملوں کو قرآن کی قرات مخصوص سے قابل قیاس کوئی علاقہ نہیں ہے اسواسطے ہماری رائے ہے کہ صدقہ نے پہلی حدیث کے سمجھنے میں اور اس دوسری حدیث کے بیان کرنے میں علانیہ غلطی کی ہے لیکن ہم بغرض اختتام بحث تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ پہلی حدیث بھی صحیح ہے تو اس سے زیادہ اُسکے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے کہ حضرت عمر نے حضرت علی مرتضیٰ کے لحن کو اُبی کے لحن پر ترجیح دی۔ بہرکیف سر ولیم میور نے براہ زبردستی اس سے یہ نتیجہ مستنبط کیا ہے کہ" حضرت عمر نے کہا کہ ہم بالتحقیق بعض آیات کو جو اُبی کے پڑھنے میں شامل ہیں چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

سر ولیم میور واقدی سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ "ابن عباس نے کہا کہ مجکو عبداللہ ابن مسعود کا پڑھنا پسند ہے کیونکہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن جبرئیل سے پڑھوایا کرتے تھے اور اپنی وفات کی سال میں اُسکو دو مرتبہ پڑھوایا تھا اور عبداللہ دونوں مرتبہ حاضر تھے اور جو چیز کہ منسوخ ہوئی تھی اور جس چیز میں ترمیم ہوئی تھی اُسکو مشاہدہ کیا تھا"

اس روایت کے اخیر حصہ کی کوئی معتبر سند نہیں ہے اور نہ ہم اسکو کسی مستند اور صحیح حدیث میں پاتے ہیں اور اگر بالفرض وہ واقدی میں موجود بھی ہو جس ہیں کہ ہمکو ہمیشہ شک رہیگا تب بھی وہ اعتبار کی مستحق نہیں ہے کیونکہ تمام نامعتبر اور بے سند روایتیں جو واقدی میں ہیں تمام مورخ کے قصہ لاالہ رخ سے کچھ زیادہ اعتبار کی مستحق نہیں ہیں۔ اور اگر ہم صرف بغرض اتمام حجت اُس کی اصلیت تسلیم کرلیں تو بھی سر ولیم میور کا فرض کیا ہوا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید میں شاید بعض ایسی آیتیں نہ موجود ہوں جو ایک زمانہ میں نازل ہوئی ہوں مگر بعد کو منسوخ یا ترمیم ہوگئی ہوں" کیونکہ ثابت ہوتا ہے۔ باقی رہی یہ آیت کہ "ماننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا اومثلھا" اسپر ہم پہلے بحث کرچکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ وہ شریعت یہود سے علاقہ رکھتی ہے نہ آیات قرآن سے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیوں کے ضمن میں بعض روایات کو قرآن مجید کی آیتوں کے اصلاح یا عدم اندراج کی تمثیلات کے طور پر نقل کرتے ہیں

اول بیر معونہ کی روایت کو لکھا ہے کہ "بیر معونہ پر ستر مسلمانوں کے شہید ہونے پہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اللہ تعالی کی وساطت سے ان لوگوں کے پیغام کے پہونچنیکا دعوی کیا جسکو مختلف راویوں کے (کسی قدر اختلاف کے ساتھ) اس طرح پر نقل کیا ہے" بلغوا قومنا عنا انا لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنہ" (کاتب الواقدی) تمام مسلمان اسکو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اسکے بعد یہ منسوخ یا خارج کردی گئی

اول تو اس روایت کی صحت ہی میں کلام اور انکار ہے۔ مزید براں سر ولیم میور کا یہ فرضی بیان کہ" تمام مسلمان اسکو کچھ مدت تک آیت قرآنی کے طور پر پڑھتے رہے اس کے بعد یہ منسوخ یا خارج کردی گئی" محض بے بنیاد ہے اور کسی معتبر اور مستند روایت میں پایا نہیں جاتا

اور اگر بالفرض ہم اُسکو صحیح تصور کریں تو اسکا نتیجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غلطی سے وحی غیر متلو یعنی حدیث کو وحی متلو یعنی قرآن سمجھا تھا اور درحقیقت وہ قرآن کی آیت نہ تھی۔

دوسری روایت سر ولیم میور نے متعلق احکام زنا کے جو ہے کہ "عمر کی نسبت کہا گیا ہے کہ اپنی خلافت میں اہل مدینہ سے اس طرح گفتگو کی۔ اے لوگوں اس بات کی احتیاط رکھو کہ اس آیت کو نہ بھول جاؤ جو زنا کی نسبت سنگساری کا حکم دیتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دو سزاؤں کو یعنی بیاہے اور بے بیاہے اشخاص کے زناکاری کی بابت کتاب اللہ میں نہیں پاتے ہیں تو اُسکا میں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں نے پیغمبر صاحب کو زنا کی پاداش میں سنگسار کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اسی پر ہم نے اُنکے بعد عملدرآمد کیا ہے اور واللہ اگر یہ امر مانع نہ ہوتا کہ لوگ کہینگے کہ عمر نے ایک نئی بات قرآن میں درج کردی تو میں نے اُسکو قرآن میں درج کردیا ہوتا کیونکہ میں نے بہ تحقیق اس آیت کو پڑھا ہے کہ" والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ،" (کاتب الواقدی اور ولیس)

اول تو اس بیان میں جو واقدی نے لکھا ہے اصلی حدیث کی غلط بیانی اور غلط نمائی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ فقرہ کہ" والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ" اصل حدیث میں نہیں ہے اور نہ اس بات کی کوئی سند ہے کہ کبھی مسلمانوں نے اُسکو قرآنی آیت سمجھا ہو دوسرے اس فقرہ کی عبارت ایسی ناقص اور خراب ہے کہ قطع نظر عربوں سے کوئی عجمی ادنی درجہ کا عربی داں بھی اُسکو نہ کہے گا چہ جائے اسکے کہ وہ خدا کا کلام ہو۔ مگر ہم اس امر کو ابتدا سے بیان کرینگے اور اس بیان کے اثنا میں اصلی حدیث کو بھی نقل کرینگے جس سے ثابت ہوگا کہ عربی فقرہ مذکورہ بالا اس میں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں زنا کی سزا یہ ہے۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کریں تو اُنپر چار گواہ لاؤ

واللاتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا پس اگر وہ گواہی دیں تو اُن کو گھروں میں روک
علیھن اربعة منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت رکھو یہانتک کہ وہ اپنی موت سے مریں یا خدا
حتی یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا (سورۂ نساء آیت ۱۹) اُن کے لیئے کوئی راہ نکالے۔

دوسری آیت جس میں زنا کی سزا کی تفصیل ہے وہ یہ ہے۔

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة (سورۂ نور آیت ۲) زانیہ اور زانی ہر ایک کو اُن میں سے سو کوڑے مارو

بعد اسکے پیغمبر خدا نے زنا کے بارے میں اس طرح فرمایا جو ذیل کی روایت میں بیان ہوا ہے

عن عبادة بن الصامت قال قال خذوا عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ کہا لو مجھ سے۔ خدا نے
عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا الثیب بالثیب اُنکے لیئے رستہ نکالا ثیب ثیب کے ساتھ اور باکرہ باکرہ
والبکر بالبکر الثیب جلد مائة ثم رجم بالحجارة کے ساتھ ثیب کو سو کوڑے مارے جاوینگے پھر سنگسار کیا
والبکر جلد مائة ثم نفی سنة (مسلم جاتا ہے۔ اور باکرہ کو سو کوڑے مارے جاینگے پھر ایک برس
باب حد الزنا)۔ جلاوطن کر دینا ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خود پیغمبر صاحب نے یہودی مرد اور عورت کو جو زناکاری
کے مجرم قرار پائے تھے یہودی شریعت کے موافق سنگسار کرنے کی اجازت دی تھی اور اگر
یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہودی کے سوا اور کسی کو بھی آنحضرت نے سنگسار کیا تھا تو بھی اس بات کا
ثابت کرنا غیر ممکن ہے کہ بعد نزول اُس آیت کے جس میں زنا کی سزا کا حکم ہے آنحضرت نے
ایسا حکم دیا ہو۔ اسی طرح مسلم کی اُس حدیث کی نسبت جو اوپر مذکور ہے ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ
حدیث سورہ نور کی آیت کے بعد کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد زنا کی سزا کی نسبت اختلاف رائے
ہوا جسکا ہونا ضرور تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں اور ایک حدیث کی بنا پر جو اوپر

مذکور ہوئی میں تین مختلف رائیں پیدا ہوئیں۔

اول۔ سورہ نسا کی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ انکو اپنے مکانوں سے باہر نہ جانے دو یہانتک کہ موت انکو سکانے لگائے یا اللہ تعالیٰ اُن کے واسطے کوئی سبیل نکالدے۔ اس آیت کے اخیر لفظوں سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ سبیل یہی ہے جو مسلم کی حدیث میں بیان ہوئی ہو کہ بیاہے ہوئے اشخاص کو بجرم زنا سو درے لگانے چاہئیں اور سنگسار کرنا چاہیئے اور کوارے شخصوں کو سو درے لگانے چاہئیں اور ایک سال کیواسطے جلاوطن کردینا چاہیئے۔ کچھ عجب نہیں ہے کہ لوگوں نے اس حکم کو ایک جزو قرآن سمجھا ہو۔

دوم۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ سورہ نسا کی آیت سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے اور زنا کی سزا خواہ اسکا مرتکب کوئی بیاہا ہوا شخص ہو خواہ کوارا سو درے قرار پائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم کی حدیث کی کچھ وقعت نہیں کی اور اُس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ محقق نہیں ہے کہ وہ قول آنحضرت کا جو مسلم کی حدیث میں ہی سورہ نور کی آیت کے بعد کا ہے (۲) یہ کہ جب تک کسی امر میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو آنحضرت یہود کی شریعت کے موافق عمل فرمایا کرتے تھے اور اس لئے مسلم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوسکتی۔

سوم۔ بعض لوگ اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے کہ سورہ نسا کی آیت تو سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہوگئی ہے مگر چونکہ سورہ نسا کی آیت میں کوئی قطعی سزا مذکور نہیں ہو اس لئے مسلم کی حدیث میں جو سزا ہے وہ بیاہے ہوئے شخصوں کے لئے سزا ہے اور سورہ نور کی آیت میں جو سزا ہے وہ کوارے لوگوں کے لئے سزا ہے۔ دوی کی بھی اسی قسم کی رائے معلوم ہوتی ہے۔

یہ اختلاف رائے آج تک چلا آتا ہے کیونکہ معتزلی اور خارجی جو مسلمانوں کے دو بڑے

فرقے ہیں اور معتزلی فرقے کے لوگ عربیت میں بہت بڑا عالی درجہ رکھتے ہیں اب بھی یہی کہتے ہیں کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے اور اس خطبہ کے راقم کی بھی گو وہ ان دونوں فرقوں سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے بلکہ سنی مذہب کی بھی یہی راے ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر وہ راے رکھتے تھے جسکا ہم نے تیسری قسم میں بیان کیا ہے اور اسلیے جبکہ وہ مسند آراے خلافت ہوئے تو اکثر اشخاص کے سامنے یہی بیان کیا اور شاید اپنی تمام سلطنت میں یہی حکم دیا ہو۔

واقدی نے اس حدیث کو زیادہ افراط و تفریط کے ساتھ لکھا ہے اور سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں اسکو بجنسہ نقل کیا ہے۔ اصل حدیث جو مسلم میں منقول ہے ہم ذیل میں معہ ترجمہ کے لکھتے ہیں۔

قال عمر بن الخطاب وهو جالس على منبر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله بعث محمدا صلى الله عليه وآله وسلم بالحق انزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله عليه اية الرجم قرانا ها وعينا ها وعقلنا ها فرجم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالناس زمان ان يقول قايل ما نجد الرجم في كتاب الله تعالى فيضلوا بترك فريضة انزلها الله وان الرجم في كتاب الله حق	عمر بن الخطاب نے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق بھیجا۔ انپر مقرر کیے ہوے حکم اتارے سو ان چیزوں میں سے جو انپر اللہ نے اتاریں رجم کا حکم تھا۔ ہم نے اسکو پڑھا اور متعین کیا اور خیال کیا۔ سو رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے انکے بعد رجم کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ زیادہ زمانہ گذرجانے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے مقرر کیے ہوے احکام میں نہیں پاتے ہیں تو گمراہ ہونگے اس فرض کے چھوڑنے سے جسکو خدا نے اتارا اور رجم حق ہی خدا کے

علی من زنا اذا احصن من الرجال	مقرر کیئے ہوئے حکم ہیں اُس شخص پر جسنے زنا کیا ہو اور
والنساء اذا قامت البینۃ او کان	بیاہا ہوا ہو۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل
الحبل او الاعتراف (مسلم باب	قائم ہو جاوے یا حمل رہ گیا ہو یا خود انکو اقرار ہو۔
حد الزنا)۔	(مسلم باب حد الزنا)
اما قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقد	لیکن آنحضرت کا قول کہ "خدا نے اُنکے لیئے رستہ نکالا"
جعل اللہ لھن سبیلا فاشارۃ الی قول	اللہ کے اس قول کی طرف "فامسکوھن فی البیوت
اللہ تعالی فامسکوھن فی البیوت حتی	حتی یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا" یعنے
یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا	پس انکو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ موت انکو
فبین النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذا ھو	اُٹھا لے یا خدا اُنکے لیئے رستہ نکالے۔ اشارہ ہے پس
ذلک السبیل واختلف العلماء فی ھذہ	نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس رستہ کا بیان کردیا
الآیۃ فقیل ھی محکمۃ وھذا الحدیث	اور عالم لوگ مختلف ہوئے ہیں۔ اس حکم میں پس کہا گیا
مفسر لہا وقیل منسوخۃ بالآیۃ التی فی	کہ وہ محکم ہے اور یہ حدیث اُسکی مفسر ہے۔ اور کہا گیا کہ
اول سورۃ النور وقیل ان آیۃ النور	وہ منسوخ ہے اُس حکم سے جو سورۂ نور کے اول میں ہے
فی البکرین وھذہ الآیۃ فی الثیبین	اور کہا گیا کہ "نور" کا حکم باکرہ کے باب میں ہے اور یہ
(نووی)	حکم ثیبہ کے باب میں ہے۔ (نووی)
قولہ فکان مما انزل اللہ علیہ آیۃ الرجم	حضرت عمر کا یہ قول کہ "اُن چیزوں میں سے جو خدا نے
قرأناھا ووعیناھا وعقلناھا۔ اراد بہ	اُتاریں رجم کا حکم تھا ہم نے اُسکو پڑھا اور تعین کیا اور
آیۃ الرجم "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا	خیال کیا" اس سے مراد رجم کا یہ حکم ہے "الشیخ والشیخۃ
فارجموھما البتۃ" (نووی)	اذا زنیا فارجموھما البتۃ" (یعنی جب بوڑھا اور بوڑھی

وفی ترک الصحابۃ کتابۃ ھذہ الآیۃ	زنا کریں تو انکو ضرور سنگسار کرو) (نووی) اور صحابہ نے
دلالۃ ظاہرۃ ان المنسوخ لا	جو اس حکم کا لکھنا چھوڑ دیا تو اس بات کی صاف دلیل
یکتب فی المصحف (نووی)	ہے کہ منسوخ قرآن میں نہیں لکھا جاتا (نووی) حضرت
قولہ فاخشی ان طال بالناس زمان	عمر کا یہ قول کہ "میں ڈرتا ہوں کہ جب زیادہ زمانہ
ان یقول قایل ما نجد الرجم فی	گذر جاے تو کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو خدا کے
کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ	مقرر کئے ہوئے حکم میں نہیں پاتے پس لوگ گمراہ ہو جائیں
ھذا الذی خشیۃ قد وقع من	ایک فرض کے چھوڑنے سے" یہ ڈر جو حضرت عمر کو
الخوارج ومن وافقھم	تھا خارجیوں و اُنکے موافقوں سے اُس کا ثبوت
(نووی)	بھی ہو گیا (نووی)
واجمع العلماء علی وجوب جلد	اور اجماع کیا ہے عالموں نے اسپر کہ جو زانی بکر ہو
الزانی البکر مائۃ ورجم المحصن	اُسکو کوڑے پیٹنا واجب ہی اور بیاہا ہوا اور ثیب ہو
وھو الثیب ولم یخالف فی ھذا	اسکو سنگسار کرنا واجب ہی۔ اور اس امر میں اہل قبلہ
واحد من اھل القبلۃ الاما حکی	میں سے ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا سوائے
القاضی عیاض وغیرہ عن الخوارج	اُسکے کہ قاضی عیاض وغیرہ نے خارجیوں اور بعض
وبعض المعتزلۃ کالنظام واصحابہ	معتزلہ سے جیسے نظام اور اُسکے متبعین سے نقل کیا
فانھم لم یقولوا بالرجم (نووی)	ہے کیونکہ یہہ لوگ رجم کے قایل نہیں ہیں۔ (نووی)

اس ترجمہ میں ہم نے لفظ "آیت" اور "کتاب" کے ترجمہ میں "حکم" کا لفظ مستعمل کیا ہے ہم اس باب میں بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ الفاظ خود قرآن مجید و احادیث میں ان معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں مگر ہمارا مخالف اس ترجمہ پر معترض ہونیکا مجاز ہے اور

کہ سکتا ہے کہ الفاظ "آیت" اور "کتاب" ہی کیوں نہ مستعمل کئے ایسلئے ہم دوسرا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں "آیت" کا ترجمہ "آیت" اور "کتاب" کا ترجمہ "قرآن" کیا ہے۔ اس ترجمہ کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہوگا کہ اگر اس طرح پر ترجمہ کیا جاوے تو حدیث کیسی مہمل اور بےمعنی ہو جاتی ہے۔

دوسرا ترجمہ

عمر بن الخطابؓ نے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تھے یہ کہا کہ اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحق بھیجا اور ان پر قرآن اتارا۔ سو اُن چیزوں میں سے جو اُنہُ اللہ نے اتاریں رجم کی آیت تھی۔ ہم نے اُسکو پڑھا اور تعین کیا اور خیال کیا۔ سو رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے اُنکے بعد رجم کیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ زیادہ زمانہ گذر جائے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم رجم کو قرآن میں نہیں پاتے پس تو گمراہ ہونگے اُس فرض کے چھوڑنے سے جسکو خدا نے اُتارا اور رجم حق ہے قرآن میں اُس شخص پر جس نے زنا کیا ہو اور بیاہا ہوا ہو۔ مردوں اور عورتوں میں سے جب دلیل قائم ہو جائے یا حمل رہ گیا ہو یا خود انکو اقرار ہو۔ (مسلم)

کیا اس حدیث کے یہ دو فقرے کہ "ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے" اور یہ فقرہ کہ "بیشک رجم قرآن میں ہے" ایک دوسرے کے نقیض نہیں ہیں؟

اس لفظی بحث کو چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ عبارت جسکو سر ولیم میور واقدی سے نقل کرنا بیان کرتے ہیں کہ "اور واللہ اگر یہ اندیشہ نہوتا کہ لوگ کہوینگے کہ عمر نے ایک نئی چیز قرآن میں درج کردی تو میں اُسکو قرآن مجید میں درج کر دیتا کیونکہ بہ تحقیق میں نے اس آیت کو سنا ہے، والشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ"۔

اپنی تصنیفات کا حجم بڑھانے کی نیت سے اور نیز اپنی کمال آگہی کی غرض سے ہمارے مفسرین اور اہل سیر نے تمام مہمل اور بیہودہ افسانوں کو جو عوام الناس میں مشہور تھے بکمال آرزو جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ تمام محققین مسلمان انکو محض مہمل تصور کرتے ہیں اور اسلام انکو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

نووی مسلم کی شرح میں لکھتا ہے کہ لفظ "حکم" سے جس کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے منجملہ ان احکامات کے جو پیغمبر خدا پر نازل ہوئے تھے آیت رجم بھی تھی اور ہم نے اس آیت کو دیکھا پڑھا اور سمجھا تھا اور وہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ ہے۔ اسکے بعد نووی یہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ کا قرآن مجید میں کہیں پتہ نہیں ہے اس لیئے تیقن کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں کی گئی تھیں مگر ہر ذی فہم شخص سمجھتا ہے کہ نووی کا یہ بیان نہ تو کوئی حدیث نبوی ہے اور نہ کوئی حکم مذہبی ہے بلکہ ایک مفسر کی محض رائے ہے۔ معہذا یہ رائے بھی تسکین بخش نہیں ہے کیونکہ اُس پر یہ اعتراض عائد ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ نووی نے اس امر کے ثبوت کی کوشش ہی نہیں کی کہ آیت مذکورہ درحقیقت قرآنی آیت تھی۔ (۲) یہ کہ وہ اسبات کی بھی کوئی دلیل نہیں پیش کرتا کہ حضرت عمر کی مراد اسی آیت سے تھی۔ (۳) اُسنے ان دونوں باتوں کو بلا دلیل غلطی سے صحیح تصور کر کے یہ نتیجہ باطل مستنبط کیا ہے کہ آیات منسوخ شدہ قرآن مجید میں درج نہیں ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ ہماری اکثر کتب سیر و تفاسیر ایسی ہی روایات اور احادیث سے مملو ہیں جو مفروضات باطل پر مبنی ہیں اور بجز مصنف ہی کے قیاسات کے اور کسی چیز سے اُن کی تائید نہیں ہوتی۔ عیسائی مصنف اُن کی تحقیق سے ناواقف ہوتے ہیں اور اُن کو صحیح

حدیثیں تصور کر لیتے ہیں اور بکمال شوق اسلام کی نسبت بے اصل الزامات انپر مبنی کرتے ہیں۔ اس مقام پر ہمکو اس امر سے کہ رجم کا حکم اسلام میں ہے یا نہیں زیادہ بحث نہیں ہے۔ بحث صرف اسقدر ہے کہ جسکو آیت رجم کہا جاتا ہے وہ کبھی قرآن کی آیت نہیں تھی اور نہ کبھی قرآن مجید سے خارج کی گئی تھی۔

آیتوں کے اخراج اور عدم اندراج کی بابت سر ولیم میور نے تیسری مثال مارکسی کی نقل کی ہوئی روایت بیان کی ہے جو سونے کی گھاٹی کے باب میں تھی اور جو قرآن میں مندرج ہونے سے رہ گئی ہے۔ چوتھی تمثیل میں وہ عبداللہ ابن مسعود کے اس قصہ کو پیش کرتے ہیں جسمیں کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رات کو اپنے ورقوں میں سے ایک آیت کو غایب پایا۔ پانچویں تمثیل میں اس آیت کا ذکر کرتے ہیں جو کہ معبودان مجازی کے بارہ میں تھی لیکن ہم اُن کے نہایت شکرگذار ہیں کہ انہوں نے خود یہ بات لکھکر کہ یہ سب روایتیں غلط اور موضوع ہیں اس جھگڑے کو چکا دیا ہے۔ پس ہمکو مردے کے مارنے کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔

تمت

فی

احوال بیت اللہ الحرام و السوانح اللتی مضت فیہا قبل الاسلام

ان اول بیت وضع للناس ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین

عرب کے ملک میں جو نہایت قدیم روایت اُس زمانہ سے جبکہ قرآن مجید کا ذکر بھی نہ تھا برابر چلی آتی ہے اور جسکو عرب کی تمام قومیں بغیر کسی شبہ اور اختلاف کے پشت در پشت مانتی چلی آتی ہیں اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیل اُن کے شریک تھے۔

قرآن مجید میں اس گھر کے بننے کی جو خبر آئی ہے وہ بھی اسیقدر ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (سورہ بقر آیت ۱۲۱)	جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے اس گھر کی بنیادیں اُٹھائیں تو اُنہوں نے یہ دعا مانگی کہ اے ہمارے پروردگار اس گھر کو ہم سے قبول کر بے شک تو اس دعا کو سنتا اور دلی نیت کو جانتا ہے“

اس دعا سے جو اُسکے بنانے والوں نے کی اور قرآن مجید کی اور بہت سی آیتوں سے جو اسکے بعد ہیں بخوبی ظاہر ہے کہ یہ خدا کے واسطے یعنی اُس کی عبادت کے لیئے بنایا گیا تھا

جیسیکہ اس زمانہ میں لوگ مسجد بناتے ہیں۔

قرآن مجید میں کعبہ کو بالتصریح مسجد کہا گیا ہے۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ

ان المشرکین نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا (سورۂ توبہ آیت ۲۸) مشرک ناپاک عقیدہ کے ہیں وہ اس برس کے بعد سے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) کے پاس نہ آویں۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ (سورۂ فتح آیت ۲۷) اور ایک اور جگہ خدا نے فرمایا کہ "خدا نے اپنے رسول کو یہ سچا خواب دکھایا بالکل ٹھیک کہ بے شک تم داخل ہوگے اس بزرگ مسجد (یعنی کعبہ) میں انشاء اللہ۔

جس زمانہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُس زمانہ میں کعبہ کے گرد وہ مکانات نہیں تھے جو اب ہیں اور جو حرم کہلاتے ہیں اور جنکا مطلب یہ ہے کہ مسجد داخل حد حرم ہے لیکن خاص کعبہ وہ مسجد ہے جس کو حضرت ابراہیم نے بنایا اور اُسی خاص عمارت کو قرآن مجید میں مسجد الحرام کہا ہے۔

قرآن مجید میں کوئی خاص زمانہ کعبہ کی تعمیر کا نہیں بتایا ہے صرف دو صفتیں اُسکی بیان ہوئی ہیں ایک "بیت العتیق" یعنے نہایت پُرانا قدیم گھر دوسرے "اول بیت وضع للناس" یعنی سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لیے خدا کی عبادت کرنے کو بنایا گیا۔ جس قاعدہ پر حال کے زمانہ کے مورخ پرانے زمانہ کا حساب لگاتے ہیں اُس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سنہ کی بیالیسویں صدی میں یعنی حضرت عیسیٰ سے انیسویں صدی ماقبل میں کعبہ بنا تھا پس اگر اسی حساب کو صحیح مانا جاوے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جہانتک کہ اُسکا حال معلوم ہوا ہے کعبہ سے پہلے کوئی گھر خدا کی عبادت کے لیئے نہیں بنایا گیا تھا۔ بلکہ سب سے اول کعبہ بنا تھا۔

ہم صرف عرب کی روایت اور قرآن مجید کی آیت ہی کو اس بات کے ثبوت کے لیئے کہ کعبہ حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا ہے پیش کرنے پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے بلکہ اُسکے ثبوت کیلئے

ایسی دلیلیں بھی ہیں جو واقعی ایک حقیقت ہیں اور جنکو اُن لوگوں نے لکھا ہے جنکو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا چنانچہ امر مذکورہ کا ثبوت مفصلہ ذیل مقدمات کے ملانے اور اُنسے نتیجہ نکالنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔

مقدمہ اوّل ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اسی نواح میں یعنی حجاز میں بسایا جہاں اب کعبہ ہے

ہم اسکے ثبوت کے لیئے ایسی مذہبی یا تاریخی روایتوں پر جو متنازعہ فیہا ہیں اور جنکے الفاظ کے معنی یا مصداق پر بحث ہو توجہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ ایسے واقعات پر استدلال کرتے ہیں جو سبکو تسلیم ہیں یا جو جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت ہوے ہیں اور اُنکو ایسے لوگوں نے تحقیق کیا ہے جنکو اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے (۱) نبایوث، (۲) قیدار، (۳) ادبئیل (۴) مبسام، (۵) مشماع، (۶) دوماہ، (۷) مسا، (۸) حدر، (۹) تیما (۱۰) یطور، (۱۱) نافیس، (۱۲) قیدماہ، اور یہ سب حجاز میں آباد تھے جہاں مکّہ ہے

پہلا۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمالی مغربی حصہ میں آباد ہوا۔ ریورنڈ گاڈری پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اُسکا نشان ۲۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۶ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے۔

دوسرا۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا ریورنڈ مسٹر فاسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہے جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اسکا حال کے جغرافیہ میں شہر الحدر

اور نیت سے پایا جاتا ہے جو اصل میں الیقدار اور نبایات ہیں اہل عرب کی یہ روایت کہ قیدار اور
اُس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اُس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ عہد عتیق میں قیدار
کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے دوسرے یہ کہ یہ بات بخوبی ثابت
ہے کہ یورنیس اور بطلیموس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں گیدری
یعنی قیدری دری یعنی مخفف قیدری اور گدر. ناتی یعنی قیداری کدریتی یعنی قیدری چنانچہ
اسکا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں مندرج ہے پس بخوبی ثابت ہو کہ قیدار حجاز میں آباد تھا

ریورنڈ کاٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ
عرض شمالی و ۳۴ و ۳۶ درجہ طول شرقی کے درمیان لگایا ہے۔

تیسرا۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا ادبیل ہے بموجب سند جوزیفس کے ادبیل بہی اپنے اُن
دونوں بہائیوں کے ہمسایہ میں آباد ہوا تہا۔

چوتھا۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مبسام ہے مگر اُس کی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مشماع ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر کا یہہ قیاس صحیح ہو کہ عبرانی
میں جسکو مشماع لکہا ہے اُسی کو یونانی ترجمہ سپٹواجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسمان و بطلیموس
نے مسمیز لکہا ہے اور عرب میں اُسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچہ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا
قریب نجد کے اولاً آباد ہوا تہا۔

چھٹا۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا دوماہ تہا مشرقی اور مغربی جغرافیہ داں قبول کرتے ہیں کہ
یہ بیٹا تہامہ میں آباد ہوا تہا۔

ساتواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مسا تہا ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا مسوپوٹمیا
ٹمیا میں آباد ہوا مگر یہہ صحیح نہیں ہے کچہ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا

اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے ریورنڈ گاڑی پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے۔

آٹھواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا حدر تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اُسکا نام ہے یمن میں شہر حدیدہ اب تک اسی کا مقام تبلا رہا ہے اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اُسی کے نام کو یاد دلاتی ہے زہیری مورخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فاسٹر بھی اُسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

نواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا تیما تھا ان کی سکونت کا مقام نجد ہوا بعد رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہنچ گئے۔

دسواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا یطور ہے ریورنڈ مسٹر فاسٹر بیان کرتے ہیں کہ اسکا مسکن جدور میں تھا جو جبل کیسرنی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے۔

گیارہواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نافیش تھا ریورنڈ مسٹر فاسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عربیا ڈزرٹا میں اُن کی نسل اسی نام سے آباد تھی۔

بارھواں۔ بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدماہ تھا انھوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی غرض کہ اہل جغرافیہ کی تحقیقاتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل اور اُن کی اولاد کا مسکن حجاز تھا

مقدمۂ دوم حجراسود اور قربانی کی رسم کو اور کعبہ کا بیت اللہ نام ہونے کو خاص ابراہیم سے تعلق ہے

خود حضرت ابراہیم اور تمام اُن کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لمبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیتے تھے اور اُسکو مذبح یعنی قربانی گاہ اور بیت اللہ

قرار دیتے تھے اور وہاں خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اُسکے نام پر قربانی کرتے تھے پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ پتھر اور قربانی اور بیت اللہ نام رکھنے کی رسم ابراہیم سے چلی آتی ہے توریت مقدس سے جس کی قدامت میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا ثابت ہوتی ہے۔

کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہے کہ "تب خداوند نے ابراہام کو دکھلائی دیکر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا اور اُسنے وہاں خداوند کے لیئے جو اُسپر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا" اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اُسکو موسوم کیا۔

اسی کتاب کے تیرہویں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ بلوطستان ممری میں جو حبران میں ہے ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا۔

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہے کہ خدا کے لئے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اسکو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا۔

یہ طریقہ اُن کی اولاد میں بھی جاری تھا چنانچہ کتاب پیدایش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ بیر شبع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا اور اُسنے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اُسکو موسوم کیا۔

اب ہمکو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا اس کی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے۔

کتاب خروج باب ۲۵ میں لکھا ہے کہ اگر میرے لیئے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسکو اوزار لگاویگا تو اُسے ناپاک کریگا۔

اور اسی کتاب کے باب ۲۴ ورس ۴ میں لکھا ہے کہ اور موسی نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے اٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے

اور کتاب پیدائش باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ "یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اُسنے اپنا تکیہ کیا تھا ایک ستون کی مانند کھڑا کیا اور اُسکے سر پر تیل ڈالا

اور اس مقام کا نام بیت ایل یعنے بیت اللہ خدا کا گھر رکھا

اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنی بیت اللہ ہوگا۔

ان آیتوں سے بخوبی ثابت ہی کہ ابراہیم اور اُس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے مذبح ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر بناتے تھے کبھی اُس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اُسکو بیت اللہ کہتے تھے۔

بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لمبا پتھر ہے۔ پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اُسکے کونہ میں اُسکو لگا دیا۔

توریت میں صرف بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں اور بنی اسمٰعیل کا اُس میں ذکر نہیں ہی مگر ملکی روایتوں یا جاہلیت کے اشعار میں اُنکا ذکر پایا جاتا ہے۔ ازرقی کی کتاب اخبار مکہ سے پایا جاتا ہے کہ بن گھڑا پتھر کھڑا کر کر خدا کی عبادت گاہ بنانا صرف بنی اسرائیل ہی میں نہ تھا بلکہ بنی اسمٰعیل میں بھی بکثرت رائج تھا۔

چنانچہ اُسنے لکھا ہے کہ "بنی اسمٰعیل و جرہم جو مکہ میں رہتے تھے وہاں رہنے کی اُنکو گنجایش نہ رہی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پڑے پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ

ان بنی اسمٰعیل وجرھم من ساکنی مکة ضاقت علیھم فتفسحوا فی البلاد والتمسوا المعاش لیزعمون ان اول

فکانت عبادة الحجارة فی بنی اسمعیل انه کان لا یظعن من مکة ظاعن منهم الا حملوا معهم من حجارة الحرم تعظیما للحرم وصبابة بمکة وبالکعبة حیث ما حلوا وضعوه فطافوا به کالطواف بالکعبة حتی سلخ ذلک بهم الی ان کانوا یعبدون ما استحسنوا من الحجارة واعجبهم من حجارة الحرم خاصة حتی خلفت الخلوف بعد الخلوف ونسوا ما کانوا علیه استبدلوا بدین ابراهیم واسمعیل غیره فعبدوا الاوثان (صفحہ ۷۲)

اور لا پتھر کا پوجنا بنی اسمعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب اُن میں سے کوئی مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا حرم کو بزرگ سمجھکر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اُترتے تو اُس پتھر کو رکھ لیتے اور اُسکے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے پھر اسکی یہاں تک نوبت پہنچگئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے اسی طرح پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور بھول گئے جو بات پہلی تھی اور ابراہیم اور اسمعیل کے دین کو بدلدیا اور بتوں کو پوجنے لگے۔

مسلمانوں کی کتابوں میں اس پتھر کی نسبت نہایت قصہ آمیز روائتیں لکھی ہیں اور ترمذی اور ابن ماجہ و دارمی میں بھی چند عجیب عجیب روائتیں آئی ہیں جیسا کہ یہ پتھر نہایت پرانا ہے اور حضرت ابراہیم کے ساتھ منسوب ہونے سے قدیمی ہونے پر تقدس اور زیادہ ہو گیا ہے ویسی ہی لوگوں نے اس کی نسبت جیسا کہ پرانی باتوں کی نسبت دستور ہے قصہ آمیز اور تعجب انگیز روائتیں بنا لیں ہیں۔ قرآن مجید میں اس پتھر کا مطلق ذکر نہیں ہے اگر درحقیقت وہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ روایتوں کے بنانے والوں نے بیان کیا ہے تو ممکن نہ تھا کہ باوجودیکہ قرآن مجید میں کعبہ کے بننے کا ذکر ہے اور اس پتھر کا ذکر نہ کیا جاتا جس قدر روائتیں اس پتھر کی نسبت آئی ہیں سب مجروح اور مرجوح ہیں اور کسی کی سند قابل اعتبار کے نہیں ہے اور نہ اُنکا سلسلہ درستی اور صحت سے رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے مگر اُن روایتوں کا خلاصہ بیان کرنا

خصوصاً انکا جو ترمذی و ابن ماجہ و دارمی میں ہیں خالی از لطف نہوگا۔

روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ یہہ پتھر حضرت جبریل بہشت سے لاے تہے اور وہ اوّل اول دودہ کی مانند سفید تہا لیکن انسان کے گناہوں نے اُسے سیاہ کردیا" ایک روایت کا یہہ مضمون ہے کہ وہ بہشت میں کے جواہرات میں کا ایک لعل بے بہا ہے خدا نے اُسکی چمک دمک لے لی ہے اگر نہ لیتا تو تمام دنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک منور ہو جاتی" ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اُس پتہر کے دو آنکہیں اور ایک زبان ہوگی جنکے ذریعہ سے وہ اُنکو پہچان لیگا اور اُنکے نام بتا دیگا جنہوں نے اس دنیا میں اسکو بوسہ دیا ہے" ایک لامذہب نے اس روایت کو سُنکر کہا کہ جب دنیا میں اُس کی آنکہیں نہیں ہیں تو قیامت میں آنکہیں ملنے سے وہ کیونکر شناخت کرلیگا۔ ایک احمق مسلمان نے جواب دیا کہ خدا کی قدرت سے۔ لامذہب بولا کہ تو پہر آنکہیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بالفرض اگر کوئی ان روایتوں کو صحیح تسلیم کرے تو اُنکے الفاظ کے لغوی معنی نہیں لیے جاوینگے بلکہ اُن کو بطور استعارہ قرار دیا جاویگا اور اس صورت میں اُن کا مقصود یہہ ہوگا کہ کسی آدمی کے افعال جو اُسنے دنیا میں کیے ہیں قیامت میں پوشیدہ نہیں رہینگے اس قسم کے مضامین کو استعارہ میں بیان کرنے سے مقصود یہہ ہوتا ہے کہ عام لوگ اُسکو بآسانی سمجھ لیتے ہیں جیسیکہ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے ہاتھ گواہی دینگے کہ اُسنے اُن سے کیا کیا ہے اور اُس کی زبان اُن سب باتوں کو بیان کریگی جو اُسکے ہونٹوں سے نکلی ہیں اور جس زمین پر وہ اترا اترا کر غرور و تکبر کی چال سے چلا تہا وہ اُس کی گواہی دیگی ان سب روایتوں کا مطلب یہہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر ایک کام خدا سے مخفی نرہیگا اگرچہ اب بہی مخفی نہیں ہے۔ مگر اصل بات یہہ ہے کہ ان میں سے ایک روایت بہی صحیح نہیں اور ان موضوع روایتوں نے ایسی خرابی ڈالدی ہے کہ اصلی اور صحیح بات بہی تاریکی میں پڑگئی ہے۔ مگر ازرقی نے ایک روایت کتاب اخبار مکہ

میں لکھی ہے اگر اُسکے زوائد اور مبالغہ آمیز باتوں سے جو اُس میں شامل ہیں قطع نظر کی جاوے تو اُس سے اصلیت اُس کی کسی قدر معلوم ہوتی ہے بعد ایک قصہ بیان کرنے کے اُسمیں لکھا ہے

وکان اللہ عزوجل استودع الرکن ابا قبیس حین غرق اللہ الارض زمن نوح وقال اذا رایت خلیلی مبنی بیتی فاخرجہ لہ الخ (کتاب اخبار مکۃ صفحہ ۲۲)

کہ حجر اسود کو اللہ تعالے نے طوفان نوح کے زمانہ میں ابو قبیس پہاڑ کو سپرد کر دیا تہا اور اسکو سمجہا دیا تہا کہ جب تو میرے خالص دوست یعنی ابراہیم کو دیکھے کہ وہ میرا گھر بناتا ہے تو اس پتہر کو نکال دیجیو۔

ہر ایک شخص اس روایت سے سمجہ سکتا ہے کہ صحیح بات صرف اسقدر ہے کہ یہ پتہر جبل ابو قبیس کا جو مکہ کے پاس ہے ایک پتہر ہے حضرت ابراہیم نے مثل اپنی عادت اور طریقہ کے اول اس پتہر کو بطور مذبح کے کہڑا کیا جب انکی اولاد یہاں مستقل رہنے لگی تو انہوں نے مکان مذبح بہی بنایا اور اُس پتہر کو اُسکے کونہ میں لگا دیا۔

اسی کتاب میں یہہ بہی ایک ٹہیک روایت لکھی ہے کہ " وہ دو دفعہ آتش زدگی میں جلنے کے سبب سے اسقدر کالا ہو گیا ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے زمانہ میں ایک عورت کے ہات سے کعبہ کے پردہ میں خوشبو جلاتے وقت آگ لگ گئی تہی جس کے سبب سے کعبہ اور حجر اسود دونوں جل گئے تہے اور حجر اسود کالا ہو گیا تہا۔ اور ایک دفعہ زمانہ اسلام میں ابن زبیر کے وقت میں کعبہ میں آگ لگی تہی اور حجر اسود جلکر تین ٹکڑے ہو گیا تہا اور ابن زبیر نے اُسکے گرد چاندی کا حلقہ چڑہا دیا تہا۔

وانما شدۃ سوادہ لانہ اصابہ الحریق مرۃ بعد مرۃ فی الجاھلیۃ والاسلام فاما حریقہ فی الجاھلیۃ فانہ ذھبت امراۃ فی زمن قریش تجمر الکعبۃ فاحترقت الکعبۃ واحترق الرکن الاسود واسود وتوھنت الکعبۃ فکان ھو الذی ھاج قریشا علے ھدمھا وبناءھا واما حریقہ فی الاسلام ففی عصر ابن الزبیر ایام حاصرۃ الحصین بن نمیر الکندے احترقت الکعبۃ واحترق الرکن فتفلق بثلاث فلق حتی شعبہ ابن الزبیر بالفضۃ فسوادہ لذلک (صفحہ ۳۲)

یہ پتھر جو کعبہ کے کونہ میں لگایا گیا تھا اُس سے مقصود اُس پتھر کی پرستش نہ تھی بلکہ صرف اسلیئے لگایا گیا تہا کہ کعبہ کا طواف (جسکی حقیقت ہم بیان کرینگے) شروع ہونے اور ختم ہونیکی نشانی ہو چنانچہ کتاب اخبار مکہ ازرقی میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم کو حکم ہوا کہ خدا کا گھر بناوے اور جب وہ بناتے بناتے وہاں پہنچے جہاں اب حجر اسود ہی تو انہوں نے اسمٰعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ وہ لوگوں کے لیئے ایک نشانی ہو اور اُسی سے طواف شروع کیا کریں وہ ایک پتھر لائے ابراہیم نے اُسکو پسند نہیں کیا پھر ابراہیم کو یہ پتھر مل گیا ہے ابراہیم نے (اسمٰعیل کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ پتھر کہاں سے آیا) کہا کہ اُسنے دیا جسنے تیرے پتھر کے بھروسے پر مجھے نہیں کہا۔

حدثنی جدی قال حدثنا سفیان بن عیینة عن مجاهد عن الشعبی قال لما امر ابراهیم ان یبنی البیت وانتهی الی موضع الحجر قال لاسمٰعیل ائتنی بحجر لیکون علما للناس یبتدئون منه الطواف فاتاه بحجر فلم یرضه فاتی ابراهیم بهذا الحجر ثم قال اتانی به من لم یکلنی علی حجرك (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۲۹)

مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن معتضد کے عہد میں جو ۲۹۵ھ ہجری میں خلیفہ ہوا تھا قرامطہ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے تھے مدت بعد لا کر پھر رکھدیا۔

مقدمہ سوم کعبہ بلاشبہ بیت العتیق ہے

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے بھی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گبن جیسا کہ وہ نہایت مشہور مؤرخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے اُسنے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے پہلے کی ہے۔ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈورس یونانی مؤرخ نے تھیمودیت

اور سبین کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جسکے اعلیٰ درجہ کی تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے" اگر ڈایوڈورس کے زمانہ میں کعبہ ایک مشہور معبد تھا جسکے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے تو ہمکو اُس کی اصلیت کو درحقیقت ایک نہایت قدیمی زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیئے۔

سر ولیم میور صاحب اسپر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اُس کے تمام مراسم کی اصلیت ابراہیم و اسمٰعیل سے ہے کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔عرب کی یہہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے بہت مدت پہلے اہل مکہ کی عام رای تھی ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اسکا ذکر نہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو کعبہ کے گرد واقع ہیں ابراہیم و اسمٰعیل سے متعلق کئے جاتے جیسا کہ وہ متعلق کیئے گئے ہیں"۔

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہہ یہاں غلطی کی ہے جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے اُس سے عرب کی اُس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اسبات سے کہ مذہب اسلام سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور اُن تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتی ہیں ابراہیم سے تعلق ہے اُس کی اصلیت وصحت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور بنی جرہم نے اور تمام مختلف عرب کی قوموں نے اُس کو ابراہیم اور اسمٰعیل سے منسوب کیا تھا۔عرب ایک بت پرست قوم تھی اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھا اسلیئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسمٰعیل سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسمٰعیل سے منسوب نہ کرتیں باوجود اس مغایرت و منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اسبات کو تسلیم کرنا کہ کعبہ کو اور اُس کے مراسم کو ابراہیم و اسمٰعیل سے تعلق ہے علانیہ اُس کی صحت

اصلیت کی دلیل ہے نہ اُسکے برخلاف جیساکہ سرولیم میور نے تصور کیا ہے' اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لیئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کے لیئے۔

مقدمہ چہارم سرولیم میور کے اعتراضوں کی تردید

سرولیم میور نے اپنی کتاب مسمی لیف آف محمدؐ میں بلا کسی دلیل اور بغیر کسی ثبوت کے ان تمام واقعات سے جنکے کسی مورخ نے انکار نہیں کیا انکار کیا ہے اور ایک خیالی اور فرضی بات کو جو اُن کے دل میں آئی حقیقت واقعہ قرار دیا ہے جس کی تردید ہم کرنا چاہتے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ سرولیم میور نے اپنے خیال کی فرضی سچائی قائم کرنے کو جو فی نفسہ سچ نہیں ہے حسب تفصیل ذیل وجوہات قائم کی ہیں۔

اول۔ اُنھوں نے یہ بات فرض کرلی ہے کہ مکہ کے قریب اسمٰعیل کا آباد ہونا اور یہ بات کہ یقطان اہل عرب کے مورث اعلی تھے سب بناوٹ اور قصہ ہی اور ہر قسم کی تواریخی سچائی اور احتمال سے مبرا ہے۔

لیکن اس بات کے کہنے سے پہلے سرولیم میور پر فرض تھا کہ یہ بات بیان کرتے کہ اہل عرب کو اگر وہ نسل میں اور رسومات میں اور مذہب میں یقطان اور اسمعیل سے بالکل مختلف تھے تو اس بناوٹ کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور کیوں تمام ملک اور تمام قبیلے جو آپس میں نہایت دشمن اور سخت عداوت رکھتے تھے اور روز خانہ جنگیاں اور باہمی لڑائیاں کرتے تھے اس ایک بات پر متفق ہوگئے تھے۔

عرب کی تمام تاریخوں سے جنکو عیسائی مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ یقطان عرب کا مورث اعلیٰ تھا ان تمام باتوں کی کس طرح سرولیم میور تردید کرتے ہیں کیونکہ ایسے

موقع پر بمقابل ثبوت کے صرف انکار کر دینا کافی نہیں ہے۔

یونانی مورخ اہل جغرافیہ حجاز میں اسمٰعیل کی اولاد کی سکونت کا نشان بتاتے ہیں یونانی مورخوں نے حجاز کی اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جو اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام سے موسوم تھیں ان سب واقعی باتوں کو سر ولیم میور کس طرح معدوم کرتے ہیں۔

دوم وہ فرماتے ہیں مگر صرف ازراہ خود پسندی کہ "اس عقیدہ باطل کے اصلی اجزا میں کسی بات کا ایسا کوئی نشان نہیں ہے کہ جو حضرت ابراہیم سے متعلق ہو حجر اسود کا بوسہ دینا کعبہ کے گرد طواف کرنا۔ مکہ اور عرفات اور منا میں رسمیات کا ادا کرنا اور مقدس مہینوں اور مقدس ملک کی تعظیم کرنا ان سب باتوں کو حضرت ابراہیم سے یا اُن خیالات اور اصول سے کسی طرح کا تعلق نہیں ہے جو غالباً انکی اولاد کو اُن سے پہنچیں یہ باتیں یا تو ٹھیک ٹھیک مختص المقام تھیں یا اُن کو بت پرستی کے اُس اصول سے جو جزیرہ عرب کے جنوب میں جاری تھی تعلق تھا اور وہاں سے بنی جرہم یا بنی قطورہ یا ازدایت یا کوئی اور قوم جو یمن سے نقل مکان کر کے مکہ میں آباد ہوئی تھی اپنے ساتھ لائی تھی۔

مگر ہمکو افسوس ہے کہ سر ولیم میور نے بنی ابراہیم یا بنی اسرائیل کی تمام رسمیات سے جو اُن کے ہاں جاری تھیں یک لخت چشم پوشی کر لی ہے ورنہ وہ دیکھتے کہ اُن رسمیات میں اور بنی اسرائیل کی رسمیات میں بالکل اتحاد پایا جاتا ہے۔

حجر اسود وہی مذبح ہے جسکو خدا کے حکم سے ابراہیم - اسحاق - یعقوب اور موسیٰ بناتے تھے (دیکھو کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ و ۸ و باب ۱۳ ورس ۱۸ و باب ۲۶ ورس ۲۵ و باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ و باب ۲۴ ورس ۴)

بوسہ کے خاص فعل کی نسبت ہم جدا لکھیں گے اس مقام پر جو سر ولیم میور نے اُسکا ذکر کیا

اُس سے ایک عام مقصد بیان کرنا معلوم ہوتا ہے یعنی پتھر کی تعظیم ۔ مگر انہون نے ان پتھرون کی اُس تعظیم کو فراموش کردیا جو ابراہیم اسحاق و یعقوب و موسیٰ کرتے تھے ۔ یہ عرب گ ایسے پتھرون کو مقدس جانتے تھے خدا کے نام سے ان کی تعظیم کرتے تھے یعقوب نے اُس پر تیل ڈالا (دیکھو پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۹) جو اُس زمانہ کے دستور کے موافق غایۃ الغایۃ تعظیم پرستش کے قریب تھی ۔ یعقوب نے کہا کہ یہہ جگہہ خانہ خدا ہوگی (دیکھو کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۲۲) خدا نے منع کیا کہ اس گھر کے اوپر مت چڑھو تا کہ تمہاری شرمگاہ اُسکے اوپر ننگی نہو جاوے (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۶) پس اب کونسا دقیقہ تعظیم کا باقی رہ گیا ہے جو اس قسم کے پتھرون کی نسبت بنی ابراہیم میں جاری تھا جس کے سبب سر ولیم میور حجر اسود کی اس خفیف تعظیم کو (اگر وہ ہو بھی) بنی ابراہیم کی رسم سے جدا کر کر عرب کے بُت پرستوں کی رسم بتاتے ہیں ۔

ایک گھر کا خدا کے واسطے بنانا اور بیت اللہ اسکا نام رکھنا جیسے کہ کعبہ ہے اگر ابراہیم کی رسومات سے نہ تصور کیا جاوے تو وہ کون تھا (یعنی موسیٰ) جسنے بمقام گبعون بیابان میں خدا کا گھر بنایا (دیکھو کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۴ و کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۱ ورس ۲۹) اور وہ کون تھا (یعنی داؤد) جسنے خرمنگاہ ارنان یبوسی کو خدا کا گھر بنانے کو مول لیا اور پتھر و لکڑی و لوہا و پیتل اُسکے بنانے کو جمع کیا (دیکھو کتاب اول تاریخ الایام باب ۲۲) اور وہ کون تھا (یعنی سلیمان) جسنے بعد کو خرمنگاہ ارنان یبوسی میں نہایت عالیشان مکان بنایا جسکو خدا کا گھر اور بیت المقدس نام ملا (دیکھو کتاب تاریخ ایام دوم باب ۴) پس کعبہ کی بنا کو اور اُسکو خدا کا گھر قرار دینے کو ابراہیم کیطرف منسوب نہ کرنا بلکہ عرب کے بُت پرستوں کی رسم بتانا نہایت تعجب کی بات ہے ۔

مکہ میں خاص کعبہ کے ساتھ جو رسم ادا کی جاتی ہے وہ صرف طواف ہی (جسکی حقیقت ہم بیان کرینگے) سر ولیم میور کو اس رسم کی نسبت ابراہیمی رسم ہونے سے انکار کرنا اسوقت مناسب تھا جبکہ اولاً وہ کسی تاریخ یا توریت مقدس سے یہ بات ثابت کرلیتے کہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب نے جو مذبح اور بیت اللہ بنائے تھے اُن میں وہ کیا کیا کرتے تھے اسواسطے کہ توریت سے موسیٰ کے وقت سے پیشتر صرف خدا کے نام یا عبادت کے لئے اُن گھروں کا بنانا تو معلوم ہوتا ہے مگر اُس سے عبادت کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا اور ہمکو اس بات کے یقین کرنے کی یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں خدا کی عبادت کا طریقہ یہی تھا جو طواف کی صورت میں پایا جاتا ہے اور اسمٰعیل کی اولاد نے اپنے دادا کے اُسی طریقہ کو اور اُسی ہیئت کو ابتک قائم رکھا ہے۔

ہمکو امید ہے کہ سر ولیم میور اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ حج خانہ کعبہ کا نہیں ہوتا حج کو خانہ کعبہ سے کچھ تعلق نہیں ہے پس یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے مذہب میں خانہ کعبہ کا حج ہوتا ہے۔

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو خاص ابراہیم اور اُسکی اولاد سے علاقہ رکھتی ہے ہزاروں جگہ توریت میں آیا ہے کہ خدا ابراہیم کو مرئی ہوا خدا اسحاق کو مرئی ہوا خدا یعقوب کو مرئی ہوا خدا موسیٰ کو مرئی ہوا پس ٹھیک ٹھیک یہی معنی عرفات کے ہیں جس پہاڑ پر جو قریب مکہ کے ہے خدا ابراہیم و اسمٰعیل کو مرئی ہوا اُس پہاڑ کا نام جبل عرفات ہے معلوم نہیں کہ سر ولیم میور نے جبل عرفات کو کیا سمجھا جو اُسکی نسبت کہا کہ اُسکو ابراہیمی رسوم یا حالات سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

عرفات ایک ایسی چیز ہے جو تمام دنیا کے بت پرستوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتی یہ خاص امر ابراہیم کی نسل میں مروج تھا اس مقام پر ہم اسکے مطالب پر کہ خدا کیونکر دکھائی

سے سکتا ہو بحث نہیں کرنا چاہتے اور نہ ان الفاظ کے مطلب و مراد سے بحث منظور ہے
بلکہ یہاں صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ عرفات کا استعمال بجز خاندان ابراہیم کے دنیا کے
اور کسی خاندان یا مذہب میں نتھا اور اس لئے عرفات یا جبال عرفات کے نام سے اُس کا
خاص تعلق ابراہیم سے ثابت ہوتا ہے۔

یہی مقام ہے جہاں حاضر ہونے کو حج کہتے ہیں وہاں کوئی چیز نہیں ہے پہاڑ کے دامن کا
میدان ہی اُس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور خدا کی یاد کرتے ہیں اُسکی تسبیح کرتے ہیں اُس
قدوس کو قدوس قدوس کہکر یاد کرتے ہیں اُس مجمع میں صرف خطبہ پڑہا جاتا ہو جس میں
خدا کی تعریف ہوتی ہے اور خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں ٹھیک اسیطرح جس طرح کہ
موسیٰ نے کوہ سینا کی تلہٹی میں سنائے تھے پس غور کرنا چاہیئے کہ اس رسم کی اصلیت بت پرستی
سے پائی جاتی ہے یا خاص ابراہیم سے۔

منا کا مقام صرف قربانی کے لئے ہو وہاں بجز قربانی کے اور کوئی رسم نہیں ہوتی۔
تمام توریت قربانی کی رسم سے بھری پڑی ہو جہاں بیت اللہ بنایا تھا وہاں قربانی ہوتی
تھی اور اسی قربانی کے سبب سے بیت اللہ مذبح کے نام سے پکارا جاتا تھا منا اور خانہ کعبہ
نہایت قریب ہو اور اسلیئے قربانی نذر کرنے کے لیئے وہ مقام قرار دیا گیا تھا۔ہاں ابراہیم
اور یعقوب و اسحاق اور موسیٰ اور داؤد اور سلیمان کی قربانی اور مذہب اسلام کی قربانی میں
یہ فرق ہے کہ اُس قربانی میں جانور کو مار کر اُسکی لاش کو آگ میں جلا دیتے تھے اس خیال سے
کہ خدا کو اسکی خوشبو یعنی چراند پسند آتی تھی مذہب اسلام میں وہ قربانی غریب و محتاج لوگوں کو
تقسیم کیجاتی ہے تاکہ وہ بھوک کی سختی سے محفوظ رہیں پس اگر اسی امر کے سبب
سر ولیم میور نے منا کے رسومات کو بُت پرستی کی رسم تصور کیا ہے تو کچھ افسوس کی

بات نہیں ہے کیونکہ ہر ذی عقل اُس پہلی قربانی سے اِس پچھلی قربانی کو نہایت عمدہ اور بہتر سمجھتا ہوگا (اس امر کی تحقیق کہ مذہب اسلام میں قربانی کیا چیز ہے ہم جداگانہ لکھیں گے۔

کسی مُلک کو مذہب اسلام نے مقدس نہیں ٹھہرایا بلکہ مقدس جگہ کو جو خاص خدا کی پرستش کو مقدس ہاتھوں سے بنائی گئی تھی مقدس ٹھہرایا ہے یہ بھی ابراہیم ہی کا طریقہ تھا اور برابر اوسکی اولاد میں چلا آتا تھا جہاں وہ خانہ خدا یا مذبح بناتے تھے اُسکو مقدس ٹھہراتے تھے موسیٰ کو خدا نے کہا کہ سینا پہاڑ کے لئے حد ٹھہرا اور اُسکو مقدس کر (کتاب خروج باب ۱۹ ورس ۲۳) وہ کون تھا (یعنی خدا) جسنے کہا کہ مقام مقدس مرا احترام نمایند (سفر لویان باب ۲۶ ورس ۲) اسی طرح بیت المقدس کو مقدس ٹھہرایا خانہ کعبہ کے لیئے بھی جب سے وہ بنا ایک حد ٹھہرائی گئی جو حرم کہلاتی ہے اور اُس کو اُس مقدس نام کے ادب کے لیئے جسکی نام پر وہ پاک جگہ بنائی گئی مقدس ٹھہرایا تھا یہ بھی ایک نہایت عمدہ ثبوت اس بات کا ہے کہ بیت اللہ کو اور حرم کو مقدس ٹھہرانا خاص ابراہیم سے تعلق رکھتا ہے نہ بُت پرستوں کی رسم سے۔

ہاں سر ولیم میور کی ایک بات کو میں تسلیم کرونگا کہ رجب اور ذیقعدہ اور ذیحجہ اور محرم کے چار مہینوں کا مقدس ٹھہرانا زمانہ جاہلیت کی رسم تھی اُن کو مقدس اس مراد سے ٹھہرایا تھا کہ اُن مہینوں میں زمانہ جاہلیت کے عرب لڑائی نہیں لڑتے تھے۔

عرب کی قومیں نہایت مفسد اور خانہ جنگ تھیں برسوں تک آپس میں لڑائی جاری رہتی تھی اور اُن چار مہینوں میں عام قوموں کو مکہ میں آنا اور حج کرنا اور کعبہ کے بتوں کو پوجنا ہوتا تھا پس اُن سب قوموں نے آپس میں عہد کرلیا تھا کہ ان دنوں میں لڑائی موقوف رہیگی پس یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے ان مہینوں کا اشہر حرم نام رکھا تھا مگر سر ولیم میور نے جو غلطی کی ہے وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام نے بھی اُن کو مقدس مانا ہے حالانکہ

مذہب اسلام نے اُنکی تقدیس کو رد کر دیا ہے اور کوئی مہینا اسلامی مذہب میں مقدس نہیں رہا ہے اسلام نے کہا کہ چار مہینے جو مقدس ٹھہرائے گئے ہیں اُنمیں تم لڑائی کی ابتدا مت کرو لیکن اگر کافر لڑیں تو لڑو۔

خدا تعالیٰ سورہ توبہ میں فرماتا ہے کہ گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک برس کے

ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر	بارہ مہینے ہیں خدا کے مقرر کیئے ہوئے حکم میں جب
شہرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات	سے کہ آسمان و زمین پیدا کیا (یعنی ہونے کے مہینہ کا
والارض منہا اربعۃ حرم ذلک	اُس میں حساب نہیں ہے) انہی میں سے چار مہینے
الدین القیم فلا تظلموا فیہن انفسکم	وہ ہیں جن کو اہل عرب شہر حرم کہتے ہیں۔ یہی ٹھیک
وقاتلوا المشرکین کافۃ کما	حساب ہے۔ اب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن چار مہینوں پر کچھ حصر
یقاتلونکم کافۃ (سورہ توبہ)	نہیں ہے بلکہ تم اُن بارہ کے بارہ مہینوں میں آپس میں مت

لڑو اور تمام کافروں سے لڑو جس طرح کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس یہ آیت اثبات کی دلیل ہے کہ مذہب اسلام میں اشہر حرم نہیں مانے جاتے بلکہ بارہ کے بارہ مہینے ایک سے ہیں۔

ضمیر فیہن کی اثنا عشر شہرا کی طرف راجع ہے نہ اربعۃ کیطرف۔

سوم وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے خاص طریقے سیبین ازم اور بت پرستی اور پتھر کی پرستش تھی اور ان سب کو مکہ کے مذہب سے بڑا تعلق تھا۔"

ہمکو اس بات کے قبول کرنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جو طریقے مکہ میں جاری تھے اُن میں بہت کچھ رسومات بت پرستی کی شامل ہوگئی تھیں۔ سیبین ازم یعنی صابئین کا مذہب بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہا تھا اُس میں ہزاروں باتیں کفر و شرک اور کواکب کی پرستش کی داخل ہوگئی تھیں اور وہ بگڑا ہوا مذہب اور بت پرستی آپس میں مل کر

زمانہ جاہلیت میں اُسنے نہایت عجیب صورت پیدا کی تھی - مگر جو خاص باتیں ابراہیم کے
مذہب کی اُنمین پائی جاتی تھیں اُنکو بھی سر ولیم میور بُت پرستی سے منسوب فرماتے ہیں -
یہی اُن کی غلطی ہے - خانہ کعبہ کو اور ابراہیمی اور اسمٰعیلی نماز کے طریقہ کو جسکو اب طواف کعبہ
کہتے ہیں (اور جسکی اصل ہم بیان کرینگے) سبیین ازم یا بُت پرستی سے کچھ تعلق نہ تھا -
پتھر یا حجر اسود کی پرستش جسکو سر ولیم میور خاص عرب کا دستور بیان کرتے ہین (اگر درحقیقت
وہ پتھر کی پرستش ہی ہو) خاص ابراہیم کا طریقہ تھا جیسا کہ ہم بھی ثابت کرآئے ہین - یہ طریقہ
خاص ابراہیم سے پیدا ہوا اور یعقوب اسحٰق اور اسمٰعیل و موسیٰ نے اُسکی پیروی کی جو بن گھڑے
اور ننگے پتھرون کو ستون کی مانند کھڑا کرتے تھے اور اُن پر تیل چڑھاتے تھے - خواہ یون کہو
کہ مہادیو کی پنڈی کی طرح اُن پتھرون کی پرستش کرتے تھے - غرضکہ جو کچھ اُنکی نسبت کہو ہم تسلیم
کرلیں گے مگر یہ بات کہ وہ طریقہ ابراہیمی نہ تھا بلکہ خاص عرب کے بُت پرستوں کا طریقہ تھا
جیسا کہ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں تسلیم نہین ہوسکتا کیونکہ اسکی غلطی علانیہ ثابت ہے -

ان تمام قابل افسوس قیاسات اور فرضی قصوں کے بعد سر ولیم میور نے مکّہ کی ابتدا
اور مکّہ کے مذہب کی ایک فرضی تاریخ بیان کی ہے اور ہر ایک بات کو بلا دلیل اور بغیر ثبوت
کے فرض کرلینے کے بعد سر ولیم میور بالطبع (جو درحقیقت ایسا ہی ہونا ضرور تھا) اپنے عالی
دماغ اور تر و تازہ سوچ زن ذہن کے ایجادات کو عرب کی واقعی تاریخ سے مطابق کرنا ناممکن
پاتے ہین مگر جس طرح کہ سر ولیم میور کا خیال بہت بلند اور فکر بہت تیز ہے اُسکی بہ نسبت اُنکی
قلم تیز رفتار کی جولانی بھی کچھ کم نہین ہے - بس وہ ایک لمحہ میں اپنے خیال کو جولانی دیکر اپنی
قلم کے چند اشارون سے تمام ناممکن باتون پر غالب آتے ہین - مگر جو کہ اُن کے قلم سے نکلی
ہوئی وہ باتین نہ تواریخی واقعات ہین اور نہ عرب کی مختص المقام روایتین اور نہ کتاب مقدس

کی ہی باتین بلکہ صرف سر ولیم میور کے عجیب و غریب کام کرنے والے خیال کی ایجاد ین
ہیں - اور کسی قسم کی معتبر سند اور ہر ایک قسم کی تائید اور تصدیق سے مبرا ہیں اس وجہ سے
ہم اُن کو اپنی اس خطبہ میں ذکر کرنا محض بیفائدہ سمجھتے ہیں -

تعمیر ابراہیم

پُرانی باتوں کے ساتھ ہمیشہ قصے کہانیاں لوگ ملا دیتے ہیں اُنکو مقدس و متبرک
بنانے کو ایسے ایسے واقعات اُنکے ساتھ منسوب کرتے ہیں جنکی کچھ بھی اصل نہیں ہوتی
مذہب اسلام میں بھی لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے - مکہ کی نسبت جو حالات
روایتوں میں مذکور ہیں اُنکا بھی یہی حال ہے قرآن مجید میں بہت تھوڑے لفظ ہیں
اور نہایت مختصر اُنکا مطلب ہے کہ ابراہیم نے خدا کی عبادت کے لیئے مسجد بنائی اور
خدا سے دُعا کی کہ تو اُسکو اپنے مبارک نام پر قبول کر - مگر موخین نے اُسپر دہ حاشیے
چڑھائے اور وہ واقعات لگائے کہ نعوذ باللہ خدا کو بھی معلوم نہ تھے - پس ایک منصف
شخص کا یہ کام نہیں ہے کہ اُن جھوٹی باتوں کو جنکو ہم خود جھوٹا کہتے ہیں مذہب اسلام قرار
دے اور پھر اُسپر اعتراضات کی بنا قائم کرے کیونکہ وہ تو بناے فاسد علی الفاسد
ہے اور نہ اُس شخص کو جسکے دل میں اسلام کی جانب سے کچھہ شبہ پیدا ہو یہ مناسب ہے
کہ اُن جھوٹی روایتوں سے ڈگمگاوے کیونکہ وہ تو خود جھوٹی ہیں مگر جو واقعات کہ
مبالغہ آمیز تقدس کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اُن میں اصلی واقعات بھی شامل ہوتے
ہیں اسلیئے ہر عقلمند و منصف کو لازم ہے کہ اُن اصلی واقعات کو اُن جھوٹی باتوں سے
تامقدور چھانٹ لے اور پھر اُسپر جو وہ چاہے اپنی رائے قائم کرے -

تمام روایتین جو مکہ کی نسبت کتابوں میں مندرج ہیں سب کی سب نامعتمد و غیر مستند

ومشتبہ ہیں اور اُن میں سچی اصلی بات کے ساتھ بہت کچھ جھوٹ اور قصے وکہانیاں شامل کر دیتے ہیں - مگر جسقدر کہ سچ ہے وہ اُن سے بخوبی ممیز ہو سکتا ہے - چنانچہ ہم اس خطبہ میں اسیقدر تحریر پر اکتفا کریں گے جسقدر کہ ہمارے نزدیک سچ ہے -

حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی مین جہاں اس قسم کی عمارتیں بنانیکو بالطبع جگہ پسند کیجاتی ہے جگہ پسند کی اور زیادہ تر پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ چشمہ زمزم کے نہایت قریب تھی وہاں اُنہوں نے حضرت اسمٰعیل کی شرکت سے کعبہ یعنی مسجد بنائی کتابوں میں اُسکا ارتفاع نو گز اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک طرف کا طول اکتیس اور ایک طرف کا بتیس لکھا ہے اگر کعبہ پیمایش صحیح ہو تو اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نیک زمانہ میں پیمایش کے آلات نہ تھے اور قائمہ زاویے نہیں نکل سکتے تھے غالبًا اسی وجہ سے ہر مقابل کے ضلعے مساوی نہیں بن سکے -

فبنا البیت وجعل طوله فی السماء تسعة اذرع وعرضه فی الارض اثنین وثلاثین ذراعا من الرکن الاسود الی الرکن الشامی الذی عند الحجر من وجهه وجعل ما بین الرکن الشامی الی الرکن الغربی الذی فیه الحجر اثنین وعشرین ذراعا وجعل طول ظهرها من الرکن الغربی الی الرکن الیمانی احد وثلاثین ذراعا وجعل عرض شقها الیمانی من الرکن الاسود الی الرکن الیمانی عشرین ذراعا - (کتاب اخبار مکہ ازرقی صفحہ ۳۱)

جو پیمایش کہ مذکور ہوئی ہے اسکے مطابق ہم اس مقام پر نقشہ کعبہ کا ثبت کرتے ہیں جس سے اوسکی قطع بخوبی معلوم ہوگی - داہنی طرف جو حصہ نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا - قریش نے تعمیر کے وقت اُسقدر چھوڑ دیا تھا کعبہ کے اندر جو چھ نقطہ وار نشان ہیں وہ اُن ستونوں کے ہیں جو قریش نے

بناتے تھے۔ وہ اب نہیں ہیں بعوض اُسکے عبداللہ بن زبیر نے تین ستون بناتے ہیں جنکے سیاہ نشان بیچ میں بنے ہوئے ہیں۔ غرضکہ جسقدر سیاہ سیاہ ہی وہ اب موجود کعبہ ہے
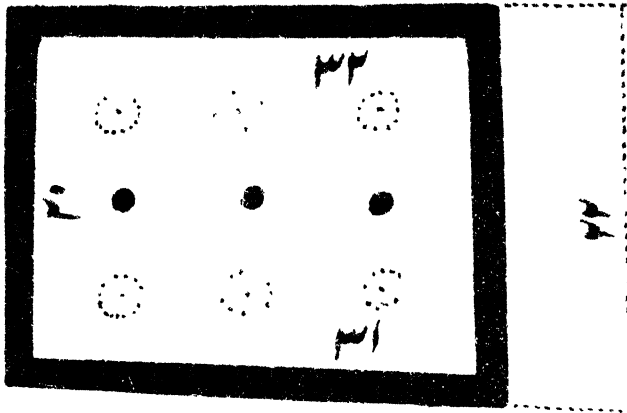
تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانہ میں صرف دیواریں ہی دیواریں ہی تھیں چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اُس میں نہ کواڑ چڑھے تھے نہ کنڈی لگی تھی اور بلا شبہہ اُس زمانہ کی حالت ایسی تھی کہ اُس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنایا گیا ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس عمارت کے ایک بیرونی گوشہ پر طواف کے شمار کرنے کو جس سے اُسکی ابتدا اور انتہا معلوم ہو سکے ایک لمبا پتھر لگا دیا جو حجر اسود کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسکی قیاس کرنے کی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ پتھر غالباً اُسی قسم کا پتھر ہے جیسا کہ ابراہیم خدا کی عبادت کے لئے کھڑا کر لیا کرتے تھے جسکو مذبح یا قربان گاہ یا آلٹر کہتے ہیں۔ اس چاردیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جسکو خزانہ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی وہ اُس میں رکھدیتے تھے تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

تعمیر بنی جرہم

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمٰعیل اُسکے محافظ رہے جب اُن کا انتقال ہوا تو بنی جرہم کو

اُس میں مداخلت ہوئی کیونکہ وہ اُن کے قریب رشتہ دار تھے اور بنی اسمعیل کے خیرخواہ و محافظ تھے۔ مضاض ابن عمر جرہمی جو نانا اسمعیل کے بیٹے کا تھا اُس نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار لے لیا بنی جرہم کے اختیار کے زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبہ مین پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھے گیا جس کو بنی جرہم نے انہیں بنیادوں پر جو ابراہیم نے بنائی تھیں اور اُسی صورت پر پھر بنا لیا اُس کی بلندی زمین سے نو درعہ تھی۔

قالوا وتوفی اسمعیل ودفن فی الحجر وکانت امه قد دفنت فی الحجر ایضاً وترک ولدا من عاتیة ابنة مضاض بن عمرو الجرهمی فقام مضاض بامر ولد اسمعیل وکانوا هم لا هم بنو ابنته فلم یزل امر جرهم یعظم بمکة ویستفحل حتی ولوا البیت وکانوا ولاته وحجابه وولاة الاحکام بمکة فجاء السیل فدخل البیت فانهدم فاعادته جرهم علی بناء ابراهیم وکان طوله فی السماء تسعة اذرع (کتاب اخبار مکة صفحه ۴۸)

ہمکو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اسکی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے۔

تعمیر عمالیق

عرب میں جو لوگ آباد ہوئے وہ تین ناموں سے مشہور ہیں۔ ایک عرب البائدہ۔ ایک عرب العاربہ۔ اور ایک عرب المستعربہ۔ عرب البائدہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جن میں عاد و ثمود اور جرہم الاولی اور عمالیق اولی تھے۔ وہ قومیں برباد ہوگئیں اور تاریخ کی کتابوں میں اُن کا بہت کم حال ملتا ہے اور یہہ سب قومیں ابراہیم سے اور بناء کعبہ سے پہلے تھیں۔

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جنکی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں۔ حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ

عمالیق کے نام سے تھا جو مکہ میں بستا تھا۔ اس پچھلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پالیا تھا اور کعبہ کی مختار ہوگئی تھی اُس زمانہ میں اس قوم عمالیق ثانی نے کعبہ کو پھر بنایا جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنے سے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔

بعض مورخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب البائدہ میں جو قوم عمالیق تھی اُس کی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور چونکہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اس لیے لکھدیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی حالانکہ اُس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا۔

مورخوں کی اس غلطی میں پڑنے کا سبب اُن کا ایک اور غلط خیال بھی ہے۔ مسلمانوں میں بہت سی ایسی روایتیں جو دیو و پری کے قصے سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں موجود ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ کعبہ پہلے عرش کے نیچے چار ستون کے چوکھمبے کی طرح بنایا گیا تھا۔ اُسکے ستون زبرجد کے تھے اور یاقوت احمر کی پچی کاری سے ڈھکے ہوئے تھے اُس گھر کا نام تو بیت المعمور ہوا پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر اسی کے مقابل اتنا ہی بڑا اور اسی شکل کا گھر بناؤ انہوں نے بنایا اور وہ اُس جگہ بنایا تھا جہاں اب کعبہ ہے مگر افسوس ہے کہ وہ فرشتے اچھے انجنیئر نہ تھے حضرت آدم کے پیدا ہوتے ہوتے وہ گھر نہ رہا تھا کہ حضرت آدم کو پھر بنانا پڑا مگر نوح کے طوفان نے پھر اُسکو ڈھا دیا تب نوح نے بنایا پھر اسی طرح ٹوٹتا ڈھتا رہا۔ یہ سب جھوٹی روایتیں قرآن مجید کے ایک لفظ "عتیق" کی بنا پر بنالی گئی ہیں جن میں سے ایک جگہ کی بھی کچھ اصل نہیں ہے۔ اسی قسم کی جھوٹی روایتیں ہیں جنہوں نے اسلام کی سچائی کو چھپا دیا اور ہر سمجھدار کے دل میں جب وہ غور کرتا ہے اسلام کی طرف سے شبہ ڈالدیا ہے مگر اُنکو سمجھنا چاہیے

کہ اسلام مشتبہ نہیں ہے بلکہ اس قسم کی روایتیں مشتبہ اور جھوٹی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ بہت سادہ لوح مسلمان اور نادان مورخ ان روایتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جبکہ اُنہوں نے قدامت مکہ ایسی پُرانی فرض کر لی جو آدم سے بھی پُرانی ہے تو اب اُن کو اس بات کے کہنے میں کہ جرہم سے پہلے عمالیق نے تعمیر کی تھی کچھ باک نہیں رہا۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب موسومہ ''ڈای کرانیکن ڈراسیٹ مکہ'' میں حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے بنی جرہم نے اور اُسکے بعد عمالیق نے (یعنی عمالیق ثانی نے) کعبہ کی تعمیر کی۔

عمالیق ثانی کے تعمیر کا زمانہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا لیکن اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ مکہ پر قابض تھے اسلیئے کہ جذیمہ بادشاہ دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ہوئی تھی جس میں عمالیقوں نے شکست فاش پائی تھی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر ہوا تھا۔

تعمیر قصی

ایک مدت بعد پھر کعبہ میں کچھ نقصان آگیا اور بجز اس کے کہ سیلاب سے نقصان پہونچا ہو جو اب بھی کبھی آجاتا ہے اور کوئی سبب نقصان کا معلوم نہیں ہوتا۔ اُس وقت قصی ابن کلاب نے اُسکو بنایا۔ اگرچہ اس تعمیر کا زمانہ بھی ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہے مگر جو کہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قصی چھ پشت پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا اس لیئے غالباً یہہ تعمیر دو سو برس پیشتر آنحضرت صلعم کی ولادت سے ہوئی تھی۔

تعمیر قریش

رسول خدا صلعم پیدا ہو چکے تھے اور آپ کا سن شریف تخمیناً بارہ چودہ برس کا ہوگا یعنی

فلما احترقت الكعبة توهنت
جدرانها من كل جانب وتصدعت
وكانت الخوف والاربعة مظلة
والسيول متواترة ولسلة
سيول عوارم فجاء سيل عظيم
على تلك الحال فدخل الكعبة
وصدع جدرانها واخافهم
ففزعت من ذلك قريش
فزعاً شديداً وهابوا
هدمها وخشوا ان مسوها
ان ينزل عليهم العذاب
(كتاب اخبار مكہ صفحہ ١٠٧)
فبيناهم على ذلك ينظرون
ويتشاورون اذا قبلت سفينة
الروم حتى اذا كانت بالشعيبة
وهي يومئذ ساحل مكة قبل جدة
انكسرت فسمعت بها قريش

تیسری دہائی ما قبل سال ظہور نبوت تھی جب کعبہ
کے غلاف میں آگ لگی اور کعبہ کی دیواریں
آتش زدگی کے سبب بودی ہوگئیں اور کئی
جگہ سے پھٹ بھی گئیں - اسی عرصہ میں پہاڑی
نالوں کی جنھیں عرب سیل عوارم کہتے ہیں
کثرت ہوئی اور ایک نالہ نہایت زور و شور سے
آیا اور خانہ خدا پانی سے بھر گیا اور دیواریں
پھٹ گئیں اور گرنے کو ہوئیں تب قریش نے
اُس کے بنانے کی فکر کی -
معلوم ہوتا ہے کہ قریش فن تعمیر عمارت سے
بہت کم واقف تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ
اُسکو کون بناوے اور کیونکر بنا دیں - اُن دنوں دریا
میں رُومیوں کا جو اُس زمانہ میں عیسائی اور
رومن کیتھالک مذہب کے تھے ایک جہاز بندرگاہ
مکہ میں آیا اُس زمانہ میں جدہ بندرگاہ نہ تھا
بلکہ شعیب بندرگاہ تھا اور وہاں وہ جہاز ٹوٹ گیا
جب قریش نے یہ بات سنی تو وہاں گئے اور اُس کی

فرکبوا الیہا فاشتروا خشبہا واذنوا	لکڑی مول لی اور جہاز والوں کی خاطر داری کی
لاھلھا ان یدخلوا مکۃ فیبیعون ما معہم	اور کہا کہ تم مکہ میں آؤ اور اپنا اسباب بیچ لو ہم تم سے
من متاعہم ان لا یعشروھم۔۔۔۔	محصول بھی نہیں لینے کے۔ اُس جہاز میں ایک
فکان فی السفینۃ رومی نجار بناء	عیسائی رومن کیتھلک انجنیر بھی تھا اور باقوم اُسکا
یسمی باقوم فلما قدموا بالخشب مکۃ	نام تھا اس سے خواہش کی کہ وہ خدا کے گھر کو
قالوا لو بنینا بیت ربنا فاجمعوا لذلک	بنا دے۔ پس لوگوں نے اُس کام میں مدد کی
وتعاونوا علیہ وترافدوا فی النفقۃ	اور اخراجات جمع کرنے کی تدبیر شروع کی۔
(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷)	سب لوگ ملکر پتھر ڈھوتے تھے اور رسول خدا صلعم
فنقلوا الحجارۃ ورسول اللہ یومئذ	کی اُس زمانہ میں اگرچہ تھوڑی ہی عمر تھی مگر آنحضرت
غلام لم ینزل علیہ الوحی ینقل صلعم	بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے۔
الحجارۃ علی رقبتہ (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۰۷)	جبکہ پتھر و لکڑی سب جمع ہو گئی تو اُنہوں نے
فلما اجتمع لہم ما یریدون من الحجارۃ والخشب	کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر سب وہم و وسواس
وما یحتاجون الیہ عدوا الی ھدمہا۔۔	میں گرفتار تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ڈھا دینگے تو
فھابت قریش ھدمہ وقالوا من یبدأ	خدا جانے کیا آفت آویگی۔ ولید ابن مغیرہ نے
فہدمہ فقال الولید بن المغیرۃ انا	اپنا دل کڑا کیا اور کہا میں ڈھانا شروع کرتا
ابدأکم فی ھدمہ انا شیخ کبیر فان	ہوں۔ میں بڈھا تو ہو ہی لیا ہوں اگر کچھ آفت
اصابنی امر کان قد دنا اجلی وانکان	آویگی تو مرنے کو تو ہو ہی رہا ہوں۔ چنانچہ
غیر ذلک لم یرزانی فعلا ! لبیت	ولید ابن مغیرہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا اور کدال سے
وفی یدہ عتلۃ یھدمہ بہا	ڈھانا شروع کیا پھر سب ڈھانے لگے اور

فهدمت قريش معه حتى بلغوا الاساس
الاول الذے رفع عليه ابرهيم واسمعيل
القواعد من البيت (كتاب اخبار مكه
صفحه ۱۰۸ و ۱۰۹)

فلما جمعوا ما اخرجوا من النفقة قلت
النفقة ان تبلغ لهم عمارة البيت كله
فتشاوروا في ذلك واجمع رايهم على
ان يقصروا عن القواعد ويحجروا ما
يقدرون عليه من بناء البيت ويتركوا
بقيته في الحجر عليه جدار مدار يطوف
الناس من وراءه ففعلوا ذلك وبنوا
في بطن الكعبة اساسا يبنون عليه من
شق الحجر وتركوا من وراءه من بناء البيت في الحجر ستة اذرع وشبرا فبنوا على ذلك (كتاب اخبار مكه)

فلما وضعوا ايديهم في بناءها قالوا ارفعوا
بابها من الارض واكبسوها حتى لا تدخلها
السيول ولا ترقا الا بسلم ولا يدخلها الا
من اردتم ان كرهتم احدا دفعتموه
ففعلوا ذلك (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۰۹)

نیاد تک جس پر سے حضرت ابراہیم نے خیالی
شروع کی تھی برابر کر دیا جب ڈھا چکے تو معلوم
ہوا کہ جو کچھ سامان انہوں نے جمع کیا ہے وہ
اس کے بنانے کو کافی نہیں ہے قریش
نے کعبہ کی عمارت کو بہ نسبت سابق کے دو چند
مرتفع بنایا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
پتھر و مصالح وغیرہ کی کچھ کمی نہ تھی غالباً
لکڑی اس قدر نہ تھی جس سے کل کعبہ کی
چھت بن سکے اسلئے انہوں نے اس کو
چھوٹا کر کے بنایا چھ درعہ او ایک بالشت
زمین حجر کی طرف چھوڑ دی اور اس طرف
عرض میں ایک جدید نیاد کھود کر دیوار حجر کی
جواب ہمارے نقشہ میں سیاہ بنی ہوئی ہے
انہوں نے کعبہ کو چار درعہ اور ایک بالشت
کرسی دیدی اور اس قدر کرسی پر دروازہ بنایا
تاکہ نالے کا پانی پھر اندر نہ گھسے اور کوئی
شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور یہ
حکمت سے جس کو چاہیں نہ جانے دیں حال
کے زمانہ میں کعبہ کے اندر جانیکو دخلی کہتے ہیں

حتی انتهوا الی موضع الرکن فاختلفوا
فی وضعه وکثر الکلام فیه وتنافسوا
فی ذلک ... فقال ابو امیة بن
المغیرة یاقوم انما اردنا البر
ولم نرد الشر فلا تحاسدوا و
لا تنافسوا فانکم اذا اختلفتم
تشتت امورکم وطمع فیکم
غیرکم ولکن حکموا بینکم اول
من یطلع علیکم من هذا الفج
قالوا رضینا وسلمنا فطلع
رسول الله صلعم قالوا هذا
الامین قد رضینا به فحکموه
فبسط رداءه ثم وضع فیه
الرکن فدعا من کل
ربع رجلا فاخذوا باطراف
الثوب ... فرفع القوم
الرکن وقام النبی
صلعم علی الجدر ثم وضعه بیده
(کتاب اخبار مکه صفحه ۱۰۹ و ۱۱۰)

جب بناتے بناتے وہاں پہونچے جہاں حجر اسود لگانا
تھا تو آپس میں جھگڑا اور تکرار ہوئی - ایک قبیلہ کہتا
تھا کہ ہم کھڑا کریں گے دوسرا کہتا تھا کہ ہم کھڑا
کرینگے بڑی خیر ہوئی کہ ابو امیہ بن المغیرہ کی سمجھانے
سے سب لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو سب سے
پہلے اس رستے سے آوے وہی فیصلہ کیلئے حکم بنا دیا جاوے
اُن سب کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلعم سامنے
سے تشریف لائے اگرچہ حضرت کی عمر چھوٹی تھی مگر
سب آمین آمین کہکر چلا اُٹھے -
آنحضرت نے بتائید روح القدس وہ فیصلہ فرمایا
کہ سب متحیر ہو گئے آپ نے ردائے مبارک بچھائی اور
حجر اسود کو اُسمیں رکھا اور سب قوموں کے سرداروں کو
کہا کہ سب ملکر چادر پکڑ کر اُٹھا دیں اور وہاں تک لیچلیں
جہاں لگانا ہے سب نے اسی طرح ملکر اُٹھایا اور جب نبی کے
پاس لائے تو آنحضرت نے اُسکو وہاں رکھدیا متقدمین و
متاخرین علماء اس واقعہ کو واقعہ قبل بعثت کہتے ہیں مگر میں ان
لفظوں سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میرا اعتقاد یہ ہے
کہ آنحضرت صلعم وقت ولادت سے ہی مبعوث تھے
(النبی نبی ولو کان فی بطن امه)

فبنوا حتی رفعوا اربعۃ اذرع وشبرا ثم کبسوها ووضعوا بابها مرتفعا علی هذا الذرع. فقال لهم یا قوم الرومی اتحبون ان تجعلوا سقفها مکبسا او مسطحا فقالوا ابل بن بیت ربنا مسطحا قال فبنوہ مسطحا وجعلوا فیه ست دعائم فی صفین فی کل صف ثلاث دعائم.. وجعلوا ارتفاعها من خارجها من الارض الی اعلاها ثمانیۃ عشر ذراعا وکانت قبل ذلک تسعۃ اذرع فزادت قریش فی ارتفاعها فی السماء تسعۃ اذرع اخر وجعلوا میزابها یسکب فی الحجر وجعلوا درجۃ من خشب فی بطنها فی الرکن الشامی یصعد منها الی ظهرها (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۱۰)

جبکہ یہ نزاع رفع ہوگیا تو تعمیر شروع ہوئی جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے بلند تھا قریش نے اوس سے دوگنا بلند کر دیا یعنی پہلے اٹھارہ درعا اور پہلے صرف نوہی درعہ تھا جب بنا بن چکی تو باقوم نے پوچھا کہ اسکی چھت کیسی بناؤں بنگلہ نما یا چورس سب نے کہا کہ ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ تب باقوم نے اسکی عرض میں چھ ستون کھڑے کیے اور چورس چھت بنا دی غالبا اسقدر لمبی لکڑی نہ تھی کہ پورا شہتیر پڑ جاتا اسی سبب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوئی اور شاید اسی وجہ سے باقوم نے بنگلہ نما بنانی چاہی ہوگی تاکہ قینچی پڑ جاوے اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں۔ اُسکی چھت کا پرنالا اُسجگہ میں ڈالا جو چھوڑ دی گئی تھی اور کعبہ کے اندر ایک کاٹھ کی سیڑھی چھت تک بنائی اور چھت میں ایک روشندان تھا جس سے کعبہ کے اندر اوجالا بھی رہے اور اُس ہی سے جب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں۔

تعمیر عبداللہ ابن زبیر

معاویہ ابن ابی سفیان کے بعد جب یزید نے اپنے تئیں اپنے باپ کا جانشین کیا تو عبداللہ ابن زبیر نے اُس سے بیعت میں یعنی اُسکو خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اسپر حصین ابن نمیر یزید کیطرف سے فوج لیکر مکہ پر چڑھ گیا اور کئی دن تک عبداللہ ابن زبیر سے لڑائی ہوتی رہی۔ عبداللہ ابن زبیر کے سب لوگ کعبہ کے گرد خیموں میں پڑے ہوئے تھے اور حصین بن نمیر ابو قبیس پہاڑ پر سے گوپھن میں پتھر مارتا تھا اور غلاف کعبہ اوس کے صدمہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اتفاق سے ایک خیمہ میں آگ

لگ گئی ہوا تیز چل رہی تھی کعبہ میں بھی جا لگی اور تمام کعبہ جل گیا۔ اُسکی دیواروں میں کاٹھ لگا ہوا تھا اُسکے جلنے سے تمام دیواروں کے پتھر ایسے ہو گئے کہ کبوتر کے بیٹھنے سے بھی گر پڑتے تھے اور کئی جگہ سے دیواریں شق ہو گئیں - یہ واقعہ تیسری ربیع الاول ۶۴ھ کو ہوا اسکے دس گیارہ دن بعد یزید مر گیا - جب یہہ خبر مکہ میں پہونچی تو ابن زبیر نے حصین بن نمیر سے کہا کہ دیکھو کعبہ بھی جل گیا امیر بھی مر گیا پھر ہم سے کیوں لڑتے ہو کیا معلوم کہ نیا خلیفہ کیا کریگا اسپر حصین بن نمیر معہ اپنے لشکر کے پانچویں ربیع الثانی ۶۴ھ ہجری کو مکہ سے شام کو چلا گیا تب ابن زبیر نے مکہ کے ذی وجاہت اور شریف لوگوں کو بلایا اور کعبہ کے ڈھانے میں مشورہ کیا۔ بہت وہمی اور وسواسی باتیں جو ایسے موقع پر ہوتی ہیں ہوئیں آخر کار ابن زبیر نے کعبہ کے ڈھانے کا حکم دیا مگر کسیکو ڈھانا شروع کرنے کی بوجہہ توہم و وسواس و خوف کے جرأت نہوئی تو خود ابن زبیر کدال لیکر چڑھ گئے اور ڈھانا شروع کردیا۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ ابن زبیر پر کچھ آفت نہیں پڑی تو اوروں کو بھی جرأت ہوئی۔ اور سب چڑھ گئے اور ڈھانے لگے جمادی الاول ۶۴ھ ہجری تک سب کعبہ ڈھا دیا گیا مگر ابن عباس اپنے خوف یا وہم یا کعبہ کا

فلما ادبر جيش حصين ابن نمير وكان خروجه من مكة لخمس ليال خلون من ربيع الآخر سنة اربع وستين دعا ابن الزبير وجوه الناس واشرافهم وشاورهم فى هدم الكعبة (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۰)

فامر ابن الزبير بهدمها فما اجترء احد على ذلك فلما راى ذلك علاها هو بنفسه ياخذ المعول وجعل يهدمها ويرمى بحجارتها فلما راءوه انه لم يصبه شيء اجترءوا فصعدوا وهدموها (كتاب اخبار مكه صفحه ۱۴۱)

وكان هدمها يوم السبت نصف من جمادى الآخرة سنة اربع وستين ولم يقرب

ابن عباس مکة حین هدمت الکعبة حتى فرغ
منها وارسل الى ابن الزبیر لا تدع الناس
بغیر قبلة انصب لهم حول الکعبة الخشب
واجعل علیها الستور حتى یطوف الناس من
ورائها ویصلون الیها ففعل ذلك ابن الزبیر
(کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۲)

فلما هدم ابن الزبیر الکعبة وسواها بالارض
کشف عن اساس ابراهیم فوجده داخلا
فی الحجر نحوا من ستة اذرع وشبر (کتاب
اخبار مکه صفحه ۱۴۲)

ثم وضع البناء على ذلك الاساس ووضع
حذاء الباب باب الکعبة على مدماك
على الشاذروان اللاصق بالارض وجعل
الباب الاخر بازاءه فی ظهر الکعبة مقابلة
(کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۳)

قالوا وکانت الکعبة یوم هدمها ابن الزبیر
ثمانیة عشر ذراعا فی السماء فلما ان بلغ ابن
الزبیر بالبناء ثمانیة عشر ذراعا قصرت
بحال الزیادة التی زاده من الحجر فیها

منہدم کرنا خلاف طبع ہونے کے سبب مکہ میں
آئے ابن زبیر نے بموجب فہمایش ابن عباس کے
کعبہ کے چاروں طرف تختہ بطور دیوار کے
کھڑا کر دیا - اور کپڑے سے منڈہ دیا اور
اندر کام ہوا کیا لوگ اس تختہ کی دیوار کے گرد
طواف کیا کیے اور نماز پڑھا کیے - جبکہ کعبہ بالکل
ڈھیکر زمین کے برابر ہوگیا اور حضرت ابراہیم کے
ہاتھ کی بنیاد رکھی ہوئی نکل آئی تو ضرور بالطبع
ابن زبیر کو رغبت ہوئی ہوگی کہ کل تعمیر ابراہیمی
تعمیر کی جاوے اور جسقدر کہ قریش نے بسبب نہ
میسر ہونے سامان کے چھوڑ دیا تھا وہ بھی
تعمیر میں شامل کیا جاوے چنانچہ ابن زبیر نے
ایسا ہی کیا اور کل بنیاد ابراہیم پر تعمیر کعبہ شروع
ہوئی - ایک نہایت عمدہ تجویز جو ابن زبیر نے
کی تھی وہ یہ تھی کہ کعبہ کے دو دروازہ رکھے
جاویں ایک جانب شرق جو قدیم سے تھا
اور دوسرا جانب غرب تاکہ جو لوگ شرقی دروازہ
سے کعبہ میں داخل ہوں وہ غربی دروازہ سے
نکل جاویں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا

واستسمج ذلك اذ صارت عريضة لا طول
لها فقال قد كانت قبل قريش تسعة اذرع
حتى زادت قريش فيها تسعة اذرع طولا
في السماء فانا ازيد تسعة اذرع اخرى فبناها
سبعة وعشرين ذراعا في السماء وهي سبعة
وعشرون مدماكا وعرض جدارها ذراعان
وجعل فيها ثلث دعائم وكانت قريش في
الجاهلية جعلت فيها ست دعائم (كتاب
اخبار مكه صفحه ۱۴۴)

امر ابن الزبير ابنه عباد بن عبد الله بن
الزبير وجبير بن شيبة بن عثمان ان
يجعلوا الركن في ثوب وقال لهم ابن الزبير
اذا دخلت في الصلوة صلوة الظهر
فاحملوه واجعلوه في موضعه وانا اطول
الصلوة فاذا فرغتم فكبروا حتى اخفف
صلوتي وكان ذلك في حر شديد فلما
اقيمت الصلوة كبر ابن الزبير وصلى بهم
ركعة خرج عباد بالركن من دار الندوة
وهو يحمله ومعه جبير بن شيبة بن عثمان

اور جو کرسی قریش نے با قوم کی صلاح سے
دی تھی وہ بھی موقوف کردی اور زمین پر
دروازوں کو قائم کیا مگر بلندی اُسکی قریش
کی بلندی سے بھی نو درعہ بڑھا دی یعنی
ستائیس درعہ کردی اور بلا شبہہ جبکہ کعبہ
لنبا ہوگیا تھا تو اُسکا اسقدر اونچا کرنا بھی
نہایت ضرور تھا قریش نے کعبہ کے اندر
چھ ستون قائم کیے تھے چھت پاٹنے کو
ابن زبیر نے صرف تین ستون بنائے غالباً
ان کو بہ نسبت قریش کے لکڑی لمبی مل گئی تھی

حجر اسود کے کعبے جانے کا ایک عجیب حال

کتابوں میں لکھا ہے جسکی کچھ وجہ ہمارے
خیال میں نہیں آتی ابن زبیر نے لوگوں کو
ایک دھوکہ میں رکھا اور اپنے بیٹے عباد اور
جبیر ابن شیبہ کو سمجھا دیا کہ جبمیں نماز پڑھانے
کھڑا ہونگا تو بڑی لمبی نماز پڑھاؤں گا
اُس وقت تم حجر اسود کو جو دارندوہ میں
قریب کعبہ کے رکھا ہوا ہے ایک کپڑے میں
لپیٹ کر لے آنا اور جو جگہہ اُسکے ٹکڑا کرنیکی ہے

وہاں کھڑا کر دیا جب کھڑا کر چکو تو پکار کر اللہ اکبر کہنا پس میں نماز کو ختم کر دونگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ جب ابن زبیر نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے اور ایک رکعت پڑھا چکے تو عباد اور جبیر حجر اسود کو کپڑے میں لپیٹ کر دار ندوہ میں سے لے آئے ہاتھوں کو پھیر کر تختوں کی دیوار کے اندر سے ... اور ان دونوں نے حجر اسود کو اسکی معینہ جگہ میں کھڑا کر دیا	ودار الندوة یومئذ قریبة من الکعبة فخرقایه الصفوف حتی ادخلاه فی الستر الّتی دون البناء وکان الذی وضعه فی موضعه هذا عباد بن عبد الله بن الزبیر واعانه علیه جبیر بن شیبة فلما اقروه فی موضعه وطرق علیه الحجران کبر واخفف ابن الزبیر صلوته وتسامع الناس بذلک (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۴۳ و ۱۴۴)

اور پھر پکار کر اللہ اکبر کہا تب ابن زبیر نے اپنی نماز ختم کی اس بات پر لوگوں نے بہت کانا پھوسی کی اور بعض لوگ علانیہ ناراض ہوئے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ابن زبیر کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں ایسا دھوکہ دینے کی ضرورت ہوئی تھی۔ حقیقت میں کوئی اَور بات ہوئی ہوگی لوگوں نے اپنے قیاسات اُسپر لگائے اور انہیں قیاسات کو بطور واقعہ کے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اپنی روایتوں میں بیان کیا۔ بہر حال کچھ ہی ہوا خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ حجر اسود کھڑا ہو گیا۔

تعمیر حجاج بن یوسف

عبد اللہ ابن زبیر کی حکومت مکہ میں بہت جلد ختم ہونے والی تھی اور تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ اس بناء کو بہت زیادہ قیام نہ ہوگا چنانچہ عبد الملک ابن مروان جب خلیفہ ہوا تو اُس نے حجاج کو مع فوج کے عبد اللہ ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس لڑائی میں عبد اللہ ابن زبیر مارے گئے اور حجاج مکہ میں چلا آیا تب

اس نے عبد الملک کو لکھا کہ کعبہ میں ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنا دی ہیں جو پہلے نہ تھیں اور ایک نیا دروازہ بھی بنایا ہے عبد الملک نے لکھا کہ اس دروازہ کو بند کر دو اور جسقدر ابن زبیر نے زیادہ بنا دیا ہے وہ سب توڑ دو چنانچہ حجاج نے چھ ذراع اور ایک بالشت کعبہ کو توڑ دیا اور قریش کی بنیاد پر وہاں دیوار بنا دی اور وہ نیا دروازہ بھی بند کر دیا اور باقی سب چیز بدستور رہنے رکھی اب کعبہ کی جو عمارت ہے وہ ابن زبیر کی بنائی ہوئی ہے صرف وہ دیوار جو حجر کی جانب ہے اور غربی دروازہ کا تیغہ اور شرقی دروازہ کی چار ذرعہ ایک بالشت اونچائی اور کعبہ کے اندر کی سیڑھی اور اس کے دونوں شندان حجاج کے بنائے ہوئے ہیں۔

موءرخ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زبیر نے کعبہ کی تعمیر میں جو کچھ نیا بنایا تھا وہ رسول خدا صلعم کی ایک حدیث کے مطابق تھا جس کا ذکر آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کیا تھا چنانچہ حجاج جب کعبہ کو

حتی قتل ابن الزبیر رحمہ اللہ ودخل الحجاج مکۃ فکتب الی عبد الملک ابن مروان ان ابن الزبیر زاد فی البیت مالیس منہ واحدث فیہ بابًا اخر فکتب الیہ عبد الملک ابن مروان ان سد بابھا الغربی الذی کان فتح ابن الزبیر واھدم ما کان زاد فیہا من الحجر واکبسھا بہ علی ما کانت علیہ فھدم الحجاج منھا سبعۃ اذرع وشبرًا مما یلی الحجر وبناھا علی اساس قریش الذی کانت استقصرت علیہ وکبسھا بما ھدم منھا وسد الباب الذی فی ظھرھا وترک سایرھا لم یحرک منہ شیئاً فکل شیٔ فیھا الیوم بناء ابن الزبیر الا الجدار الذی فی الحجر فانہ بناء الحجاج وسد الباب الذی فی ظھرھا وما تحت عتبۃ الباب الشرقی الذی یدخل منہ الیوم الی الارض اربعۃ اذرع وشبر وکل ھذا بناء الحجاج والدرجۃ التی فی بطنھا الیوم والبابان الذان علیھا الیوم ھما ایضًا من عمل الحجاج دکتاب

اخبار مکہ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶)
فلما فرغ الحجاج من هذا كله وفد بعد ذلك
الحارث بن عبد الله ابن ربيعة المخزومي على
عبد الملك ابن مروان فقال له عبد الملك
ما اظن ابا خبيب يعني ابن الزبير سمع من
عايشة ما كان يزعم انه سمع منها في امر
الكعبة فقال الحارث انا سمعته من عايشة
قال سمعتها تقول ماذا قال سمعتها تقول
قال لي رسول الله صلعم ان قومك استقصروا
في بناء البيت ولولا حداثة عهد قومك بالكفر
اعادت فيه ما تركوا منه - وقال رسول
الله صلعم جعلت لها بابين موضوعين
على الارض بابا شرقيا يدخل الناس منه
وبابا غربيا يخرج الناس منه قال عبد
الملك بن مروان انت سمعتها تقول هذا
قال نعم يا امير المؤمنين انا سمعت هذا
منها قال فجعلت ينكت منكسا بقضيب في يده
ساعة طويلة ثم قال وددت والله اني
تركت ابن الزبير وما تحمل من ذلك (كتاب اخبار مکہ)

توڑ توڑا کر قریش کی تعمیر کے مطابق کر چکے تو
حارث ابن عبداللہ عبدالملک کے پاس گئے
ان سے عبدالملک نے پوچھا کہ ابن زبیر نے
کوئی بات کعبہ کی نسبت حضرت عائشہ
سے سُنی تھی حارث بن عبداللہ نے کہا
کہ میں نے خود حضرت عائشہ سے سُنا ہے
کہ اُن سے رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا
کہ تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر میں کمی کر دی
اگر تیری قوم کا زمانہ کفر کے زمانہ سے نیا
بدلا ہوا نہوتا تو جو کچھ اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے
میں پھر کعبہ میں ملا دیتا - رسول خدا صلعم نے
یہ بھی فرمایا کہ اُس میں دو دروازے بنادیتا
ایک شرقی دروازہ جس میں سے لوگ اندر
جاتے اور ایک غربی دروازہ جس سے لوگ
باہر نکل جاتے - عبدالملک نے پوچھا کہ تم نے
خود یہ بات سُنی ہے اُنہوں نے کہا کہ ہاں
اے امیر المومنین میں نے خود یہ بات سُنی
ہے عبدالملک یہ سُنکر ہاتھ کی لکڑی پر
سر ٹیک کے بڑی دیر تک سوچ میں گئے

اور پھر کہا کہ بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ میں نے ابن زبیر کے برخلاف کیا۔

یہ زمانہ جب کہ اس حدیث کا چرچا ہوا ایسے فتنہ و فساد کا زمانہ تھا کہ روایت کی صحت پر بہت کم یقین ہوتا تھا خلافت میں سخت سے سخت واقعات گذر چکے تھے حضرت امام حسین کی نسبت واقعہ کربلا ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں قتل ہو چکا تھا مکہ معظمہ میں محاربات ہو چکے تھے اور عبد اللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تھے اور ہر ایک واقعہ کے ساتھ ایک جدا فرقہ قایم ہو گیا تھا جو ایک کا طرفدار اور دوسرے کا مخالف تھا۔

بے شک ہمارا دل اور غالباً ہر ایک کا دل اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوگا کہ کعبہ بنائے ابراہیم پر بنایا جاتا اور دو دروازے اُس میں بنانے بھی نہایت عمدہ اور مفید کام تھا مگر یہ بات کہ آنحضرت نے ایسا فرمایا تھا اُسکی صحت پر یقین نہیں ہوسکتا۔ اول تو اس معاملہ میں حضرت عایشہ کو مخاطب کرنے اور اُس فعل کو جو ایام جاہلیت میں ہوا تھا خاص حضرت عایشہؓ کی قوم کا فعل قرار دینے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ وہ فعل تمام قوم قریش نے بمجبوری کیا تھا جس میں خود آنحضرت صلعم بھی شامل تھے۔ دوسرے یہ کہ بعد فتح مکہ تمام قریش اسلام لے آئے تھے اور رسول خدا صلعم کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کو موجود تھے خانہ کعبہ کے تمام بتوں کو جن کی پرستش اُن کے باپ دادا نے صدہا سال تک کی تھی توڑ ڈالا تھا اور نکال کر پھینکدیا تھا پس کعبہ کو برابر کردینے اور حضرت ابراہیم کی بنیاد پر پورا بنا دینے میں کونسی مشکل تھی جو آنحضرت صلعم فرماتے۔ "لولا حداثة عهد قومك بالكفر اعدت فيه ما ترکوا منه" پس یہ حدیث کسی طرح صحیح اور قابل وثوق نہیں ہوسکتی بلکہ اس بات سے کہ رسول خدا صلعم نے بنا ابراہیم سے جسقدر زمین خانہ کعبہ کی تعمیر سے خارج رہ گئی تھی اُسکی کچھ پروا نہیں فرمائی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی کوئی خاص صنع

یا اُسکے لئے کوئی خاص قطع مقصود اور مدار علیہ تھی بلکہ صرف وہ ایک مسجد تھی جو حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جب وہ ڈھی گئی اور دوبارہ بنائی گئی توجسطرح سے بن گئی بن گئی یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ بعد بن جانے کی خواہ پھر توڑ کر اُسی قدر بنائی جاتی جس قدر کہ حضرت ابراہیم نے بنائی تھی جیسے کہ عبدالملک بن مروان نے اپنی نادانی یا حضرت عبداللہ ابن زبیر کی عداوت سے اس بنی ہوئی عمارت کو پھر توڑ کر ویسا ہی کردیا جیسا قریش نے ایام جاہلیت میں بنایا تھا۔

غلاف کعبہ

حضرت ابراہیم کے وقت میں اور اونکے بعد کعبہ کی دیواریں ویسی ہی دکھائی دیتی تھیں جیسے کہ بنی تھیں مگر سنہ عیسوی سے چھ سو برس پیشتر اسعد حمیری نے کعبہ کی دیواروں پر غلاف چڑھایا اسنے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ کو کپڑا پہنا رہا ہے جب جاگا تو اُسنے انطاع کا غلاف چڑھایا مگر پھر اُسنے وہی خواب دیکھا تب اُسنے یمن کے کپڑے کا جو عمدہ ہوتا تھا غلاف چڑھا دیا تب سے کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم جاری ہوگئی اور جس کے قبضہ اقتدار میں کعبہ رہتا آیا وہ ہر سال پُرانے غلاف پر نیا چڑھاتا گیا تھا اور اس سبب سے مختلف قسم کا بہت سا کپڑا کعبہ کی دیواروں پر چڑھ گیا تھا اور اسی تو بر تو کپڑے کے سبب کئی دفعہ آگ لگ گئی تھی اور خانہ کعبہ جل گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے وقت تک پُرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھانے کا دستور تھا اور اسی سبب سے اُنکے عہد

وکان هو (ای اسعد الحمیری هو تبع) اول من کسا الکعبة .. اری فی النوم انه یکسوها فکساها الانطاع ثم اری ان یکسوها فکساها الوصایل ثیاب حبرة من عصب الیمن وجعل لها بابا یغلق (کتاب اخبار مکه صفحه ۱۷۳ و ۱۷۴)

میں بھی کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اسکے بعد سے پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑہانے کی رسم جاتی رہی بلکہ
ہر سال پرانا غلاف اتار کر نیا غلاف چڑہایا جاتا ہے اور کعبہ کے خادم پرانے غلاف کے ٹکڑے ٹکڑے
کر کر بطور تبرک کے تقسیم کرتے ہیں اور حاجی ان ٹکڑوں کو نہایت شوق سے لاتے ہیں اور اسمیں سے
ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اپنے دوستوں کو دیتے ہیں۔ اکثر مسلمان جنکے پاس یہہ ٹکڑے ہوتے ہیں
اپنے ساتھ کفن میں رکھکر قبر میں لیجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اسکی برکت سے عذاب سے بچیں گے
مگر مسلمانوں کے یہ سب اوہام و خیالات ہیں مذہب اسلام ایسی باتوں سے جو کچے سوت سے بھی
زیادہ بودے ہیں پاک و صاف ہے مذہب اسلام سے نہ یہہ بات پائی جاتی ہے کہ غلاف کعبہ
کچھ متبرک ہوجاتا ہے نہ یہہ پایا جاتا ہے کہ اسکے قبر میں ساتھ لیجانے سے بجز اسکے کہ وہ بھی مثل جسم و
کفن کے خاک ہوجاوے اور کچھ نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے اسلام کی رو سے اگر کچھ نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے
تو وہ صرف اعتقاد توحید سے ہوسکتا ہے نہ کسی اور چیز سے۔

اسمیں کچھ کلام نہیں ہوسکتا کہ زمانہ اسلام میں بھی کعبہ پر غلاف چڑہائے گئے۔ اگرچہ کتابوں میں
روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انکے بعد
ابوبکر صدیق و عمر و عثمان رض نے بھی کعبہ پر غلاف
چڑہایا مگر ہمکو جہاں تک شبہہ ہے وہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے فعل کی نسبت شبہہ ہے کیونکہ جو روایتیں
اسبارہ میں ہیں وہ درجہ ثبوت کو نہیں پہونچتیں تاہم
انکے تسلیم کرلینے میں کچھ زیادہ بحث نہیں ہے غرضکہ
تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
ابوبکر صدیق نے یمن کے کپڑے کا جو نہایت عمدہ ہوتا تھا کعبہ کو غلاف چڑہایا اور عمر و عثمان نے قباطی کپڑے کا پھر

كسا البيت في الجاهلية الانطاع ثم
كساه النبي صلى الله عليه وسلم الثياب
اليمانية ثم كساه عمر وعثمان القباطي
ثم كساه الحجاج الديباج ويقال اول من
كساه الديباج يزيد بن معاوية ويقال
ابن الزبير ويقال عبد الملك بن مروان
(کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۷۶)

غلاف چڑہایا گیا بعضوں کا قول ہے کہ دیباج کا غلاف سب سے اول یزید بن معاویہ نے چڑہایا بعضے کہتے ہیں عبدالملک بن مروان نے۔ بعضے کہتے ہیں حجاج بن یوسف نے۔ غرضکہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ تمام خلفاء بنی امیہ اور عباسیہ و دیگر خلفاء کے عہد میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑہانے کا بڑا اہتمام رہا اور سب چڑہاتے رہے۔ زمانہ حال میں سلطان روم کی جانب سے نہایت عظم و شان سی بہت عمدہ غلاف سیاہ رنگ کا جس میں بعض آیات قرانی نہایت خوش خط بناوٹ میں بنی ہوئی ہوتی ہیں چڑہایا جاتا ہے۔

اسلام کی روسے جو کچھ بحث اسپر ہوسکتی ہے وہ اسقدر ہوسکتی ہے کہ "ما ھذا لتعبد الکعبۃ او لتحسینہا فالاول کفر علی مذھب الاسلام والثانی مرلا باس بہٖ" یعنی یہہ کام کس ارادہ سے کیا جاتا ہے کعبہ کی پرستش کے لیئے یا اُسکی خوبصورتی اور آرایش کے لیئے اگر پہلے نیت سے کیا جاتا ہے تو اسلام کی رو سے کفر ہے اور اگر دوسرے ارادہ سے کیا جاتا ہے تو اسکا کچہہ مضائقہ نہیں ہے۔

آرایش کعبہ کی ایسی ہی ہے جیسے کہ ہم اور تمام مسجدوں کی آرایش کرتے ہیں مگر جو کہ کعبہ ایک نہایت قدیم مسجد ہے اور ایسے بانی اسلام کے ہاتھ سے بنی ہے جس نے سب سے اول یہہ کہا کہ لا احب الآفلین۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ اسلیئے اسکی قدر ہمکو بہ نسبت اور مسجدوں کے زیادہ کرنی ضرور ہی کیونکہ وہ سب سے پہلے خدا کی پرستش کی نشانی ہے۔

اصنام کعبہ

اساف و نایلہ۔ بنی جرہم کے زمانہ میں صفا و مروہ کے پہاڑوں پر دو بت رکھے گئے صفا پر جو بت تھا وہ مرد کی شکل کا تھا اور اساف اُسکو کہتے تھے دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل کا تھا اور نایلہ اُسکو کہتے تھے۔ جو روایتیں حقارت آمیز انکی نسبت پائی جاتی ہیں وہ قدیم

نہیں ہیں غالباً اسلام کے زمانہ کی بنائی ہوئی ہیں ظاہر معلوم ہوتا ہی کہ وہ دونوں انسان تھے
اور بنی جرہم انکو دیوتا سمجھتے تھی ان کے مرنے کے بعد ان کے دو بت بنائے گئے اور پرستش
ہونے لگی ۔ فتح مکہ کے روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور بتوں کے ساتھ توڑ ڈالا
نہیک و مطعم ۔ یہہ بھی دو بت تھے نہیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا اور مطعم کو مروہ پر ۔
ہبل ۔ یہ ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر تھا ۔ کعبہ کے اندر دائیں طرف جو خزانہ کا کنواں
تین درعہ گہرا حضرت ابراہیم کا کھودا ہوا تھا اُسپر یہہ بت کھڑا کیا گیا تھا ۔ عمر بن لحی اسکو ارض جزیرہ
سے لایا تھا ۔ اُحد کی لڑائی میں ابو سفیان نے فتح ہونیکے لئے اسی بت سے مدد چاہی تھی ۔
مناۃ ۔ یہہ بھی بڑا بت تھا اور سمندر کے کنارہ پر قدید کے پاس عمر بن لحی نے نصب کیا تھا
اور یہ دونوں بت قبیلہ ازد و غسان کے کہلاتے تھے اور بعضوں کا قول ہے کہ اوس و خزرج و
غسان کے کہلاتے تھے جو ازد کی شاخیں ہیں بعضوں کا یہہ قول ہے کہ وہ صرف قبیلہ
ہذیل کا ایک پتھر تھا اور کچھ عجب نہیں کہ وہ بن گھڑا ایک لمبا پتھر ہو ۔
لات و عزیٰ ۔ لات ایک بن گھڑا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری کے
کسی شمہ نے حلول کیا ہے اور عزیٰ تین درخت تھے جس میں ذات باری کا حلول سمجھکر پوجتے تھے جیسے کہ
ہمارے زمانہ میں بھی بہت سے مسلمان اسیطرح پر درختوں کی جو درگاہوں میں ہوتے ہیں پرستش
کرتے ہیں ہمارے شہر دہلی میں کبھی شاہ بولا کی بڑ پر بھی منتوں کے ناڑے باندھے جاتے تھے
لات تہامہ میں تھا اور عزیٰ طائف میں ۔
ذات انواط ۔ یہ بھی ایک بہت بڑا سرسبز و شاداب درخت حنین میں تھا جسکو لوگ
پوجتے تھے ۔
ذو الکفین ۔ یہ بھی ایک بت تھا جسکو عمر بن مہ نے بعد فتح مکہ جلایا تھا ۔

سواع - بھی ایک مشہور بُت قبیلہ ھذیل کا تھا جسکو عمرو بن العاص نے بعد فتح مکہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے توڑا تھا -

ود - ایک بُت بنی کلب کا دومۃ الجندل میں تھا -

یغوث - پہلے اس کو بنی مراد پوجتے تھے پھر بنی غطیف پوجنے لگے -

یعوق - بنی ہمدان میں تھا جسکی وہ پرستش کرتے تھے -

نسر - بنی حمیر آل ذی الکلاع کے پوجنے کا بُت تھا -

علاوہ ان بُتوں کے مشہور روایتوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ [۳۶۰] بُت بنے ہوئے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ سیسہ سے جڑ کر کھڑے کئے تھے جو فتح مکہ کے دن سب توڑ ڈالے گئے -

تصاویر خانہ کعبہ

خانہ کعبہ میں فرشتوں کی اور حضرت ابراہیم کی اور حضرت مریم کی حضرت عیسیٰ کو گود میں لیئے ہوئے تصویریں تھیں غالباً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر یا قوم نے بنائی ہوگی جبکہ اسنے قریش کے زمانہ میں کعبہ بنایا تھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپنے حضرت ابراہیم کی تصویر کو دیکھکر فرمایا کہ خدا انکو مارے ابراہیم کو تیروں سے شگون لیتا اور فال دیکھتا بنایا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مریم کی تصویر پر ہاتھ رکھہ لیا - اور فرمایا کہ سب تصویروں کو مٹا دو مگر مریم کی تصویر کو چھوڑ دو اگر یہہ واقعہ صحت کو پہونچے تو اُسکی وجہہ صاف پائی جاتی ہے فرشتوں کی کوئی صورت نہیں ہے بس انکی تصویر بنانا محض

ادرک (ای عطا ابن ابی رباح) فیھا (ای فی البیت) تمثال مریم مزوقا فی حجرھا عیسیٰ ابنھا قاعدا مزوقا (کتاب اخبار مکہ صفحہ ۱۲۰)

محض جھوٹ و خلاف واقع تھا حضرت ابراہیم کی تصویر ایسے فعل کی حالت کی بنائی تھی جو شرک میں داخل ہے اور بلا شبہہ حضرت ابراہیم اس سے پاک تھے صرف مریم اور حضرت عیسیٰ کی تصویر ایسی تھی جس میں کوئی اشارہ کفر یا شرک یا کذب کا نہ تھا اور نہ وہ پرستش کے لئے بنائی گئی تھی اسکے چھوڑ دینے میں کچھ حرج نہ تھا۔

زمزم

جب سے کعبہ کا نام ہے اسی کے ساتھ اس چشمہ کا نام بھی چلا آتا ہے بلکہ یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور کعبہ کے اس جگہ بننے کا سبب ہے اگرچہ یہ چشمہ مدت سے خشک ہو گیا ہے مگر اسکی جگہ ایک کنواں کھود دیا گیا ہے جو چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے۔

عرب کی سرزمین نہایت خشک ہی یا پہاڑ ہیں یا ریگستان ہے۔ برسات وہاں بہت کم ہوتی ہے کوئی دریا اس میں نہیں بہتا اس سبب سے پانی کی بہت قلت ہی کہیں کہیں جنگلوں میں یا پہاڑ کی ٹلیوں میں یا پہاڑ کے اونچے غاروں میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور لوگ پانی کی تلاش میں پھرتے ہیں جہاں پانی مل گیا وہیں تنبو تان دیئے اور آباد ہو گئے جب وہاں کا پانی ختم ہو گیا وہاں سے چلدیئے دوسری جگہ جہاں پانی مل گیا ڈیرے ڈالدیئے۔ یہی طریقہ قدیم سے عرب کے صحرانشین بدوؤں کا تھا۔

اونچے مقاموں میں جو پانی جمع ہو جاتا تھا اور زمین یا پہاڑوں کے نیچے نیچے سوتوں کی راہ سے پانی کو نکلنے کا کوئی رستہ ملجاتا تھا تو اپنے مخزن سے دور جا کر بطور چشمہ کے نکل آتا تھا مگر ایسی ایسی سوتیں ایسی ضعیف ہوتی تھیں کہ سطح زمین سے اگر تھوڑی نیچے بھی ہوں تو معلوم نہیں ہوتی تھیں اور اگر کہیں کھل بھی جاتی تھیں تو تھوڑی سی چیز کے پڑ جانے سے ڈھک جاتی تھیں حال کے زمانہ میں بھی بدو اس طرح کے پانی کی سوتوں کو تھوڑے سے کنکر پتھر کانٹوں کے ڈالنے سے

اسطرح چھپا دیتے ہیں کہ کسی کو اس کا نشان نہیں ملتا۔

زمزم کی نسبت ایسی ایسی دور از کار روایتیں مشہور ہیں جن میں سے ایک بھی معتبر اور مذہب اسلام کے بموجب صحیح نہیں ہیں جتنا کہ یہ چشمہ پرانا ہی اوسیقدر تقدس آمیز اور تعجب خیز مبالغے اسکی نسبت بنائی گئی ہیں۔ اصلیت اس چشمہ کی صرف اسقدر معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ہاجرہ وجہ حضرت ابراہیم کے اپنے بیٹے اسمعیل کے بسبب اُن نزاع اور حسد کے جو قدرتی ایک شوہر کی دو جوروؤں میں ہوتی ہی بصحرا نکالدی گئیں وہاں پہنچیں تو پانی جو اُن کے پاس تھا ہو چکا پیاس کی شدت ہوئی۔ بسبب نہ ملنے پانی کے مایوسی طاری ہوئی اس گھبراہٹ میں ہر چہار طرف پانی تلاش کرتی تھیں اسی جستجو میں اتفاقاً کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا اور اُن کے ہٹانے سے پانی نکل آیا اُنہوں نے اس تائید غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہ اور اُن کے بیٹے پانی پیکر سیراب ہوئے۔

جسطرح کہ عرب کے چشمے چند مدت تک جاری رہتے تھے اور پھر خشک ہو جاتے تھے اسیطرح یہ چشمہ بھی کسی مدت کے بعد خشک ہوگیا اور کسی کو اسکی طرف خیال بھی نہیں رہا اور سینکڑوں برس اسپر گذر گئے مگر عام الفیل کے بعد عبد المطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ جہاں وہ چشمہ تھا وہاں کنواں کھود کر پانی نکالا جاوے چنانچہ اُنہوں نے کھودنا شروع کیا اسپر بعض لوگ مانع ہوئے اور فساد پر آمادہ ہوئے مگر کسی نہ کسی طرح وہ فساد رفع ہوا۔ اور عبد المطلب اپنے مقصد پر کامیاب ہوئے جو قصے کتابوں میں اس کنوئے کی نسبت اور عبد المطلب کو اس خاص مقام دریافت ہونیکی نسبت لکھے ہیں انمیں سے کسی کی کچھ صحت نہیں ہے۔ کچھ عجب نہیں ہی کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا ہو کہ کنواں کھودتا ہوں اور اس سبب سے کنواں کھودنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ یہ کنواں پہاڑ میں کھودا گیا ہے

جسمیں سختی تنشکل سے نکلتی ہیں چنانچہ اُس میں صرف تین تیس نکلی تھیں سنہ ۲۲۳ و ۲۲۴ ھ میں اسکا پانی خشک ہوگیا تھا اسلئے دو درعہ اور کھودا گیا تھا مگر سنہ ۲۲۵ ھ میں کثرت سے بارش ہوئی اور اس سبب سے کنوئیں میں بہت سا پانی ہوگیا۔

خلافت ہارون رشید میں بھی یہہ کنواں بسبب کمی پانی کے قریب دو درعہ گہرا کیا گیا تھا اور مہدی اور محمد بن الرشید کی خلافت میں بھی گہرا ہوا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ تمام کنوؤں کا حال ہے ویسا ہی اسکا بھی حال ہے اور تمام عجائب اور غرائب روایتیں جو اسکے پانی کے قبلِ قیامت نہ سوکنے کی ہیں وہ سب موضوع ہیں جن کی کچھ بھی اصلیت اسلام میں نہیں ہے۔

زمزم کا کنواں اس وجہ سے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے جس میں سے آنحضرت صلعم نے بھی پانی پیا ہے بلاشبہہ قابل ادب اور عزت کے ہے لیکن اسکے پانی کے فضائل میں جو روایتیں ہیں وہ سب بے سند اور ضعیف ہیں اور اکثر موضوع حاجی جو زمزم کا پانی چھوٹی چھوٹی زمزمیوں میں بھر کر بطور تبرک کے ہندوؤں کی مانند دُور دُور لیجاتے ہیں اور سب لوگ بطور تبرک کے اسکو رکھتے ہیں اور اس پانی کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور بغرض اظہار ادب کھڑے ہو کر پیتے ہیں اسکی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے جیسے اور کنوؤں کا پانی ہے وہ بھی ویسا ہی کنوئیں کا پانی ہے مزہ میں میٹھا نہیں ہے بلکہ تململا ہے جسوقت کھینچیں اگر اسی وقت پی لیں تو شاید پینے کے قابل ہو الا رکھا رہنے سے زیادہ تململا ہوجاتا ہے۔

اسمار کعبہ

کعبہ کا اصلی نام بیت اللہ ہے یعنی خانۂ خدا - یہہ ایک نہایت قدیم طریقہ حضرت ابراہیم کے وقت

جاری تھا کہ جہاں وہ کوئی نشان خدا کی عبادت کے لیئے قائم کرتے تھے اُسکو "بیت ایل" یعنی خانہ خدا کہتے تھے مگر چونکہ وہ عمارت جو حضرت اسمعیل نے بنائی تھی بشکل مکعب تعمیر ہوئی تھی اسلیئے کعبہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

کعبہ کا نام بیت عتیق اور مکہ و بکہ و ام القری بھی آیا ہے پچھلے تینوں نام تغلیباً کعبہ پر اطلاق ہوتے ہیں ورنہ وہ تمام حرم یا شہر پر صادق آتے ہیں۔

کتابوں میں کعبہ کے اور نام بھی لکھے ہیں "ام رحم" "الباسۃ" "الحاطمۃ" مگر یہ سب وہ نام ہیں جو لوگوں نے بعض صفات کے خیال سے گھڑ لیئے ہیں۔

عمال کعبہ

جس وقت کعبہ بنایا گیا اُسوقت وہ حضرت اسمعیل کے قبضہ میں بطور تولیت کے رہا اور اون کی وفات کے بعد اُنکی اولاد اس مقدس مسجد کی سب سے بڑی محافظ تھی مگر بنی اسمعیل اور بنی جرہم میں نہایت قریب قرابت تھی اور حضرت اسمعیل کی اولاد بجز قیدار کے عرب کے مختلف مقامات میں جا بسی تھی اس وجہ سے خدا کے گھر کی حفاظت اسمعیل کی اولاد سے نکلکر بنی جرہم کے ہاتھ میں چلی گئی تھی ایک مدت دراز کے بعد بنی عمالیق جو حمیر کے خاندان سے تھے اُسپر غالب آگئے تھے اور خانہ خدا کے مالک مطلق ہو گئے تھے اس موقع پر بنی اسمعیل اور بنی جرہم آپس میں متفق ہوئے اور عمالیق کو خانۂ خدا سے بے دخل کر دیا اور پھر دوسری مرتبہ بنی جرہم اُس مقدس معبد کے مالک ہو گئے۔

پھر بنی بکر اور بنو احزہ بنی جرہم کے مقابلہ کو کھڑے ہوئے اور دونوں نے اپنی اپنی فوجوں کو جمع کر کر دفعۃً بنی جرہم پر حملہ کیا اور بہت بڑی سخت لڑائی کے بعد بنی جرہم بالکل مغلوب ہو گئے اور بھاگ گئے حفاظت اس معبد کی بنی احزہ کے پاس آ گئی پہلا شخص جسنے کہ مکہ کی حفاظت مکہ کی حکومت اور کعبہ کا

انتظام اپنے ذمہ لیا عمر بن اللحی تھا یہ وہ شخص ہے جسنے سب سے اول کعبہ کے اندر ہبل بُت کو کھڑا کیا تھا۔

چند مدت بعد قصی ابن کنانہ نے جو اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں بنو بکر اور بنو احزہ پر چڑہائی کی خوب مقابلہ ہوا مگر اُن دونوں کو شکست ہوئی اور قصی نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ال پشت اوپر تھا حکومت مکہ اور تولیت کعبہ کی اُن سے چھین لی اور خود حاکم اعلی ہو گیا اور اب قریش کعبہ کی ہر ایک بات کے مالک ہو گئے۔

قصی کے بعد عبد الدار اُنکا بیٹا اُن کی جگہہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود عبد الدار سے متعلق تھے وہ اُن کے بھائی عبد مناف کو مل گئے۔

کعبہ کے متعلق پانچ بڑی خدمتیں تھیں اول۔ سقا و رفادہ یعنی حاجیوں کو پانی اور کھانا دینے کا عہدہ۔ دوم۔ قیادہ۔ یعنی لڑائی کے وقت فوج کی سپہ سالاری کرنا سوم لوا۔ یعنی علم بردار ہونے کا عہدہ۔ چہارم حجاب۔ یعنی کعبہ کی حفاظت کا عہدہ۔ پنجم۔ دول الندوہ۔ یعنی دار الندوہ میں پریسیڈنٹ یا صدر انجمن ہونے کا استحقاق۔

عبد مناف کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوا جس کی وجہ سے ان عہدوں کی تقسیم اسطرحپر ہو گئی۔

ہاشم کو سقا و رفادہ کا عہدہ ملا۔

عبد الدار کے بیٹے شیبہ نے کعبہ کی حفاظت اور دار الندوہ کی صدر انجمنی اور علم بردار ہونے کا عہدہ اپنے قبضہ میں رکھا۔

ہاشم نے بڑی فیاضی اور سیر چشمی۔ دریا دلی کے ساتھ حاجیوں کی خبر گیری کی خدمت ادا کی چنانچہ سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ ہاشم نے جو اسطرحپر حاجیوں کی تواضع کے لیئے

مامور کیا گیا تھا شاہانہ عظمت کے ساتھ اُسکو ادا کیا خود انکے پاس بڑی دولت تھی اور قدیم قریش کے بہت سے آدمیوں نے تجارت کے ذریعہ سے بہت سی دولت جمع کی تھی ہاشم نے مثل قصی اپنے دادا کے قوم قریش سے التجا کی کہ تم خدا کے ہمسایہ اور اُسکے گھر کے محافظ ہو جو حاجی اسکے مکان کی تقدس کی تعظیم کرنیکو آتے ہیں وہ اُسکے مہمان ہیں اور یہہ مناسب ہے کہ سب سے پہلے ان مہمانوں کی خاطر و تواضع کرو تمکو خاص خدا نے منتخب کیا ہے اور اس بڑے رتبہ کے ساتھ تم معزز ہو پس خدا کے مہمانوں کی تعظیم کرو اور اُن کو تر و تازہ کرو کیونکہ وہ نہایت دور دراز شہروں سے اپنے لاغر اور خراب وخستہ اونٹوں پر سوار ہو کر تمہارے پاس نہایت تھکے ہوئے اور پریشان آتے ہیں - اُن کے بال بکھرے ہوئے اور انکا جسم دور دراز کے رستے سے گرد و غبار میں آلودہ ہوتا ہے پس تم مہمان نوازی کیساتھ انکی دعوت کرو اور انکو بہت سا پانی دو ہاشم نے اپنے پاس سے بہت سا روپیہ خرچ کر کر ایک عمدہ نظیر قائم کی اور تمام قوم قریش نے بھی نہایت مستعدی سے مدد کی اور ہر ایک شخص نے اپنے مقدور کے موافق چندہ دیا اور تمام قوم قریش پر ایک معین محصول لگایا اور حاجیوں کے جم غفیر کے لیئے حوضوں میں کافی پانی کعبہ کے قریب کنوئین سے بھروایا اور عرفات کے رستہ میں چمڑے کے عارضی حوض بنائے جبکہ حاجی منا اور عرفات کو روانہ ہوتے تھے اُس روز کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا تھا اور جبتک وہ ہجوم منتشر ہوتا تھا اسوقت تک برابر کھانا تقسیم ہوتا تھا غرضکہ پانچ چھہ روز تک گوشت اور روٹی اور مکھن اور جو سے جو مختلف طور پر پکائے جاتے تھے اور چھوارون سے جو عرب کا نہایت عمدہ اور پسندیدہ کھانا ہے انکی تواضع ہوتی رہتی تھی اسطرح پر ہاشم نے مکہ کی نام آوری کو بخوبی قائم رکھا مگر خود ہاشم کا نام ایک بہت اعلی درجہ کی خیرات سے اور بھی زیادہ مشہور ہو گیا اور جس نام آوری سے کہ اہل وطن کی بہت سی ضرورتوں کو رفع کیا جو مدت دراز کے قحط کے سبب سے نہایت تنگ آ گئے تھے یعنی ہاشم نے ملک شام کا سفر اختیار کیا اور وہاں بہت بڑا ذخیرہ روٹیوں کا خریدا

اور اُن کو ٹوکروں میں بھر کر اور اونٹوں پر لاد کر مکہ کو لائے اور وہاں اونٹ ذبح کیے گئے اور بھونے گئے اور تمام لوگوں کو کھانا تقسیم کیا گیا فاقہ زدگی اور گریہ وزاری دفعتاً خوشی اور طعام سے مبدل ہوگئی اور گویا قحط کے بعد انکو ایک نئے سرسے زندگی حاصل ہوئی۔

ہاشم کے بعد مطلب کو سقایہ ورفادہ کی خدمت ملی اور اُن کے بعد عبدالمطلب ابن ہاشم پاس وہ خدمت آئی اور انہیں کے عہد میں ابرھۃ الاشرم نے جو اصحاب الفیل کہلاتا ہے کعبہ کے ڈھانے کے قصد سے فوجکشی کی تھی عبدالمطلب کے بعد یہہ خدمت زبیر بن عبدالمطلب کو پہونچی مگر ان سے بخوبی کام نہ چلا تو انہوں نے ابو طالب اپنے بھائی کو وہ خدمت دیدی انہوں نے بھی خیال کیا کہ یہہ کام نہایت مشکل ہے اور اُس میں بہت خرچ کرنا پڑتا ہی اسلیئے اُنہوں نے اپنے بھائی عباس کے سپرد کر دی لیکن حضرت عباس کو مقدور نہ تھا کہ وہ عہدہ سقایہ اور رفادہ کا کام خوبی اور شہرت سے انجام دے سکتے اسیلئے یہہ عہدے اُن کے خاندان سے منتقل ہو کر عبدمناف کی دوسری شاخ میں چلے گئے۔

واقعہ اصحابِ فیل

مکہ کے واقعات میں یہہ واقعہ بھی ایک بہت بڑی واقعات میں گنا جاتا ہے اسکا واقعہ عظیم متصور ہونا اس وجہ سی ہی کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے اسکا ذکر فرمایا ہی اور نہ اس وجہ سے ہی کہ درحقیقت ایک ایسا عظیم واقعہ ہے کہ مثل اسکے کبھی نہ ہوا ہو بلکہ اسکی عظمت صرف ہمارے مفسروں اور جھوٹی روایتوں کے بنانے والوں کی بدولت ہی جنہوں نے سیدھی سیدھی واقعہ کو ایک عجیب گھڑت اور الف لیلہ کے قصوں سے عجیب تر قصہ گڑ کر بیان کیا ہے۔

منش کردہ ام رستم داستان ۔۔۔ وگرنہ یلے بود در سیستان

میں اپنے اس خطبہ میں ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر

جو مفسرین نے اس قصے کی بابت بیان کئے ہیں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا جداگانہ مباحثہ ہے مگر جو واقعہ کہ گذرا اُس کو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوئے وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے ابرهۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن کا تھا اُسنے صنعاء یمن میں قریب غمدن کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور قلیس اُسکا نام رکھا تھا اور یہہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑدیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور پہلے اُسنے کعبے کے ڈھانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اُترا اسوقت قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو طیار ہوئے مگر اُنہوں نے ابرهۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی ابرهۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تمسے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ صرف کعبہ ڈہانا مقصود ہے اس گفتگو میں چند روز گذرے اور اسی درمیان میں ابرهہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی تمام لشکر برباد ہوگیا بہت سے مرگئے اور بہت سے اُسی حالت میں پھر گئے خدا تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بدارادہ اُنہوں نے کیا تھا اُسپر کامیاب نہیں ہوئے۔

مفسرین نے اس قصہ کو عجب طرح سے رنگا ہے قرآن مجید میں دو لفظ آئے ہیں طیراً اور بحجارہ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین وضاعین نے جو قصہ چاہا ہے بنا لیا ہے جسکی کچھہ اصل نہیں ہے۔

اسی سال میں آنحضرت صلعم پیدا ہو چکے تھے جو اُس بے نظیر اصلاح کا ذریعہ ہونیوالے تھے جو قیامت تک بے نظیر رہے گی عبد المطلب اور ابو طالب ان کی پرورش میں مصروف تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف اس حد کو پہونچا جس میں اوس

منصب کے ادا کرنے کا وقت منحصر تھا جن کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم پیدا ہوئے تھے تب آپ نے اپنے فطرتی منصب نبوت کو اختیار کیا اور خداے واحد کی پرستش کا وعظ فرمانا شروع کیا اور بوجہ اُن مصائب کے جو اس کام میں پیش آتے وطن چھوڑ اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا پڑا مکہ اب اپنے تئیں محفوظ سمجھتا تھا اور خوشی اور اطمینان کے ساتھ اپنے بتوں کی پرستش میں مشغول تھا کہ دفعتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا محاصرہ کیا اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے اسکو فتح کر لیا اُس کے بتوں کو توڑا اور پھر خداے واحد کی پرستش کو قایم کیا جو قیامت تک محمد رسول اللہ کے نام نامی کے ساتھہ قائم رہے گی۔

الخطبۃ التاسعۃ

فی

حسبہ ونسبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں نہایت اکھڑ گنوا جاہل بن لکھے اور بن پڑھے تھے علم ادب بھی جسکو ٹھیک ٹھیک علمِ ادب کہتے ہیں اُن میں نتھا اور نہ اور کسی فن کو جیسی طرح جانتے تھے۔ ہاں دو باتیں اُن میں بے مثل تھیں۔ ایک نہایت موثر اور پُر مطلب گنواری فصاحت جو بالتخصیص دہقانیوں میں پائی جاتی تھی اور اس سبب سے اُسکے مضامین طبعی جوشوں پر مبنی ہوتے تھے اور دلوں پر زیادہ اثر کرتے تھے۔ دوسرے بے مثل اور بے نظیر حافظہ۔ اگرچہ بن لکھے پڑھوں کا حافظہ ہمیشہ قوی ہوتا ہے مگر عرب والوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اسی قوت حافظہ کے سبب وہ اپنی قوموں کی تمام نسلوں کو یاد رکھتے تھے اور نسلوں کے یاد رکھنے کو نہایت فخر سمجھتے تھے جو رفتہ رفتہ ایک علم ہو گیا اور "علم الانساب" اُسکا نام پڑ گیا۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ اپنے نسب پر بہت فخر کرتے تھے اور ہر موقع پر اُسکا ذکر کرنے اور اُس پر شیخی بگھارنے سے نہ چوکتے تھے اور اس سبب سے اُن کو صرف اپنا ہی نسب نامہ یاد رکھنا کافی نہ تھا بلکہ اپنے مخالفوں اور رقیبوں اور ہمسایوں کا نسب نامہ

بھی یاد رکھنا ضرور ہوتا تھا تاکہ اپنی شیخی کے سامنے دوسرے کی شیخی نہ چلنے دیں لکھنا اُن کو آتا تھا
دیسلیئے اُن کے نسب نامے لکھے ہوئے نہ تھے جہاں تک یاد تھی یا جو باتیں یاد رکھنے کے قابل تھیں
سب برزبان یاد تھیں اُن کا حافظہ ہی اُن کے لیئے لوح محفوظ تھا۔ حافظہ کیسا ہی قوی ہو مگر
تمام پشتوں کا بہ ترتیب یاد رکھنا ایک غیر ممکن بات تھی اس سبب سے بڑے بڑے جلیل القدر
اور مشہور معروف اشخاص کے نام تو ضرور یاد رہتے باقی لوگوں کے نام جسقدر یاد رہ سکتے تھے
اُسقدر یاد رہتے تھے۔ اُن مشہور آدمیوں کے نام یاد رہنے کا یہہ بھی بڑا سبب تھا کہ اُن کے نام
اور اُن کے حالات شعروں میں ہوتے تھے جو بڑے بڑے معرکوں اور میلوں اور لڑائیوں
میں نہایت فخر کے ساتھہ پڑھے جاتے تھے۔ ان سب رسموں اور عادتوں کا نتیجہ یہہ تھا کہ
ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنے ہمسایہ اور اپنے مخالف اور رقیب کو بخوبی جانتا تھا کہ وہ کس قوم اور کس نسل کا
ہے اور کسی کو ایسی جرأت اور ایسی طاقت نہ تھی کہ اپنی قوم اور نسل کو بدل سکے یا جھوٹ موٹ اپنے آپ
کو کسی ایسی نسل کا جس نسل کا درحقیقت وہ نہیں ہی کہنے لگے۔ مگر با اینہمہ سلسلہ وار تمام پشتوں کو
بتلا دینا ہر ایک کو نام بنام مورث اعلیٰ تک گن دینا ایک غیر ممکن امر تھا اسلیئے ہر شخص اپنے باپ
دادا کے نام وہاں تک بیان کر سکتا تھا جہاں تک یاد ہوتے تھے۔ پھر بیچ کی پشتوں کو
چھوڑ کر اُن کے نام لے دیتا تھا جن کے نام اشعار میں مذکور ہوتے تھے۔ پس جب مورخ نے
ایسے لوگوں کا پورا سلسلہ وار نسب نامہ بیان کرنا چاہا اُسکو یہہ سب دقتیں پیش آئیں اور یہہ
ایسی مشکلیں تھیں جن کا حل ہونا کچھہ آسان نہ تھا۔

ایک اور مشکل عرب کے نسب ناموں میں یہہ تھی کہ ایک ہی نام کے کئی کئی شخص
نسب ناموں میں ہوتے تھے اور اسلیئے مورخ دھوکے میں پڑ جاتے تھے اور پچھلے شخص کو
وہ شخص سمجھہ جاتے تھے جو اگلوں میں اُسی نام کا کوئی گذرا ہے اور جو پشتیں اُن دونوں

شخصوں کے درمیان میں فی الحقیقت گذری ہیں اُن کا ذکر چھوٹ جاتا تھا اور جبکہ ایک شخص کے کئی نام ہوتے تھے تو دوسری قسم کا دھوکا پڑتا تھا۔ تجنیس خطی کے سبب سے ایک ہی نام کو بعضوں نے کچھ پڑھا اور بعضوں نے کچھ۔ شام میں اور عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بجائے باپ کے نام کے اُس شخص کا نام لیدیتے تھے جو نسب نامہ کے اشخاص میں زیادہ مشہور و معروف ہوتا تھا یا جس سے نسل گنی جاتی تھی۔ چنانچہ سینٹ متی (حواری) نے اپنی انجیل میں حضرت عیسی کے نسب نامہ میں لکھا ہے کہ "کتاب نسب نامہ عیسی مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم" حالانکہ مسیح سے داؤد تک اور داؤد سے ابراہیم تک بہت سی پشتیں ہیں مگر داؤد جو ایک نہایت مشہور نام تھا اُن ہی کا بیٹا حضرت مسیح کو بتا دیا اور ابراہیم کا بیٹا داؤد کو کہدیا جس سے نسل چلی تھی اور بیچ کے سب نام چھوڑ دیئے۔

عرب کے لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ اپنے باپ دادوں کے ناموں کو جہاں تک اُن کو یاد ہوتے تھے بیان کرتے جاتے اور جب اُن کی یاد کے نام ختم ہو جاتے تھے تو اخیر میں یاد رہے ہوئے شخص کو اُس کا بیٹا کہدیتے تھے جس سے وہ نسل چلی ہے یا جب وہ ایسے شخص پر پہونچتے تھے جسکو ہر کوئی یقیناً اُسی کی اولاد میں جانتا ہی جس سے نسل چلی ہے تو اُس شخص کو اُسی کا بیٹا کہدیتے تھے اور اس سبب سے مورخوں کو ایسے لوگوں کا سلسلہ وار نسب نامہ لکھنے میں اور بھی مشکل پڑی ہے۔

جبکہ ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ سلسلہ وار لکھنا چاہتے ہیں تو اس میں بھی یہ سب مشکلات پیش آتی ہیں آنحضرت صلعم کو اپنے نسب نامہ کے بیان کرنیکی کوئی ضرورت نتھی اور اسی سبب سے کوئی صحیح حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی موجود نہیں ہے۔ یہہ بات بیشک اُنھوں نے فرمائی کہ ابراہیم خلیل اللہ میرے باپ

اور میرے دلی ہیں" جیسا کہ ترمذی نے عبد اللہ ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہی مگر کبھی تاریخ کے طور پر نہ کبھی اپنا نسب نامہ بیان فرمایا اور نہ اُسکے بیان کرنیکی ضرورت تھی کیونکہ تمام عرب کے لوگ یقینی بلا کسی شک و تردد کے جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ قبیلہ قریش سے ہیں اور اس بات کو بھی سبکو یقین تھا کہ قبیلہ قریش کا معد ابن عدنان کی اولاد میں ہے عدنان اولاد سے قیدار ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم کی اور اتنی ہی بات اس امر کے ثبوت کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسمٰعیل ابن ابراہیم میں ہیں کافی تھی گو اُن کے درمیان میں کتنی ہی پُشتیں گزری ہوں جن کی تعداد میں اختلاف ہو۔

ہاں اس بات میں کچھ شک نہیں کہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ ترتیب لکھنا چاہا تو اُس میں اختلاف ہوا اسی بناء پر کاتب الواقدی نے ایک قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے لکھا ہی کہ "کذب النسابون" یعنی نسب بیان کرنیوالے جھوٹے ہیں اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں ایک روایت بیان کی ہے کہ اسی اختلاف کے سبب جو نسب نامہ میں لوگ کرتے تھے فرمایا ہے کہ معد بن عدنان سے آگے مت بڑھو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسب نامہ کے بڑی دور تک ہونے سے اور اُسکے زمانہ دراز میں متعدد رائیں ہونے سے بخوبی واقف تھے۔ بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا ابن الذبیحین یعنی میں دو قربان کئے گئے شخصوں کا بیٹا ہوں اور اس قربانی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اُن دونوں شخصوں سے اسمٰعیل ابن ابراہیم اور عبد اللہ باپ محمد رسول اللہ مراد ہیں۔ ابو الفدا نے حضرت ام سلمہ

ولذلک (ای لتنازع الناس فی النسب) نہی النبی صلعم عن تجاوز معد لعلمہ من تباعد الانساب وکثرة الاراء فی طول هذه الاعصار (مروج الذہب مسعودی)۔

زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ عدنان بیٹا ادد کا اور وہ بیٹا

وروی عن ام سلمۃ زوجۃ النبی صلعم انھا قالت قال رسول اللہ زید کا اور وہ بیٹا برا کا اور وہ بیٹا

صلعم عدنان ابن ادد بن زید بن برا ابن عراق الثری فقالت عراق الثری کا ہے اور ام سلمہ نے

ام سلمۃ زید ھمیسع و برا نبت و اسمعیل عراق الثری۔ یہ بھی کہا کہ زید اور ھمیسع ایک ہی

شخص کا نام ہے اور برا نبت اور اسمعیل اور عراق الثری ایک ہیں۔

یہ تمام روایتیں جو اوپر بیان ہوئیں محض غلط اور بے سند ہیں اور ذرا بھی اعتبار کے لائق نہیں
آنحضرت صلعم کے روبرو کبھی آنحضرت کے نسب نامہ کی نسبت ذکر نہیں ہوا۔ صرف اُنکے نسب کا
یقین کہ قریش ہیں تمام عرب کے دلوں پر چھا ہوا تھا اور اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس بابت میں آنحضرت
صلعم کے نسب نامہ پر کچھ بحث ہوتی۔ کئی صدی بعد جب کتابوں کی تحریر کا رواج شروع ہوا
اور مورخین کو نسب نامہ کی تحقیق میں مجبوری ہوئی تو اُنہوں نے اپنی کتابوں کے رونق دینے کو
جھوٹی روایتیں خود گھڑ لیں یا افواہاً سنی سنائی اپنے مطلب کے موافق سمجھکر بلا تحقیق
مندرج کردین۔ انا ابن الذبیحین کی روایت نہایت غلط ہے۔ اسمعیل کبھی قربانی نہیں ہوئی
جیسا کہ ہمنے اپنے اُس خطبہ میں ثابت کیا ہے جو عرب کے تواریخی جغرافیہ پر لکھا ہے اور عبداللہ
کی قربانی کا بیان محض غلط ہے۔ ہاں بلاشبہہ ترمذی نے جو روایت عبداللہ ابن مسعود سے

عن عبداللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلعم بیان کی ہے وہ کسی قدر اعتبار کے لائق ہے

ان لکل نبی ولاۃ من النبیین وان ولیی ابی عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے

خلیل ربی ثم قرأ "ان اولی الناس بابراھیم للذین فرمایا کہ ہر ایک نبی کے لیئے ایک مربی نبیوں میں سے

اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا واللہ ولی المومنین" ہوتا ہے اور میرا مربی میرا باپ میرے پروردگار کا

(رواہ الترمذی) دوست (یعنی ابراہیم) ہے پھر قرآن کی یہ

آیت پڑھی کہ سب سے زیادہ دوست ابراہیم کے وہ ہیں جنہوں نے اُسکی پیروی کی ہے اور یہ
نبی یعنی محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ سب ایمان والوں کا دوست ہے
پانچ شخص ہیں جنکی تحقیق کیئے ہوئے نسب ناموں میں معد ابن عدنان سے لیکر ابراہیم تک
پشتوں کا بیان ہوا ہے۔ ایک بیہقی۔ دوسرے ابن ہشام۔ تیسرے ابن الاعرابی۔ چوتھے
برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی علیہ السلام۔ پانچویں الجرا۔

ان میں سے پہلے یعنی بیہقی نے عدنان سے ابراہیم تک دس پشتیں اس طرح پر
لکھی ہیں" عدنان ابن عدد ابن المقوم بن یاحور بن یارح بن یعرب بن یشجب بن ثابت
بن اسمعیل بن ابراہیم"

اور دوسرے شخص ابن ہشام نے اپنی کتاب المغازی و سیر میں نو پشتیں اس طرح پر
لکھی ہیں۔ عدنان ابن عدد ابن ناحور ابن سود ابن یعرب ابن یشجب ابن ثابت ابن
اسمعیل ابن ابراہیم"۔

اور اسی کتاب کے دوسرے نسخہ میں گیارہ پشتیں اس طرح پر لکھی ہیں"۔ عدنان
ابن اود ابن سام ابن یشجب ابن یعرب ابن الہمیسع ابن ساتو ابن یامد ابن قیدار ابن
اسمعیل ابن ابراہیم"

اور تیسرے شخص یعنی ابن الاعرابی نے اس طرح پر نو پشتیں نسب نامہ میں مندرج
کی ہیں" عدنان ابن اد ابن اود ابن الہمیسع ابن ثابت ابن سلامان ابن قیدار
ابن اسمعیل ابن ابراہیم"

اول تو ان نسب ناموں کو اسمعیل تک سمجھنا غلطی ہے کیونکہ اسکے لکھنے والوں نے
جہاں تک اُنکو نام یاد تھے وہاں تک لکھکر اُسکے مشہور اشخاص قیدار و اسمعیل کا نام لیدیا ہے

اور بیچ کے نام جو یاد نہ رہے تھے چھوڑ دیئے ہیں جن لوگوں نے اُنکو پورا سمجھا ہے بڑی غلطی
کی اور خود اُس زمانہ ہی جو عدنان اور ابراہیم کے درمیان میں گزرا ہے اُنکی غلطی ثابت
ہوتی ہے۔ دوسرے یہہ کہ نسب نامے خود بھی غلط ہیں۔ ابن ہشام کے دونوں نسخے
آپس ہیں مختلف ہیں اور ثابت کے ذریعے سے اسمٰعیل تک قریش کا نسب نامہ پہونچانا
ایک ایسی غلطی ہے جو خود عرب جاہلیت کی روایتوں سے جو تاریخی وقعت کے درجہ کو پہونچ
گئی ہیں غلط ثابت ہوتی ہی۔ ابن الاعرابی کے نسب نامہ کا بھی کچھ ثبوت روایتاً یا درایتاً نہیں ہے
پس دو نسب نامے باقی رہ گئے ایک باروخ یا برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا اور دوسرا البحرانی کا۔

وا ما الذی ذکرہ البحرانی النسابۃ فی شجرۃ النسب ھو المختار (ابو الفدا)

ابو الفدا نے بھی لکھا ہے کہ جو نسب نامہ البحرانی نے لکھا ہے وہی
درست ہے اور وہی اختیار کرنیکے لائق ہے کوئی وجہ اس بات
کی نہیں ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کا جو سلسلہ برخیا کاتب
الوحی حضرت یرمیا نبی نے اپنے زمانہ تک کا لکھا ہؤا ہے اسپر ہم اعتبار نہ کریں خصوصاً اس وجہ سے
کہ معد ابن عدنان حضرت یرمیا نبی کے وقت میں تھے اور بخت نصر کے ہنگامہ میں حضرت
یرمیا نبی نے اُن کو بچایا تھا اور ساتھ لیگئے تھے اور یہہ ایک قوی قرینہ اس بات کا ہے کہ
برخیا کاتب الوحی یرمیا نبی کو معد کا نسب نامہ لکھنے کی اسمٰعیل ابن ابراہیم تک ضرورت پڑی ہوگی
یہہ شجرہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد کا یا یوں کہو کہ معد ابن عدنان کا ابراہیم تک نسب نامہ ہے
جو برخیا کاتب الوحی نے لکھا ہمارے ہاں کی کتابوں میں بھی مندرج ہے۔ چنانچہ مسعودی
نے اپنی کتاب مروج الذہب میں اُس کو بعینہ نقل کیا ہے۔ ہشام کلبی کی روایت جو
واقدی میں ہے اُس میں اُسی شجرہ کو بیان کیا ہے مگر ناموں کے تلفظ میں بسبب مجانست
الفاظ کے اور نقل کے فرق ہوگیا ہے مثلاً ایک نے ایک نام لکھا ہے اقناد قاف اور نون سے

دوسرے نے لکھا ہو اختلاف نقطوں سے یا مثلاً ایک نے لکھا ہو عیسی بالیا، اور دوسرے نے لکھا ہو عیسیٰ علیہ السلام اور غالباً کاتب نے کشش دار حرف یا کو حرف الرا سمجھ لیا ہے اسی طرح ناموں کے تلفظ و نقل میں اختلاف ہے ورنہ وہ دونوں واحد ہیں اور وہی شجرے ہیں جو برخیا کاتب الوحی نے اپنے زمانہ تک کے لکھے ہیں۔

الجرا کا نسب نامہ درحقیقت اسمعیل ابن ابراہیم تک نہیں ہے بلکہ حمل ابن معد ابن عدنان اول تک ہے یعنی وہاں تک کہ برخیا کاتب الوحی نے شجرہ لکھا تھا مگر چونکہ الجرا نے بھی اُن ناموں کو جو برخیا کاتب الوحی نے لکھے تھے چھوڑ کر حسب دستور عرب شام اُسکے اخیر میں قیدار بن اسمعیل اور ابراہیم کا نام لکھدیا تھا۔ لوگوں کو شبہہ پڑا کہ یہہ مستقل جداگانہ نسب نامہ ہی حالانکہ درحقیقت وہ برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ ہے۔ ایک اور وجہ غلطی میں پڑنے کی یہہ بھی ہوتی ہے کہ برخیا کاتب الوحی اور الجرا کے نسب نامہ میں مکرر نام آتے ہیں خصوصاً معد اور عدنان کے اور اس سبب سے لوگوں نے اُسکو جداگانہ نسب نامہ خیال کیا حالانکہ مکرر ناموں کا آنا کوئی امر قابل اشتباہ کے نہیں ہے۔ پس اب ہم برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کے نیچے الجرا کا نسب نامہ جو اُسکا تتمہ ہے لگا دیتے ہیں جس سے آنحضرت صلعم کا نسب نامہ اسمعیل ابن ابراہیم تک پورا ہو جاتا ہے جن وجوہات سے کہ ہمنے الجرا کے نسب نامہ کو برخیا کاتب الوحی کے نسب نامہ کا تتمہ بیان کیا اور دونوں کی صحت کو تسلیم کیا اُسکی وجوہات یہہ ہیں۔

اول یہ کہ اسمعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیاوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے پیدا ہوتے تھے اور محمد صلعم سنہ ۴۵۷۰ دنیاوی مطابق ۵۷۰ بعد مسیح کے پیدا ہوئے تھے پس دونوں ولادتوں میں چھبیس سو چہتر برس کا فاصلہ ہے اور اسمعیل سے آنحضرت تک اس نسب نامہ کی ستر پشتیں گزرتی ہیں جو ازروی حساب اُس سلسلۂ نسل کے جو علی العموم علوم طبعی کی تحقیقات سے اختیار کیا جاتا ہے بالکل صحیح ہے یعنی قریب تین پشت کے ایک صدی میں۔

دوسرے یہ کہ معد اور میابنی دونوں ایک وقت میں تھے چنانچہ مروج الذہب مسعودی جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ معد بن عدنان کے ارمیا بنی کے ساتھ جو حالات گزرے ہیں وہ بہت طولانی ہیں وہ حالات یہ ہیں کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا اور عدنان اور بنی جرہم کو شکست دی اور مکہ کو لوٹ لیا اور صدہا آدمیوں کو پکڑ کر بابل میں لیگیا اُس وقت اللہ تعالی نے معد بن عدنان کو اُس سے بچایا اور ارمیا بنی اور برخیا خدا کے حکم سے معد کو اپنے ساتھ لیگئے اور حیران میں اُنکو بحفاظت رکھا۔ ارمیا بنی کا زمانہ سال دنیوی کے حساب سے پینتالیسویں صدی میں یعنی چھٹی صدی قبل مسیح میں تھا اور جو نسب نامہ ہمنے صحیح قایم کیا ہے اُسمیں بھی نسلوں کا عام سلسلہ بموجب معد بھی اُسی زمانہ میں ہوتا ہے جو ایک نہایت قوی دلیل اس سلسلہ کی صحت کی ہے اور برخیا کاتب الوحی کی تاریخانہ تحریر اور عام عرب کی مشہور روایت سے عجب طرح پر مطابقت پائی جاتی ہے۔

وقد كان لارميا معه معد ابن عدنان اخبار يطول ذكرها (مسعودی)

سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد جلد ا صفحہ ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ یہ روایت معد اور ارمیا بنی کی صحیح معلوم نہیں ہوتی اسلئے کہ آنحضرت صلعم و عدنان میں اٹھارہ پشتین ہیں اور نسلوں کے صحیح حساب سے عدنان کی پیدایش ۱۳۰ سنہ قبل مسیح سے پہلے کی نہیں ہوسکتی حالانکہ بخت نصر کے حملوں کا زمانہ ۶۰۰ سنہ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے۔

مگر سر ولیم میور کو ناموں کے متحد ہونے سے یہ شبہ پڑا ہے عدنان بھی دو ہیں۔ اور معد بھی دو ہیں۔ ایک وہ ہیں جو برخیا کاتب الوحی کے شجرہ میں ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو الجرا اوالے نسب نامہ میں ہیں۔ پس وہ روایت نسبت پہلے معد ابن عدنان کے ہے۔ سر ولیم میور نے دوسرے معد ابن عدنان کی نسبت وہ روایت تصور کی ہے۔ عک بلاشبہ معد کا بھائی تھا مگر اُس سے پہلے معد کا نہ دوسرے معد کا جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ عرب کے

ضلع حضرموت میں جو قلعہ قوم عاد کا از نام حصن الغراب تھا اوجمیں سے ایک کتبہ نکلا جسمین
ہود پیغمبر کا ذکر ہے اور اُسمین عمک کا بھی نام ہے - یہ عمک اُسی ہلوسعد کا بھائی معلوم ہوتا ہے
ہمارے اس خطبہ کے پڑہنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ محمد صلعم سے عدنان تک جو
ہمارے مرتبہ شجرہ مین بحا بسویں نمبر پر ہے پشتوں کا سلسلہ عموماً تسلیم کیا گیا ہے اور کسی مورخ
کو اُس میں اختلاف نہیں ہے مگر عدنان سے آگے بلحاظ اُن وجوہات کے جو اوپر مذکور
ہوئیں مورخوں میں اختلاف ہے - بیہقی کا قول ہے کہ اُسکے اُستاد حافظ ابوعبداللہ
کہتے تھے کہ رسول خدا صلعم کا نسب عدنان تک صحیح ہے قال البیہقی المذکور کان شیخنا
اور اوس سے اوپر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسپر بھروسا ابو عبد اللہ الحافظ یقول نسب
کیا جاوے " مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہہ قول بیہقی کا رسول اللہ صلعم صحیحا الی عدنان
اگر صحیح ہو تو اُسکے استاد کی ایک راے وسمجہ ہے کوئی وما وراء عدنان فلیس فیہ
مذہبی حدیث نہیں ہے جسپر یہہ استدلال ہو سکے کہ مذہبی شئ نعتمد علیہ (ابو الفدا)
روایت کے بموجب اُس کی صحت نہیں ہے -

بلاشبہ اہل عرب بنی اسرائیل سے نہایت قرابت قریبہ رکھتے تھے وہ اسمعیل کی اولاد
تھی اور یہہ اُسکے بھائی اسحق کی - وہ ان پڑہ جاہل تھے - اور یہہ لکھے پڑھے قابل -
پس یہہ ایک قدرتی وطبعی بات تھی کہ جس بات سے وہ ناواقف ہوں اپنے اسرائیلی بھائیوں سے
اُسکو دریافت کریں یا جس بات کی تفصیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی
تھی اسکا مفصل حال اپنی اسرائیلی بھائیوں سے پوچھیں خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ حالات و تاریخی واقعات کی نسبت بنی اسرائیل سے روایت کرنیکو
منع نہیں فرمایا تھا بلکہ اجازت دی تھی اور جس کسی بات مین کوئی خاص حکم نہ تھا تو یہود کے

تتبع کو جو اہل کتاب بھی مناسب سمجھا تھا - پس جبکہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے نسب نامہ لکھنے کا خیال ہوا
جسکا کبھی انکو آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہوا تھا تو بلاشبہ اُنھوں نے یہودیوں اپنے اسرائیلی
بھائیوں سے جو لکھے پڑھے تھے اور جنکے ہاں تاریخ نویسی اور نسبناموں کی تحریر کا بھی سلسلہ جاری تھا مدد لی
اور اونکی کتابوں کی بھی تحقیق کی اور نسب نامہ مرتب کیا اور یہی وجہ ہوئی کہ بسبب مشابہ ہونے حروف
ہجی عبری کے پھر اُسکی دوسرے خط کوفی میں نقل ہونے پھر خط ثلث میں نقل ہونے اور پھر
موجودہ خط عربی میں نقل ہونے سے الفاظ کا الٹ پھیر تلفظ کا ادل بدل ہوا اور کاتبین کی غلطی سے
کوئی نام رہ گیا کوئی بڑہ گیا جو منشاء اختلاف ہے مگر جب کمال غور و فکر سے اُسپر لحاظ کیا جاوے
تو اُسکی صحت بخوبی ہوسکتی ہے جیسے کہ بقدر اپنی فہم کے ہمنے کی ہے - چنانچہ انہی واقعات کا
ذکر واقدی نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ مَیں نے اس بات میں کہ معد اولاد قیدار بن اسمعیل
میں ہے کسی کا اختلاف نہیں دیکھا اور یہہ اختلاف جو آپ کے نسب میں ہے اسبات کی دلیل ہے

ولم ار بینھم اختلافا ان معدا من اولاد	کہ اہل عرب کو یا مسلمانوں کو نسب نامہ یاد نہیں تھا
قیدار بن اسمعیل وھذا الاختلاف فی	اُنھوں نے یہ نسبنامہ اہل کتاب سے لیا ہے
نسبه یدل علی انه لم یحفظ وانما اخذ	اُنھوں نے اُسکو ترجمہ کردیا اور پھر اُن کو اس میں
ذلك من اهل الكتاب وترجموه لهم	اختلاف ہوگیا - اور اگر یہہ نسبنامہ صحیح ہوتا تو رسول خدا
فاختلفوا فيه ولو صح ذلك كان رسول الله	صلعم سب لوگوں سے زیادہ اُسکے جاننے والے تھے
اعلم الناس به فالامر عندنا على	پس ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ معد ابن عدنان
الانتهاء الى معد ابن عدنان ثم الامساك	تک ٹھیر جانا چاہیئے اور اُس سے آگے اسمعیل
عما وراء ذلك الى اسمعيل ابن ابرهيم	تک کچھ نہ کہنا چاہیئے -

(کاتب الواقدی)

واقدی کے اس فقرہ کو سر ولیم میور نے بھی

اپنی کتاب لائف آف محمد میں نقل کیا ہے مگر اس میں کوئی ایسی بات جس میں آنحضرت صلعم کے اولاد اسمعیل ہونے میں شبہ پڑے نہیں ہے یہ بات سچ ہے کہ ہمکو نسب نامہ ابراہیم تک یاد تھا یہ بھی سچ ہے کہ ہمنے یہودیوں سے جو ہمارے اسرائیلی بھائی ہیں یا اُنکی کتابوں سے اُسکے تحقیق کرنے پر مدد لی ہے جو وجہ اختلاف ہمنے بیان کی ہے اُسی کی طرف واقدی نے بھی اشارہ کیا ہے - یہہ بھی سچ ہے کہ رسول خدا صلعم اعلم الناس تھے اگر اُن کے سامنے اس کا تذکرہ ہوتا یا اُسکی بیان کی ضرورت ہوتی یا آنحضرت سے پوچھا جاتا تو خدا کی ہدایت سے بالکل صحیح و درست بتلا دیتے مگر نہ اُسکی ضرورت ہوئی نہ آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا اور اسی وجہ سے ہمکو اور ذریعوں سے تحقیق کرنیکی ضرورت پڑی باقی جو کچھ واقدی نے کہا ہے وہ خاص واقدی کی راے ہے اوسکے نزدیک معد بن عدنان تک نسب نامہ کی تحقیقات میں کچھ شبہہ نہیں ہے اوس سے زیادہ اوسکو تحقیق نہیں ہوا اسلیئے وہ کہتا ہے کہ معد بن عدنان سے زیادہ بیان کرنا کچھ ضرور نہیں مگر ہماری تحقیق یہہ ہے کہ برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کا لکھا ہوا شجرہ صحیح ہے اور وہ اسمعیل ابن ابراہیم تک پہونچا ہوا ہے -

سر ولیم میور صاحب کا یہ کہنا ہم دل سے قبول کرتے ہیں کہ یہہ بات صاف صاف تسلیم کیجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب نامہ عدنان تک خاص عرب کے ملکی روایتوں سے لیا گیا ہے اور عدنان سے آگے یہودیوں سے" مگر ہماری تحقیق اور سر ولیم میور کی تحریر میں اتنا فرق ہے کہ وہ اُس عدنان تک عرب کی ملکی روایتوں کا نسب نامہ تبلاتے ہیں جو ہمارے مرتبہ کرسی نامہ میں پچاپن نمبر پر ہے اور ہم اُس عدنان تک ملکی روایتوں کا نسب نامہ قبول کرتے ہیں جو اکتالیس نمبر پر ہے اور باقی کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہود کی تاریخ سے لیا ہوا ہے -

ہمکو اس بات کے دیکھنے سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنی کتابوں اور تحریر میں کیوں اس امر کے ثابت کرنے میں بیفائدہ سعی کی ہے اور اپنا وقت ضایع کیا ہے اور قواے عقلیہ و دماغیہ کو صرف کیا ہے جس سے ہم مسلمان کبھی منکر نہیں ہوئے یعنی یہہ امر کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے مذہب میں ایک تعلق ہے اور پچھلا پہلے پر مبنی ہے اور جب وہ اس امر کو نہایت سعی بے حاصل سے ثابت کر چکتے ہیں تو ازراہِ طعن ہم پر یہہ الزام لگاتے ہیں کہ ہمنے فلاں فلاں بات یہودیوں کے مذہب سے لی ہے گویا مذہب اسلام میں ایسی بات نہیں ہے جو خود وہ اپنے اصول پر قائم ہو بلکہ یہودیوں کے ہاں سے چرایا ہوا ہے اور جیسے کہ مذہب عیسائی بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ویسا ہی مذہب اسلام بھی مذہب یہود کا محتاج ہے اگرچہ یہہ امر کہ کون سا مذہب مسلمانی یا عیسائی زیادہ تر بلکہ بالکل مذہب یہود کا محتاج ہے ہر ایک پر روشن ہے مگر ہم خوشی سے امر مذکور کو تسلیم کریں گے کیونکہ جو مشابہت ان دونوں ربانی الہامی مذہبوں میں پائی جاتی ہے اُس سے انکار کرنے کے بدلے ہم اُسکو اپنا نہایت فخر سمجھیں گے کہ ہم مسلمان ہی ہیں جو ہر ایک سچے اور خدا کے بھیجے ہوئے نبی کے سچے پیرو ہیں - ہم ہی یقین کرتے ہیں کہ آدم و نوح اور ابراہیم و یعقوب و اسحق و اسمٰعیل و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین سب کا ایک ہی دین تھا - ہمارے پیغمبر کو خدا نے فرمایا کہ

قل یا اھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ (قرآن) "یہودیوں اور عیسائیوں سے کہدے کہ ایک بات کو مان لو جو تمہارے ہاں بھی وہی ہے اور وہ یہہ ہے کہ خدا کے سوا اور کسیکو مت پوجو" - ہم مسلمانوں کا ذاتی فخر یہی ہے کہ ہم یہودیوں سے زیادہ موسیٰ کلیم اللہ کے اور عیسائیوں سے زیادہ عیسیٰ روح اللہ کے پیرو ہیں جنہوں نے یحییٰ و عیسیٰ اور محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی اور اُنکی پیروی کی ہدایت

کی تھی۔ مگر یہودیوں نے اُن تینوں کو اور عیسائیوں نے اِس پچھلے کو جسپر ایمان کا خاتمہ تھا نہ مانا مگر سچی پیروی موسیٰ و عیسیٰ کی ہم مسلمانوں ہی نے کی۔

آنحضرت صلعم کے نسب نامہ کی نسبت کیا یہود دگفتگو عیسائیوں نے کی ہے۔ خدا تعالیٰ کے اِس وعدہ کا پورا ہونا جو اُسنے بنی اسرائیل سے موسیٰ کی زبانی کیا کہ "میں تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی پیدا کرونگا" کچھ اسبات پر منحصر نہ تھا کہ بنی اسمعیل کی نسلیں محمد سے لیکر اسمعیل تک ہمکو کامل ترتیب اور پوری تعداد سے یاد ہوں اور نہ اسبات پر اُسکا انحصار تھا کہ وہ کرسی نامہ ہم عرب کی ملکی روایتوں سے یاد کریں یا یہود کی روایتوں پر یا برخیا کاتب الوحی ارمیا نبی کی تحریروں سے۔ وہ تو اسمعیل کی اولاد میں سے ایک کے لیے ہونا تھا سو محمد رسول اللہ کی نسبت پورا ہوا۔ تمام عرب اور یہود اور عرب کے قرب و جوار کی تمام قومیں اور اگلے پچھلے تمام مورخ خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا کسی اور ملک کے مسلمان ہوں یا کسی اور مذہب کے اسبات میں ذرا بھی شبہ نہیں رکھتے بلکہ بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ نبی ہاشمی قریشی اسمعیل ابن ابراہیم کی اولاد میں ہیں۔

محمد رسول اللہ نے قریش کو پکار کر مخاطب کیا کہ "ایبکما ابرهیم" جسکو سب نے تسلیم کیا اور کون ایسا شخص ہے کہ جس میں اسقدر جرأت ہو کہ وہ سچ بات کو تسلیم نہ کرے چنانچہ ہم اس مقام پر چند رائیں عالم مورخوں کی نقل کرتے ہیں ابو الفدا لکھتا ہے کہ

ونسبه صلعم الی عدنان متفق علیه من غیر خلاف وعدنان من ولد اسمعیل بن ابراهیم الخلیل علیه السلام من غیر خلاف لکن الخلاف فی عدد الاباء الذین بین عدنان واسمعیل فعد بعضهم منها الی اربعین رجلا وعد بعضهم سبعة (ابو الفدا)	نسب آنحضرت صلعم کا عدنان تک متفق علیہ ہے بغیر اختلاف کے اور اس میں بھی کہ عدنان اولاد اسمعیل ابن ابراہیم میں ہے کچھ اختلاف نہیں ہے لیکن اُن پشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے

جو عدنان اور اسمعیل کے درمیان میں ہیں پس بعضوں نے تو چالیس پشتوں کے قریب گنی ہیں اور بعضوں نے سات"۔ جن لوگوں سے معیشہ سی تا گنی تھیں اُنکی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پس اصل میں وہ بھی کچھ اختلاف نہ تھا بلکہ صرف سمجھ کی غلطی تھی۔

مشہور مؤرخ مسٹر گبن جو تمام عالم میں مشہور ہے لکھتا ہے کہ "محمد کو حقیر اور متبذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افترا ہے۔ ایسا افترا کرنے سے بجائے اسکے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹا دیں اسکی خوبیوں کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں سمعیل سے اُن کی نسل کا ہونا ایک قومی تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایت سے ثابت شدہ امر ہے۔ بالفرض اگر ان کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہوں اور ابہام میں ہوں تو اور بہت پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف و نجیب ہیں وہ قریش اور بنی ہاشم ہیں جو اہل عرب میں نہایت نامی اور مکہ کے فرمانروا اور کعبہ کے موروثی محافظ تھے"

روزنڈ مسٹر فارسٹر صاحب بھی یہی گواہی دیتے ہیں اور اُن کی گواہی ایسی ہے جو غالباً اُنہوں نے خوشی سے ندی ہوگی وہ لکھتے ہیں کہ "اب تک ہمنے قیدار کا سُراغ قدیمی جغرافیہ سے لگایا ہے اب اسبات کا دیکھنا باقی ہے کہ قدیمی روایتوں کو عرب کی روایتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے کیا ثبوت حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یورپ کے نکتہ چینوں کی رائے میں عرب کی ایسی روایت جسکی تائید میں اور کوئی ثبوت نہو گو کیسے ہی اعتراض کے قابل ہو مگر روایت کی جانچ اور پڑتال کے جو قواعد مسلمہ ہیں اُن کے مطابق اُنپر غور کرنے سے اس بات کا انکار کرنا ناممکن ہے کہ وہ روایت مذہبی اور دنیاوی دونوں طرح کی تاریخ کے مطابق ہے۔ خاص عرب کے لوگوں کی یہ خاص قدیمی روایت ہے کہ قیدار اور اُس کی اولاد ابتدا میں حجاز میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قوم قریش اور خصوصاً مکہ کے بادشاہ اور کعبہ کے متولی ہمیشہ اس بزرگ کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور خاص حضرت محمدؐ نے اسی بنیاد پر کہ اسمعیل کی نسل اور قیدار کی اولاد

ہیں اپنی قوم کی دینی اور دنیوی عظمتوں کے استحقاق پر تائید کی ہے"۔

صرف سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں علماء کی متفق رائے سے اختلاف کیا ہے ہم اُس اختلاف کے جانچنے پر مستعد و آمادہ ہیں۔ اُنہوں نے صرف اپنے قیاسی باتوں سے اُن حقیقتوں پر اعتراض کیا ہے جو آفتاب کیطرح روشن ہیں اور مذہبی اور دنیوی دونوں طرح کی تاریخ سے بلا کسی شبہ کے ثابت ہوتی ہیں چنانچہ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ جو کوششیں ہمیشہ مذہب اسلام کی روایتوں اور عرب کے قصوں کو توریت اور یہودیوں کی روایتوں سے مطابق کرنے کیواسطے کی گئی ہیں اُسکو بھی ہم اُسی سبب سے منسوب کر سکتے ہیں اس کلیہ کو خاص حضرت محمدؐ کے حالاتِ حیات سے بہت کم تعلق ہے لیکن وہ اُن کے بزرگوں اور عرب کی قدیمی روایتوں سے ایک وسیع اور مؤثر تعلق رکھتا ہے۔ یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیل کی اولاد میں سے خیال کیا جاوے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیل کی نسل میں سے ثابت کئے جاویں اُنکی عین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلہ گھڑے گئے تھے اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے"۔

مگر سر ولیم میور کے اس قیاس کی غلطی کیسی علانیہ ظاہر ہے۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں ہوا کہ کوئی نسب نامہ ابراہیم تک درست کیا جاوے نہ کبھی اس بات کا دھیان ہوا کہ آنحضرت کو اولاد ابراہیم ثابت کرنے میں کوشش ہو۔ یہ ایک ایسی بات ثابت شدہ و محقق تھی کہ جس میں کسیکو کسی جدید ثبوت کی تلاش کی حاجت نہ تھی۔ کیا آفتاب نصف النہار کے اثبات کا دن دھاڑے کسیکو خیال آ سکتا ہے؟ تمام قرآن مجید میں کہیں اس بات پر زور نہیں ڈالا گیا۔ تمام معتبر کتابیں حدیثوں کی اس مباحثہ سے خالی ہیں چند نامعتبر

روایتیں جو کئی صدی بعد وفات آنحضرت صلعم کے پیدا ہوئیں اور اُسوقت پیدا ہوئیں جب کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا اور مصنفوں نے آنحضرت صلعم کا نسب نامہ لکھنا چاہا اُن کا بھی سلسلہ سند آنحضرت تک نہیں پہونچایا گیا - پس یہہ قیاس کرنا کیسا غلط قیاس ہے کہ یہہ خواہش آنحضرت صلعم کی زندگی میں پیدا ہوئی تھی۔ ہمارے علما نے جب آنحضرت صلعم کا نسب نامہ لکھنا چاہا تو اُس کی تحقیقات کی اور اُسکی نسبت جو اُن کی راے اور تحقیقات ہوئی بلا کسی تامل کے بلا کسی خیال کے بلا کسی تردد کے بلا کسی دل کے دھکڑ پکڑ کے نہایت بے پروائی اور سادگی و صفائی سے لکھدی جس سے خود یہہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کے دل میں نہ کبھی اس امر میں شبہہ تہا نہ اُن کو تردد تھا نہ کبھی اُنکو اس بات کے ثابت کرنیکی فکر تھی اور نہ کبھی وہ چوری و فریب اُن کے دل میں تھا اور نہ کبھی اُس کے ثبوت کے درپے تھے جسکا قیاس سر ولیم میور نے اپنی راے میں کیا ہے پس وہ اُن کا قیاس محض غلط ہے اور مطلق اعتبار کے لائق نہیں -

اَب ہم اس خطبے کے خاتمہ میں اپنے پیغمبر کا نسب نامہ جس طرح پر کہ ہمنے تحقیق کیا مندرج کرتے ہیں اور چونکہ مجھکو بھی اس بات کا فخر حاصل ہے کہ میں بھی اُسی آفتاب عالمتاب کے ذروں میں سے ہوں اسلیئے اپنے نسب نامہ کو بھی اُسکے ساتھ شامل کر دیتا ہوں تاکہ جو روحانی ارتباط مجھکو اُس سرورِ دوجہاں سے ہے - اور جو خون کا اتحاد مجھ میں اور اس سرورِ عالم میں ہے اور جس کے سبب "لحمک لحمی ودمک دمی" - کا ہمارا مولی خطاب ہے اس ظاہری ارتباط سے بھی معزز ہو جاوے -

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

الخطبۃ العاشرۃ

فی

البشارات المذکورۃ فی التوراۃ والانجیل

یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ

توریت زوصفت لست معمور انجیل زنام لست مشہور

قرآن مجید کے بموجب ہم مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ توریت اور انجیل دونوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی ایسی صاف صاف بشارتیں مذکور ہیں جن میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔

خداتعالی نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے کہ جو لوگ کہنا مانتے ہیں رسول بن پڑھے نبی کا جسکا

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین امنوا بہ وعزروہ

ذکر اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توریت وانجیل میں وہ اُن کو اچھی باتوں کے کرنے کو کہتا ہے اور بری باتوں کے کرنے سے منع کرتا ہی اور ستھری چیزوں کو اُن کے لئے حلال کرتا ہی اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہی اور اُن کا بوجھ اُنپر سے اُتارتا ہی اور جو مشقتیں اُنکے گلے کا طوق ہو رہی

ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئك هم المفلحون (سورہ اعراف آیت ۱۵۶) تحقیق اُن کو دُور کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اسپر ایمان لانے اور اُس کا ادب کیا اور اُسکی مدد کی اور اُس نور کی تابعداری کی جو اُس کے ساتھہ اترا وہی لوگ ہیں نجات پانے والے۔

پھر دوسری جگہہ خدا تعالیٰ نے سورہ صف میں فرمایا ہو کہ جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاءهم بالبینات قالوا هذا سحر مبین (سورہ صف آیت ۶) کہ اے بنی اسرائیل بیشک مجھکو خدا نے رسول کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو میرے سامنے ہو اور بشارت دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد ہوگا اور اوسکا نام احمد ہو پھر جب وہ پیغمبر (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے پاس آیا کھُلی ہوئی دلیلیں لیکر تو انہوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے۔

مسلمان کل عہد عتیق کو جس میں حضرت موسیٰ کی پانچوں کتابیں اور زبور و صحف انبیا داخل ہیں توریت کہتے تھے۔ کیونکہ اُن سب کے سرے پر جو کتاب تھی اُسکا نام توریت تھا اور عہد جدید کی کتابوں کو سوائے اعمال او رحواریوں کے ناموں کے انجیل کہتے تھے کیونکہ وہ سب کتابیں انجیل کے نام سے موسوم تھیں۔ قرآن وحدیث میں بھی انہیں معنو میں لفظ توریت وانجیل کا وارد ہوا ہے۔ پس قرآن مجید سے یہہ تو پایا گیا کہ توریت و انجیل میں ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اور لقب بھی مذکور ہے۔ مگر یہہ نہیں معلوم ہوا کہ کس جگہہ توریت وانجیل میں یہہ ذکر ہے۔ اس سبب سے مسلمان عالموں نے توریت وانجیل میں اُسکی تلاش شروع کی۔ مگر انہوں نے عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابونکو

نہایت ابتر و پریشان حالت میں پایا۔ کیونکہ کوئی اصلی قلمی نسخہ توریت و انجیل کا دُنیا میں موجود تھا اور جسقدر نقلیں موجود تھیں وہ آپس میں نہایت مختلف تھیں۔ یہودیوں کے جو بڑے نامی دو مدرسے تھے تو جو کتابیں مشرقی مدرسہ میں مروّج تھیں اُن میں اور مغربی مدرسہ کی کتابوں میں نہایت اختلاف تھا۔ اور سامری یونانی زبان میں توریت کے جو ترجمے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے۔ اور جو ترجمے مشرقی زبانوں میں ہوئے تھے وہ بھی ایسے ہی مختلف تھے اور ہرگز یہہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ یہہ سب ایک ہی اصلی کتاب کے ترجمے ہیں۔ علاوہ اسکے مسلمان عالم مذہبی امور اور کلام الٰہی کی تصدیق کے لئے سند مسلسل کے عادی تھے اور ہر مسلمان عالم اپنی مذہبی کتاب اور مذہبی روایت کو اپنے اُستاد اور اپنے اُستاد کے اُستاد (اور علی ہذا القیاس) کی زبانی گواہی یا سند سے اصل تک اُس کا ثبوت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ قرآن مجید کے بھی مکتوبی نسخوں کے بھروسہ پر نہ تھے بلکہ اُسکے ہر ہر لفظ کی اور زیر و زبر تک کی مسلسل سند اپنے پاس رکھتے تھے۔ مگر توریت و انجیل کی ایسی مسلسل سند بھی کوئی موجود نہ تھی بلکہ اُن موجودہ نقلوں کی صداقت کے لئے بھی کوئی ایسا سلسلہ ثبوت کا جس سے کچھہ شبہ نہ رہے موجود نہ تھا۔ علاوہ اسکے جب مسلمان عالموں نے توریت میں بعض مقام پر ایسی باتیں لکھی ہوئی پائیں جو نہایت اخلاق کے برخلاف تہیں اور بعض ناپاک افعال پاک اور مقدس بزرگوں اور نبیوں کی طرف منسوب تھے جن کا واقع ہونا اُن بزرگوں سے مسلمان کسیطرح یقین نہیں کرسکتے تھے بلکہ خود مذہب اسلام نے اُن کو تعلیم کی تھی کہ تمام انبیا معصوم تھے اور افعال قبیحہ ایسے پاک اور معصوم بزرگوں سے سرزد ہونے غیر ممکن ہیں تو وہ اُن مقاموں کو دیکھکر نہایت حیران اور متعجب ہوگئے اور اُن کے دل میں اسبات کا شبہہ پیدا ہوا کہ توریت و انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔

اور جبکہ اُن کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد آئی کہ یہودی بدل ڈالتے ہیں لفظوں کو انکی جگہ سے یحرفون الکلم عن مواضعہ (سورۂ نساء آیت ۴۸ و سورۂ مائدہ آیت ۱۶) توانکا وہ شبہ درجہ یقین کو پہونچ گیا اور انہوں نے توریت وانجیل میں زیادہ تو تفتیش کرنیکی ہمت نہ کی۔ اور یہہ خیال کرکے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت وانجیل میں تحریف کر دی ہے اور خصوصاً وہ مقامات جہاں جہاں ہمارے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں تھیں بدلدی ہیں تلاش کرنی چھوڑدی اور اپنی کم محنتی اور کاہلی اور ہمت چھوڑدینے کے الزام سے بچنے کے لیئے تحریف کے الزام کو بطور سپر کے بنا لیا۔

مگر یہہ حال اُنہی لوگوں کا تھا جو علم اور تحقیق کے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہونچے تھے اور استقلال کے ساتھہ تحقیقات بھی نہیں کی تھی بلکہ اوپری اوپری باتوں میں پھنس رہے تھے برخلاف اس کے بڑے بڑے عالم اور فاضل اور دیندار لوگ جن کا نام دنیا میں بھی مشہور تھا اور آخرت میں بھی مشہور ہوگا نہایت استقلال اور تحمل سے اُسکی تحقیقات میں مصروف تھے اور اُسکی جڑ تک پہونچ گئے تھے اُن کا یہہ قول تھا کہ قرآن مجید میں جو تحریف کا الزام یہودیوں وعیسائیوں پر خدا نے لگایا ہے اُسکا یہہ مطلب نہیں ہے کہ اُنہوں نے جان بوجھ کر قصداً توریت وانجیل کے لفظوں کو بدل دیا ہے بلکہ یہہ مطلب ہے کہ لفظوں کے معنی پھیر دیئے ہیں چنانچہ امام محمد اسمعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "یحرفون الکلم عن مواضعہ" کی تفسیر میں لکھا ہے "ای یاولونہ علی غیر تاویلہ" پس وہ لوگ تحریف لفظی کے قایل نہ تھے۔ البتہ یہہ بات تسلیم کے قابل تھی کہ قلمی نسخوں میں کاتبوں کی سہو اور غلطی سے بہت سی غلطیاں پڑ گئی تھیں اسلئے اُن بزرگوں نے پہلی قسم کے عالموں کی مانند ہمت نہیں ہاری اور تلاش وتفتیش سے باز نہیں رہے اور خدا تعالیٰ نے انکی سعی کو مشکور کیا

اور نہایت کامیابی سے اُنہوں نے توریت اور انجیل میں اور یہودیوں کی روایتوں میں وہ مقام ڈھونڈ نکالے جہاں پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارتیں موجود تھیں چنانچہ وہ سب روایتیں ہم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں اور کتب سیر و تواریخ میں برابر مندرج ہوتی چلی آتی ہیں۔

اگرچہ میں اُن بزرگ عالموں کی کوشش اور محنت کی نہایت قدر کرتا ہوں اور اُن بزرگوں کا مسلمانوں پر نہایت احسان مانتا ہوں اور اُن کو ہر طرح قابل ادب سمجھتا ہوں مگر میں اپنے اس خطبہ میں اُن سب کا ذکر کرنا ضرور نہیں سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ اُن عالموں نے اپنی انتھک محنت سے نکالا ہے گو وہ کیسا ہی مفید ہو الا نقص سے خالی نہیں۔

اول تو یہہ نقص ہے کہ وہ بزرگ ایک عام طور پر لکھدیتے ہیں کہ یہہ بشارت توریت میں ہے اور وہ بشارت انجیل میں ہے اور اُس خاص مقام کا جہاں سے وہ مطلب اخذ کیا ہے کچھ پتہ و نشان نہیں تبلاتے۔

دوم۔ اُن بشارات کے بیان کرنے میں اس خاص کتاب کا بھی نام نہیں بیان کرتے جہاں سے وہ بشارت نکالی ہے یعنی یہہ نہیں بتلاتے کہ وہ بشارت حضرت موسیٰ کی کتابوں میں ہے یا زبور میں یا صحف انبیا میں اور جو پُرانے قدیم نسخے چلے آتے تھے اور جن میں اختلاف عبارت بھی تھا اور اُن کے جُدا جُدا نام تھے اُن میں سے بھی کسی نسخے کا نام نہیں تبلاتے کہ کون سے نسخہ میں یہہ بشارت تھی اور نہ جس کتاب سے وہ بشارت لکھی ہے اسکی اصل عبارت نقل کرتے ہیں بلکہ اُس کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں جو مذکورۂ بالا نسخوں میں سے کسی کے ساتھہ مطابق نہیں ہوتا۔

سوم۔ اُن کتابوں کے سوا جو اس وقت مجموعۂ عہد عتیق اور عہد جدید میں داخل ہیں

اور کتابیں بھی تھیں جواب دستیاب نہیں ہوتیں یا غیر معتبر اور مشتبہ سمجھی جاتی ہیں اور اس سبب سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ بشارتیں جو اُن بزرگوں نے لکھی ہیں اور جو موجودہ نسخوں میں نہیں پائی جاتیں وہ کن نسخوں سے لی گئی ہیں یعنی اُن کتابوں سے جو اب دستیاب نہیں ہوتیں یا اُن سے جو غیر معتبر و مشتبہ سمجھی جاتی ہیں۔

چہارم۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ بعض بشارتیں کتابوں میں لکھی ہوئی موجود تھیں بلکہ سینہ بسینہ بطور روایت کے چلی آتی تھیں جیسا کہ انجیل متی میں حضرت مسیح کے ناصری کہلانے کی بشارت کا اسطرح پر ذکر ہے کہ "وہ آیا اور اس شہر میں رہا جسکو ناصری کہتے تھے تاکہ وہ بشارت پوری ہو جو انبیائ کہتے آتے تھے کہ وہ ناصری کہلاویگا" (متی باب ۲ - ۲۳) حالانکہ یہہ بشارت کسی نبی کی کتاب میں مندرج نہیں ہے پس وہ بشارتیں جنکو مسلمان عالموں نے زبانی روایتوں سے لیا ہے اُن کی بھی کوئی معتبر سند نہیں تبلائی - فرض کرو کہ وہ بشارتیں صحیح ہونگی مگر جب اُنکی معتبر سند نہیں تبائی گئی تو وہ بھی نقص سے خالی نہیں اور اسلیئے اونکا بھی اس خطبہ میں ذکر کرنا کچھ مناسب نہیں۔

پنجم۔ بعض بشارتیں اب بھی اُن کتابوں میں موجود ہیں جن کو عیسائی نامعتبر سمجھتے ہیں اور گو ہمارے پاس کافی ثبوت اس بات کا ہو کہ وہ صحیح ہیں لیکن ہم اپنے اس خطبہ میں اُن کا بھی ذکر نہیں کرنے کے بلکہ صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کریں گے جو موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہیں جسکو تمام یہودی اور عیسائی مانتے ہیں تاکہ کسیکو اُس میں دَم مارنے کا مقام نہ رہے۔

ششم۔ علاوہ اس کے موجودہ مجموعہ عہد عتیق اور عہد جدید میں دو قسم کی بشارتیں موجود ہیں۔ ایک ایسی ہیں کہ اگر بغیر تعصب طرفداری و ضد کے انپر غور ہو اور اُن کے

معنوں میں تحریف نہ کی جاوے تو وہ صاف صاف ہمارے جناب پیغمبر خدا صلعم پر صادق آتی ہیں اور دوسری قسم کی ایسی ہیں کہ اُن سے یہہ تو معلوم ہوتا ہی کہ کسی پیغمبر کے ہونے کی بشارت ہی مگر یہہ بات صاف نہیں معلوم ہوتی کہ کس پیغمبر کی بشارت ہی اور اسیلئے ہر ایک قوم دعویٰ کر سکتی ہی کہ وہ بشارت ہمارے پیغمبر سے متعلق اس قسم کی بشارتیں بھی جھگڑے سے خالی نہیں اسیلئے میں انکا بھی اس خطبہ میں ذکر نہیں کرتا پس ہمارے خطبہ کے پڑھنے والے خیال کریں گے کہ بوجوہات مذکورہ بالا جسقدر بشارتوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے انکی تعداد بمقابل اُن بشارتوں کے جن کا اس خطبہ میں ذکر کیا ہی بہت زیادہ ہے

توریت و انجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارتیں ایسی مہمل اور مجمل طور سے بیان ہوئی ہیں کہ پہیلی اور معمے کی مانند ہو گئی ہیں اور جب تک انکی تشریح نہ کیجاوے اور اُن کا حل نہ بتایا جاوے تو اُن کا مطلب ہر ایک کی سمجھہ میں نہیں آسکتا پس اگر ہم یکایک جناب پیغمبر خدا محمد رسول اللہ صلعم کی بشارتوں کو بیان کرنا شروع کر دیں تو ضرور بعض لوگوں کے دل میں خیال جاویگا کہ یہہ کیسی مجمل اور مشکل بشارت ہی اسیلئے اول ہم اُن بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جو حواریوں کے کہنے کے مطابق عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت آئی ہیں اور اوس کے بعد اُن بشارتوں کو لکھیں گے جو توریت و انجیل میں جناب پیغمبر خدا صلعم کی نسبت آئی ہیں اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو یہہ کہ ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے اس بات سے واقف ہو جاویں گے کہ بشارتوں کے بیان کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح کنایہ اور اشارہ سے بطور پہیلی یا چیستان کے بیان ہوتی ہیں دوسرے یہہ کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت جو بشارتیں ہیں اور جو بشارتیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہیں اُنکے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمارے پیغمبر صاحب کی بشارتیں حضرت عیسیٰ کی بشارتوں کی بہ نسبت بہت زیادہ روشن اور نہایت صاف صاف ہیں جنکی صحت کو مخالف کا دل بھی قبول کر لیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہہ بشارتیں ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں

۱۔ جب احاز یہود کے بادشاہ پر رصین بادشاہ ارم اور فقح بادشاہ رملیا بادشاہ اسرائیل بیٹے چڑہائی کی تو احاز بادشاہ یہود بہت گھبرایا۔ اس زمانہ میں حضرت شعیا پیغمبر تھے اُن سے التجا کی اُنہوں نے احاز کو تسلی دی اور فرمایا کہ تو خوف نہ کر تیرے دشمن تجہپر غالب ہوں گے اور اُس خوف کے رفع ہونے کی مدت اور اپنے قول کی صداقت کا یہہ نشان بتایا کہ ایک کواری کو حمل رہیگا وہ بیٹا جنے گی اور اوسکا نام عمانوئیل رکھا جاویگا اور جب وہ ذرا ہوشیار ہوگا تو جو خوف تجہکو دشمنوں سے ہے جاتا رہیگا اور تیرے لئے بہت اچھے دن آویں گے (یہہ مضمون اشعیاہ نبی کی کتاب کے ساتویں باب میں مندرج ہے) پھر اُسی کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں مذکور ہے کہ وہ لڑکا پیدا ہوا جسکا نام ماہیر شالال حاشبز رکھا گیا اور جب وہ ہوشیار ہوا تو احاز کو دشمنوں کا جو خوف تھا جاتا رہا۔

باا ینہمہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی ہے جو کواری مریم سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ سینٹ متی فرماتے ہیں کہ جب حضرت مسیح کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھہ ہوئی تو اس سے پہلے کہ وہ ہم بستر ہوں روح قدس سے حاملہ پائی گئی تب اوسکے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اُسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کے سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسپر خواب میں ظاہر ہو کے کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت ڈر کیونکہ جو اُس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے ہے اور وہ بیٹا جنیگی تو اُسکا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچاوے گا یہہ سب کچھہ اسلئے ہوا کہ

جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا کہ دیکھو ایک کواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اُس کا نام عمانوئیل کہیں گے جسکا ترجمہ یہہ ہے "خدا ہمارے ساتھ" (انجیل متی باب ۱ آیت ۱۸ لغایت ۲۲)

پس اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ کیسی مہمل اور مشتبہ پیشین گوئی کس وقت کس مطلب کیلئے کہی گئی تھی۔ مگر حضرت متی نے اُس کو اشارۃً وکنایۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت قرار دی ہے۔

۲۔ حضرت میکا نبی نے بہت سی باتیں آئندہ کی اشارات وکنایات میں کہی ہیں کہ یہ ہوگا اور وہ ہوگا اُس میں اُنہوں نے یہہ بھی فرمایا ہے کہ "اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں چھوٹا ہے لیکن میرے لئے ایک شخص جو بنی اسرائیل میں سلطنت کریگا اور اوسکا ہونا بہت قدیم زمانہ سے مقرر ہوچکا ہے تجھ میں سے نکلے گا"۔ (کتاب میکاہ باب ۵-۲)

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہہ پیشین گوئی بھی حضرت مسیح کی ہے کیونکہ جب ہیرودیس بادشاہ نے سردار کاہنوں اور یہودیوں کے فقیہوں کو جمع کرکے پوچھا تھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا تو اُنہوں نے میکاہ نبی کی کتاب کی اس آیت پر استدلال کرکے کہا کہ بیت لحم میں پیدا ہوگا (انجیل متی باب ۲۔ ۳ لغایت ۶) اور جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت لحم میں پیدا ہوئے اور گو دنیاوی سلطنت اُن کو بنی اسرائیل پر نہیں ہوئی مگر سینٹ متی نے سلطنت کو روحانی سلطنت قرار دیا اور اس پیشین گوئی کو حضرت عیسیٰ کے ہونے کی پیشین گوئی ٹھیرایا۔

حضرت ہوشیع نبی نے لغز وکنایہ میں کچھ فرماتے فرماتے یہہ فرمایا کہ "جبکہ اسرائیل بچہ تھا

اُسکو میں پیار کرتا تھا اور اپنے بیٹے کو میں نے مصر سے بولایا" (کتاب ہوشیع باب ۱۱-۱)

حضرت متیٰ فرماتے ہیں کہ یہہ بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق بشارت ہے کیونکہ جب ہیرودیس نے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونیکے بعد اُن کے مار ڈالنے کے لئے اُنکی تلاش کی تو خداوند کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ اوٹھ اس لڑکے کو اور اُسکی ماں کو لیکر مصر کو بھاگ جا (متی باب ۲-۱۳ الغایت ۱۵) اور جو کہ ہیرود بادشاہ کے مرنیکے بعد حضرت عیسیٰ مصر سے واپس آئے تھے تو صرف اتنے ہی لگاؤ پر سینٹ متیٰ نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کردیا (متی باب ۲-۱۹ لغایت ۲۱)

۴ - حضرت یرمیا نبی نے بنی اسرائیل کی مصیبتوں کو بیان کرتے کرتے یہہ فرمایا کہ "خداوند فرماتا ہے کہ راماہ میں ڈھاڑیں مار کر رونے اور نالہ کرنے کی آواز سُنائی دیتی ہے کہ راحیل اپنے بیٹوں کے لیئے روتی ہے اور تسلی نہیں پاتی کیونکہ وہ نہیں ہیں (کتاب یرمیاہ باب ۳۱-۱۵)

حضرت متیٰ فرماتے ہیں کہ یہہ بھی ایک بشارت حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہہ میں کہ کونسا بچہ ہے جو عیسیٰ ہوگا بیت لحم اور اُسکی سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو برس کے اور اُس سے چھوٹے تھے قتل کروایا (انجیل متیٰ باب ۲-۱۶)

اب سینٹ متیٰ نے صرف اسقدر لگاؤ سے کہ اُن بچوں کے مارے جانے سے راماہ میں رونا اور پیٹنا ہوا فرمایا کہ یہہ پیشین گوئی حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے۔ (انجیل متیٰ باب ۲-۱۷ و ۱۸)

۵ - حضرت شعیاہ پیغمبر نے یہہ بیان کرتے کرتے کہ "اب بیت المقدس (اورشلیم)

میں تکلیف باقی نہ رہیگی یہہ بھی فرمایا کہ تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ہوتی ہے باقی نہ رہیگی جس طرح کہ اگلے زمانہ میں زبولوں کی زمین اور نفتالی کی زمین کو حقیر کرکے آخر کار اسیطرح دریا کی اردن (فرات) کے کنارے جلیل میں بڑے قبیلے ہوں گے جو قوم کہ اندھیرے میں جاتی ہے نور عظیم دیکھیگی اور موت کے سایہ کی زمین کے رہنے والوں پر ایک نور چمکے گا"

(کتاب اشعیاہ باب ۹-۱ و ۲)

حضرت متی فرماتے ہیں کہ یہہ بشارت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ نے سنا کہ حضرت یحییٰ پیغمبر گرفتار ہوگئے تو وہ جلیل کو چلے گئے اور ناصرہ کو چھوڑکر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہی جا بسے۔

(متی باب ۴-۱۲ و ۱۳)

سینٹ متی نے صرف اتنی بات پر کہ حضرت عیسی دریا کے کنارے جا رہے تھے حضرت اشعیا نبی کے اس قول کو حضرت عیسیٰ کی بشارت قرار دیا (انجیل متی باب ۴-۱۴ الغایت ۱۹)

۶- حضرت ملاکی نبی نے بنی اسرائیل کو خدا کی عدل حکمی پر ملامت کرتے کرتے یہہ فرمایا کہ "اب میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میری برابر راہ کو تیار کرے گا اور جس خداوند کی تفحص میں ہو یعنی رسول عہد کے اور اس سے خوش ہو یکا یک اپنی ہیکل میں آجادے گا لشکروں کا خداوند فرماتا ہے کہ وہ اب آتا ہے (کتاب ملاکی باب ۳-۱)

اور جس وقت اشعیاہ نبی نے بنی اسرائیل اور بیت المقدس کو تسلی دی تو اوس وقت یہہ فرمایا کہ پکارنے والا پکارتا ہے کہ بیابان میں خداوند کے لئے ایک راہ تیار کرد او جنگل میں ایک شاہ راہ میرے خدا کیلئے درست کرو۔ (کتاب اشعیاہ باب ۴۰-۳)

حضرت متی اور مارک اور لوک تینوں حواری اس بات پر متفق ہیں کہ یہہ دونوں بشارتیں

حضرت عیسی علیہ السلام کی ہیں اسلئے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر نے جب لوگوں کو اصطباغ دیا تو انہوں نے گویا حضرت عیسی کے لئے راہ بنائی اور حضرت یحییٰ یہہ کہا کرتے تھے کہ میرے بعد ایک اور آتا ہے جو مجھ سے بھی زیادہ قوی ہے" پس حضرت یحییٰ کا اصطباغ دینا تو راہ بنانا ہو گیا اور حضرت یحییٰ کا یہہ کہنا کہ میرے بعد ایک اور آتا ہے پکارنے والے کی آواز ہو گئی اور وہ دونوں بشارتیں حضرت عیسی پر صادق آگئیں (متی باب ۳-۱ و ۲ و ۳ و ۱۱ انجیل مارک باب ۱-۲ و ۳ و ۴ و ۷ و ۸ (انجیل لوک باب ۳-۲ لغایت ۴)

ہم مسلمان حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہ السلام کو پیغمبر برحق جانتے ہیں مگر یہودی انکو پیغمبر نہیں مانتے اور عہد عتیق میں انکا کچھہ ذکر نہیں ہے اور نہ کوئی صحیفہ حضرت یحییٰ کا موجود ہے پس جو اقوال حضرت یحییٰ کے انجیلوں میں مذکور ہیں وہ زبانی روایتوں سے لکھے گئے ہیں اور جن لوگوں سے انجیلوں کے لکھنے والوں نے وہ اقوال سنے انکا نام نہیں بتایا۔ عیسائی یقین کرتے ہیں کہ وہ سب روح القدس کی تائید سے لکھا گیا ہے جسکی صحت یقینی ہے مگر ہم مسلمان جس طرح کہ اپنے پیغمبر کے حواریین یعنی صحابہ و تابعین کے کلام کی سند چاہتے ہیں اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریوں کے کلام کو سند کا محتاج سمجھتے ہیں۔ "لا نفرق بین احد من رسلہ"

ان چند بشارتوں کے ذکر کرنے سے جنکو حواریوں نے حضرت عیسی کی بشارتیں قرار دیا ہے ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے سمجھہ جاویں گے کہ انبیاء سابق نبی لاحق کی بشارت کیسے ڈھندلے لفظوں میں اور کیسے کنایہ اور اشارہ سے گھم گھم میں دیتے تھے جس کا سمجھنا پہیلی اور معما اور چیستان سے بھی زیادہ مشکل ہوتا تھا اور اب ہم اپنے پیغمبر خدا محمد رسول اللہ کی بشارتیں بیان کرتے ہیں جنکو لوگ دیکھینگے کہ وہ انکی بہ نسبت کیسی صاف اور روشن ہیں۔

بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم توریت میں سے

بشارت اول

حضرت موسیٰ کی پہلی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل کی نسبت یہہ وعدہ کیا ہے۔

וּלְיִשְׁמָעֵאל שְׁמַעְתִּיךָ הִנֵּה בֵּרַכְתִּי אֹתוֹ וְהִפְרֵיתִי אֹתוֹ וְהִרְבֵּיתִי אֹתוֹ בִּמְאֹד מְאֹד שְׁנֵים־עָשָׂר נְשִׂיאִם יוֹלִיד וּנְתַתִּיו לְגוֹי גָּדוֹל׃

וַיֹּאמֶר אֱלֹהִים אֶל־אַבְרָהָם אַל־יֵרַע בְּעֵינֶיךָ עַל־הַנַּעַר וְעַל־אֲמָתֶךָ כֹּל אֲשֶׁר תֹּאמַר אֵלֶיךָ שָׂרָה שְׁמַע בְּקֹלָהּ כִּי בְיִצְחָק יִקָּרֵא לְךָ זָרַע׃

וְגַם אֶת־בֶּן־הָאָמָה לְגוֹי אֲשִׂימֶנּוּ כִּי זַרְעֲךָ הוּא׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وُلْ یِشْمَعِیل شْمَعْتِیخا هِنّه بِیرَخْتِی اُوتُو وِهِفْرِیتِی اُوتُو وِهِرْبِیتِی اُوتُو بِمْئُوْد مْئُود شِنِیم عاسار نِسِیئِیم یُولِید وُنْتَتِیو لِغُوی گادُول۔

وَیُّومِرْ اِلُوهِیم اِلِ ابْراهام اَلْ یِرَع بِعِینِیخا عَلْ هَنَّعَرِ وِ عَلْ اَمَاتِخا کُلْ اَشِر تُومِرْ اِلیخا سارہ شْمَع بِقُولَه کِی بِیصْحَق یِقّارِ لِیخا زارع وِ غَم اِثْ بِن هاآمه لِغُوی آسیمِنُو کِی زَرْعخا هُو۔

عربی ترجمہ

قد سمعت دعاءك لاسمعیل وها انا بارکته واثمرته وفضلته کثیرا کثیرا یولد اثنی عشر خلیفة واجعله جیلاً کبیرا۔

وقال اللہ لابراهیم لا یمیق صدرك علی الولد وعلی امتك کلما تقول لك سارة

فاسمع بقولها فانہ باسحق یدعی نسلک، واجعل ابن الامۃ ایضا امۃ لانہ نسلک ۔

اردو ترجمہ

میں نے تیری دُعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی اُس سے بارہ امام پیدا ہوں گے اور اُس کو بڑی قوم کرونگا (توریت کتاب اول باب ۱۷-۲۰) ۔

کہا اللہ نے ابراہیم سے تیری نظروں میں بُرا نہ معلوم ہو اس لڑکے اور اپنی لونڈی کی وجہ سے جو کچھ تجھ سے سارہ کہے اسکی بات مان لے کیونکہ اسحق سے تیری نسل کہلائیگی اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی ایک قوم کروں گا کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت کتاب اول باب ۲۱-۱۲ و ۱۳)

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح بشارت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسطرح پورا ہوا کہ محمد رسول اللہ صلعم کو جو اسمٰعیل کی اولاد سے تھے تمام دنیا کے لئے دنیا کے ختم ہونے تک نبی مقبول مقرر کیا

جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ یہہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسمٰعیل سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ اُسکی اولاد میں بارہ سردار پیدا ہوں گے ۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے پیدا ہوئے اور جس برکت دینے کا اسمٰعیل سے وعدہ ہوا تھا وہ دنیاوی برکت تھی نہ روحانی ۔

مگر یہہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں ہوتی ۔ ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھ کر معلوم کریگا کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں اول یہ "میں نے اُسکو برکت دی" دوم یہ "اُسے بارآور کیا اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی" سوم یہ کہ "اُسکو بڑی قوم کرونگا"

پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کہنا صحیح ہے کہ ان دونوں جدا جدا لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا

جبکہ حضرت اسحاق بیر شبع میں پہونچے تو خدا تعالی نے خواب میں اُن سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے باپ ابراہیم کا خدا ہوں تو ڈرمت میں تیرے ساتھ ہوں تجھکو برکت دونگا اور اپنے بندہ ابراہیم کے سبب تیری نسل کو بہت کرونگا"۔ توریت کتاب اول باب ۲۶-۲۴)

جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسمعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسمعیل کے وعدہ میں استعمال ہوا اُسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدہ میں بھی بولا گیا۔ پس یہہ کہنا کسقدر تعجب کی بات ہے کہ اسمعیل سے جو وعدہ تھا وہ تو دنیاوی تھا اور اسحاق سے جو وعدہ تھا وہ روحانی تھا۔

ہمکو اس بات پر بھی غور کرنی چاہیئے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کنعان میں پہونچے تو خدا نے اُن سے کہا کہ یہہ زمین تیری اولاد کو دونگا (توریت کتاب اول باب ۱۲-۷)

اور جبکہ حضرت لوط حضرت ابراہیم سے جدا ہو گئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کی مانند کر دونگا جو کوئی ریت کے ذرّوں کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکیگا (توریت کتاب اول باب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶)

پھر ایک دفعہ خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے جنکو گن نہیں سکتا۔ توریت کتاب اول باب ۱۵-۵ — پھر خدا نے ابراہیم سے ایک اور پختہ وعدہ کیا کہ یہہ زمین مصر کی دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دونگا (توریت باب ۱۵-۱۸)

اور جبکہ حضرت ابراہیم ضعیف ننانوی برس کے ہو گئے تھے تب پھر خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ

تجھ میں اور مجھہ میں یھہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھکو زیادہ سے زیادہ کرونگا تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا تجھ سے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے اور تیری اولاد سے بھی یھہ ہمیشہ کا عہد ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھکو دونگا (توریت کتاب اول باب ۱۷۔ ۲و۴و۵و۶و۷و۸ یھہ وہ وعدے تھے جو خدا نے حضرت ابراہیم سے کئے تھے اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحق و یعقوب سے کیا وعدہ کیا تھا۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب یعقوب بیرشبع سے حاران کیجانب روانہ ہوئے تو ایک مقام پتھر سرہانے رکھکر سو رہے۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی زمین سے آسمان تک لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اُسپر اوترتے چڑہتے ہیں اُسپر خدا نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں۔ یھہ زمین جسپر تو سوتا ہے تجھکو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی اور چاروں طرف پھیل جاویگی۔

(توریت کتاب اول باب ۲۸۔ ۱۲و۱۳و۱۴)

یھہ بات بھی زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے جو ابراہیم سے عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قایم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا عہد تھا۔ چنانچہ زبور داؤد میں خدا کا کلام اسطرح لکھا ہے کہ "وہ عہد جو میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحق سے اُسکی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھکو دیتا ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو" (زبور ۱۰۵۔ ۹و۱۰و۱۱)

اب دیکھو کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے تبلایا۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسی مواب کے جنگل میں نبو پہاڑ پر چڑھے جو یریحو کے سامنے ہے تو خدا نے موسی سے کہا کہ "یھہ وہ زمین ہے جسکی نسبت میں نے بقسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دونگا۔ پس یھہ زمین میں تجھکو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر

تو وہاں نہیں جانے کا ۔ (توریت کتاب پنجم باب ۳۴ - ۴)

اَب یہہ تمام وعدے جو خدا نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ کیئے تھے ہمنے ینتخب کر کے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھدیئے ہیں اور اُسکے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں ۔ اوّل یہہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیم کی اولاد کے لیئے کیئے ہیں وہ وعدے اسمٰعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جاتے ؟ حالانکہ خود خدا نے بھی کہا ہے کہ اسمٰعیل بھی ابراہیم کی اولاد ہے جیسا کہ باب ۲۱ آیت ۱۲ میں مذکور ہے ۔

دوسرا سوال ہمارا یہہ ہے کہ جو وعدہ خدا نے اسحٰق و یعقوب کی نسبت کیا تھا یعنی مُلک کنعان دینے اور اولاد زیادہ کرنیکا اُسمیں کیا ایسی چیز ہے جس سے وہ رُوحانی قسم کا سمجھا جاتا ہے اور جو وعدہ اسمٰعیل کی نسبت کیا تھا اُس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاتا ہے

جو لوگ کہ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ بہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا اُن کی اولاد میں انبیا پیدا ہوئے ۔ مُلک فتح کیئے کنعان بھی فتح کیا ۔ اسمٰعیل سے بھی خدا نے برکت کا وعدہ کیا ۔ اُسکی اولاد میں سب سے آخر ایک پیغمبر آخر الزماں پیدا کیا ۔ تمام دنیا کو اُس سے برکت دی ۔ اسمٰعیل کی اولاد نے بھی مُلک فتح کیئے ۔ کنعان کو بھی جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھ چلا گیا تھا پھر فتح کیا اور ابراہیم ہی کی نسل میں پھر اُس ورثہ کو لے آئے اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیم کا ورثہ اُنکے حصّہ میں رہیگا اگرچہ بقاے اصلی صرف خدا کی ذات کو ہی ۔ اَلَا کُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهِ زَائِلٌ

بشارت دوم

خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بہت سے احکام تبلائے اُس میں یہہ بھی فرمایا ۔

נָבִיא מִקִּרְבְּךָ מֵאַחֶיךָ כָּמֹנִי יָקִים לְךָ יְהוָה אֱלֹהֶיךָ אֵלָיו תִּשְׁמָעוּן׃

נָבִיא אָקִים לָהֶם מִקֶּרֶב אֲחֵיהֶם כָּמוֹךָ וְנָתַתִּי דְבָרַי בְּפִיו וְדִבֶּר
אֲלֵיהֶם אֵת כָּל־אֲשֶׁר אֲצַוֶּנּוּ׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

نَابِی مِقرِبْخَا مَاحِیخَا کَامونِی بَاَقِیم لِخَا یہواہ اِلوہِخَا الِاوْ تِشمَاعُون

نَابِی اَقِیم لَاہِم مِقِرِبْ اَحِیہم کَامُوخَا وِ نَتَتِّی دِبَارَاے بِفِیو وِدِبّر

اِلیہِم اِت کُل اَشِر اَصَوّنُو۔

عربی ترجمہ

الهك الموجود يقيم لك نبيا من بينك من اخوتك مثلي له تسلمون: نبي من بين اخوتهم۔ اقيم لهم مثلك والقي كلامي بفيه وكل ما امره يقول لهم

اُردو ترجمہ

قایم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لیئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھسا اُسکو مانیو۔ اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قایم کرونگا۔ اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں دونگا اور جو کچھ مَیں اُس سے کہونگا وہ اُن سے کہدیگا (توریت کتاب پنجم باب ۱۸۔ ۱۵ و ۱۸)

ان آیتوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونیکی ایسی صاف اور ایسی مستحکم بشارت ہی جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسیٰ کے مبعوث کریگا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں اور بنی اسمٰعیل میں بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَور کوئی نبی نہیں ہوا اور اُس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ بشارت ہمارے ہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔

علاوہ اسکے ان آیتوں میں وہ لفظ ہیں جنپر غور کرنا چاہیئے۔ اول یہہ کہ "اپنا کلام اسکے منہ میں دونگا" دوم یہہ کہ "مثل تیرے" یعنی موسیٰ کے ان دونوں لفظوں کا مصداق سوای محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے۔

یہودی اور عیسائی دونوں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء بنی اسرائیل پر سوائے احکام عشرہ موسیٰ کے جو وحی آتی تھی اُس کے لفظ وہی نہیں ہیں جو توریت و زبور و صحف انبیاء میں لکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ انبیاء کو صرف مطلب القا ہوتا تھا اور پھر وہ اُسکو اپنی زبان محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اناجیل اربع جو اب معتمد او قابل سند عیسائیوں میں تسلیم ہوتی ہیں اُن کے الفاظ تو وہ ہیں ہی نہیں جو حضرت عیسیٰ کے زبان مبارک سے نکلی تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی عبرانی زبان تھی اور وہ انجیلیں یونانی میں تحریر ہوئی ہیں۔ ہاں البتہ قرآن مجید ایسا ہے کہ اس کے لفظ پیغمبر کے منہ میں رکھے گئے اور وہی لفظ پیغمبر نے لوگوں کو پڑھ سنائے۔ پس یہہ الفاظ اس بشارت کے کہ "اپنا کلام اُسکے منہ میں دونگا۔ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَور کسی پر صادق ہی نہیں آسکتے۔

اَب دوسری بات پر غور کرو کہ حضرت موسیٰ کی مانند کونسا پیغمبر ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں تو کوئی پیغمبر مثل حضرت موسیٰ کے نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت عزیر پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل کے تحریر فرمایا تو اُس میں یہہ لکھا ہے

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

دِلُوقَام نَابِی عُود بِنِی اِسرائیل کمُوشِه اَسِر مذاعُو یهوا پَانِیم اِلْ پانِیم۔

عربی ترجمہ

وما قام نبی و ما بعد با سرائیل کموسیٰ الذی عرف اللہ بالمشافھة -

اُردو ترجمہ

اور پھر قایم نہوا کوئی نبی بنی سرائیل میں موسیٰ کی مانند جس نے پہچانا اللہ کو دو بدو

(توریت کتاب پنجم باب ۳۴ - ۱۰)

پس اب بنی اسرائیل کے بھائیوں میں دیکھنا چاہیے کہ کون پیغمبر ہوا ہے دبجز محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں - ہاں اب یہہ دیکھنا باقی رہا کہ وہ مثل حضرت موسیٰ کے ہیں یا نہیں سو مفصلۂ ذیل باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایسے پیغمبر ہیں جو مثل موسیٰ کے ہوئے ہیں -

۱ - حضرت موسیٰ نے اپنے کافر دشمنوں کے خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کی - اسی طرح حضرت محمد صلعم کو بھی اپنے کافر دشمنوں کی خوف سے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی

۲ - حضرت موسیٰ نے بھی ہجرت کر کے شہر یثرب میں جسکو اب مدینہ کہتے ہیں اور جو یثرون بانی شہر کے نام پر کہلاتا تھا پناہ لی - اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کر کے اُسی شہر مدینہ میں پناہ لی -

۳ - حضرت موسیٰ پر کلام خدا کا بلفظہ نازل ہوا جو دس احکام ہیں - حضرت محمد صلعم پر بھی کلام خدا کا بلفظہ نازل ہوا جو موجود ہے اور کلام اللہ کہلاتا ہے -

۴ - حضرت موسیٰ کو بھی کافروں کے ساتھ جہاد کرنیکا حکم ہوا - حضرت محمد کو بھی وحدانیت خدا کی وعظ کرنے سے جو کافر مانع ہوں اُن سے جہاد کرنیکا حکم ہوا - البتہ جہاد حضرت موسیٰ کا نہایت سخت قاتل خونریز تھا اور حضرت محمد صلعم کا جہاد نہایت ملایم اور امن چاہنے والا اور امن دینے والا اور جانوں کا بچانیوالا تھا

۵ - حضرت موسیٰ نے اپنی متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکالکر یکجا جمع کیا -

حضرت محمد صلعم نے بھی تمام متفرق اور مختلف عرب کی قوموں کو جو آپس میں نہایت دشمن اور کینہ ور تھیں جنکو باہم ہر سال خون کے نالے بہتے تھے اکٹھا کر دیا بلکہ یکدل و یکجان کر دیا اور اسپر عمدہ بات یہہ کہ سب کو ایک خدا ے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنیوالا کر دیا اور ایسا قوی کر دیا کہ کوئی اُس کے مقابل نہ تھا۔

۶ - حضرت موسیٰ نے ملک فتح کیئے اور بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کی حضرت محمد صلعم نے بھی ملک فتح کیئے اور بنی اسمٰعیل میں دنیاوی بادشاہت بھی قائم کر دی اگرچہ اتنا فرق ہے کہ شاید حضرت موسیٰ کا اصلی مقصد بادشاہت قائم کرنی اور ملک کنعان پر قبضہ کرنے کا تھا - اور حضرت محمد کا مقصد دنیاوی بادشاہت کا نہ تھا۔ اصلی مقصد کے ساتھ وہ بھی اتفاق سے قائم ہو گئی تاکہ توریت کی بشارت مثل موسیٰ کے پوری ہو جاوے

۷ - حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنی توریت) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں۔ حضرت محمدؐ کو بھی شریعت عطا ہوئی اور ایک کتاب دی گئی (یعنی قرآن مجید) جس میں تمام احکام شریعت کے ہیں - اور غالباً کوئی اور پیغمبر سواے حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ کے ایسا نہیں ہوا جسکو ایسا قانون شریعت عطا ہوا ہو کیونکہ تمام انبیاے بنی اسرائیل اور خود حضرت عیسیٰ سب کے سب موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے - کسیکو خاص شریعت عطا نہیں ہوئی تھی۔

۸ - عیسائی مصنفوں نے بھی یہہ بات تسلیم کی ہے کہ حضرت محمد مثل حضرت موسیٰ کے تھے - مسٹر رینان نے حضرت عیسیٰ کے حالات زندگی کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صرف غور ہی کرنیوالے اور سوچنے والے نہ تھے بلکہ وہ دونوں کام کرنے والے بھی تھے - اپنے ہموطنوں اور ہمعصروں کے لیئے کام تجویز کرتے تھے اور اُسی کے ذریعہ

سے اُن دونوں نے انسانوں پر حکومت کی۔

۹۔ کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴ میں جو آرٹیکل اسلام پر چھپا ہے اُس آرٹیکل کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ حضرت محمد کو اپنے وطن میں رہنا مشکل معلوم ہوا اور اسلئے اُنہوں نے ہجرت کی تاکہ کسی دوسرے مقام پر جاکر وعظ کریں جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور اور نبیوں نے ہجرت کی تھی۔

اُن کے پیروں نے اطاعت اور وفاداری کا وعدہ کیا اور جب یہہ ہوچکا تو اُنہوں نے اُن میں سے بارہ آدمی منتخب کیئے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی بارہ حواری چُنے۔ حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی قوم میں سے اپنی بہ نسبت زیادہ عمر کے لوگ منتخب کیئے تھے۔

سنہ ہجری میں اخیر مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکّہ میں لئے اور کوہ عرفات پر مثل حضرت موسیٰ کے اُنکو برکت دی اور اپنی اخیر نصیحتیں کیں اور خصوصاً یہہ نصیحت فرمائی کہ کمزوروں اور غلاموں اور عورتوں کو پناہ دو اور سُود خوری سے پرہیز کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مثل حضرت موسیٰ کے اخیر مرتبہ مسلمانوں سے پوچھا کہ میں نے کسی کا کچھ نقصان تو نہیں کیا اور کسی کا کچھ قرض تو مجھپر نہیں ہے؟ اتھی یہ سب مثیلیں وہ تھیں جو کوارٹرلی ریویو میں لکھی ہیں۔ پس اب سوائے اسکے جو براہ تعصب اس صاف و روشن بشارت سے آنکھہ بند کرلے کون کہہ سکتا ہے کہ یہہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہے؟

جو آیتیں توریت کی ہمنے اوپر بیان کی ہیں اُن میں سے ایک کے یہہ الفاظ ہیں کہ "قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لئے نبی تجھہ میں سے تیرے بھائیوں میں سے"

اس لفظ "تجہ میں سے" پر ہمنے خطبات احمدیہ میں جو انگریزی زبان میں چھپی ہے کچھ بحث نہیں کی
تھی ۔ سبب اسکا یہہ تھا کہ دوسری آیت میں یہہ لفظ نہیں تھا اور اُس میں نہایت صفائی سے
بنی اسرائیل میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے نبی مبعوث ہونا ظاہر تھا ۔ اور جبکہ حضرت موسیٰ
کی پانچویں کتاب کے چونتیسویں باب کی دسویں آیت سے جو اوپر لکھی گئی صاف ثابت
تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی مثل موسیٰ کے نہیں ہوا تو صاف متیقن ہو گیا تھا
کہ بنی اسمٰعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں نبی موعود ہونے والا تھا مگر مولوی
چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسیٰ میں اسپر بحث کی تھی وہ ارقام فرماتے
ہیں کہ لفظ "تجہ میں سے" اصل صحیح نسخہ توریت میں نہ تھا بلکہ کاتبوں کی غلطی سے یہہ لفظ
بڑھ گیا ہے اور اسکے ثبوت پر نہایت مضبوط تین دلیلیں پیش کی ہیں ۔

اول ۔ یہ کہ اسی آیت کو پطرس حواری نے اعمال حوارین میں نقل کیا ہی اور اسمیں
یہہ فقرہ ۔ "تجہ میں سے" نہیں ہے ۔

دوسرے ۔ یہہ کہ استیفان حواری نے بھی اس آیت کو نقل کیا ہی اُس میں بھی وہ
فقرہ نہیں ہے ۔

تیسرے یہہ کہ توریت کے یونانی ترجمہ میں جو سپٹواجنٹ کہلاتا ہے اور نہایت قدیم
اور نہایت معتبر ترجمہ ہے اُس میں بھی یہہ فقرہ نہیں ہی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
قدیم صحیح نسخوں میں یہہ الفاظ نہ تھے ۔

وہ یہہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں جو ضمیر واحد کی ہے وہاں اصل میں جمع کی
تھی جیسے کہ اُن حواریوں کی تحریروں اور یونانی ترجمہ سے پایا جاتا ہے ۔

مَیں نے اس بحث کو جناب مولانا و بالفضل اولنا جناب مولوی عنایت رسول صاحب

پھر یا کوئی کے سامنے پیش کیا جو عبرانی زبان ور توریت مقدس کے بہت بڑے عالم ہیں اور غالباً ہم مسلمانوں میں اجتک عبرانی اور کالدی زبان و توریت و زبور و صحف انبیا کا کوئی ایسا عالم نہیں گذرا جناب ممدوح سنے فرمایا کہ ترجموں کی طرف ہمکو التجا لیجانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اور جبکہ یونانی ترجمہ توریت کا حضرت عیسیٰ سے پیشتر ہو چکا تھا تو حواریوں نے ہی غالباً اُسی ترجمہ سے نقل کیا ہوگا تو پس گویا دلیل صرف ایک یونانی ترجمہ پر عود کرتی ہے۔ اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ترجمہ کی استدلال سی صل متن پر کچھہ الزام لگاویں مگر جن لفظوں پر بحث ہے وہ ہمارے مطلب کیلئے نہایت مفید و مؤید ہیں آیت جس کے لفظوں پر بحث ہی یہہ ہے کہ "قائم کریگا تیرا معبود موجود تیرے لئے نبی تجھہ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھسا اُسکو مانیو" یہہ قول حضرت موسیٰ کا ہے اور مخاطب اُسکا کوئی شخص خاص نہیں ہے بلکہ کل قوم بنی اسرائیل ہے اور تمام قوم بجنس واحد ہے اسکی طرف ضمیر خطاب واحد کا استعمال کیا ہے۔

اب اس مقام پر حضرت موسیٰ کو یہ بتانا تھا کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہونیکا بلکہ برادران بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ پس اگر اس مقام پر صرف یہی کہا جاتا کہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا تو یہہ بات بخوبی روشن نہوتی کہ بنی اسرائیل میں سے نہوگا۔ کیونکہ اگر قوم کو صرف یہ کہا جاوے کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا تو اُسوقت یہ احتمال کہ اسی قوم میں سے کوئی ہو زائل نہیں ہوتا اسلیئے اولاً حضرت موسیٰ سنے فرمایا کہ "تجھہ میں سے" اور پھر اُسکا بدل واقع ہوا "تیرے بھائیوں میں سے" تو اس سے صاف متیقن ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ بنی اسرائیل میں سے پس اسی طرز کلام سے بنی اسرائیل میں سے اُس نبی موعود کے مبعوث ہونے کا احتمال بالکل زائل ہو جاتا ہے اور الفاظ کہ "تیرے بھائیوں میں سے" الفاظ "تجھہ میں سے" کا بیان تصور نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر مقصود یہ ہوتا کہ وہ نبی موعود کا

بنی اسرائیل میں سے ہوگا تو خود الفاظ "تجھ میں سے" ہی زیادہ تر اس مطلب کا بیان کرتے تھے نسبت الفاظ "تیرے بھائیوں میں سے" کے - پس کسیطرح یہہ پچھلے الفاظ پہلے الفاظ کی تفسیر اور بیان نہیں ہوسکتی بلکہ وہ پہلے الفاظ کے بدل واقع ہوئے ہیں جنسے اس نبی موعود کا بنی اسمعیل سے ہونا متعین ہوجاتا ہے

انقلس نے جو نہایت قدیم ترجمہ کالدی زبان کا ہے اس مقام پر ترجمہ بصیغہ واحد کیا ہے یعنی بجای اسکے کہ "تیرے بھائیوں میں سے" اسنے ترجمہ کیا ہے "تیرے بھائی میں سے" اسکا سبب یہہ ہے کہ عبرانی میں جو لفظ "مساحیخا" ہے اسکے حرف یا کو اگر علامت اضافت سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ واحد ہونا چاہیئے - اور اگر علامت جمع سمجھیں تو ترجمہ بصیغہ جمع ہونا چاہیئے - بہر حال ایک بڑی یہودی عالم کی یہہ رائے ہے کہ وہ حرف یا علامت اضافت ہے اور جب ترجمہ بصیغہ واحد ہو تو صاف قوم بنی اسرائیل کے بھائی کوئی دوسری قوم ہونی چاہیئے اور اس صورت میں بنی اسمعیل میں سے نبی موعود کا ہونا متعین ہوجاتا ہے اور "مساحیخا" کا بجز بدل ہونیکے اور کچھہ ہو ہی نہیں سکتا

مولوی چراغ علی صاحب نے اپنے رسالہ بشارت مثل موسیٰ میں یہہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ کہنا کہ موجب محاورہ توریت کے بھائیوں کے لفظ سے ہمیشہ بنی اسرائیل ہی مراد ہوتے ہیں محض غلط ہے بلکہ کتاب استثنا باب ۲۳ - ۷ میں بنی قطورہ پر اور کتاب استثنا باب ۴ - ۴ و باب ۲ - ۸ و باب ۲۳ - ۸ و صحیفہ اشعیاہ باب ۲ - ۱۲ و صحیفہ عبدیا آیت ۱۰ میں بنی عیشاؤ پر اور کتاب پیدایش باب ۱۶ - ۱۲ و باب ۲۵ - ۱۸ میں بنی اسمعیل پر بھی لفظ بھائیوں کا بولا گیا ہے - اور جو کہ ان میں سے بجز اسمعیل کے اور کسیکو برکت نہیں دیگئی تھی اسلئے بنی اسمعیل ہی میں سے نبی موعود کا مبعوث ہونا متعین اور منحصر ہوگیا تھا -

بشارت ہفتم

حضرت موسیٰ پیغمبر اور حضرت حبقوق نبی نے نبی عربی حجازی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبعوث ہونے کی اس طرح بشارت دی ہے -

ויאמר יהוה מסיני בא וזרח משעיר למו הופיע מהר

פארן ואתה מרבבת קדש מימינו אשדת למו:-
אלוה מתימן יבוא וקדוש מהר־פארן סלה כסה
שמים הודו ותהלתו מלאה הארץ -

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے -

وَیُومِرْیَهْوَا مِسِّینَا بَا وَزَاَدَحْ مِسِّعِیرْ لَامُوهُو فِیَعْ مِهَرْپَارَان وِآتَا مِرِبْبُوتِ قُودِشْ مِیمِینُو اِیشْ دَاتْ لَامُو -

اِلُوهَ مِتِّیمَان یَابُووِقَادُوشْ مِهَرْپَارَان سِلَهْ کِسَّه شَامَا یِمْ هُودُو وَتْهِلَا تُو مَالِئَا هَا ارِص -

عربی ترجمہ

وقال ان اللہ طلع من سینا - واشرق لھم من السعیر و من جبل فاران تجلی - بیمینہ شریعۃ بیضاء بجنود الملائکۃ اتی - یاتی اللہ من جنوب والقدوس من جبل فاران - زین السموات الارض بحمدہ ملئا ن -

اردو ترجمہ

اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اُس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا (توریت کتاب پنجم باب ۳۳ - ۲)

آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے - آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا - اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوق باب ۳ - ۳)

ان آیتوں میں جو کوہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اس کے ہاتھ

میں ہوتا بیان ہوا وہ علانیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے کی کہ وہی شریعت ہے بشارت ہے -

یہہ بات عرب کے قدیم جغرافیہ سے اور بڑے بڑے عالموں کی تحقیق اور تسلیم سے اور توریت کے محاورات سے بخوبی ثابت ہو گئی ہے کہ مکہ معظمہ ہی کے پہاڑوں کا نام فاران ہے - چنانچہ امر مذکور کے ثبوت کی کافی دلیلیں بیان کرتے ہیں -

اکتوبر ۱۸۶۹ع کے کوارٹرلی ریویو میں اسلام پر ایک آرٹیکل چھپا ہے جو ایک بہت بڑے عالم یہودی زبان جاننے والے کا لکھا ہوا ہے - اُسکے صفحہ ۲۹۹ میں لکھا ہے کہ سٹیفر نے اُن خاص آیتوں کی جن میں سینا او سعیر اور فاران کی بشارت مذکور ہے اس طرح پر تشریح کی ہے کہ "خدا سینا سے نکلا" یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی (جس سے مراد توریت ہے) او "سعیر سے چمکا" یعنی یونانی زبان میں بھی شریعت دی گئی (جس سے مراد انجیل ہے اور مسلمان کل عیسائیوں کو رومی کہتے تھے) اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اور اُسکے ہاتھہ میں شریعت روشن" یعنی عربی زبان میں شریعت دی گئی - (جس سے مراد قرآن مجید ہے) پس اس عالم کے قول سے ثابت ہے کہ فاران وہی جگہہ ہے جہاں سے مذہب اسلام ظاہر ہوا یعنی حجاز یا مکہ معظمہ -

چند سطروں کے بعد اسی آرٹیکل کا لکھنے والا پھر لکھتا ہے کہ اُس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سینا او سعیر اکثر بجائے اسرائیل او عیسی کے مستعمل ہوتے ہیں اور ادوم بجائے رُوم کے اور فاران تو صاف عرب کے لیئے مستعمل ہے - صرف اس میں شبہ ہے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑوں کا یہہ نام ہے یا نہیں" - مگر ہم اس شبہ کو بھی مٹا دینگے اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات سے ثابت کر دینگے کہ مکہ کے گرد کے پہاڑ ہی فاران ہیں -

توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۲۰ میں لکھا ہی کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو اپنے پاس سے نکالدیا تو وہ دونوں بیر شبع کے بیابان میں پھر اگئے۔ اور اُسی باب باب کی اکیسویں آیت میں لکھا ہے کہ بیابان فاران میں ساکن ہوئے۔

قرآن مجید سے بھی حضرت اسمٰعیل کی سکونت بیابان میں معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل کے اُس زمانہ کی سکونت کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابراہیم اُنکے پاس آئے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کرکے اُسی کے پاس حضرت اسمٰعیل کی سکونت مستقل طور پر کردی تھی۔ اور یہہ بات توریت سے بھی پائی جاتی ہے کہ پہلے حضرت اسمٰعیل بیابان میں خانہ بدوش تھے پھر بیابان فاران میں سکونت اختیار کی۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا اس طرح پر مذکور ہے کہ اے خدا میں نے اپنی اولاد میں سے تیرے بزرگ گھر کے پاس بن کھیتی کے میدان میں آباد کیا ہے لفظ "مدبّر" מדבר جو توریت میں عبرانی زبان کا آیا ہے اور لفظ "واد غیر ذرع" جو قرآن مجید میں آیا ہی اُن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ پس توریت مقدس اور قرآن مجید میں یہہ بات

اللھم انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم (قرآن)

متفق ہے کہ حضرت اسمٰعیل وادی میں آباد ہوئے مگر اُس وادی کے نام اور مقام میں بحث باقی رہی۔ توریت مقدس سے تو اُسکا نام فاران معلوم ہوا اور قرآن مجید سے اُس کا مقام وہ معلوم ہوا جہاں کہ اب کعبہ ہی اور اگر یہہ ثابت ہوجاوے کہ مکہ معظمہ جہاں کعبہ بنا ہوا ہے وادی فاران میں واقع ہے تو یہہ امر بھی متفق علیہ ہوجاوے گا۔

اب ہم اس بات سے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے یعنی کعبہ کے پاس حضرت اسمٰعیل کا آباد ہونا اُس سے قطع نظر کرتے ہیں اور جو بات توریت میں ہی اور جس کو یہودی اور عیسائی

دونوں تسلیم کرتے ہیں اُسکو مدار اپنے استدلال کا قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت اسمعیل وادی فاران میں ساکن ہوئے -

اب ہمکو قدیم جغرافیہ سے اس بات کی تلاش باقی رہی کہ حضرت اسمعیل کس جگہ آباد ہوئے تھے کیونکہ جو مقام اُنکی سکونت کا ثابت ہو جاوے گا وہی وادی فاران ہوگا -

اس مطلب کے حل کرنے کے لئے تین سوال قابل غور ہیں -

اوّل - یہہ کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل اور اُن کی ماں کو اپنے گھر سے نکال کر کس مقام پر چھوڑا -

دوم - یہہ کہ حضرت اسمعیل اور اُنکی ماں بیابان میں پھرنیکے بعد کس مقام پر آباد ہوئیں ؟

سوم - یہہ کہ وہ اُسی جگہہ رہتی رہیں جہاں اُنہوں نے پہلی دفعہ سکونت اختیار کی تھی یا کسی اَور مقام پر جا رہی تھیں - ؟

قرآن مجید میں ان باتوں کا کچھ تذکرہ نہیں ہے - لیکن چند روایتیں اور کچھ حدیثیں اس کے متعلق ہیں - حدیثوں کا جو اس معاملہ سے متعلق ہیں یہہ حال ہے کہ وہ کافی اعتبار کے لائق نہیں اور نہ وہ مرفوع ہیں یعنی اُن کی سند پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تک نہیں ہے - پس وہ بھی مثل روایتوں کے نامعتبر ہیں اور روایتیں تو کسی طرح قابل اعتبار کے ہیں ہی نہیں کیونکہ اُن میں نہایت اختلاف ہی اور مختلف اوقات کے واقعات سب ایک جگہہ گڈ مڈ کر دیئے ہیں پس پہلے سوال کی نسبت جو کچھ توریت مقدس میں لکھا ہے اُس سے زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ یہہ ہے کہ "حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمعیل کو روٹیاں اور پانی کی ایک چھاگل دیکر نکال دیا اور وہ بیر شبع کے بیابان میں پھرا کیں - (توریت کتاب اول باب ۲۱ آیت ۱۴)

دوسرے سوال کا جواب اُس مقام کی تحقیق کرنے پر منحصر ہے جہاں حضرت اسمٰعیل آباد ہوئے اور اُس مقام کی تحقیقات کا اس سے زیادہ عمدہ اور قابل اطمینان کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم پُرانے جغرافیہ پر متوجہ ہوں اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد کے رہنے کے مکانات کھنڈروں کی تحقیقات کریں جہاں وہ ملیں وہی مقام سکونت حضرت اسمٰعیل کا ہوگا اور وہی مقام وادی فاران بھی ضرور ہوگا۔ اسلیئے کچھ بابت مسلمہ کے کہ وادی فاران میں آباد ہوئے تھے

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے:- ۱- نبایوث - ۲- قیدار - ۳- ادبئیل - ۴- مبسام ۵- مشماع - ۶- دوما - ۷- مسا - ۸- حدر - ۹- تیما - ۱۰- یطور - ۱۱- نافیش - ۱۲- قیدماہ -

پہلا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نبایوث عرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوا - ریورنڈ کارہائی پی کاری ایم اے نے اپنے نقشہ میں اُس کا نشان ۳۸ و ۳۰ درجہ عرض شمالی اور ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ نبایوث کی اولاد عربیا پیٹرا سے مشرق کی طرف عربیا ڈزرٹا تک اور جنوب کی طرف خلیج الامنک و حجاز تک پھیل گئی تھی -

ہسٹربیبو کے بیان سے پایا جاتا ہو کہ نبایوث کی اولاد نے اس سے بھی زیادہ ملک گھیر لیا تھا اور مدینہ تک اور بندر حورا اور بندر ینبوع تک جو بحر قلزم کے کنارہ پر ہے اور مدینہ سے جنوب مغرب میں واقع ہے اُن کی عملداری ہوگئی تھی -

ریورنڈ مسٹر فارسٹر لکھتے ہیں کہ اس مختصر بیان سے ظاہر ہوتا ہو کہ نبایوث کی اولاد صرف پتھریلے میدانوں میں نہیں پڑی رہی بلکہ حجاز اور نجد کے بڑے بڑے ضلعوں میں پھیل گئی ممکن ہو کہ رفتہ رفتہ نبایوث کی اولاد عرب کے بہت بڑے حصہ میں پھیل گئی ہو الا کچھ بات

کہ نبایوث کی سکونت اور اُسکی اولاد کی سکونت عرب میں بھی بخوبی ثابت ہی۔

دوسرا بیٹا حضرت اسمعیل کا قیدار نبایوث کے پاس جنوب کی طرف حجاز میں آباد ہوا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ اشعیاہ نبی کے بیان سے بھی صاف صاف قیدار کا مسکن حجاز ثابت ہوتا ہی جس میں مکہ و مدینہ بھی شامل ہیں اور زیادہ ثبوت اسکا حال کے جغرافیہ میں شہر الحدر اور نبت سے پایا جاتا ہی جو اصل میں القیدار اور نبایوث ہیں۔ اہل عرب کی یہہ روایت کہ قیدار اور اسکی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اوسکی تائید اس بات سے ہوتی ہی کہ عہد عتیق میں قیدار کا مسکن عرب کے اسی حصہ میں یعنی حجاز میں بیان ہوا ہے۔ دوسرے یہہ بات بخوبی ثابت ہی کہ پولینیس اور بطلمیوس اور پلینی اعظم کے زمانوں میں یہ قومیں حجاز کی باشندہ تھیں۔ کیڈری یعنی قیدری دری یعنی مخفف قیدری اور کڈونائٹی یعنی قیداری کرینی یعنی قیدری چنانچہ اسکا ذکر ہسٹری جغرافیہ جلد اول صفحہ ۲۴۸ میں مندرج ہے۔ پس بخوبی ثابت ہے کہ قیدار حجاز میں آباد تھا۔

ریورنڈ کارٹری پی کاری نے اپنے نقشہ میں قیدار کی آبادی کا نشان ۲۶ و ۲۷ درجہ عرض شمالی و ۳۷ و ۳۸ درجہ طول شرقی کے درمیان میں لگایا ہے۔

تیسرا بیٹا حضرت اسمعیل کا ادبئیل ہے۔ بموجب سند جوزیفس کے ادبئیل بھی اپنے اُن دونوں بھائیوں کے ہمسایہ میں آباد ہوا تھا۔

چوتھا بیٹا حضرت اسمعیل کا مبسام ہے مگر اوسکی سکونت کے مقام کا پتہ نہیں ملتا۔

پانچواں بیٹا حضرت اسمعیل کا مشماع ہے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر کا یہہ قیاس صحیح ہی کہ عبرانی میں جسکو مشماع لکھا ہے اُسی کو یونانی ترجمہ سبٹواجنٹ میں مسما اور جوزیفس نے مسماس و بطلمیوس نے مسمینر لکھا ہے اور عرب میں اُسی کی اولاد بنی مسما کہلاتی ہے۔ پس کچھ

شبہ نہیں کہ یہ بٹیا قریب نجد کے اولاً آباد ہوا تھا۔

چھٹا بیٹا حضرت اسمٰعیل کا دوماہ تھا۔ مشرقی او مغربی جغرافیہ دان قبول کرتی ہیں کہ یہہ بٹیا تہامہ میں آباد ہوا تھا معجم البلدان میں لکھا ہے کہ دومۃ الجندل کا نام واقدی کی حدیث میں دماہ الجندل آیا ہے اور ابن سقفیہ نے اسکو اعمال مدینہ میں گنا ہے۔ اسکا نام دوم ابن اسمعیل ابن ابراہیم کے نام پر موسوم ہوا ہے اور زجاجی کا قول ہے کہ اسمٰعیل کے بیٹے کا نام دومان ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسمعیل کا ایک بٹیا تھا اُسکا نام دما تھا اور شاید اُسکے اصلی نام کو بگاڑ دیا ہے ابن کلبی کا قول ہے کہ دوماہ اسمٰعیل کا بٹیا تھا اور اُسی کا قول ہے کہ جب تہامہ میں حضرت اسمعیل کی بہت سی اولاد ہوگئی تو دوماہ وہاں سے نکلا اور بمقام دومہ قیام کیا اور وہاں قلعہ بنایا اور اُسکا نام دوماہ اپنے نام پر رکھا او ابو عبید سکونی کا قول ہے کہ دومہ جندل قلعہ اور گانوں شام اور مدینہ کے درمیان میں ہیں قریب جبل طے کے اور دومہ وادی قری کے گانوں میں سے ہے

دومة الجندل .. قد جاء في حديث الواقدي دوماه الجندل وعدها ابن السقفية من اعمال المدينة سميت بدوم ابن اسمعيل بن ابراهيم و قال الزجاجي دومان ابن اسمعيل وقيل كان لاسمعيل ولد اسمه دما ولعله مغير منه وقال ابن الكلبي دوماه ابن اسمعيل قال ولما كثر ولد اسمعيل عمر بالتهامة خرج دوماه بن اسمعيل حتى نزل موضع دومة وبني له حصنا فقيل دوماه ونصب الحصن اليه ... قال ابو عبيد السكوني دومة جندل حصن وقرى بين الشام والمدينة قرب جبل طے ... دومة من القريات من وادي القرى (معجم البلدان)

ریونڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تک یہہ ایک مشہور جگہہ عرب میں موجود ہے۔

ساتواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا مسا تھا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیان کرتے ہیں کہ یہ بیٹا مسپوٹیما میں آباد ہوا مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ یہ بیٹا جب حجاز سے نکلا تو یمن میں آباد ہوا اور یمن کے کھنڈرات میں اب تک مسا کا نام قائم ہے۔ ریورنڈ کارٹر پی کاری نے اپنے نقشہ میں اس مقام کا نشان ۱۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۳ درجہ اور ۳۰ دقیقہ طول شرقی میں قائم کیا ہے۔

اسمٰعیل اور اُن کی تمام اولاد اولاً حجاز میں تھی۔ بلاشبہ جب اولاد جوان ہوئی اور کثرت ہوگئی تب مختلف مقاموں میں جاکر سکونت اختیار کی۔ مگر عمدہ بات قابل غور یہ ہے کہ سب کا پتہ عرب ہی میں یا حجاز کے آس پاس پایا جاتا ہے۔

آٹھواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا حدد تھا اور عہد عتیق میں حداد بھی اُس کا نام ہے یمن میں شہر حدیدہ اب تک اُسی کا مقام بتلا رہا ہے۔ اور قوم حدیدہ جو یمن کی ایک قوم ہے اُسی کے نام کو یاد دلاتی ہے۔ زہیری مورخ کا بھی یہی قول ہے اور ریورنڈ مسٹر فارسٹر بھی اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

نواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا تیما تھا اُن کی سکونت کا مقام نجد ہے اور بعد کو رفتہ رفتہ خلیج فارس تک پہونچ گئے۔

دسواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا یطور ہے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر بیاں کرتے ہیں کہ اسکا مسکن جدور میں تھا جو جبال کسیرنی کے جنوب اور جبل الشیخ کے مشرق میں واقع ہے۔

گیارہواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا نافیش تھا۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر توریت اور جوزیفس کی سند سے لکھتے ہیں کہ عریبیا ڈزرٹا میں اُن کی نسل اسی نام سے آباد تھی۔

بارہواں بیٹا حضرت اسمٰعیل کا قیدماہ تھا۔ اُنہوں نے بھی یمن میں سکونت اختیار کی تھی

ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے خیال کیا ہے کہ قیدماہ کاظمہ میں آباد ہوا تھا جو خلیج فارس پر ہی اور جسکا
تذکرہ ابو الفدا نے کیا ہی مگر یہہ خیال اُن کا غلط ہے۔

مسعودی نے صاف لکھا ہی کہ اصحاب الرس سمعیل کی اولاد میں سے تھے اور وہ دو قبیلے تھے ایک کو قدمان کہتے تھے اور دوسرے کو یامین اور بعضوں کے نزدیک عویل اور یہہ یمن میں تھے

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمعیل وهو قبیلتان یقال لاحدهما قدمان والاخری یامین وقیل عویل وذلک بالیمن (مروج الذهب مسعودی)

اب اس تحقیقات سے جو جغرافیہ کی رُو سے نہایت قابل اطمینان کے ہی دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک یہہ کہ حضرت اسمعیل اور اُن کی تمام اولاد عرب میں آباد ہوئی۔ دوسرے یہہ کہ مرکز اس خاندان کی آبادی کا حجاز تھا جہاں سمعیل کی مقدم اولاد کا مسکن ہوا تھا اور پھر اُس مرکز سے اور طرف عرب میں پھیلی۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت اسمعیل نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی اور اسی کا قدیم نام فاران ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت حبقوق نے ابنی اپنی بشارتوں میں بتایا ہے۔

توریت سامری کا عربی ترجمہ جسکو آرکیونن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گلدونی نیا ورم چھاپا فاران کو حجاز تلایا ہے۔ چنانچہ اُس ترجمہ کی بعینہ یہہ عبارت ہے۔

"وسکن بریہ فران (الحجاز) واخذت له امه امرة من ارض مصر" (عربی ترجمہ توراة سامری) لفظ حجاز جو دو ہلالی خطوں میں ہی مترجم نے اسی طرح لکھا ہے۔

اگرچہ یہہ بات نہایت صفائی سے ظاہر ہے کہ وادی حجاز اور وادی فاران دونوں ایک ہیں اور سمعیل کے خاندان کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اوسکی گواہی دیرہے ہیں مگر باایں ہمہ عیسائی اُسکو تسلیم نہیں کرتے اور موقع فاران کی نسبت مفصلہ ذیل تین رائیں

قرار دیتے ہیں۔

اول۔ یہہ کہ وہ اُس وسیع میدان کو جو بیر شبع کی شمالی حد سے کوہ سینا تک پہیلا ہوا ہے فاران کہتے ہیں اور اُس کی حد عموماً اس طرح پر قرار دیتے ہیں۔

حد شمالی۔ کنعان | حد جنوبی۔ کوہ سینا
حد غربی۔ مُلک مصر | حد شرقی۔ کوہ سعیر

اور کہتے ہیں کہ اس حد میں اور بہت سے چہوٹے چہوٹے وادی علحدہ علحدہ نام سے شامل ہیں۔ مثلاً شور۔ بیر شبع۔ اتھان۔ سینا۔ سن۔ زن وایدم وغیرہ۔

دوسرے یہہ کہ قادیش جہاں حضرت ابراہیم نے کنواں کھُدوایا جس کا نام بیر شبع تہا اور فاران دونوں ایک ہیں۔

تیسرے یہہ کہ فاران اُس وادی کو کہتے ہیں جو کوہ سینا کے مغربی نشیب پر واقع ہی اور جہاں بہت سی ٹوٹی پہوٹی عمارتیں اور پُرانی قبریں اور منیاریں وغیرہ ابتک موجود ہیں مسٹر روپر کا بیان ہی کہ اُس مقام پر ایک ٹوٹا ہوا گرجا ملا جو حضرت عیسیٰ کے بعد پانچویں صدی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہی اور یہہ بہی اُن کا قول ہے کہ چوتہی صدی میں اُس مقام پر عیسائی رہتے تھے اور ایک بشپ بہی وہاں رہتا تھا۔

ہماری رائے میں یہ تینوں توجیہیں محض غلط ہیں اور کسی طرح توریت مقدس کے بیان کے مطابق نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم ان تینوں توجیہوں کی تردید بیان کرتے ہیں۔

اگرچہ یہہ تینوں توجیہیں نہایت مختصر تقریر سے رفع ہو سکتی ہیں کہ جب ان مقاموں میں حضرت اسمٰعیل یا اُن کی اولاد کے رہنے کا کوئی نشان تک نہیں ہی تو پہر کیونکر وہ مقام فاران تصور ہو سکتے ہیں۔ مگر ہم اس سے قطع نظر کر کے ہر ایک توجیہہ کی جدا جدا تردید بیان کرینگے

توجیہ اول کی تردید

پہلی توجیہہ کا منشا یہہ ہے کہ فاران ایک بہت بڑا وادی ہے اور اُس میں شور و سینا وغیرہ سب داخل ہیں اس توجیہہ کی تردید کے لیئے توریت مقدس کی چند آئتیں نقل کر دینی کافی ہیں جن سے ثابت ہوتاہے کہ فاران ایک مستقل اور جداگانہ وادی ہے اور اَور وادیوں سے مل کر نہیں بنا ہے ۔

۱ - توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲ میں لکھا ہو "بنی اسرائیل نے بیابان سینی سے کوچ کیا اور بادل بیابان پاران میں ٹھیر گیا" پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ بیابان سینی ایک جدا بیابان اور پاران جدا بیابان ہے ۔

۲ - توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ میں لکھا ہی کہ "کدرلاعمر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہی مارا" پس اس آیت سے ثابت ہے کہ سعیر جدا ہے اور وادی پاران علحدہ ہے ۔

۳ - توریت کتاب چہارم باب ۱۲ آیت ۱۶ و باب ۱۳ آیت ۳ میں لکھا ہی کہ "بنی اسرائیل حصیروت سے چلے اور بیابان فاران میں ٹھیرے اور وہاں سے زمین کنعان کی تلاش کو سرداران قوم روانہ کیئے ۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ حصیروت سے آگے فاران اور ان سب وادیوں سے علحدہ وادی ہے ۔

۴ - پھر اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۵ و ۲۶ میں لکھا ہی کہ "وہ سردار کنعان کو دیکھکر پھرے تو بیابان فاران میں سے قادیش میں پہنچے - پس کنعان سے مراجعت کرتی وقت پہلے بیابان فاران پڑتا ہی اور پھر قادیش اور یہہ بالکل ٹھیک ہی کیونکہ قادیش جہاں ابراہیم نے بیر شبع بنایا - اور بیابان فاران باہم پیوستہ ہیں - قادیش شمالی سرحد فاران پر واقع ہے ۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بیرشیع ابراہیم والا اور قادیش ایک ہیں۔ اسلیئے کہ وہ قادیش میں بنایا گیا تھا اور اسحاق نے جو بیرشیع بنایا وہ علیحدہ اور قریب فلسطین کے واقع ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ خیال میں رکھنا ضرور ہے۔

یہ دونوں آیتیں توریت اور کتاب حبقوق نبی کی جن میں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارتیں مندرج ہیں اور جن پر ہم بحث کر رہے ہیں ان سے بھی ظاہر ہے کہ فاران وسعیر سب علیحدہ علیحدہ مقام ہیں۔

۲۔ کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۸ میں ھدد اور اس کے ہمراہیوں کے مصر میں جانے کے حال میں لکھا ہے کہ وہ مدیان سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لیکر مصر کو گئے۔" مدیان وہ شہر ہے جسکو عرب مدین کہتے تھے اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کی جانب ہے تبوک سے تخمیناً چھہ منزل جانب جنوب واقع ہے اور یہہ شہر عین وادی فاران میں واقع تھا جو ٹھیک حجاز ہے۔ اس سے دو مطلب ایک حجاز اور وادی فاران کا متحد ہونا دوسرے وادی فاران کا ایک مستقل جدا وادی ہونا ثابت ہوتے ہیں۔

توجیہہ دوم کی تردید

دوسری توجیہہ یہ تھی کہ فاران اور وادی قادیش دونوں ایک ہیں۔ اس توجیہہ کی تردید میں بھی توریت کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ دونوں الگ الگ مقام ہیں۔

۱۔ توریت کتاب اول باب ۱۴ آیت ۶ و ۷ میں لکھا ہے کہ کدرلاعومر نے حوریوں کو پہاڑ سعیر میں ایل فاران تک جو صحرا کے نزدیک ہے مارا اور وہاں سے پھر کر عین مشپاط میں جو قادیش ہے آئے۔" اس سے بخوبی ثابت ہے کہ پاران اور قادیش دونوں علیحدہ ہیں متمیز

۲۔ توریت کتاب چہارم باب ۱۳ آیت ۲۶ میں لکھا ہے کہ "وہ سردار جو حضرت موسیٰ نے بھیجے تھے از طرف فاران قادیش میں پہونچے" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیش فاران جدا جدا دو مقام ہیں۔

آیت جسکا ہمنے ذکر کیا اُس کے ترجمہ میں لوگوں نے کسی قدر غلطی کی ہے اسلئے ہم اُس آیت کو معہ ترجمہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

וַיֵּלְכוּ וַיָּבֹאוּ אֶל-מֹשֶׁה וְאֶל-אַהֲרֹן וְאֶל כָּל-עֲדַת

בְּנֵי-יִשְׂרָאֵל אֶל-מִדְבַּר פָּארָן קָדֵשָׁה׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَیِیلخُو وَیّابُوُّلْ مُوشِہ وَاِلْ اَھَارُوْنَ وَاِلْ کُلْ عَدَتْ بِنِی

اِسْرَائِیل اِلْ مِدْبَرْ پَارَانْ قَادِیْشَہ ۔

عربی ترجمہ

ورحلوا وجاوا الی موسیٰ و الی ھارون والی کل جماعۃ بنی اسرائیل

الی بریۃ فاران بالقادس ۔

اُردو ترجمہ

اور کوچ کیا اور آئے موسیٰ اور ہارون اور تمام جماعت بنی اسرائیل کے پاس طرف میدان فاران کے قادیش میں۔

انقلس نے اس مقام پر قادیش کو مقام نہیں خیال کیا بلکہ اُسکے معنی نائل کے لئے ہیں۔ یعنی فاران میں واپس آئے بہ نیل مرام بس اگر یہ معنی لئے جاویں تو اس آیت سے قادیش اور فاران کے ایک ہونے پر کسیطرح استدلال نہیں ہوسکتا

توجیہہ سوم کی تردید

تیسری توجیہہ یہہ ہے کہ پاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے جہاں کھنڈرات بھی پائے گئے ہیں - یہہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے - ہم اُس بیابان کے وجود سے جو کوہ سینا کے نشیب میں واقع ہے انکار نہیں کرتے - مشرقی جغرافیہ والوں کی تحریروں سے ثابت ہی کہ تین مقام فاران کے نام سے مشہور ہیں - ایک کوہستان حجاز یعنی مکہ معظمہ اور ابو نصر بن قاسم بن قضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری جو حجاز کا رہنے والا تھا وہ حجاز ہی کے رہنے کے سبب فارانی کہلاتا تھا - دوسرا فاران کوہ طور یا سینا کے پاس تھا اور تیسرا فاران نواح سمرقند میں واقع تھا چنانچہ یہہ تفصیل کتاب مشترک یاقوت حموی میں لکھی ہے -

جو فاران کہ نواح سمرقند میں تھا وہ تو بحث سے خارج ہے صرف اُس فاران سے بحث ہے جو کوہ سینا کے مغربی نشیب میں واقع ہے مگر اُسکی نسبت اسقدر اور تحقیقات کرنی باقی ہے کہ آیا اس مقام پر فاران حضرت ابراہیم کے بلکہ حضرت موسیٰ کے وقت میں تھا یا نہیں - اور یہہ وہی وادی ہے جسکا ذکر توریت میں ہے اور جہاں بیرشبع کے بیابان میں پھرنے کے بعد حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے قیام کیا تھا - اور یہہ وہی مقام ہے جہاں اسمٰعیل کی اولاد آباد ہوئی - ان باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے - جیسا کہ اگلی بحثوں میں بیان ہو چکا مگر با اینہمہ جو دلیلیں عیسائیوں نے اس فاران کی نسبت لکھی ہیں اور جنکو ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ایک نہایت عمدگی اور غور سے جمع کر دیا ہے اُن سب کی ہم تردید بیان کرتے ہیں تاکہ بحث بخوبی پوری ہو جاوے ریورنڈ مسٹر فارسٹر کہتے ہیں کہ توریت کتاب اول باب ۲۵ و آیت ۱۸ میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد حویلاہ سے شور تک جو اشور کو جاتے ہوئے مصر کے برابر

پڑتا ہے آباد ہوئی۔ اس آیت کو لکھکر وہ کہتے ہیں کہ "قرار خدا کا پورا ہوگیا کہ بنی اسمعیل شور سے حویلاہ تک یعنی عرب میں مصر کے کنارہ سے دریای فرات کے موہانہ تک پھیل گئے۔"

پہلی غلطی اس مصنف کی یہہ ہے کہ حویلاہ کو دریاے فرات کے موہانہ پر قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ مقام جسکا بانی حویلاہ ہے اور جس کا نام توریت کتاب اوّل باب ۱۰ آیت ۲۹ میں آیا ہے یمن کے قریب واقع ہے۔ چنانچہ ریورنڈ کارٹری بی کاری ایم اے کے نقشہ میں اسکا نشان ۱۷ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض شمالی اور ۴۲ درجہ ۳۰ دقیقہ طول شرقی پر لگایا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

دوسری غلطی اس مصنف کی یہہ ہے کہ وہ شور کو عربیا پٹریا کے مغرب میں بتاتے ہیں اور یہہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ شور کے بیابان سے وہ وسیع میدان بتایا جاتا ہے جو سریا کے جنوب سے مصر تک پھیلا ہوا ہے۔

توریت کی جس آیت کا ریورنڈ مسٹر فارسٹر نے ذکر کیا یعنی کتاب اوّل باب ۲۵ آیت ۱۸ اُس میں دو لفظ ہیں שוּר شور ה אשורה اشورہ اور کسی نام کے ساتھ لفظ بیابان کا نہیں ہے شور کا نام حال میں سریا ہے اور کچھ شک کا مقام نہیں ہو سکتا کہ حال کا نام شورہ کا اس سریا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ اسمٰعیل کی اولاد اُس قطع زمین میں آباد ہوئی جو یمن کے شمالی سرحد سے سریا کی جنوبی سرحد تک ہے۔ اور یہی امر مطابق واقع کے بھی ہے اور توریت مقدس کے بیان کے بھی مطابق ہے۔ اور اسی مقام میں اسمٰعیل کی اولاد کی آبادیوں کے نشان ملتے ہیں اور یہی ٹکڑہ زمین کا حجاز کہلاتا ہے اور اسی کا قدیم نام فاران تھا اور یہہ ہمارا بیان اس بات سے اور زیادہ صحیح ہو جاتا ہے کہ جو مسافر وہاں سے اس سریا کو جاتا ہے تو ٹھیک مصر سامنے واقع ہوتا ہے جیسا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے۔

ریورنڈ مسٹر فارسٹر سینٹ پال کے خط سے جو گلیشین کے نام لکھا تھا ایک نیا نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوہ سینا اور ہاجر متحد ہیں۔ مگر یہہ بھی سرتاسر غلطی ہے۔ ہم سینٹ پال کے خط کی وہ عبارت لکھتے ہیں اور پھر اُسکا مطلب بیان کرکے ریورنڈ مسٹر فارسٹر کی غلطی بتاتے ہیں۔

سینٹ پال کے خط کی یہہ عبارت ہے "تم جو شریعت کے تابع ہوا چاہتے ہو کیا تم نہیں سنتے کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ یہہ لکھا ہے کہ ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا بیوی سے جو لونڈی سے تھا جسمانی طور پر پیدا ہوا اور جو بیوی سے تھا سو وعدہ کے طور پر پیدا ہوا۔ یہہ باتیں تمثیلیں ہیں اسلئے کہ یہہ دو عہد ہیں۔ ایک تو سینا پہاڑ سے جس سے نرے غلام پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہاجرہ ہے۔ کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا اور یہاں کے یروشلم کا جواب ہے جو اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے۔ پر اوپر کی یروشلم آزاد ہے سو ہی ہم سبکی ماں ہے"
(نامہ سینٹ پال بنام گلیشین باب ۴ آیت ۲ لغایت ۲۶)

اس مقام پر جو یہہ لفظ آیا ہے کہ "یہہ ہاجرہ ہے" اس سے اس بات پر کہ کوہ سینا اور ہاجر ایک ہی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ اس مقام پر امر مذکور بیان نہیں ہوا بلکہ سارا بیان بطور تمثیل کے ہے۔ سینٹ پال ان لوگوں کو جنھوں نے صرف ظاہری احکام شریعت کی پابندی اختیار کی تھی اور اُس کے نتیجہ یعنی رُوحانی نیکی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُن کو نصیحت کرتے ہیں۔

یہہ بات یہودیوں میں مشہور تھی کہ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک حضرت اسمٰعیل لونڈی سے۔ (گو کہ یہہ امر غلط ہے مگر یہہ مقام اس کی بحث کا نہیں ہے) دوسرے حضرت اسحٰق بیوی سے۔ اور یہہ بھی مشہور تھا کہ حضرت اسمٰعیل تو جسمانی ہیں اور حضرت اسحٰق روحانی جو بموجب وعدہ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اب سینٹ پال حضرت اسحٰق کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کا بھی جسمانی ہونا اور صرف عیسائیوں کا روحانی بیٹا ہونا بیان کرنا چاہتے ہیں اور اسلئے کہتے ہیں کہ جسمانی اور روحانی ہونا

یہہ تو تمثیلین ہیں حقیقت میں یہہ دو عہد ہیں اب وہ کہتے ہیں کہ ایک عہد تو کوہ سینا سے ہے جس سے
بنی اسرائیل اسحاق کی اولاد مراد ہیں۔ مگر اس عہد سے بھی غلام ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی
صرف ظاہری شریعت میں پڑے ہوئے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ "یہی ہاجرہ ہے" یعنی
یہی معنی لونڈی کی اولاد ہونا ہے اور اس کی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ ہاجرہ عرب کا
کوہ سینا ہے اور یروشلم کا جواب ہے جو یعنی یروشلم اپنے لڑکوں یعنی بنی اسرائیل کے
ساتھہ غلامی میں ہے۔ آگے وہ کہتے ہیں کہ روحانی یروشلم کا ہمکو بیٹا ہونا چاہیئے اور شل
لونڈی کی اولاد کے غلامی کی حالت کو چھوڑ دینا چاہیئے پس اس مقام سے ہاجرا اور کوہ
سینا کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کوہ سینا سے
علیحدہ عرب میں (حجاز) میں تہیں جن کو مثلاً عرب کا سینا بیان کیا ہے اور یروشلم کا مقابل۔
ریورنڈ مسٹر فارسٹر کتاب اول تواریخ ایام کی آیت ۹ و ۱۰ کی سند پر بیان کرتے ہیں کہ
ہگری یعنی بنی ہاجرہ کنارہ دریاے فرات زمین گلعاد میں ساکن تھے اور وہاں چند آبادیوں
کے ایسے نام بھی تلاش کیئے ہیں جو بنی اسمٰعیل کے ناموں کے مشابہ یا مطابق ہیں۔
مگر اس کہنے سے کیا فائدہ ہے۔ بلاشبہ زمانہ کے دور میں بنی اسمٰعیل حجاز میں سے نکلے اور
تمام عرب میں خلیج فارس تک پھیل گئے۔ فاران کی تحقیقات میں اس مقام کو تلاش کرنا
چاہیئے جہاں حضرت اسمٰعیل آباد ہوئے سو وہ ثابت ہو گیا کہ حجاز میں اور گرد مکہ کے
آباد ہوئے۔ پس وہی مقام فاران کہلا ہے۔ بعد کو وہ کتنی دور تک ملکوں میں پھیل گئے
ہوں اُس سے کچھہ بحث نہیں ہے۔

جو فاران کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ہے اور جس کے کھنڈرات ملے ہیں وہ توریت کا
فاران نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کے زمانہ تک اسکا وجود نتھا۔ حضرت موسیٰ جب مصر سے

بنی اسرائیل کو لیکر نکلے اور اونھوں نے بحر احمر کی غربی شاخ کی نوک کو پار کیا جس کے پانی کو بسبب سمندر کے جزر کے خدا نے ہٹا دیا تھا شور کے جنگل میں پہونچے اور جب سن کے جنگل کو طے کیا او افیدیم میں مقام ہوا تو وہاں عمالیق آئے اور موسیٰ سے لڑے چنانچہ یہہ سب حال توریت کتاب دوم باب ۱۷ آیت الغایت ۸ میں مندرج ہے - ان آیتوں میں جو یہہ لفظ مندرج ہیں کہ عمالیق آنکر لڑے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمالیق افیدیم کے باشندے نہ تھے اور کیونکر ہو سکتے تھے کیونکہ وہ مقام محض بے آب تھا - مگر اس مقام پر اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ افیدیم کوہ سینا کے مغرب میں یعنی شرقی مصر میں واقع ہے -

اب یہاں سے حضرت موسیٰ مشرق کیطرف یعنی کوہ سینا کی طرف چلے اور بیابان کوہ سینا میں پہونچ گئے اور اس سفر میں وہ مقام فاران جس کا غربی کوہ سینا میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے گذر گیا اور حضرت موسیٰ نے اُسکا کچھ ذکر نہیں کیا -

اب بنی اسرائیل کوہ سینا سے آگے بڑھے اور شمال مشرق کو چلے - اس راہ میں حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل بیابان سے نکلے اور بادل بیابان فاران میں ٹھیر گیا (توریت کتاب چہارم باب ۱۰ آیت ۱۲)

پس اب بخوبی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کے وقت میں بیابان فاران جانب شمال و شرق کوہ سینا کے تھا جو قریب قادیش واقع ہے اور وہی بیابان حجاز کا ہے نہ غربی نشیب کوہ سینا کے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب العاربہ کی ایک قوم جو اولاد میں فاران بن عوف بن حمیر کے تھی اور جو بنی فاران کے نام سے کہلاتی تھی کسی زمانہ میں وہاں جاکر بسی ہوگی اور اس سبب سے وہ مقام فاران مشہور ہو گیا ہوگا - مگر وہ فاران ہرگز وہ فاران نہیں ہے جسکا ذکر توریت میں ہے -

تمام مشرقی مورخ اور جغرافیہ دان اس بات پر متفق ہیں کہ جو کوہستان حجاز میں واقع ہیں وہی فاران ہے۔ اُن کے اس قول کی تصدیق اس بات سے ہوتی کہ مضر جو عرب کا بادشاہ تھا اُسکا بیٹا عوف تھا جو نجد میں تھا اور جس کے نام سے کوہستان نجد معروف ہیں جیسا کہ کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع میں لکھا ہے اور تاریخ ابو الفدا سے ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا اور نہایت قیاس غالب ہے کہ متصل نجد جو زمین و کوہستان حجاز کے واقع ہیں وہ ہی فاران کے نام سے موسوم ہوئے۔ مگر جو کہ اس مقام پر ایک اور نامی اور متبرک چیز یعنی کعبہ معظمہ قائم ہو گیا اس سبب سے بجائے پہلے نام فاران کے مکہ یا کعبہ کا نام مشہور ہو گیا۔ فاران ۹۷۸ سنہ دنیوی میں تھا یعنی حضرت موسیٰ سے ۴۵۳ برس پیشتر۔ پس اسی فاران کا نام حضرت موسیٰ کی کتاب میں آیا ہے جہاں سے شریعت کے ظاہر ہونے اور خدا کے چمکنے کی بشارت دی گئی تھی جو خاتم الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کے نازل ہونے سے پوری ہوئی۔

عوف بفتح اولہ وسکون ثانیہ و آخرہ فاء جبل بنجد۔ وعوق بالفتح ارض فی دیار غطفان بین نجد وخیبر (مراصد الاطلاع)

اب باقی رہ گیا تیسرا سوال اور وہ یہ تھا کہ حضرت اسمٰعیل جہاں رہتے تھے وہاں سے کسی دوسری جگہہ تو نہیں جا رہے۔ اس بات کو کوئی بھی مورخ کیا عیسائی اور کیا یہودی اور کیا مسلمان نہیں بیان کرتا کہ حضرت اسمٰعیل نے مقام سکونت کو تبدیل کیا تھا۔ پس کچھہ شبہ نہیں ہے کہ یہی مُلک حجاز جہاں حضرت اسمٰعیل نے اول سے اخیر تک سکونت اختیار کی تھی فاران ہے جسکا ذکر حضرت موسیٰ کی کتاب میں آیا ہے۔

بشارت چہارم

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور جب نہیں مل سکتے تو خدا تعالیٰ کی مناجات اور اپنے محبوب کی تعریف اس طرح پر کرتے ہیں۔

דּוֹדִי צַח וְאָדוֹם דָּגוּל מֵרְבָבָה׃ רֹאשׁוֹ כֶּתֶם פָּז קְוֻצּוֹתָיו
תַּלְתַּלִּים שְׁחֹרוֹת כָּעוֹרֵב׃ עֵינָיו כְּיוֹנִים עַל־אֲפִיקֵי מָיִם
רֹחֲצוֹת בֶּחָלָב יֹשְׁבוֹת עַל־מִלֵּאת׃ לְחָיָו כַּעֲרוּגַת הַבֹּשֶׂם מִגְדְּלוֹת
מֶרְקָחִים שִׂפְתוֹתָיו שׁוֹשַׁנִּים נֹטְפוֹת מוֹר עֹבֵר׃ יָדָיו גְּלִילֵי זָהָב מְמֻלָּאִים
בַּתַּרְשִׁישׁ מֵעָיו עֶשֶׁת שֵׁן מְעֻלֶּפֶת סַפִּירִים׃ שׁוֹקָיו עַמּוּדֵי שֵׁשׁ
מְיֻסָּדִים עַל־אַדְנֵי־פָז מַרְאֵהוּ כַּלְּבָנוֹן בָּחוּר כָּאֲרָזִים׃ חִכּוֹ מַמְתַקִּים
וְכֻלּוֹ מַחֲמַדִּים (محمدیم) זֶה דוֹדִי וְזֶה רֵעִי בְּנוֹת יְרוּשָׁלִָם׃ —

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

دُودِی صَحْ وَاِدُومْ دَغُولْ مِرِیَابَہ رُوشُوکِتِم پَازْ قِصُرْتَاوُ تَلْتَلِّیم شِحُورُوتْ
کعورِیب عِنَاوُ کِیُونِیم عَلْ اَفِیقی مَایِم رُحْصُوتْ حَالَاب یُوشْبُوتْ عَلْ
مِلِّیتْ لِحَایَاوُ کَعَرُوغَتْ هَبوسِم مِغْدِلُوتْ مُرْقَاحِیم سِفْتُوتَاوُ شُوشَنِّیم
نُطَافُوتْ مُورْ عُوبِیرْ یَادَاوُ گَلِیلی زَاهَاب مُمَلَّایِم بَتَّرْشِیشْ مِعَاوُ عِشِیتْ
شِیْن مُعِلَّفِتْ سَپِّرِیم شُوقَاوُ عَمُّودِی شِیشْ مِیُسَّا دِیم عَلْ اَدْنِی
پَازْ مَرْئِیهُو کَلِّبَانُون بَاحُورْ کَا اَرَزِیم حِکُّو مَمْتَقِیم وَخُلُّو
(مُحَمَّدِیم) زِہ دُودِی وَزِہ رِعِی بِنُوتْ یِرُوشَلَایِم۔

عربی ترجمہ

جبیبی صحراء مان سید بین الالاف قصتہ مسلسلۃ حالک کا لغراب راسہ لامعۃ الالماس عیونہ کحمامۃ علی عین الماء مغسولہ بالحلیب قائمۃ لجنتام عذارہ صلایۃ الطیب کمعرج البشام شفتاہ ورد تقطر مرابطنہ صفیحۃ العاج مرصص بالدرر ویداہ مضوعتان من الذھب مملوتان بالجوھر سیقانہ اعمدۃ الرخام موسستہ علی قواعد اللئالی صورتہ تمراء شاب کالصوبر حنکہ حلو وکلہ (محمد بجر) ھذا خلیلی وذا جبیبی بنات اور ستلیم۔

اُردو ترجمہ

میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اسکا سر چہرہ کا سا چمکدار ہے اُسکی زلفیں سلسل مثل کوّے کی کالی ہیں اُسکی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کنڈل پر کبوتر دودھ میں دُھلی ہوئی نگینہ کی مانند جڑی ہیں خانہ میں اُس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی اور چکلے پر خوشبو رگڑی ہوئی اُسکے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ہے اُسکے ہاتھ ہیں سونے کے ڈھلے ہوئے جواہر سے جڑے ہوئے اُسکا پیٹ جیسے ہاتی دانت کی تختی جواہر سے لپی ہوئی اُسکی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے اُسکا چہرہ مانند مہتاب کے جوان مانند صنوبر کے اُسکا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمد یعنی تعریف کیا گیا ہے یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔ اے بیٹیو یروشلیم کے (کتاب تسبیحات سلیمان باب ۵ آیت ۱۰ الغایت ۱۶)

اگرچہ اس مقام پر حضرت سلیمان نے خدا کی تسبیح میں گیت گایا ہے اور اُس کی مناجات کی ہے مگر ضرور وہ ایک کسی بڑے شخص قابل تعظیم وادب کے آنے کے متوقع ہیں اور

اُس کی بشارت دیتے ہیں اور اُسی کو اپنا محبوب بتاتے ہیں اور اپنے اُس محبوب کی شاعرانہ تعریف کرتے ہیں اور پھر صاف بتاتے ہیں کہ وہ میرا محبوب (محمّد) ہی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمّد کے معنی تعریف کیئے گئے ہیں پس حضرت سلیمان نے اپنی مناجات میں اپنے محبوب کی تعریف کرتے کرتے اُسکا نام ہی لیا کہ اگر اُس کے معنی لو تو وہ بھی ایک لفظ تعریفی ہے ورنہ وہ صاف صاف نام تو ہے ہی۔

یہہ مقام ایسا ہے جس میں صاف نام محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتا دیا گیا ہی مگر ہمارے خطبہ کے پڑہنے والوں کے دل میں شبہ جاویگا کہ اگر نام بتانا تھا تو محمّد کہا ہوتا (محمدیم) کیوں کہا۔ مگر یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ عبرانی زبان میں یے اور میم علامت جمع کی ہے اور جب کوئی بڑی قدر کا شخص اور عظیم الشان ہوتا ہے تو اُسکے اسم کو بھی جمع بنا لیتے ہیں جیسا کہ خدا کا نام الوہ ہے اُسکی جمع الوہیم بنالی ہے اور اسیطرح بعل جو ایک بُت کا نام تھا جسکو نہایت عظیم الشان سمجھتے تھے اُسکی جمع بعلیم بنا لی تھی اور یہی قاعدہ اسم اشروث میں لگایا گیا ہے جو دوسرے بُت کا نام ہے پس اسیطرح اس مقام پر بھی حضرت سلیمان نے بسبب بڑی قدر اور عظیم الشان ہونے اپنے محبوب کے اُسکے نام کو بھی صیغہ جمع کی صورت میں بیان کیا ہی اور سچ ہے کہ محمّد سے زیادہ کون شخص محمّدیم کہلانے کا مستحق ہے پس یہہ ایسی بشارت ہی جس میں صاف صاف نام محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا گیا ہے۔

بشارت پنجم

حجی نبی ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونیکی اسطرح بشارت دیتے ہیں۔

וְהִרְעַשְׁתִּי אֶת־כָּל־הַגּוֹיִם וּבָאוּ חֶמְדַּת כָּל־הַגּוֹיִם וּמִלֵּאתִי אֶת־הַבַּיִת

הַזֶּה כָּבוֹד אָמַר יְהוָה צְבָאוֹת׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَہِرْعَشْتِی اِتْ کُلْ ھَگُوْیِمْ وِبَاؤُحِمْدَتْ کُلْ ھَگُوْیِمْ وِمِلِیْتِی اِتْ ھَبَّایِتْ ھَزِّہ کَا بُوْدْ اَمَرْ یَھْوَا صِبَؤُوتْ ۔

عربی ترجمہ

وازلزل الامم کلھا وحمد جمیع الامم یجیئی واملا ھذا البیت مجدا قال رب الخلائق

اردو ترجمہ

سب قوموں کو ہلا دونگا اور حمد سب قوموں کا آویگا اور اس گھر کو بزرگی سے بھر دونگا کہا خداوند خلایق نے (کتاب حجی نبی باب ۲ آیت ۷)

اس آیت میں لفظ (حمدث) جو آیا ہے اس سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بشارت نکلتی ہے۔ ریورنڈ مسٹر پارک ہرسٹ حمد کے مادہ کی نسبت کہتے ہیں کہ "ہر قسم کی پاک چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے"۔ اسی مادہ سے محمد اور احمد اور حامد اور محمود ہمارے پیغمبر خدا صلعم کے نام مبارک نکلے ہیں اور ان بشارت میں لفظ حمدث کے کہنے سے صاف اشارہ ہے کہ جس شخص کے معبوث ہونیکی اس میں بشارت ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اسکا نام حمد کے مادہ سے مشتق ہے اور وہ کوئی نہیں سوائے محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۔

عیسائی مذہب کے پادری خیال کرتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ کے معبوث ہونیکی ہے مگر یہہ خیال دو وجہ سے صحیح نہیں اول اسلئے کہ حضرت متی نے جسقدر بشارتیں عہد عتیق میں حضرت عیسیٰ کی کی ہیں اُن سب کو بالتفصیل اپنی انجیل میں لکھا ہے کیونکہ وہ انجیل عبرانی زبان میں یہودیوں کی ہدایت کے لیئے لکھی گئی تھی اور اسی سبب سے تمام بشارتیں جو توریت

وزبور وصحف انبیاء میں حضرت عیسیٰ کی نسبت نہیں ان سب کے حضرت متی نے لکھا تھا اگر اس بشارت کا ذکر حضرت متی نے نہیں کیا اگر یہ بشارت حضرت عیسیٰ سے متعلق ہوتی تو ضرور حضرت متی اسکا ذکر کرتے دوسرے یہہ کہ حمد کے مادہ سے حضرت عیسیٰ کے نام پر کسیطرح اشارہ نہیں ہوسکتا بلکہ یہہ اشارہ خاص اُسی شخص کے نام کا ہے جسکا نام اسی مادہ سے مشتق ہوا ہے اور اسلئے یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی نہیں ہے بلکہ اسکی بشارت ہے جسکی نسبت حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی کہ "یَأْتِی مِنْ بَعْدِی اسْمُهُ اَحْمَدُ"۔

کاڈوی ہیگلنس نے بھی اپنی کتاب میں باستدلال قول ریورنڈ پارک ہرسٹ صاحب کے لکھا ہے کہ یہہ بشارت حضرت عیسیٰ کی نہیں ہوسکتی بلکہ اس شخص کی ہے جس کے آنے کی بشارت خود حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔

بشارت ششم

حضرت اشعیاہ نبی وحی کے رو سے اُن لوگوں کا ذکر جو خدا کی سچی پرستش از سرنو قایم کریں گے اسطرح پر کرتے ہیں۔

וְרָאָה רֶכֶב צֶמֶד פָּרָשִׁים רֶכֶב חֲמוֹר רֶכֶב גָּמָל וְהִקְשִׁיב קֶשֶׁב רַב־קָשֶׁב׃

اس عبارت کو عربی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔

وَرَائَا رِخَبْ صِمِدْ پَارَشِیمْ رِخَبْ حَمُودْ رِخَبْ گَامَالْ وِهِقْشِیبْ قِشِبْ رَبْ قَشِبْ

عربی ترجمہ

ورئی مرکب الفارسین راکب حمار راکب جمل والتفت التفاتا جیداً۔

اُردو ترجمہ

اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب

متوجہ ہوا (کتاب اشعیاہ نبی باب ۲۱ و آیت ۷)

اس آیت میں حضرت اشعیاہ نبی نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو خدا کی سچی پرستش از سر نو قایم کریں گے اُن میں سے ایک کو گدھے کی سواری کے نشان سے بتلایا ہے اور اُس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جناب ممدوح گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے تھے اور بلا شبہ حضرت عیسیٰ نے خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یہودیوں نے جو مکاری اور دغابازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی ریاکاری سے پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا اُسکو مٹایا اور سچی پرستش خدا کی قایم کی۔ +

دوسرے شخص کو اونٹ کی سواری کے نشان سے بتلایا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس سے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص سواری ہے بچے سے بوڑھے تک اور عالم سے جاہل تک جس سے چاہو پوچھو اونٹ کا نام لیتے ہی عرب کا اشارہ سمجھ جایگا اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اونٹ پر سوار تھے اور بلا شبہ محمد رسول اللہ نے خداے واحد کی پرستش قایم کی حضرت عیسیٰ کے بعد جو لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قایم کر کر پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور خداے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اُسکو مٹایا اور پھر سے خدا کی سچی پرستش قایم کی اور یوں فرمایا "یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ"۔

بشارات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انجیل میں سے

بشارت اول

عید فسح سے تھوڑی مدت پہلے جب حضرت عیسیٰ کو معلوم ہوا کہ اُب اُنکا وقت بہت قریب آگیا ہے

اور اب وہ گرفتار ہونیوالے ہیں تو اونہوں نے اپنے حواریوں کو بہت سی نصیحتیں کیں اُنہی
نصیحتوں میں یہہ ہی فرمایا کہ "یہہ امور میں نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہوں لیکن پیرکلیطاس
پاک روح جسکو باپ بھیجیگا میرے نام سے ہربات تمکو سکھاویگا اور یاد دلاویگا تمکو تمام وہ باتیں
جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں" (انجیل یوحنا باب ۱۴ - ۲۵ و ۲۶)

تاہم میں تمسے سچ کہتا ہوں یہہ بھلا ہے تمہارے لیئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ
اگر میں نہ جاؤں تو پیرکلیطاس تمہارے پاس نہ آویگا (انجیل یوحنا باب ۱۶ - ۷)

بالفعل جو انجیل کے نسخے موجود ہیں اُن میں لفظ پیرکلیطاس اسی املا سے لکھا ہوا ہے
جس طرح کہ ہمنے لکھا ہے مگر ہم مسلمان یہ یقین نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ نے یہہ یونانی لفظ
بولا تھا کیونکہ اُن کی زبان عبرانی تھی جس میں کالدی یعنی خالدیہ زبان کے لفظ بھی ملے ہوئے
تھے عبرانی و خالدی دونوں زبانیں ایک ہیں پس ہم مسلمانوں کا یہہ یقین ہے کہ حضرت عیسیٰ نے
اس مقام پر פרקליט فارقلیط کا لفظ فرمایا تھا جیسا کہ بشپ مارش صاحب کی بھی رائے ہے مگر
جب انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئیں تب اُسکی جگہ یونانی لفظ لکھا گیا بایں ہمہ ابتدا میں اس لفظ کا
ترجمہ پیرکلیطاس نہیں کیا گیا جسکے معنی تسلی دینے والے کے بیان کیئے جاتے ہیں بلکہ اُسکا ترجمہ
پیریکلیطاس کیا گیا تھا جو ٹھیک فارقلیط کے لفظ کا ترجمہ ہے اور جسکا ترجمہ عربی زبان میں ٹھیک ٹھیک لفظ
احمد ہی ہے بلاشبہ اسبات کا ثبوت کہ یہ لفظ پیریکلیوطاس ترجمہ ہوا تھا اور پیرکلیطاس نہیں تھا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ ہم
اُسکو بتائید روح القدس بخوبی ثابت کرینگے اس لفظ پر بہت بڑے بڑے عالموں نے بحث
کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اُن ہی کے اقوال کا ذکر کرنا شاید کافی ہوگا۔

سر ولیم میور صاحب لیف آف محمد جلد اول صفحہ ۱۷ میں ارقام فرماتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل کا
ترجمہ جو ابتدا میں عربی زبان میں ہوا اوس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہوگا

یا کسی جاہل خود غرض راہب نے محمد (صلعم) کے زمانہ میں جعلسازی سے اُسکا استعمال کیا ہوگا جسکو مسلمان اپنے پیغمبر کی بشارت قرار دیتے ہیں"۔

اول تو ہم مسلمانوں کو یوحنا کی انجیل کسی ایسے عربی ترجمہ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت سے پہلے یا آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود ہو مطلق اطلاع نہیں ہے نہ ہمارے اگلے بزرگوں نے اُسکا کچھ ذکر کیا ہے اور نہ ایسے ترجمہ کے موجود ہونیکا کچھ ثبوت پیش کیا گیا ہے عرب میں حضرت متی کی اصلی انجیل جو عبرانی زبان میں تھی اور اب معدوم ہے البتہ پائی جاتی تھی اُسکا ذکر ہمارے ہاں کی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر یوحنا کی انجیل کا کچھ ذکر نہیں ہے باقی رہی بات کہ کسی خود غرض راہب نے یہہ جعلسازی کی ہو اسپر ہم یقین نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کسی خود غرض راہب کے اس لفظ میں جعل کرنیکا ہم یقین کرینگے جیسا کہ سر ولیم میور صاحب نے فرمایا ہے تو ہمکو بمجبوری اس بات کا بھی یقین کرنا پڑیگا کہ بعض دیندار راہبوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں چھپانے کو بھی انجیل مقدس میں تحریفیں کی ہیں جیسا کہ عموماً مسلمان یقین کرتے ہیں مگر ہمکو ایسی بدگمانیوں پر تحقیق سے باز رہنا نہیں چاہیئے بلکہ استقلال سے تفتیش کرنی چاہیئے کہ اگلے عالموں نے اسپر کیا بحث کی ہے اور فیلالجی یعنی علم مطابقت لسان جو اس زمانہ میں نہایت ترقی پر ہے اُس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

گاڈفری ہیگنس (رحمۃ اللہ علیہ) جو ایک بہت بڑے عالم حال کے زمانہ میں گذرے ہیں اور انگریز تو تھے ہی اور انگریزی زبان تو اُنکی زبان ہی تھی مگر یونانی اور عبرانی و کالدی زبان بھی خوب جانتے تھے اور علم مطابقت السنہ سے بھی واقف تھے اُنہوں نے اسکی کیا تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان بیان کرتے آئے ہیں اور اب بھی بیان کرتے ہیں کہ یہہ بشارت حضرت عیسیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کی دی ہے جسطرح حضرت اشعیاہ نے کیخسرو کی پیشین گوئی کی تھی اور دونوں

پیشین گوئیوں میں دونوں کا نام بتا دیا گیا تھا۔

گاڈفری ہگینس صاحب اول تو اس مقام پر مسلمانوں کیطرف سے ایک مجادلانہ تقریر کرتے ہیں اور اسکے بعد محققانہ انکی مجادلانہ تقریر مسلمانوں کی طرف سے یہہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے جو آنحضرت صلعم کا نام لیا تھا وہ اُس لفظ سے نہیں لیا جو لفظ کہ انجیلوں میں موجود ہے بلکہ وہ لفظ پیریکلیوطاس تھا جس کے معنے زبان عربی احمدؐ کے ہیں اور ابتداءً انجیل میں یہی لفظ تھا مگر سچ بات کے چھپانے کے لئے اُس کو تحریف کر دیا ہے اور عیسائی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ اُن کی کتب موجودہ میں بہت سی تحریفیں یا اختلاف قرأت ہیں اور مسلمان یہہ بھی کہتے ہیں کہ اس عبارت کے چھپانے کیلئے تمام قلمی نسخے غارت کر دیئے گئے قلمی نسخوں کے غارت ہو جانے کا انکار نہیں ہو سکتا اور یہہ وہ بات ہے جس کی نسبت جواب باصواب دینا مشکل ہے اور قدیمی نسخوں کی نسبت تو یہہ ہے کہ چھٹی صدی کے قبل کا کوئی بھی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے۔

اگر اس کا جواب دیا جاوے کہ ترتولین اور قدیمی مصنفوں کی عبارت سے ثابت ہو سکتا ہے کہ انجیلوں کی صحیح قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے پیشتر ایسی ہی تھی جیسی کہ اب ہے اور اسلئے اُن میں تحریف نہیں ہوئی تو اس صورت میں اُن قدیمی نسخوں میں بھی تحریف کا نہونا ثابت کرنا چاہیئے گا اور کیا عجب ہے کہ اُن میں بھی ہوئی ہو جن لوگوں نے انجیل مقدس کے قدیمی قلمی نسخوں کو غارت کر دیا اُنہوں نے ایک وصلی کو جسپر قدیمی مصنف کی تصنیف لکھی گئی ہو از سر نو لکھنے میں کیا دریغ کیا ہوگا اس بات کو اول درجہ کے دیندار عالموں نے تسلیم کیا ہے کہ انجیل میں اور اور مقصدوں کے لیئے تحریف ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک مطلب کے لیئے تحریف کریں گے وہ دوسرے مطلب کے لیئے کیوں نہ کریں گے اور جو کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ

یہہ لفظ عبرانی ہے پس اگر غلط لکھا گیا ہو تو گمان غالب یہہ ہے کہ ابتدا کے عیسائی مورخوں نے جو دنیا میں سب سے بڑھکر جھوٹ بولنے والے ہیں بلحاظ خاص مطلب کے لیئے جھوٹ بولا ہو اور یہہ گمان نہایت ضعیف ہو کہ یوحنا حواری نے جو عبرانی شخص تھا کوئی غلطی کی ہو کیونکہ وہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں کو سمجھتے تھے اور اگر بالفرض وہ عبرانی زبان کے بڑے عالم ہوں اور اسی وجہ سے اُنھوں نے یونانی لفظ کلیطاس کو بجاے کلیوطاس کے غلطی سے لکھدیا تو اس سے یہہ نتیجہ نکلیگا کہ یوحنا کی انجیل کے اصل متن میں تحریف ہوئی ہے۔

اسکے بعد گاڈفری ہگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے ایک اور مجادلانہ تقریر لکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا بیان ہے کہ یہہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ عیسائی اگر مناسب سمجھتے تو نہایت عمدہ قلمی نسخوں کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ جس طرح کہ اُنھوں نے بہت سی ولیوں کی لاشوں کو نہایت آسانی سے محفوظ رکھا ہے چنانچہ یوحنا اور مریم اور پطرس اور پولس وغیرہ کی لاشیں ہر روز اٹلی میں نظر آتی ہیں۔

پس مسلمان ضرور باصرار عیسائیوں سے کہیں گے کہ اس غلط ترجمہ کے چھپانیکے لیئے کل قلمی نسخے غارت کردیئے یا اُن میں جھوٹ ملا دیا گیا اور اگر ایسا نہ تھا تو وہ غارت کیوں کردیئے گئے اور عیسائیوں کو اُنکا جواب باصواب دینے میں بہت کچھ دقت ہوگی کیونکہ قلمی نسخوں کے غارت ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ وہ موجود نہیں ہیں۔

اس کے بعد گاڈفری ہگنس صاحب نے محققانہ طور پر گفتگو شروع کی ہے اول وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بشارتیں ان آیتوں میں مندرج ہیں اُن سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی سمجھتے تھے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ نے جو اُس لفظ کے معنوں میں تحریف کی ہے اور اس سے صرف روح القدس کا

حواریوں پر آنا مراد لیا ہے ابتدا میں یہہ رائے عام تھی چنانچہ دوسری صدی میں ترتولین کے
زمانہ سے پہلے مانٹینی اس ایک شخص پیدا ہوا تھا جسکو بہت لوگ سمجھتے تھے کہ وہی پیرکلیوطا ہے
جسکے بھیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعدہ کیا تھا اُسکے دشمنوں نے اُسکی نسبت بے اصل بات مشہور
کی تھی کہ وہ رُوح القدس ہونیکا دعوی کرتا ہی ایسے ہی لوگوں نے مانٹینی اُسکے سبب انجیلوں میں
تحریف کی اور یہہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا مانٹینی
اُسکے زمانہ کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ سے بہت پیشتر مینس کو بھی اُسکے پیروں
نے جو بڑے عالم اور طاقتور تھے وہی شخص سمجھا تھا جسکے مبعوث ہونیکی حضرت عیسیٰ نے بشارت
دی تھی لیکن اُسکے انجام سے ثابت ہوتا ہی کہ مینس شخص موعود نہ تھا اور اُسکے پیرو غلطی پر تھے۔

بعد اسکے گاڈفری ہگنس صاحب مسلمانوں کی طرف سے لکھتے ہیں کہ مسلمان کہتے ہیں کہ
اس لفظ سے جو عیسائی رُوح القدس کا حواریوں پر اترنا مراد لیتے ہیں وہ کسی طرح درست نہیں
ہو سکتا اگر اسکے معنے تشفی دہندہ ہی کے ہوں تو وعدہ تو ایک تشفی دہندہ کے آنے کا تھا پھر
یہہ کہنا کہ ظہور بارہ زبانہ آتشین کا وہی شخص موعود ہے محض فضول ہے علاوہ اسکے حواریوں کے
قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح پایا نہیں جاتا کہ رُوح القدس کا حواریوں میں آجانا
تشفی دہندہ موعود کا آنا ہوا اور صرف زبان سے کہدینے سی ایسے دعوی کی تصدیق نہیں ہو سکتی ہی
علاوہ اسکے پینٹی کاسٹ کی ضیافت میں حواریوں پر روح القدس نازل ہو چکی تھی کیونکہ
بموجب قول عیسائیوں کے ایک بوسیدہ زبانہ آتش نے ہر ایک حواری پر طاری ہو کر اسی لمحہ اُن کو
سب زبانیں بولنے کی طاقت بخشی تھی اور یوحنا کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت سی معلوم
ہوتا ہی کہ خود حضرت عیسیٰ نے اپنے جانے سی تھوڑی عرصہ پیشتر یہہ فیض اُنکو عطا کر دیا تھا یعنی
پینٹی کاسٹ کی ضیافت کو جسکا ہم ذکر کر رہے ہیں دو مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ فیض اُنکو عنایت

کیا گیا تھا عیسائی مذہب کی تمام مذہبی کتابوں میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ بعد زمانہ آتشین جیسے کہ سب زبانیں بولنے کی طاقت عطا ہوئی تھی تشفی دہندہ موعود نہیں جو ایسا ہوتا تو ضرور کتاب مذکور میں ہوتا۔

اگر اس کے جواب میں یہہ کہا جاوے کہ وہ عطا یا جن کا بیان متی کی انجیل میں ہے اور فیض روح القدس جسکا بیان یوحنا کی انجیل کے بیسویں باب کی بائیسویں آیت میں ہے صرف چند روز کے لئے تھا اور پھر لے لیا گیا تھا اور بعد کو ہمیشہ کے لیے آیا تو مسلمان کہینگے کہ یہہ صرف ایک حیلہ ہی جس کی تصدیق انجیل کے کسی لفظ سے نہیں ہوتی۔

اسی بحث میں گاڈفری ہگنس صاحب نے ایک نہایت عمدہ قول فیصل لکھا ہے کہ یعنی اگر تسلیم کیا جاوے کہ یہہ لفظ وہی ہی جو اس زمانہ کے عیسائی کہتے ہیں اور اُسکے معنی بھی رُوح القدس ہی کے ہوں تو مسلمان عیسائیوں سے کہیں گے کہ تم کہتے ہو کہ انجیل میں بشارت ہے کہ رُوح القدس آویگی یہ درست ہی کہ روح القدس آئی مگر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں آئی جن کو رُوح القدس سے الہام ہوتا تھا پس تمہاری پیچیدہ عبارت کے یہی سیدھے معنی ہیں اور یہی معنی درستی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔

یہ لفظ تو گاڈفری ہگنس صاحب کے تھے اور میں صرف اتنا اور زیادہ کرتا ہوں کہ جو عام ہدایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہوئی اور تمام جزیرہ عرب بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی پرستش کرنے لگا اور تمام دنیا میں وحدانیت کا ڈنکا بج گیا اور حضرت عیسی پر جو اتہام خدا کے بیٹے ہونے کا کیا تھا وہ مٹ گیا اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ ضرور وہ رُوح القدس اور روح الصدق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اس کے بعد گاڈفری ہگینس صاحب اسکو ثابت کرتے ہیں کہ یہہ لفظ پیرکلیطاس نہیں ہے جسکے معنی تسلی یا تشفی دہندہ کے بیان کئے جاتے ہیں بلکہ یہہ لفظ پیرکلیبوطاس ہی جسکے معنی احمد کے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی دلیل کو بابت ترجمہ لفظ پیرکلیبوطاس کے بجاے پیرکلیطاس کے اس طرز تحریر سے بہت مدد ملتی ہے جو سینٹ جیروم نے انجیل کے لیٹن ترجمہ میں اختیار کی ہی یعنی اس ترجمہ میں لیٹن زبان میں پیرکلیطاس لکھا تھا پیرکلیبوطاس کی جگہہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ جس کتاب سے سینٹ جیروم نے لیٹن میں ترجمہ کیا اُس میں لفظ پیرکلیبوطاس تھا نہ پیرکلیطاس۔

لفظ پیرکلیطاس کے معنے پر پادریوں میں بہت اختلاف ہی چنانچہ مشہور عالم مایکیلس کہتا ہے کہ ارنسٹائی نے بہت مناسب کہا ہی کہ اسکے معنی نہ حامی کے ہیں نہ تشفی دہندہ کے اور یہہ بھی کہتا ہے کہ میں بتحقیق خیال کرتا ہوں کہ پیرکلیطاس یا تو روح القدس کو کہتے ہیں یا معلم یا مالک کو یعنی بتانے والا خداتعالیٰ کی سچائی کا اور میں اسکی راے سے درباب صحیح ہونے ترجمہ کے مطابقت کرتا ہوں گو میں اُسکو ڈاکٹر یعنی عالم متبحر کا لقب نہیں دیتا بلکہ ماسٹر یعنی مُعلّم کا لقب دیتا ہوں اسلئے کہ جو معنی اُس نے لفظ مذکور کے لکھی ہیں بہتیروں نے اختیار کئے ہیں البتہ اُس کے اثبات کا جو طرز اُس نے اختیار کیا ہے وہ عجیب ہے اُسکو چاہیے تھا کہ لفظ مذکور کو کسی محقق کی تصنیف میں تلاش کرتا اور اُس کے معنوں کی تشریح اُس لفظ کے استعمال سے ثابت کرتا اُس نے ان سب باتوں کو چھوڑ کر جس زبان کے لفظ سے یہہ نکلا ہے (یعنی کالدی زبان سے) اُس کے محاورہ اور استعمال سے اپنا بیان ثابت کرنے پر استدلال رکھا ہے۔

بہت بڑے عالم اور معزز بشپ مارش نے کہا ہے کہ لفظ پیرکلیطاس کے تین ترجمے ہیں اور ہمکو اختیار ہے کہ اُن میں سے جونسا چاہیں پسند کریں اول معنی حامی کے ہیں

جو معتبر اور یونانی اکابر کے نزدیک مسلم ہیں دوسرے معنی معین کے ہیں اور یہہ وہ معنی ہیں کہ ارستانی نے بحوالہ لفظ فارقلیط کے جو کالدی زبان کا لفظ ہی کہے ہیں تیسرے معنی واعظ کے ہیں جسکو خود بشپ مارش نے بحوالہ ایک عبارت مصنفہ فائلو کے تسلیم کیا ہے نپس یہہ صاف ظاہر ہے کہ اس مشہور لفظ کے معنوں میں اور اس پیغمبر کی قسم مین جسکے بھیجنے کا حضرت عیسیٰ نے وعدہ کیا تھا بہت اشتباہ و شک تھا۔

یہہ لفظ گاڈفری ہگینس صاحب کے ہیں مگر میں سپر اتنا اور زیادہ کرتا ہوں کہ اگر بشپ مارش ہی کے معنی تسلیم کیئے جاویں اور اس لفظ کو پیرکلیطاس ہی مانا جاوے اور اس کے معنی واعظ کے قرار دیئے جاویں تو بھی بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کے حق میں یہہ بشارت نہیں ہوسکتی اسلیئے کہ حواریین جنہوں نے انجیل کا وعظ کیا وہ اس سے پہلے روح القدس سے معمور ہوچکے تھے اور وہ سب اسوقت موجود تھے انکی نسبت تو

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ (سورہ کہف آیت ۱۱۰)

یہ کہا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ میں بھیجوں گا کیونکہ وہ موجود تھے محمد رسول اللہ جب آئے تو انہوں نے صاف صاف بتایا کہ میں بھی تم سا ایک آدمی ہوں صرف مجھپر وحی بھیجی گئی ہے کہ بیشک تمہارا خدا وہی ایک خدا ہے پھر اس سے بھی زیادہ صاف فرمایا کہ میں اپنی جان کے لیئے بھی کچھ فائدہ یا نقصان پہونچانے پر قادر نہیں ہوں بجز اُسکے جو خدا چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا ہوتا تو بہت کچھ بھلائیاں جمع کرلیتا۔ اور مجھکو کوئی برائی چھوتی بھی نہیں میں تو اُن قوموں کو جو ایمان لائی ہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (سورہ اعراف آیت ۱۸۸)

اور پھر اور بھی صاف فرمایا کہ میں تو تمکو صرف ایک بات کا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وعظ کرتا

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى — ہوں پھر تم خالصاً للہ دو دو ایک ایک کھڑے

وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ — ہو اور سوچو کہ جو شخص تمہارے ساتھ ہی اسکو

هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ — کچھ جنون تو نہیں وہ تو صرف تمکو عذاب میں

(سورۃ سبا آیت ۴۵) — پڑنے سے پہلے ڈرانے والا ہے اس کے سوا

اور بہت ہی جگہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی طرف سے فرمایا کہ خدا تمکو اس بات کا وعظ کرتا ہے اور خدا کا وعظ کرنا اور پیغمبر کا وعظ کرنا برابر ہی پس سوا محمد رسول اللہ کے کسی پیغمبر نے ایسا صاف صاف نہیں فرمایا کہ میں تو صرف وعظ کہنے والا ہوں پس اگر اس لفظ کے معنے واعظ ہی کے ہوں جیساکہ بشپ مارش نے کہا ہے تو بھی وہ سچا واعظ بجز محمد رسول اللہ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

بعد اسکے ڈاکٹر ہیگنس صاحب کہتے ہیں کہ یہہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ لفظ مذکور (یعنی فارقلیط) جیساکہ بشپ پارش نے لکھا ہی کہ یقیناً عیسیٰ مسیح نے استعمال کیا تھا مسلمانوں کے دعوے کو بہت کچھ سہارا دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میری راے میں اہل اسلام لفظ فارقلیط کو یونانی میں پیرکلیوطاس بنا لینے کا اسی قدر اختیار رکھتے ہیں جسقدر کہ عیسائی پیرکلیطیاس کرلینے کا بلکہ اُن کی راے میں غلبہ کا پلہ مسلمانوں کی طرف ہے کیونکہ عیسائی مجاز نہیں کہ پچھلے جزو میں لفظ زبان خالدی کے حرف ید یعنی یاے تحتانی کو جو مثل حرکت کسرہ کے ہی یا حرف ایتا کو جو یاے تحتانی ممدودہ معروف کی برابر ہے حرف ایوتا کے عوض میں بدلیں۔

حرف ید حروف تہجی زبان خالدیہ کا دسواں حرف ہے اور شمار میں اُسکے عدد بھی دس ہیں پس اگر لفظ مذکور ایک زبان سے دوسری زبان میں بدلا جاے تو اُس یونانی حرف سے

بدلنا چاہیئے جو وش کے معنے میں آیا ہے اور جو ابتدا میں حروف تہجی میں دسواں تھا قبل اس کے کہ یونانیوں کا حرف ڈگا مہ جاتا رہے جیسا کہ میں نے اُسکو کثرت سے اپنے اُس جواب مضموں میں ثابت کیا ہے جو درباب جنوب مغربی فرنگستان کے قدیمی پادریوں کے لکھا ہے۔

مگر میں علاوہ اس کے یہہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا لفظ فارقلیط تھا اور یہہ کہ اس لفظ کے معنے ستودہ کے ہیں جیسا کہ سیل صاحب کا بھی قول ہے تو اُسکا ترجمہ اس لفظ یونانی پیر کلیطاس میں غلط ہے یعنی اختلاف قرأت کی جہت سے اور یہہ کہ بشپ مارش اور ارنستائی دونوں کے کل ترجمے غلط ہیں اور لفظ مذکور اُس لفظ سے مبدل کرنا چاہیئے جو ستودہ کے معنے رکہتا ہو اور واقع میں لفظ پیر کلیطاس ہونا چاہیئے مگر اس کا ترجمہ فارقلیط علم کے معنی لیکر نہ کرنا چاہیئے بلکہ اسم صفت کے طور پر کرنا چاہیئے چنانچہ اہل اسلام بمعنی احمد کے لیتے ہیں اگر یہہ لفظ حضرت عیسیٰ کا استعمال کیا ہوا زبان خالدیہ یا عبرانی یا عربی کا ہو تو اُس سے وہی مراد پائی جانی چاہیئے جو اُسکے معنی اُن زبانوں میں تھے اگر وہ خالدیہ کا لفظ عربی مصدر سے مشتق ہو تو اُسکے وہی معنی چاہئیں جو عربی مصدر کے ہیں اور تب اُسکے معنی ستودہ یا شخص ممتاز کے ہوں گے۔

اگر ناظرین غور کرینگے تو معلوم کریں گے کہ لفظ کلیوطاس کو ہومر اور ہسیڈ دونوں نے بجاے ستودہ آدمی کے استعمال کیا ہے اسطرح سے میری دانست میں اہل اسلام کی دلیل اس سلیقہ کے ساتھ ہی کہ اگر اُن کو اُنکی غلطی پر معقول کیا جاۓ تو عجب نہیں کہ بہت مشکل پڑے یہہ ادنیٰ بات ہی مگر اُنکی دلیل کی تردید میری نظر سے نہیں گزری۔

مگر مجھکو اس مشہور لفظ فارقلیط کی نسبت کچھ اور بھی کہنا ہے اسکو بشپ مارش نے جسکے

قول کو عیسائی صادق جانتے ہیں ایک مسلمان کی منتخب کی ہوئی دلیل میں تسلیم کرلیا ہے
کہ وہ سُریانی یا خالدیہ یا عربی ہے مگر یونانی نہیں اِن زبانوں میں سے ایک کو یا دو کو حضرت
محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ضرور بولتے ہونگے یا ادنیٰ درجہ یہہ کہ سمجھتے ہوں گے اور یہہ یقین کرنیکی
کوئی وجہ نہیں کہ لفظ مذکور کے یونانی ترجمہ کی نسبت آپ کو کچھ بحث ہوئی ہو کیونکہ حضرت
عیسیٰ کے کلاموں کے یونانی ترجموں سے عرب کے لوگوں کو کیا غرض تھی عرب میں اُن
ترجموں کا کیا کام تھا اُن لوگوں کو وہ کیا فائدہ پہنچا سکتے تھے جو ان کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتے
تھے بجز ایسے لوگوں کے جو اُس اصل زبان کو سمجھتے تھے جسکو حضرت عیسیٰ بولتے تھے آپ نے
لفظ مذکور اُسی طرح لیا ہوگا جیسے کہ منقول چلا آتا تھا یا جیسا کہ سیل صاحب نے اُسکو لکھا ہے
جسکے معنی ستودہ کے ہیں اور اس سے زیادہ غالبًا آپ نے کبھی دریافت نہیں کیا۔
یہہ خیال کرنا کیسا بیہودہ ہے کہ اپنی خاص زبان کے ایک لفظ معنی کی تشریح غیر زبانمیں ڈھونڈھتے
آپ نے لفظ مذکور کو مثل اُس زمانہ کے دوسرے فرقوں کے شخص انسانی پر محمول کیا اور یہہ اجازت
نہیں دی کہ اُسکو ثالث ثلاثہ کہیں جیسا کہ اس زمانہ کے موحد بھی کہتے ہیں یہہ بھی ممکن ہے کہ
آپ نے اُسکو احمد کے معنی میں لیا ہو اور اُسکی نسبت کبھی جھگڑا یا شک کیا ہو۔
یہ تمام تقریر گاڈفری ہیگنس صاحب کی ہے جو اُنہوں نے مسلمانوں کی طرف سے کی ہے
مختصر یہہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی بحث لفظ پیرکلیطاس پر جواب یونانی انجیل میں ہے یا لفظ
پیرکلیوطاس پر جو اصلی نسخوں میں تھا منحصر نہیں ہے کیونکہ یہ انجیلیں یونانی زبان میں لکھی
گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ کی زبان نہیں تھی پس اُنھوں نے جو لفظ فرمایا تھا وہ عبرانی یا خالدی
زبان کا تھا جو دونوں ایک ہیں۔ پس ہم مسلمان کہتے ہیں کہ وہ لفظ فارقلیط تھا یونانی
انجیلوں میں اسکے بجائے جو لفظ ہے فارقلیط کا ترجمہ ہے ہم مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یونانی

میں پیرکلیوطاس کیا گیا تھا جو درحقیقت صحیح ترجمہ ہے اور اسکا ثبوت بھی جہانتک ہوسکا دیا ہے

اور اگر یہہ کہا جائے کہ نہیں پیرکلیطاس ہے اس کا ہمیشہ سے ترجمہ چلا آتا ہے تو ہم مسلمان

یہہ کہیں گے کہ یہہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ فارقلیط کا ترجمہ پیرکلیطاس نہیں ہے بلکہ پیرکلیوطاس

ہے اور اس کا فیصلہ عبری وخالدی زبان کے لغت کی تحقیق پر ہر وقت ہوسکتا ہے اور

جو کہ مشہور ہے کہ انجیل یوحنا درحقیقت حضرت یوحنا حواری کی لکھی ہوئی ہے اسلیئے ہم یقین

نہیں کرسکتے کہ حضرت یوحنا نے فارقلیط کے ترجمہ میں غلطی کی ہو اور جو دلیلیں مذکور ہوئیں

اُن سے بھی پایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے غلطی نہیں کی اسلیئے اصل میں وہ لفظ پیرکلیوطاس ہے،

بمعنی احمد نہ پیرکلیطاس بمعنی تسلّی دہندہ۔

اکثر عیسائی خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اُس بشارت کو انجیل برناس سے اخذ کیا ہے

اور جارج سیل صاحب نے بھی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں یہی خیال کیا ہے بلکہ اُنہوں نے لکھا ہے

کہ یہہ آیت قرآن مجید کی "یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ" اسی انجیل میں سے اخذ کیگئی ہے اور

شاید اخیر زمانہ کے ایک آدہ کچے مسلمان اور جاہل مولوی نے کہیں سُن سُنا کر کہ برناس کی

انجیل میں بھی یہہ مطلب آیا ہے شاید اُس کا حوالہ دیدیا ہو مگر قدیم عالموں اور بڑے بڑے

محققوں نے اس بشارت کی بابت برناس کی انجیل کا خواہ وہ صحیح ہو یا غلط نام تک نہیں لیا

جارج سیل صاحب کی غلطی ہے جو وہ ایسا کہتے ہیں۔

بشارت دوم

جب بعد مصلوب ہونے اور قبر میں دفن کیئے جانے کے حضرت عیسیٰ زندہ ہو کر اُٹھے اور حواریوں

سے ملے اور اُن کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھایا تو بیت عینا میں جانے اور آسمان پر چلے

جانے سے تھوڑی دیر پہلے اُنہوں نے اپنے حواریوں سے یہ فرمایا "اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ

اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھرو شہر یروشلیم میں جبتک کہ تم پر عطا ہو قوت اوپر سے (انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)

چند سطروں کے بعد لوقا اپنی انجیل ختم کرتے ہیں اور کچھ ذکر اُس وعدہ کے پورا ہونیکا نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ یہہ کہکر آسمان پر چلے گئے تو تمام حواری اُن کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلیم کو پھرے اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف اور شکر کرتے رہے اور اُنہی لفظوں پر لوقا کی انجیل ختم ہوتی ہے اور اُس وعدہ کے وفا ہونیکا کچھہ ذکر نہیں ہوتا پس ثابت ہوتا ہی کہ لوقا کی زندگی تک یا کم سے کم اس انجیل کے لکھے جانے کے وقت تک وہ وعدہ جسکو لوقا سمجھے تھے پورا نہیں ہوا تھا۔

لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہاے آتشین میں حواریوں پر نازل ہونا (اگر وہ اسکے بعد نازل بھی ہوئے ہوں) اس وعدہ کا پورا ہونا نہیں تھا کیونکہ اگر ہوتا تو وہ اُس وعدہ کی پورا ہونیکا ذکر ضرور لکھتے پس ضرور ہے کہ یہہ وعدہ کسی اور شخص کے مبعوث ہونے کا تھا۔

اب ہمکو اُس شخص کی تلاش کرنی مناسب ہے جسکے آنے کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی جب ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ اُس وعدہ کے آنے تک تم شہر یروشلیم میں ٹھرے رہو۔ تو ہمکو تعجب ہوتا ہے کہ اُس وعدہ کے آنے اور شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے کیا تعلق ہے اگر بالفرض اُس وعدہ سے حواریوں پر روح القدس کا نازل ہونا ہی مراد تھی تو بھی یروشلیم میں رہنے اور روح القدس کے آنے سے کوئی ضروری مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر حوارین شہر کے باہر چلے جاتے تو بھی انکو پاس روح القدس اُسی طرح آسکتی تھی جیسکہ شہر میں رہنے کی حالت میں آسکتی تھی پس شہر یروشلیم میں ٹھیرے رہنے سے یہ مطلب نہیں ہی جو اُس کے لفظی معنوں سے نکلتا ہی بلکہ یہہ مطلب ہی کہ جب تک وہ

وعدہ پورا ہو تم شہر یروشلیم سے وابستہ رہو اور اُسکی عزت و تعظیم جتنی کہ میسر ہو کرتے آئی
ہو کرتے رہو۔ اُسی کی طرف اپنا سر جھکاؤ۔ اپنا منہ اُسی کی طرف رکھو جب تک وہ وعدہ پورا ہو
چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور وہ وعدہ پورا ہوا اور یروشلیم
میں رہنے کا زمانہ منقطع ہوگیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا باپ کا وعدہ پورا ہوا اور اوپر
سے عطا ہوگئی بیت المقدس کی طرف جو مدت دراز سے قبلہ تھا موقوف ہوا اور مکہ میں
ابراہیم کے بنائے ہوئے خانہ خدا اور کعبہ معظم کی طرف قبلہ اہل ایمان قرار پایا پس یہ
بشارت صاف ہمارے پیغمبر کے مبعوث ہونے اور بیت المقدس کے قبلہ رہنے کے
زمانہ کے اختتام اور بیت اللہ الحرام کے قبلہ ہونے کی بشارت ہے۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

بشارت سوم

جبکہ حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے تو یروشلیم سے یہودیوں نے کاہنوں اور لیویوں کو اُن کے
پاس بھیجا تاکہ اُن سے پوچھیں؟ کہ وہ کون ہیں چنانچہ وہ لوگ گئے اور اُن سے یہ گفتگو ہوئی
کہ اُسنے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرستاس یعنی عیسیٰ مسیح نہیں
ہوں اور اُنہوں نے پوچھا اُس سے پھر کون کیا تو الیاس ہے؟ اور اُسنے کہا میں نہیں ہوں تو
وہ نبی ہے؟ اور اُس نے جواب دیا نہیں تب اُنہوں نے اُس سے کہا کہ کون تو ہے تاکہ ہم
جواب دے سکیں اُنکو جنہوں نے کہ ہمکو بھیجا ہے اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے اُس نے کہا
میں ہوں آواز اُسکی جو کہ جنگل میں چلاتا ہے سیدھا کرو راستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیاہ نے
کہا اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروسی تھے اور اُنہوں نے اُس سے پوچھا اور اُس سے کہا کہ تو

کیوں صطباغ کرتا ہے جبکہ تو نہ کرستاس یعنی عیسیٰ مسیح ہے - اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی (یوحنا باب ۱ آیت ۲۰ لغایت ۲۵)

ان اوپر کی آیتوں میں تین پیغمبروں کا ذکر ہے ایک حضرت الیاس کا اور دوسرے حضرت عیسیٰ کا تیسرے اُس پیغمبر کا جو علاوہ حضرت عیسیٰ کے ہونے والا تھا - یہودی یقین کرتے تھے پیغمبر الیاس جن کو مسلمان خضر کہتے ہیں مرے نہیں بلکہ صرف انسانوں کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں اور یہودیوں کو حضرت عیسیٰ مسیح کی نسبت یہ یقین تھا اور اب بھی ہے کہ وہ کسی نہ کسی دن آویں گے لیکن اُن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور پیغمبر کے آنے کی بھی اُمید رکھتے تھے اور وہ پیغمبر ایسا مشہور تھا کہ بجائے نام کے صرف اشارہ ہی اُس کے بتانے کو کافی تھا جیسکہ ہم مسلمان بھی پیغمبر کے نام کی جگہہ صرف آنحضرت اشارہ میں لکھتے بولتے ہیں اور یہہ مشہور پیغمبر کون ہو سکتا ہے بجز اُس کے جس کے سبب خدا تعالیٰ نے ابراہیم و اسمٰعیل کو برکت دی اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا کہ تیرے بھائیوں میں تجھسا پیغمبر پیدا کروں گا اور جس کی نسبت حضرت سلیمان نے کہا کہ میرا محبوب سُرخ و سفید سب میں تعریف کیا گیا محمد ہے یہی میرا محبوب ہے اور یہی میرا مطلوب اور جسکی نسبت حجی نبی نے فرمایا کہ حمد تمام قوموں کا آویگا اور جسکی نسبت حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میرا جانا ضرور ہے تاکہ فارقلیط آوے اب میں نہایت مضبوطی سے کہتا ہوں کہ یہ نامی اور مشہور پیغمبر حضرت محمد ہیں - واللہ حضرت محمد ہیں -

تمت

الخطبة الحادی عشر

فی

حقیقۃ شق الصدر وماہیۃ المعراج

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سینہ مبارک کے شق کرنے کی حقیقت اور معراج کی اصلیت کا بیان ہے۔

جو واقعات کہ ہم اس خطبہ میں بیان کرتے ہیں اُنکی اصلیت کی نسبت اور جن الفاظ میں وہ بیان ہوئے ہیں اُن کے صحیح معنوں کی نسبت اکثر علماے دین نے بحث کی ہے اور اُنکی تحقیقات کو انتہا درجہ تک پہونچایا ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین اور شارحین نے اپنی پیچ در پیچ تاویلات اور لاطائل براہین سے بجاے اس کے کہ شکوک کو رفع کریں یا غلطی کی تصحیح کریں اُن الفاظ کی معانی کو اور بھی تاریکی میں ڈالدیا ہے۔

قرآن مجید کی رو سے ہمکو شرح صدر پر جسکو آخر کار لوگ شق صدر کہنے لگے اور نفس معراج کی صحت و صداقت پر بغیر کسی شبہ کے ایمان لانا چاہیئے۔ پس جو امر کہ بحث طلب ہے اور جسپر ایک مدت تک علماے اسلام کی توجہ مبذول رہی ہے اسبات سے علاقہ رکھتا ہے کہ شرح صدر یا شق صدر کی اصل حقیقت اور معراج کی ماہیت کیا تھی۔ ان دونوں کی

حقیقت بیان کرنے کے لئے اولاً ہم قرآن مجید کی اُن آیتوں کو نقل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہیں۔

آیت اول - الم نشرح لك صدرك -	کیا ہمنے تیرے لئے سینہ کو نہیں کھولدیا ہی
آیت دوم - سبحان الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً	پاک ہی وہ جو لیگیا اپنے بندہ کو اک رات مسجد حرام
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا	سے مسجد اقصیٰ تک جسکے گرد کو ہمنے
حوله لنریه من ایتنا انه هو السمیع البصیر-	برکت دی ہے تاکہ ہم اسکو اپنی نشانیوں میں
آیت سوم - وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰك	سے دکھلادیں بیشک وہ سننے والا ہے دیکھنے والا
الا فتنة للناس -	اور نہیں کیا ہمنے اُس رؤیا کو جو تجھکو دکھلایا

مگر آزمایش واسطے لوگوں کے۔

جو آیتیں کہ اوپر لکھی گئیں اُن میں سے صرف پہلی آیت شق صدر سے علاقہ رکھتی ہی اور باقی آیتیں معراج کے متعلق تصور کیگئی ہیں - ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں سینہ کی چیر پھاڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے اور اُسکی اصلی اور اصطلاحی معنی جیسے کہ اکثر مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہی اُس کشادگی کے ہیں جو دل اور سینہ میں عقلی اور روحانی وسعت سے عرفان الٰہی اور وحی کے منبع ہونے کے لیئے کی گئی تھی۔

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو شق صدر اور معراج سے علاقہ رکھتی ہیں لیکن وہ باہم بقدر مختلف اور متعارض اور متناقض ہیں کہ کوئی بھی قابل اعتبار کے نہیں ہے اور اُنکی صحت کی کافی سندیں بھی نہیں ہیں - ہشامی ذیل کا قصہ حلیمہ سے نقل کرتا ہے کہ اُسنے بیان کیا کہ ایک روز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے - وہ دونوں دفعتاً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور رو کر کہنے لگے

کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لے گئے اور اُنکا سینہ چاک کر ڈالا۔ میں اور میرا خاوند اُس مقام پر گئے دیکھا کہ آنحضرت کا مارے خوف کے رنگ فق تھا۔ ہم نے اُنکو چھاتی سے لگایا اور اُن کے اضطرار کا باعث پوچھا اُنھوں نے جواب دیا کہ دو آدمی سفید پوش میرے قریب آئے اور مجھکو چت لٹا کر میرا دل چیرا اور اُس میں سے کوئی چیز نکال لی مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی۔

اسی طرح کی ایک اور کہانی ہشامی نے بغیر کسی سند کے صرف یہہ بیان کرکے کہ بعض علما نے بیان کیا ہے اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے کہا کہ آپ کچھہ اپنی تعریف بیان فرمائیے۔ اُسپر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ میں اُن برکتوں کا مشتاق ہوں جن کے عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا اور میں وہ شخص ہوں جس کے آنے کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ جبکہ میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا میری ماں کو معلوم ہوا کہ اُن سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل منور ہوگئے۔ ایکدن میں اپنے دودھ بھائیوں کے ساتھہ مویشی چرا رہا تھا کہ دفعتاً دو آدمی جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھہ میں ایک سونے کا طشت برف اور پانی سے بھرا ہوا لیئے ہوئے تھے میرے پاس آئے اور مجھکو زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چاک کیا اور میرے دل کو نکال کر چیرا اور اُس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا۔ اُس کے بعد اُنھوں نے دل کو اور سینہ کو برف سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُسکو ایک طرف رکھکر اور دس آدمیوں کو دوسری طرف رکھکر تولو مگر میں وزن میں زیادہ ہوا۔ تب اُسنے سو آدمیوں سے مجھے تولا پھر بھی میں وزن میں بڑھتی رہا۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اُس کو چھوڑ دو کیونکہ اگر تم اُسکو تمام جہان کے مقابلہ میں تولو گے تب بھی یہہ کم نہ نکلے گا۔

واقدی نے بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا ہی اور کتاب شرح السنہ میں عرباض
ابن ساریہ سے آنحضرت کے مذکورۂ بالا فضائل کا بیان ہوا ہی اور دارمی میں ابوذر غفاری سے
آنحضرت کے تولے جانے کی روایت بھی بیان ہوئی ہے ۔ مگر ان روایتوں میں جو اختلاف
ہے وہ غور کے قابل ہے ۔ حلیمہ سے جو روایت ہی اُس میں برف کے پانی اور طشت کا
اور دل کے دھونے کا کچھ ذکر نہیں ہے اور ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم
ہوتا ہے کہ آنحضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد حلیمہ کے گھر پر ہوا تھا ۔ مگر دارمی میں جو
ابوذر غفاری سے روایت ہی اُس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں ہے اور اُس سے پایا جاتا ہی
کہ آنحضرت کا تولا جانا بطحاے مکہ میں ہوا تھا ۔ باایں ہمہ یہہ تمام روایتیں نہایت نامعتبر ہیں
اور قصہ اور کہانی ہونے سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں ۔

عیسائی مصنف ایک بڑی غلطی میں پڑے ہیں ۔ وہ اپنے ہاں کی مقدس کتابوں کو
جن میں کتب تواریخ اور ملوک اور قضاۃ وغیرہ داخل ہیں اور توریت وانجیل کے اُن تمام
مقاموں کو جن میں تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں بمنزلہ وحی یعنی کلام الٰہی کے سمجھتے
ہیں اور اُن سب کو ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک جانتے ہیں حالانکہ اُن میں بہت
سی غلطیاں پائی جاتی ہیں ۔ اسیطرح اُنہوں نے یہہ خیال کر لیا ہے کہ مسلمان بھی اپنی
حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بے نقص سمجھتے ہونگے اور اس خیال خام سے اونہوں نے مسلمانوں کی
تمام حدیثوں اور روایتوں کو ناقابل خطا تصور کر کے اسلام پر نہایت سخت طعن وتشنیع کی
ہے لیکن وہ خود بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیونکہ مسلمان اپنے ہاں کی روایات و احادیث کو
اسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے کہ اور تواریخ کے واقعات کو دیکھتے ہیں اور اون کو ویسا ہی ممکن الخطا
خیال کرتے ہیں ۔ مسلمان اپنے ہاں کی حدیثوں اور روایتوں کو اسوقت صحیح سمجھتے ہیں جبکہ

اُن کے لئے کافی ثبوت اور معتمد سند پاتے ہیں ورنہ اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ یہہ وہ ہیں جو ہشامی اور واقدی میں بیان ہوئی ہیں یا وہ روایتیں جو شرح السنہ اور دارمی میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں۔ محققین علمائے اسلام اُن کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور یہہ وہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں خیال کرتے ہیں۔ پس عیسائی مورخوں نے اس بات میں بڑی غلطی کی ہے کہ اُن نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کیا ہے البتہ شق صدر کے معاملہ میں ایک روایت ہے جو ایک معتبر کتاب میں لکھی ہے یعنی مسلم میں اور اسلیئے وہ اس لایق ہے کہ علمائے اسلام اُسپر توجہ کریں اور اس بات کی تحقیق و تدقیق کریں کہ وہ روایت صحیح ہے یا بے اصل کیونکہ مسلم میں اُس روایت کے مندرج ہونے سے یہہ بات لازم نہیں آتی کہ اُسکی صحت میں کچھ شبہہ نہیں بلکہ صرف علماء کی توجہ کا استحقاق رکھتی ہے اور اگر بعد تحقیق کے معلوم ہو کہ وہ صحیح نہیں ہے تو گو کہ وہ مسلم نے بیان کی ہو ویسی ہی نامعتبر تصور ہوگی جیسے کہ اور کسی نے بیان کی ہوتی۔

مسلم میں ہے کہ انس ابن مالک نے کہا کہ "ایک روز جبکہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت جبرئیل اُنکے پاس آئے اور اُن کا دل چیرا اور اُس میں سے ایک قطرہ نکالکر کہا کہ تجہہ میں یہہ شیطان کا حصہ تھا تب اُسکو ایک سونیکے طشت میں آب زمزم سے دھویا اور اُس کو بجنسہ جہاں رکھا ہوا تھا وہیں رکھدیا اور لڑکے بھاگ کر بہ سیرہ حضرت کی دودہ پلائی کے پاس گئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مار ڈالا۔ وہ فوراً محمد کے پاس دوڑتے آئے اور اُن کا رنگ فق پایا۔ (انس کا بیان ہے کہ) سیون کا نشان جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سینہ پر محسوس ہوتا تھا میں نے خود دیکھا تھا۔

قطع نظر اسکے کہ اس روایت سے وہ تمام روایتیں جن میں حلیمہ کے گھر شق صدر ہونیکا

بیان ہوا ہے غلط اور باطل قرار پاتی ہیں یہہ روایت بھی چار مستحکم دلیلوں سے قابل اعتبار کے نہیں - اول یہہ کہ انہی انس نے ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کا ہونا شب معراج میں بیان کیا ہی اور وہ زمانہ اس زمانہ سے جو اس روایت میں ہی کورہی بالکل مختلف ہے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انس کے بعد کے راوی نے انس کی اُس لمبی روایت میں سے جو معراج سے متعلق ہے اور جس کا بیان آگے ہوگا ایک ٹکڑا توڑکر اور اُس میں بھی بیشی کمی کرکے بیان کیا ہے جس سے اس روایت کی بے اعتباری اور اُس مضمون کا کہ سیون کے نشان انس نے دیکھی تھے لغو اور بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے - دوسرے یہہ کہ اس روایت میں انس کا یہہ قول کہ میں نے آنحضرت کے سینہ پر سیون کے نشان بچشم خود دیکھی تھے بیان کیا گیا ہے حالانکہ یہہ بات غیر ممکن ہی کیونکہ اگر مانا جاوے کہ آنحضرت کا سینہ درحقیقت چیر اگیا تھا جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے تو اُسکی سیون کے نشان کا محسوس ہونا ناممکن تھا کیونکہ یہہ سیون جراح کی سیون اور ٹانکوں کی مانند نہ تھی کسی روایت کی اصلیت کے امتحان کرنیکا یہہ بھی طریقہ ہے کہ اگر وہ کسی ایسے امر کو بیان کرے جو خود اُس معجزہ کے جو اس واقعہ میں بیان ہوا ہے برخلاف ہو تو ایسی روایت محض بے اصل ہوگی - پس اس دلیل سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہہ روایت محض بے اصل و نامعتبر ہے اور انس کے بعد راوی نے اُس میں بالکل غلطی کی ہی - تیسرے یہہ کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حلیہ کا مفصل بیان کیا ہی مگر کسی نے اس سیون کے نشانوں کا جسکا بیان اس روایت میں ہی ذکر نہیں کیا - اگر ایسا ہوتا تو بہت سے صحابہ اُسکا ذکر کرتے - چوتھے یہہ کہ انس بوقت وقوع اس واقعہ کے موجود نہ تھے اور نہ انہوں نے اُن اشخاص کے نام بیان کیئے ہیں جنکی وساطت سے اُنکو یہہ روایت پہونچی - روایت کے نامعتبر قرار دینے کو ایک مستحکم اصول یہہ

قرار پایا ہے کہ اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے جس میں وہ خود موجود نہیں تھا تو وہ روایت قابل اعتبار کے نہیں ہے گو کہ وہ راوی صحابہ ہی میں سے کیوں نہو۔

شق صدر کے متعلق روایتیں ایسی مختلف ہیں کہ ان کی باہم تطبیق نہیں ہو سکتی اور اسلئے وہ سب کی سب نامعتبر ہیں۔ مصنف مواہب لدنیہ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھکر بعوض اس کے کہ انکو نامعتبر ٹھہراتا یہہ تسلیم کیا ہے کہ واقعہ شق صدر پانچ مرتبہ واقع ہوا تھا۔ اول اُس وقت جبکہ پیغمبر صاحب اپنی دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ دوم اُسوقت جبکہ آنحضرت کی عمر دس برس کی تھی۔ سوم غار حرا میں چہارم شب معراج میں۔ پنجم ایک دفعہ اور جسکے وقت کی تعیین خود مصنف نہ کر سکا۔ یہہ تمام روایتیں ایسی ہیں جنپر تمام ذی علم اور تعلیم یافتہ مسلمان ذرا بھی اعتبار نہیں کرتے اور یہہ روایتیں محققین علماے اسلام کے نزدیک طفلانہ افسانوں سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں رکھتیں۔

شق صدر کی نسبت صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے اعتبار کے لائق ہو سکتی ہے اور اُس واقعہ کو ہم معراج کے ساتھ بیان کریں گے مگر معراج کے تمام واقعات جو کچھ کہ ہوں بطور رویا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوئے تھے۔ پس جو بیان شق صدر کا اُس روایت میں ہے وہ بھی رویا سے متعلق ہے۔

اب ہم معراج کے حالات بیان کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں۔ معراج کے مقدم واقعات جنپر توجہ کیجا سکتی ہے یہہ ہیں۔ آنحضرت صلعم کے سینہ مبارک کا شق کیا جانا۔ آپکا براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس کو جانا اور وہاں سے آسمانوں پر تشریف لیجانا۔ وہ واقعات اور مکالمات جو آسمانوں پر پیش آئے۔ مگر مطلق ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان باتوں کے درحقیقت واقع ہونے کا کبھی دعوی کیا ہو۔ قرآن مجید سے

اور نیز اُن روایتوں سے جو راویوں نے معراج کی نسبت بیان کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں اور اگر اُس روایت کو جس میں شق صدر کا بھی ذکر ہے صحیح مانا جاوے تو یہہ بھی آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ اُن کا سینہ چاک کر کے اُن کا دل پانی سے دھویا گیا ہے اور اُسی خواب میں آنحضرت صلعم نے اور بھی کچھ خدا کی نشانیاں دیکھیں جس کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں۔

اوّل ہم اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ معراج صرف ایک رویا تھا۔ بخاری میں لکھا ہی کہ

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً قال هی رویا عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة اسری الی بیت المقدس (بخاری)	ابن عباس نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس کہا کہ یہہ آنکھ کا رویا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لے جائے گئے تھے۔

قتادہ کی روایت میں ہی کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چت لیٹے ہوئے تھے۔ حسن کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں مقام حجر میں سوتا تھا۔

انس کی روایت میں ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے اور جب تمام قصہ معراج کا انس بیان کر چکے ہیں تو اُسکے اخیر میں رسول خدا صلعم کے یہہ لفظ بیان کئے ہیں کہ "پھر میں جاگ اوٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا"۔

ام ہانی کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز پڑھکر

ہم میں سو رہے اور فجر کے پہلے ہم نے اُن کو جگایا ۔

عبد ابن حمید کی روایت میں ہے کہ معراج کا بیان کرنے میں آنحضرت نے فرمایا کہ "میں سوتا تھا" یا یہہ کہا کہ "چت لیٹا ہوا تھا" یا یہہ کہا کہ "سونے اور جاگنے کے بیچ میں تھا"

یہہ روایتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا آیندہ لکھی جاویگی ۔ یہہ سب روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ معراج کے جو واقعات کہ بیان ہوئے ہیں وہ خواب کے واقعات ہیں اور اگر اُن روایتوں کی معتبری پر شبہہ کیا جائے تو یہ بات تو اس سے ضرور ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ جبکہ یہہ روایتیں لکھی گئیں معراج کے واقعات کو رویا کے واقعات سمجھتے تھے علاوہ اسکے بہت سے علماے محققین نے جن میں امیر معاویہ اور حذیفہ بھی داخل ہیں جو معتبر صحابہ میں سے ہیں بالاتفاق معراج کو ایک رویا قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجۂ ذیل سندوں سے ثابت ہوتا ہے ۔

شفاے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ "ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے کہ

فذھب طائفة الی ان الاسراء بالروح وانه رؤیا منام مع اتفاقھم ان رؤیا الانبیاء حق و وحی والی ھذا ذھب معاویة وحکی عن الحسن والمشھور عنه خلاف والیه اشار محمد ابن اسحٰق (شفاء)

معراج رُوحانی تھی اور وہ سونے میں ایک رویا تھا ۔ اسی کے ساتھ اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ابنیا کا رویا حق اور وحی ہے اور اسی بات کی طرف معاویہ بھی گئے ہیں اور حسن سے بھی یہی روایت کی گئی ہے لیکن انکی مشہور روایت اس کے برخلاف ہے اور اُس کیطرف محمد ابن اسحاق نے اشارہ کیا ہے" ۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد ابن جریر طبری سے اُس کی تفسیر میں نقل کی گئی ہے کہ

وحکی عن محمد بن جریر الطبری فی تفسیرہ عن	حذیفہ نے کہا کہ یہہ (یعنی واقعہ معراج)
حذیفۃ انہ قال ذلك رویا وانہ ما فقد جسد	رویا تھا اور رسول خدا صلعم کا جسم نہیں گیا تھا
رسول اللہ صلعم وانما اسری بروحہ وحکی ھذا القول	اور معراج صرف روحانی تھی اور یہی قول عائشہ
ایضاً عن عائشۃ رض وعن معاویۃ رض (تفسیر کبیر)	اور معاویہ سے بیان کیا گیا ہے۔

مگر علماے متاخرین نے مذہبی گرمجوشی سے یہہ بات قرار دی کہ معراج جسمانی تھی اور تمام واقعات جو واقع ہوئے ہیں فی الحقیقت واقع ہوئے تھے لیکن اس دعا کی نسبت اُن کے پاس کوئی سند قرآن مجید کی موجود نہیں ہے بلکہ بعض الفاظ کے معنوں پر جوش و خروش کے ساتھ بحث کر کے اس امر کو قائم کرتے ہیں۔ شلاً وہ کہتے ہیں کہ لفظ "اسریٰ" کا اطلاق رویا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اُس کے معنی رات کے سفر کے ہیں اور اسیوجہ سے وہ اس لفظ سے واقعی رات کا سفر مراد لیتے ہیں اسیطرح وہ یہ دلیل کرتے ہیں کہ لفظ "عبدہٗ" کا اطلاق جسکے معنی اپنے بندے کے ہیں روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے کیونکہ انسان دونو چیزوں سے مرکب ہے اسیلئے ضرور ہے کہ وہ سفر یعنی معراج جسمانی ہوئی ہو۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ رویا کے معنے دیکھنے کے ہیں اگرچہ اُس سے بالعموم خواب میں دیکھنے کے معنی لیئے جاتے ہیں لیکن اُسکا اطلاق فی الواقع آنکھ کے دیکھنے پر بھی ہوسکتا ہے اور اسیلئے ممکن ہے کہ "رویا" کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے اُس سے پچھلے معنی مراد ہوں۔ اسپر وہ یہہ دلیل اور اضافہ کرتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت میں جو لفظ "رویا عین" استعمال ہوا ہے تو "عین" کی قید لگانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رویا کے لفظ سے فی الواقع آنکھ کا دیکھنا مراد ہو۔

باقی حدیثوں کا جن میں آنحضرت کا سوتا ہوا ہونا مذکور ہے یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ یا تو آنحضرت معراج کے شروع ہونیکے وقت اسطرح پر لیٹے ہوئے ہوں گے جیسے کہ عموماً لوگ

سونے کے واسطے لیٹتے ہیں یا معراج سوتے میں شروع ہوئی ہوگی اور پھر جاگ گئے ہونگے
اور جاگنے کی حالت میں ختم ہوئی ہوگی -

مگر ہر شخص پر جس میں ذرا بھی سمجھ ہے اور ذرا بھی استدلال کا مادہ رکھتا ہے واضح ہوگا
کہ مذکورہ بالا دلیلیں کیسی پوچ اور ضعیف ہیں - ان دلیلوں کے پیش کرنیوالے صرف وہی
لوگ ہیں جو جوش مذہبی میں اندھے ہوکر یہہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن تمام روایتوں پر جو ذرا
بھی مذہب سے علاقہ رکھتی ہیں گو وہ کیسی ہی بیہودہ اور محال اور قابل تضحیک ہی کیوں نہ ہوں
آمنا و صدقنا کہنا چاہیئے - بلا شبہ اُن مسلمانوں کا یہہ جاہلانہ اعتقاد انکی نامعقولیت
پر دلالت کرتا ہے لیکن عیسائیوں کا یہہ بیان کہ ہر مسلمان کو ان سب بیہودہ باتوں کو امور
دینی سمجھکر بلا وسواس اُن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور بھی زیادہ بیہودہ پن ہے - دیدہ و
دانستہ ناانصافی اور عامیانہ جہالت کے کسقدر گہرے اور تاریک گڑھے میں پڑا ہوا ہونا
ہوا ہوگا جس وقت کہ اُسنے یہہ کہا کہ جملہ مسلمان اسکو ایک اصل امر دینی سمجھتے ہیں اور اس مذہب
کے تمام لوگوں کا اس قصے پر ایسا مستحکم اعتقاد ہے جیسیکہ عیسائی انجیل کے کسی امر پر
عقیدہ رکھتے ہیں -

عیسائیوں کی عادت ہی کہ جب وہ کوئی کتاب مذہب اسلام یا اُس کے بانی کے حالات
میں لکھتے ہیں تو انکا ارادہ انصاف یا تحقیق حق کا نہیں ہوتا بلکہ قلم اوٹھانے سے پہلے وہ
قصد کر لیتے ہیں کہ جہاں تک ہوسکے اُس کو لغو اور بیہودہ ظاہر کیا جائے - پس وہ اُن
تمام لغو اور مہمل روایتوں کو جنکو خود مسلمان تسلیم نہیں کرتے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھکر
مسلمانوں کے خاص امور دینی بغیر کسی دلیل کے قرار دیتے ہیں اور اُسپر زبان طعن و تشنیع دراز
کرتے ہیں عیسائیوں نے باستثناے معدودے چند کے اُس مقدس شخص کے احکام و

طریقہ کو جسکے پیرو وہ اپنے تئیں بتاتے ہیں اور جس کے حلم اور نیک خصلت سے وہ محض بے بہرہ ہیں بالائے طاق رکھکر اُن لوگوں پر جو خدائے واحد برحق پر ایمان رکھتے ہیں ایسے الفاظ سے طعن و تشنیع کی ہے جن کا ملحد اور لامذہب لوگوں پر بھی استعمال کرنا زیبا ہے اُسی قسم کی ناانصافانہ سخت کلامیاں ہیں جو عیسائیوں نے معراج اور شق صدر کے باب میں لغو اور نامعتبر روایتوں کی بنیاد پر مسلمانوں پر کی ہیں۔

مگر ہم اُن عیسائی مصنفوں کا شکر کیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے انصافانہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس واقعہ کو خواب کا واقعہ بیان کرتے تھے اور اُنہوں نے یہہ بھی تسلیم کیا ہے کہ راویوں نے جو زیادتیاں اسمیں کردی ہیں اُن سے بانی مذہب اسلام پر کوئی الزام عاید نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ اکتوبر کے کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۲ میں ایک عیسائی مصنف نے یہ رائے لکھی ہے کہ جو کچھہ ہمکو اس مقام پر بیان کرنا ہے وہ یہہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے سرگرم پیرووں کا ذمہ دار نہیں قرار دینا چاہیئے جبکہ اُنہوں نے اس خواب کو (جسکے ہم پلہ تمام دوراین کا مڈی میں شاید ہی کوئی خواب ہوا ور جس نے البتہ کسیقدر رنگ اُس سے نادانستہ اوڑایا ہے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسکو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھک گئے) ایک مہمل اور لایعنی چیز کے ساتھہ بدل دیا۔

اگرچہ ہم نے اُن روایتوں کی جو معراج سے متعلق ہیں بخوبی قدر و منزلت جیسی کہ اُنکی ہی بیان کردی ہی لیکن اب ہم اُن تمام نامعتبر روایتوں کو اور اُن تمام نے بنیاد قصوں کو جو اُن میں مذکور ہیں بغرض اتمام حجت وہی تسلیم کرلیتے ہیں اور یہہ بھی تسلیم کرلیتے ہیں کہ ان تمام قصوں پر اعتقاد رکھنا مسلمانوں کے ہاں ایک خاص امر دینی ہے اور پھر ہم اُن متعصب عیسائیوں سے جو ان روایات کی بنا پر مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں پوچھتے ہیں

کہ وہ کیوں اس قدر دند مچاتے ہیں جبکہ وہ خود اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں پر یقین کرتے ہیں کیا اُن کا یہ اعتقاد نہیں ہے اور وہ اس بات کو دینی امر خیال نہیں کرتے کہ حضرت الیاس آسمان پر انسانی جسم و شکل کے ساتھ بدون چکھنے ذائقہ موت کے ایک آتشین گاڑی میں بذریعہ ایک آندھی کے اٹھا لیئے گئے ہیں؟ اور کیا عیسائی اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتے کہ حضرت عیسیٰ مسیح مرنے کے بعد اُٹھے اور آسمان پر چلے گئے اور خدا تعالیٰ کے دست راست کی طرف بیٹھے یعنی خود اپنے ہی دست راست کیطرف کیونکہ وہ خود خدا تھے؟ (متی باب ۲۸ ورس ۶ مرقس باب ۱۶ ورس ۱۹)

اس واسطے ہم تمام عیسائیوں کو جو ایسی خراب اور ایذا رسان نظیر کی تقلید کی جانب مائل ہیں انکے آقا کے احکام مرقومۃ الذیل کی پیروی کرنے کی صلاح دیتے ہیں کہ تو اُس ذرہ کو جو تیرے بھائی کی آنکھہ میں ہے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھہ میں جو شہتیر ہے اسکو نہیں دیکھتا تو اپنے بھائی سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ بھائی تو مجھے اپنی آنکھہ کا ذرہ نکلوانے جبکہ تجھکو خود اپنی آنکھہ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اے مکار پہلے تو اپنی آنکھہ میں کا شہتیر تو نکال لے تب تجھکو اپنے بھائی کی آنکھہ میں کا ذرہ نکالنے کے لیئے صاف نظر آنے لگیگا۔ (لوقا باب ۶ ورس ۴۱، ۴۲)

گرمجوش پیرو ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو جب نظم یا نثر میں بیان کرتے ہیں تو اُس میں شاعرانہ خیالات ملا دیتے ہیں۔ اسی طرح معراج کے حالات نظم و نثر میں جو لوگوں نے بیان کئے ہیں اُس میں بھی شاعرانہ خیالات ملا دیئے ہیں۔ یہ امر مسلمان گرمجوش پیرووں پر موقوف نہیں ہی بلکہ عیسائی گرمجوش پیرووں کا بھی یہی حال ہے۔ ایک مقدس عیسائی نے حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کے قصہ کو نہایت شاعرانہ رنگینی سے نظم کیا ہی جس کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔

اُس نے آسمان کی طرف مراجعت کی اور اُس کے پیچھے صداے مرحبا اور سن ہزار
چنگوں کی سُریلی آوازیں تھیں جو زمزمہاے ملکوتی کا سماں باندہ رہی تھیں زمین اور ہوا انکی
آواز سے گونج رہی تھی تمام افلاک و بروج سے صداے بازگشت آ رہی تھی۔ ستارے اپنے
اپنے مقامات پر سننے کے لیئے ٹھہر گئے تھے جبکہ یہہ نورانی جلوس طنطنہاے شادکامی کے
ساتھ عالمِ بالا کا عازم ہوا۔ اُنہوں نے یہہ نغمہ گایا۔ اے لازوال دروازوں کھُل جاؤ۔
اے آسمانوں اپنے دروازوں کو واکرد۔ اور اس بڑے نجات دہندہ کو جو اپنے کام کو اختتام
پہونچاکر شان و شوکت کے ساتھ آتا ہے اندر لیلو اور اب خدا تعالیٰ نظر عاطفت سے نیک
لوگوں کے مکانوں میں قدم رنجہ کریگا اور اپنی خوشی سے اپنے قاصدان اولی الاجنحہ
کو رحمت آسمانی کے پیغام دیکر متواتر وہاں بھیجا کرے گا۔

پس کیا کسی مسلمانکو زیبا ہی کہ اِن شاعرانہ خیالات کو مذہب عیسوی میں داخل قرار دیکر اُن پر بیہودہ طعن و تشنیع شروع کرے۔

اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اُس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے خدا کی
کیا نشانیاں دیکھیں یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں بجنسہٖ اُس کے کہ آنحضرت نے خدا کی
نشانیاں دیکھیں اور کچھہ مذکور نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید کے طرز کلام پر اگر ہم غور کریں اور
اُس سے اُن نشانیوں کا استنباط کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں آیت اور آیات کا
لفظ احکام پر اطلاق ہوا ہے اور دکھلانے کا لفظ کسی بات پر کامل یقین کرادینے کی نسبت
بولا جاتا ہے۔ پس آیت معراج کے اُن الفاظ کے "لنریہ من اٰیتنا" کے یہہ معنی ہوئے
تاکہ یقین کرادیں ہم اُسکو اپنے بعض حکموں سے"۔ پس وہ نشانیاں وہی احکام تھے
جو عالم رؤیا میں اُنکو وحی کیئے گئے اب ہمکو تلاش کرنی چاہیئے کہ وہ احکام کیا تھے جب
ہم اُس مقدس سورت کو بغور پڑھتے ہیں اور بخوبی جہاں بین کرتے ہیں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے

کہ وہ احکام جو آنحضرت پر منکشف ہوئے اور جو اُسی سورت مذکور میں وہ یہ ہیں۔

لا تجعل مع اللہ الٰہا آخر فتقعد مذموما مخذولا۔ آیت ۲۳۔
مت مقرر کر ساتھ اللہ کے معبود اور پس بیٹھ رہیگا۔ تو مذمت کیا گیا ہلاکت میں سونپا ہوا۔

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما آیت ۲۴۔
اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ پوجو مگر اُسی کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر پہونچیں تیرے نزدیک بڑھاپے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں پس مت کہہ اُنکو اُف اور مت ڈانٹ اُنکو اور کہہ اُنکو معزز کہنا

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ آیت ۲۵۔
اور نیچا کر اُن دونوں کیلئے ذلت کا بازو مہربانی سے اور کہہ اے پروردگار رحم کر اُنپر جسطرح پالا اونہوں نے مجھکو چھٹپن میں۔

وآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا آیت ۲۸۔
اور دے رشتہ دار کو اُسکا حق اور مسکین کو اور مسافر کو اور فضول خرچی مت کر۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ آیت ۳۱۔
اور مت کر اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کی طرف اور مت کھولدے اُسکو بالکل کھولدینا کہ بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا درماندہ۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیرا آیت ۳۳
اور مت مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے ہم اُنکو اور تمکو روزی دیتے ہیں۔ بیشک اُنکا مار ڈالنا گناہ ہے۔

ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ آیت ۳۴۔
اور زنا کے پاس مت جاؤ۔ بیشک وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق - ایت ۳۵ -	اور مت مار ڈالو اس جان کو جس کو خدا نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔
ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن حتی یبلغ اشده واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا - ایت ۳۶ -	اور مت چھوؤ یتیم کے مال کو مگر پسندیدہ طریقہ سے یہاں تک کہ وہ پہونچے اپنی جوانی کو۔ اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد پوچھا جاوے گا۔
واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ایت ۳۷ -	اور پورا کرو پیمانہ کو جب ناپو اور وزن کرو سیدہ ترازو سے۔
ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئك کان عنه مسئولا - ایت ۳۸	اور اس بات کے پیچھے مت پڑ جس کا تجھکو علم نہیں ہے۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل۔ ان سب سے سوال ہوگا۔
ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا - ایت ۳۹ -	اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل۔ یقیناً تو زمین کو پھاڑ نہ ڈالیگا اور لمبان میں پہاڑوں کو نہ پہونچے گا
کل ذلك کان سیئه عند ربك مکروها - ایت ۴۰ -	ان سب باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔
ذلك مما اوحی الیك ربك من الحکمة ولا تجعل مع الله الها اخر فتلقی فی جهنم ملوما مدحورا - ایت ۴۱ -	یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ تیرے پروردگار نے وحی بھیجی تیری طرف حکمت سے اور مت قرار دے خدا کے ساتھ دوسرا خدا کہ ڈالا جاوے تو دوزخ میں ملامت کیا ہوا راندا ہوا۔

پچھلی آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خداتعالیٰ نے دی تھی اور چونکہ یہہ تمام احکام اسی سورہ معراج میں بلفظ وحی بیان ہوئے ہیں اس سے یقین ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شب معراج میں انہیں احکام کا انکشاف ہوا تھا۔

بعض روایتیں اس خواب میں اور بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونیکا بیان کرتے ہیں مگر انکی صحت کے واسطے کوئی بھی معتبر سند نہیں ہے اور ایسی بہت کم روایتیں ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ پیغمبر خدا تک پہونچتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان راویوں نے کوئی بات قرآن مجید سے اور کوئی بات حدیثوں سے بلاتنقیح ان کی صحت کے اور کوئی بات کسی راوی کی زبانی روایت سے اور کوئی دوسری بات کسی دوسرے راوی کی زبانی روایت سے چن کر اور ان سب پر اپنے بے دلیل اوہامی خیالات کا اضافہ کرکے ایک قصہ گھڑ لیا ہے۔ علاوہ اس کے یہہ سب روایتیں کچھ عقل ہی کے برخلاف نہیں ہیں بلکہ خود دین اسلام کے عقائد اصولی کے اسقدر خلاف ہیں کہ ان پر ذرہ برابر بھی اعتقاد رکھنا محال ہے۔

علاوہ اس کے یہہ روایتیں ایک دوسرے سے ایسی مخالف اور متناقض ہیں کہ ہمکو کوئی شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک کی دوسری سے تطبیق کرسکے۔ اس مقصد سے کہ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ہماری اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن میں بخوبی آجاوے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان سب روایتوں کو اس مقام پر نقل کریں اور ان کے اختلافات دکھانے کو ان کو علحدہ علحدہ اٹھارہ حصوں میں تقسیم کریں۔

اوّل۔ ان اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو مقام وقوع معراج سے متعلق ہیں

عن قتادة عن انس ابن مالك عن مالك
بن صعصعة ان النبی صلی الله علیه وسلم
حدثهم عن لیلة اسری به بینما انا فی
الحطیم وربما قال فی الحجر (قتادة)

مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے اُن لوگوں سے شب معراج کا قصہ
بیان کیا تو فرمایا کہ اس بیان میں کہ "میں حطیم میں تھا"
اور کبھی فرمایا کہ "حجر میں"

عن ابن شهاب عن انس قال کان
ابوذر یحدث ان رسول الله صلی الله
علیه وسلم قال فرج عنی سقف بیتی
وانا بمکة (ابن شهاب)

انس سے روایت ہے کہ ابوذر حدیث بیان
کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق کی گئی اور میں
مکہ میں تھا۔

عن ام هانی انها قالت ما اسری
برسول الله صلعم الا وهو فی بیتی
تلک اللیلة (ام هانی)

ام ہانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کو معراج نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ اس
رات کو میرے گھر میں تھے۔

وقد روی عمر بن الخطاب فی حدیث
الاسراء عنه علیه السلام انه قال ثم
رجعت الی خدیجة وما تحولت عن
جانبها (شفاء)

حضرت عمر بن خطاب نے معراج کی حدیث
میں آنحضرت سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا
پھر واپس آیا میں خدیجہ کی طرف اور انہوں نے
کروٹ نہیں بدلی تھی۔

دوم۔ اُن اختلافات کو دکھلایا جاتا ہے جو بوقت شروع معراج آنحضرت صلعم کی حالت سے متعلق ہیں۔

مضطجعًا (قتادة)

لیٹے ہوئے (قتادہ)

وعن الحسن بینما انا نائم فی الحجر

اس درمیان میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا

جاءني جبرئيل فهمزني بعقبه فقمت فجلست فلم ار احدا فعدت الى مضجعي ذكر ذلك ثلثا فقال في الثالثة فاخذ بعضدي فجرني الى باب المسجد (حسن)

جبرئیل میرے پاس آئے پھر ٹھوکا دیا ایڑی سے پس میں اُٹھ بیٹھا سو مجھکو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ پھر میں اپنی خوابگاہ کی طرف پھرا۔ آپ نے (رسول اللہ نے) اُس کو تین بار ذکر کیا۔ اور تیسری بار فرمایا کہ میرے بازو کو پکڑا اور مسجد کے دروازہ تک کھینچ لائے (حسن)

عن انس وهو نائم في المسجد الحرام۔ وذكر القصة ثم قال في آخرها فاستيقظت وانا بالمسجد الحرام (شفاء قاضي عياض)

انس سے روایت ہے کہ وہ سوئے ہوئے تھے مسجد حرام میں۔ "قصہ کو بیان کیا۔ پھر اخیر میں کہا کہ جاگا میں۔ اور میں مسجد حرام میں تھا" (شفائے قاضی عیاض)

صلى العشاء الآخرة ونام بيننا فلما كان قبل الفجر اهبنا رسول الله صلعم فلما صلى الصبح وصلينا قال يا ام هاني لقد صليت معكم العشاء الآخرة كما رايت بهذا الوادي ثم جئت بيت المقدس فصليت فيه ثم صليت الغداة معكم الآن كما ترون۔ (ام هاني)

آنحضرت نے اخیر عشا پڑھی اور ہم لوگوں میں سوئے فجر سے پہلے آنحضرت نے ہم لوگوں کو جگایا۔ پھر جب آپ نے صبح کی نماز پڑھ لی اور ہم لوگوں نے پڑھ لی آپ نے فرمایا اے ام ہانی میں نے تم لوگوں کے ساتھ اخیر عشا پڑھی جیسا کہ تو نے اس میدان میں دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس پہونچا اور وہاں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اس وقت تم لوگوں کے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ (اُم ہانی)

فی روایۃ عبدبن حمید عن ھمام بینا انا نائم و ربما قال مضطجع و — ہمام سے روایت ہے کہ اس بیان میں کہ میں سویا ہوا تھا اور کبھی فرمایا کہ لیٹا ہوا تھا اور دوسری روایت

وفی الروایۃ الاخری بین النائم والیقظان (شفاء قاضی عیاض) — میں ہے کہ سونے اور جاگنے کے درمیان میں (شفا، قاضی عیاض)

وحکوا عن عائشۃ انھا قالت ما فقدت جسد رسول اللہ صلعم (شفاء) — عائشہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم گم نہیں کیا (شفاء)

سوم - متعلق شق صدر

اذا تانی آت فشق ما بین ھذہ الی ھذہ یعنی من ثغرۃ نحرہ الی شعرتہ (قتادۃ) — کہ میرے پاس ایک آنیوالا آیا اور یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا یعنی سینہ کی ہڈی سے بالوں تک (قتادہ)

فنزل جبرئیل ففرج صدری (ابن شھاب) — پس اُترے جبرئیل اور چاک کیا میرا سینہ۔ (ابن شہاب)

چہارم - واقعات بعد شق صدر

فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست من ذھب مملو ایماناً فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید (قتادۃ) — پس میرا دل نکالا - پھر ایک طشت سونے کا لائے جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر میرے دل کو دھویا گیا پھر بھر دیا گیا اور ویسا ہی کر دیا گیا (قتادہ)

وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ملئ ایمانا وحکمۃ (قتادۃ) — ایک روایت میں ہے کہ پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا اور جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا (قتادہ)

ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وايمانًا فافرغه في صدري ثم اطبقه (ابن شهاب)

پھر اُسکو دھویا زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت سونے کا لایا گیا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پس اُسکو میرے سینہ میں اونڈیلا اور پھر برابر کر دیا (ابن شہاب)

پنجم۔ متعلق بُراق

ثم اتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار ابيض يقال له البراق يضع خطوه عند اقصى طرفه (قتادة)

پھر ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید رنگ کا جسکا نام بُراق تھا۔ جس حد تک اُس کی نظر جاتی تھی اُس کا قدم وہیں پڑتا تھا۔ (قتادہ)

عن ثابت البناني عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت بالبراق وهو دابة ابيض طويل فوق الحمار ودون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه (ثابت)

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس بُراق لایا گیا جو ایک سفید لانبا چارپایہ ہے گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا۔ اُس کا سُم وہاں پڑتا تھا جہاں تک اوس کی نگاہ جاتی تھی۔ (ثابت)

عن انس ان النبي صلعم اتى بالبراق ليلة اسرى به ملجمًا مسرجًا (انس)

انس سے روایت ہے کہ جس رات رسول اللہ صلعم کو معراج ہوئی براق لایا گیا۔ زین کسا ہوا اور لگام چڑھایا ہوا (انس)

ثم اخذ بيدي فعرج بي الى السماء (ابن شهاب)

پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھکو آسمان تک چڑھا لے گیا (ابن شہاب)

ششم متعلق سواری براق

فحملت علیه (قتادہ)	پس میں اُس پر سوار کرایا گیا (قتادہ)
فرکبته (ثابت)	پس میں اُس پر سوار ہوا۔ (ثابت)
فاستصعب علیه فقال له جبرئیل	پس اُس کو دشوار گذرا۔ جبریل نے اُس سے کہا ارے
ایمحمد تفعل هذا فما رکبک احد	تو محمدؐ کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ کوئی شخص اُن سے
اکرم الله منه فارفض	زیادہ بزرگ تجھپر سوار نہیں ہوا ہے پس وہ
عرقا و قال الترمذی هذا	پسینے سے تر ہو گیا۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث
حدیث غریب (انس)	غریب ہے (انس)

ہفتم۔ واقعات بیت المقدس پہونچنے کے

حتی اتیت بیت المقدس	یہاں تک کہ میں بیت المقدس میں آیا۔
فربطته بالحلقة التی یربط	پس میں نے اُسکو اُسی حلقہ میں باندہ دیا جس
بها الانبیاء (ثابت)	میں اور انبیا باندھا کرتے ہیں۔ (ثابت)
عن بریدة قال قال رسول الله	بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
صلی الله علیه وسلم لما انتهینا	علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے
الی بیت المقدس قال جبرئیل	جبریل نے اپنی اونگلی سے اشارہ کیا۔ پس پتھر
باصبعه فخرق بها الحجر فشد به	پھٹ گیا اور اُس سے براق کو اٹکا دیا (ترمذی
البراق (رواہ الترمذی)	نے اُس کو روایت کیا)

"قتادہ اور اُسکے سوا اور راویوں نے جناب پیغمبر خدا کے بیت المقدس میں جانے اور وہان چند رسوم کے ادا کرنے کا جن کو اب ہم بیان کرینگے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔

ہشتم - رسوم جو بیت المقدس میں ادا کی گئیں

قال ثم دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین (ثابت)

فرمایا آنحضرت نے پھر داخل ہوا میں مسجد میں اور دو رکعت نماز اُس میں پڑھی (ثابت)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لقد رأیتنی فی الحجر وقریش تسألنی عن مسرای فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربًا ما کربت مثله فرفعه لی انظر الیه ما یسألونی عن شئ الا انبأتهم وقد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء فاذا موسے قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعد کانه من رجال شنوءة واذا عیسے قائم یصلی اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفی فاذا ابراهیم قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسه

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں حجر میں تھا قریش میری معراج کا حال پوچھ رہے تھے۔ پس اُنہوں نے مجھ سے بیت المقدس کے متعلق چند باتیں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں رہی تھیں۔ اسپر مجھکو ایسا صدمہ ہوا کہ کبھی نہیں ہوا تھا پس خدا نے بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا کہ مَیں اُس کو دیکھنے لگا۔ پھر جو بات اُنہوں نے پوچھی مینے سب بتائی اور مَیں نے اپنے کو جماعت انبیا میں دیکھا۔ یکایک موسیٰ نظر آئے کہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک پیچیدہ مُو آدمی تھے گویا شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں۔ پھر عیسیٰ نظر آئے۔ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی اُن سے صورت میں بہت ملتے ہیں۔ پھر ابراہیم نظر آئے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اُن سے بہت ملتا ہوا تمہارا ساتھی ہے (حضرت نے اس سے اپنے کو مراد لیا۔)

فحانت الصلٰوۃ (صلٰوۃ العصر)	پھر نماز عصر کا وقت ہوا میں اُن سب کا امام بنا۔
فامتہم فلما فرغت من الصلٰوۃ	پھر جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے مجھسے
قال لی قائل یا محمد ھذا مالک	کہا اے محمد یہہ مالک ہے دوزخ کا داروغہ سو اُس کو
خازن النار فسلم علیہ فالتفت الیہ	سلام کرو۔ میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو اُنھوں نے
فبدانی بالسلام (رواہ مسلم)	خود سلام میں پیشدستی کی (اُسکو مسلم نے روایت کیا ہے)
عن جابر انہ سمع رسول اللہ	جابر سے روایت ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما	وآلہ وسلم کو کہتے سنا جب قریش نے مجھکو جھٹلایا تو میں
کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی	حجر میں کھڑا ہوا پس خدا نے بیت المقدس کو میرے
بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن اٰیاتہ	سامنے کردیا۔ میں اُس کیطرف دیکھ رہا تھا اور
وانا انظر الیہ (متفق علیہ)	بیت المقدس کی علامتیں بتاتا جاتا تھا (متفق علیہ)
وفی حدیث ابی ھریرۃ ثم سار حتی	ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے پھر چلے آنحضرت
اتی بیت المقدس فنزل فربط فرسہ	یہاں تک کہ بیت المقدس آئے پھر اُتر کر اپنی گھوڑے
الی صخرۃ فصلی مع الملائکۃ فلما	کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کے ساتھ
قضیت الصلوۃ قالوا یا جبرئیل	نماز پڑھی۔ جب نماز ہولی تو لوگوں نے پوچھا اے
من ھذا معک قال ھذا محمد رسول اللہ	جبریل تمہارے ساتھ یہہ کون ہیں۔ جبریل نے کہا
خاتم النبیین قالوا وقد ارسل الیہ قال نعم	محمد رسول اللہ خاتم الانبیا۔ لوگوں نے کہا کیا اُن کے
قال حیاہ اللہ من اخ وخلیفۃ	پاس پیغام بھیجا گیا۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ سب نے کہا
فنعم الاخ ونعم الخلیفۃ	خدا اُن کو زندہ رکھے بڑے اچھے بھائی اور خلیفہ
ثم لقوا ارواح الانبیاء	ہیں پھر انبیا کی رُوحوں سے ملاقات ہوئی۔

فاثنوا علی ربهم وذکر کلام
کل واحد منهم وهم ابراهیم وموسیٰ
وعیسیٰ وداؤد وسلیمان ثم ذکر
کلام النبی صلی الله علیه وآله وسلم
فقال وان محمدا صلعم اثنی علی ربه
فقال کلکم اثنی علی ربه وانا
اثنی علی ربی الحمد لله الذی ارسلنی
رحمة للعالمین وکافة للناس
اجمعین بشیرا ونذیرا وانزل
علی القرآن فیه تبیان کل شیٔ
وجعل امتی خیر امة وجعل امتی
وسط وجعل امتی هم الاولون
وهم الآخرون وشرح لی صدری
ووضع عنی وزری ورفع لی
ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما فقال
ابراهیم بهذا فضلکم یا محمد۔
(شفاء قاضی عیاض)

سب نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی اور ہر ایک کا کلام
بیان کیا (ابوہریرہ نے) اور وہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ
وداؤد وسلیمان تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام
بیان کیا (ابوہریرہ نے) پس کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے خدا کی تعریف بیان کی تو کہا کہ تم سب لوگوں نے
اپنے خدا کی تعریف کی اور اب میں اپنے خدا کی تعریف
بیان کرتا ہوں۔ حمد ہے اس خدا کو جس نے مجھکو
تمام عالم کے لئے رحمت کر کے بھیجا اور تمام لوگوں
کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا
اور مجھپر قرآن اوتارا جس میں ہر ایک شی کی توضیح
ہے اور میری امت کو اور امتوں سے فضل کیا
اور میری امت کو وسط کیا اور میری امت کو
قرار دیا کہ وہی پہلے ہیں اور وہی پچھلے ہوں گے
اور میرا سینہ کھول دیا اور بوجھ مجھ سے اتار دیا
اور میرا چرچا بلند کیا اور مجھکو فاتح کیا اور خاتم کیا
پس ابراہیم نے کہا اسی سے محمد تم سب سے بڑھ گئے
(شفاء قاضی عیاض)

وانکر ذلک (ای الصلوة فی بیت المقدس)
حذیفة بن الیمان وقال والله ما زال

اور انکار کیا اسکا (یعنی بیت المقدس میں نماز کا)
حذیفہ بن یمان نے اور کہا بخدا رسول اللہ براق

عن ظهر البراق حتی رجع — کی پیٹھ سے الگ نہیں ہوئے واپس آنے تک

(شفاء) — (شفاء قاضی عیاض)

نہم۔ واقعات بروقت خروج از بیت المقدس

ثم خرجت فجاءنی جبرئیل — پھر میں نکلا پس جبریل میرے پاس شراب کا ایک

باناء من خمر و اناء من لبن — ظرف اور دودھ کا ایک ظرف لائے پس میں نے

فاخترت اللبن فقال جبرئیل — دودھ کو اختیار کیا۔ جبرئیل نے کہا تم نے فطرت کو

اخترت الفطرۃ (ثابت) — اختیار کیا (ثابت)

دہم۔ واقعات فلک اوّل

فانطلق جبرئیل حتی اتی السماء — پس چلے جبریل یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے

الدنیا فاستفتح قیل من ھذا قال — اور کھلوایا۔ لوگوں نے کہا یہ کون ہیں۔ کہا جبریل

جبرئیل قیل ومن معک قال محمد — پھر لوگوں نے کہا اور تمہارے ساتھ کون ہے۔ کہا محمد

قیل وقد ارسل الیہ قال نعم — لوگوں نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔

قیل مرحبا۔ فنعم المجیء جاء — لوگوں نے کہا مرحبا خوب آئے پھر کھل گیا۔

ففتح فلما خلصت فاذا فیھا ادم — (آسمان) پھر میں جب پہنچا تو آدم نظر پڑے

فقال ھذا ابوک ادم فسلم — جبریل نے کہا۔ تمہارے باپ آدم ہیں۔ ان کو

علیہ فسلمت علیہ فرد السلام — سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ اُنہوں نے سلام

ثم قال مرحبا بالابن الصالح — کا جواب دیا پھر کہا اچھے بیٹے کو مرحبا۔ اچھے

والنبی الصالح (قتادۃ) — نبی کو مرحبا۔ (قتادہ)

ثم عرج بنا الی السماء (وساق مثل معناہ — پھر مجھکو آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسیطرح بیان کیا

قال اذا انا بآدم فرحب بی ودعا لی بخیر (ثابت)	فرمایا یکایک آدم نظر پڑے پس مجھکو مرحبا کہا اور دُعاے خیر دی (ثابت)
فلما جئت الی السماء الدنیا (وساق مثل معناه) اذا رجل قاعد علی یمینه اسودة وعلی یساره اسودة اذا نظر قبل یمینه ضحك واذا نظر قبل شماله بکی فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قلت لجبرئیل من هذا قال هذا آدم وهذه الاسودة عن یمینه وعن شماله نسم بنیه فاهل الیمین منهم اهل الجنة والاسودة التی عن شماله اهل النار فاذا نظر عن یمینه ضحك واذا نظر قبل شماله بکی (ابن شهاب)	پس جب میں آسمان دنیا تک پہنچا (اوسی کے مثل بیان کیا) یکایک ایک شخص نظر پڑے جن کے داہنے بائیں سیاہ شکلیں ہیں جب ہنی جانب دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا اچھے نبی کو مرحبا اچھے بیٹے کو مرحبا۔ مَیں نے جبریل سے کہا یہ کون ہیں کہا یہ آدم ہیں اور اون کی داہنی اور بائیں جانب کی سیاہ صورتیں اون کی اولاد کی روحیں ہیں۔ سو دہنی جانب والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے اہل دوزخ ہیں۔ پس جب وہ دہنی طرف دیکھتے ہیں تو ہنس پڑتے ہیں اور بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ (ابن شہاب)
عن انس قال قال رسول الله صلعم بینا انا قاعد ذات یوم اذ دخل جبرئیل علیه السلام فوکز بین کتفی فقمت الی شجرة فیها مثل وکری الطائر	انس سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت نے میں بیٹھا ہوا تھا ایک دن یکایک جبریل آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ذرا دبایا پس مَیں ایک درخت کی طرف گیا جس میں پرندے کے گھونسلے بھی تھے۔

پس ایک میں جبرئیل بیٹھے اور ایک میں میں بیٹھ گیا	فقعد فی واحدۃ وقعدت فی
یہانتک کہ خافقین سے آگے بڑھ گئے اور اگر میں چاہتا	الاخری فنمت حتی سدت الخافقین
تو آسمان کو چھو لیتا ۔ اور میں پلٹے کھاتا تھا مگر جبرئیل کو	ولو شئت لمست السماء وانا اقلب
دیکھا تو وہ گویا عرق گیر تھے ۔ (یعنی اپنی جگہ جمے ہے)	نظرت جبرئیل کانہ حلس لاطئ
پس میں نے اُن کا افضل ہونا علم الٰہی میں اپنے	فعرفت فضل علمہ باللہ علی وفتح
سے جان لیا ۔ اور میرے لیئے آسمان کے دروازے	لی باب السماء ورأیت النور الاعظم
کھولے گئے اور میں نے نور اعظم دیکھا اور یکایک	واذا دونی الحجاب وفرجۃ الدر
میرے سامنے حجاب تھا اور موتی و یاقوت کے	والیاقوت ثم اوحی اللہ
دریچے ۔ پھر خدا نے میری طرف وحی کی جو وحی	الی ما شاء ان یوحی (شفاء
چاہی (شفاء قاضی عیاض)	قاضی عیاض)
حضرت علی سے روایت ہی کہ جب خدا نے چاہا کہ	وذکر البزاز عن علی ابن ابی طالب رض
اپنے رسول کو اذان سکھائے تو جبریل اُن کے پاس ایک	لما اراد اللہ تعالیٰ ان یعلم رسولہ الاذان
چارپایہ لائے جسکو براق کہتے ہیں ۔ پس آپ اُس پر	جاءہ جبرئیل بدابۃ یقال لہا البراق
چڑھنے گئے ۔ سو اُس کو دشوار لگا ۔ جبریل نے اُس سے	فذہب یرکبہا فاستصعبت علیہ فقال لہا
کہا ٹھیر بخدا محمد صلعم سے کوئی اچھا شخص خدا کے	جبرئیل اسکنی فو اللہ ما رکبک عبد اکرم
نزدیک تجھپر نہیں سوار ہوا ہے ۔ پس میں اُس پر	علی اللہ من محمد صلعم فرکبہا حتی اتی بہا
سوار ہوا یہاں تک کہ اُس پردہ کے پاس آیا جو	الی الحجاب الذی یلی الرحمن تعالیٰ فبینا ہو
خدا کے قریب ہے ۔ اُسی درمیان میں پردہ سے	کذلک اذ خرج ملک من الحجاب فقال
ایک فرشتہ نکلا ۔ پس آنحضرت نے کہا اے جبریل	رسول اللہ صلعم یا جبرئیل

اردو	عربی
یہ کون ہے جبریل نے کہا اسکی قسم جسنے تجھے نبی برحق	من هذا قال الذي بعثك بالحق
مبعوث کیا - میں خلق اسمیں سب سے زیادہ مقرب بارگاہ	نبيا اني لاقرب الخلق مكانا وان
ہوں مگر اس فرشتہ کو اس وقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا	هذا الملك ما رأيته منذ خلقت
جب سے میں پیدا ہوا - پس فرشتہ نے کہا اللہ اکبر	قبل ساعتي هذه فقال الملك الله اكبر
اللہ اکبر - پس پردہ کی طرف سے آواز آئی سچ کہا میرے	الله اكبر فقيل له من وراء الحجاب صدق
بندہ نے - میں بڑا ہوں میں بڑا ہوں پھر فرشتہ نے	عبدي انا اكبر انا اكبر ثم قال الملك اشهد
کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ	ان لا اله الا الله فقيل من وراء الحجاب
پردہ سے آواز آئی کہ سچ کہا میرے بندہ نے میں خدا	صدق عبدي انا الله لا اله الا انا
ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور اسی طرح	وذكر مثل هذا في بقية الاذان
ذکر کیا اذان کے بقیہ میں - مگر حی علی الصلوۃ حی علی	الا انه لم يذكر جوابا من
الفلاح کا جواب نہیں ذکر کیا اور کہا پھر فرشتہ نے	قوله حي على الصلوة حي
محمد صلعم کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھایا - پس آنحضرت	على الفلاح وقال ثم اخذ الملك
نے آسمان والوں کی امامت کی جس میں آدم و نوح	يد محمد صلعم فقدمه فام اهل السماء
تھے - ابوجعفر محمد بن علی الحسین جو راوی ہیں انہوں نے	فيهم ادم ونوح قال ابوجعفر محمد بن على
کہا کہ خدا نے آنحضرت کو اہل زمین اور آسمان دونوں	الحسين راويه اكمل الله لمحمد صلعم الشرف على
پر بزرگی بخشی (شفاء)	اهل السموات والارض (شفاء)

یازدہم - واقعات فلک دوم

اردو	عربی
پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آئے	ثم صعد بي حتى اتى السماء الثانية
(اور اوسی کے ہم مضمون بیان کیا) ناگاہ وہاں یحیی	(وساق مثل معناه) اذا بيحيى

وعیسیٰ وھما ابنا خالۃ (وساق — وعیسیٰ تھے اور وہ دونوں بھائی ہیں (اور اسی طرح

مثلہ) فقالا مرحبا بالاخ الصالح — بیان کیا) اُن دونوں نے کہا نیک بھائی اور

والنبی الصالح (قتادۃ) — نیک نبی کو مرحبا - (قتادہ)

ثم عرج بنا الی السماء الثانیۃ (وساق — پھر مجھکو دوسرے آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسی طرح

مثلہ) فاذا انا بابنی الخالۃ عیسیٰ بن — بیان کیا) پس ناگاہ میں دو بھائیوں عیسیٰ بن مریم

مریم ویحییٰ بن ذکریا صلعم فرحبا لی — یحییٰ بن ذکریا کے پاس تھا اُنہوں نے مجھکو مرحبا کہا اور

ودعوا لی بخیر (ثابت) — دُعائے خیر دی (ثابت)

حتی عرج بی الی السماء الثانیۃ (وساق — یہانتک کہ مجھکو دوسرے آسمان تک چڑھا لیگئے (اور اسی طرح

مثلہ) قال الانس فذکر انہ وجد فی — بیان کیا) انس نے کہا کہ پس ذکر کیا آنحضرت نے کہ پایا

السموٰت ادم وادریس وموسیٰ وعیسیٰ و — آسمانوں میں آدم وادریس و موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم کو اور اُن

ابرھیم ولم یثبت کیف منازلھم غیر انہ — کے مقامات نہیں متعین کیئے - ہاں اسقدر ذکر کیا کہ آدم

ذکر انہ وجد ادم فی السماء الدنیا و — کو آسمان دُنیا میں پایا اور ابراہیم کو چھٹے آسمان میں

ابرھیم فی السماء السادسۃ (ابن شھاب) — (ابن شہاب)

وفی روایۃ انہ رای یوسف فی الثانیۃ و — ایک روایت میں ہو کہ یوسف کو دوسرے آسمان میں

یحییٰ وعیسیٰ فی الثالثۃ (لمعات) — دیکھا اور یحییٰ وعیسیٰ کو تیسرے میں (لمعات)

دوازدہم - واقعات فلک دوم

ثم صعد بی الی السماء الثالثۃ — پھر مجکو لیکر تیسرے آسمان پہ چڑھے (اور اسی

(وساق مثلہ) اذا یوسف (وساق — طرح ذکر کیا) ناگاہ یوسف (اور اسی طرح

مثلہ) قال مرحبا بالاخ الصالح — ذکر کیا) اونہوں نے کہا نیک بھائی اور

والنبی الصالح (قتادہ)	نیک نبی کو مرحبا (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الثالثۃ	پھر مجکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھا (اور اوسی طرح
(وساق مثلہ) فاذا ھو یوسف صلعم	ذکر کیا) پس ناگاہ وہ یوسف صلعم تھے اور اُن کو
واذا ھو قد عطے شطر الحسن فرحب	حسن کا ایک حصہ ملا ہے - مجھکو مرحبا کہا اور
لی ودعا لی بخیر (ثابت)	دُعاے خیر دی (ثابت)
وفی روایۃ رای ادریس	اور ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے
فی الثلثۃ (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)
وفی روایۃ رای یحییٰ و عیسیٰ	اور ایک روایت میں ہے یحییٰ وعیسیٰ کو تیسرے
فی الثالثۃ (لمعات)	آسمان میں دیکھا - (لمعات)

سیزدہم - واقعات فلک چہارم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابع	پھر مجھکو لیکر چڑھے یہاں تک چوتھے آسمان پر آئے
(وساق مثلہ) فاذا ادریس (و	(اور اُسی طرح بیان کیا) ناگاہ ادریس نظر پڑے
ساق مثلہ) (قتادہ)	(اور اُسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء الرابعۃ و	پھر چوتھے آسمان پر لیکر چڑھے (اور اسیطرح ذکر کیا)
ذکر مثلہ فاذا انا بادریس فرحب لی	ناگاہ وہاں ادریس نظر پڑے سو مجھکو مرحبا کہا اور
ودعا لی بخیر قال اللہ ورفعناہ مکانا	دُعاے خیر دی - خدا نے کہا ہے ہمنے اُنکا درجہ
علیا (ثابت)	اونچا کیا (ثابت)
وفی روایۃ رای ادریس فی الثالثۃ	ایک روایت میں ہے ادریس کو تیسرے آسمان میں دیکھا
وھارون فی الرابعۃ (لمعات)	اور ہارون کو چوتھے میں (لمعات)

چہاردہم - واقعات فلک پنجم

ثم صعد بی حتی اتی السماء الخامسة	پھر مجکو لیکر چڑھے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر آئے
(فذکر مثلہ) فاذا ھارون	(یہیں اسی طرح ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے (یہیں
(فذکر مثلہ) (قتادة)	اسی طرح ذکر کیا) (قتادہ)
ثم عرج الی السماء الخامسة (فذکر	پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھے (بس اسی طرح
مثلہ) فاذا بھارون فرحب لی	ذکر کیا) یکایک وہاں ہارون تھے۔ انہوں نے
ودعالی بخیر (ثابت)	مجھکو مرحبا کہا اور دعاے خیر دی (ثابت)
وفی روایة اخری رای ادریس	دوسری روایت میں ہے کہ ادریس کو پانچویں
فی الخامسة (لمعات)	آسمان میں دیکھا (لمعات)

پانزدہم - واقعات فلک ششم

ثم صعد بی حتی الی السماء	پھر مجھکو چھٹے آسمان تک لیکر چڑھے (پس
السادسة (فذکر مثلہ) فاذا	اسیطرح بیان کیا) وہاں موسیٰ تھے (پس
موسیٰ (فذکر مثلہ) (قتادة)	اسی طرح بیان کیا) (قتادہ)
ثم عرج بنا الی السماء السادسة	پھر مجھکو چھٹے آسمان کی طرف لیکر چڑھے (پس
(فذکر مثلہ) فاذا انا بموسیٰ	اسی طرح بیاں کیا) وہاں موسیٰ تھے سو مجھکو
فرحب لی و دعالی (ثابت)	مرحبا کہا اور دُعا دی (ثابت)
فلما جاوزت بکی قیل لہ ما یبکیک	پس جب مَیں آگے بڑھ گیا تو وہ روئے۔ ان سے
قال ابکی لان غلاما بعث بعدی	پوچھا گیا کیوں روئے۔ کہا میں اسلئے روتا ہوں کہ ایک
یدخل من امتہ الجنة اکثر ممن	نوعمر میرے بعد مبعوث ہوا اور اوس کی اُمت کے لوگ

یدخلها من امتی (قتادہ)	میری اُمت سے زیادہ جنت میں جائینگے (قتادہ)
انہ وجد ... ابراھیم	اُنہوں نے پایا...... ابراہیم کو چھٹے آسمان میں
فی السماء السادسة (ابن شہاب)	(ابن شہاب)
فی حدیث شریک انہ رای موسےٰ	اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان
فی السابعة (شفاء قاضی عیاض)	میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض)

شانزدہم - واقعات فلک ہفتم

ثم صعد بی الی السماء السابعة	پھر مجھکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسی طرح
(فذکر مثلہ) فاذا ابراھیم قال	ذکر کیا) ناگاہ وہاں ابراہیم تھے - جبریل نے کہا یہ
ھذا ابوک ابراھیم (فذکر مثلہ)	تمہارے باپ ابراہیم ہیں (پس اُسی طرح ذکر کیا)
قال مرحبا بالابن الصالح والنبی	اُنہوں نے کہا کہ اچھے بیٹے اور اچھے نبی کو مرحبا
الصالح (قتادة)	(قتادہ)
ثم صعد بی الی السماء السابعة فذکر مثلہ	پھر مجھکو ساتویں آسمان پر لیکر چڑھے (پس اسیطرح ذکر کیا)
فاذا انا بابراھیم مسندا ظھرہ الی	وہاں ابراہیم تھے - بیت معمور کی طرف اپنی پیٹھہ ٹیکے
البیت المعمور واذا ھو یدخلہ کل یوم	تھے - اور وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل
سبعون الف ملک لا یعودون الیہ (ثابت)	ہوتے ہیں اور دوبارہ کر نہیں آتے (ثابت)
وفی حدیث شریک انہ رای موسےٰ فی السابعة	شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں
(شفاء قاضی خان -	آسمان میں دیکھا (شفاء قاضی عیاض

ہفتدہم - واقعات سدرۃ المنتہیٰ

ثم رفعت الی سدرة المنتھےٰ فاذا نبقھا	پھر میں سدرۃ المنتہیٰ پہونچا سو اُس کے پھل ہجر (ایک

مثل قلال هجر واذا ورقها	گانوں کا نام ہے) کی پھال کے برابر تھے اور اوس کے
مثل اذان الفيلة وقال هذا	پتے ہاتھی کے کان کے سے تھے - جبریل نے کہا کہ
سدرة المنتهى (قتاده)	یہہ سدرۃ المنتہی ہے (قتادہ)
ثم ذهب بی الی سدرة المنتهى	پھر مجھکو سدرۃ المنتہی تک لے گئے سو اوس کے پتے
واذا ورقها کاذان الفيلة	ہاتھے کے کان کے سے تھے اور پھل پھال کے
واذا ثمرها کالقلال (ثابت)	برابر (ثابت)
فاذا اربعة انهار نهران باطنان و	وہاں چار نہریں تھیں دو باطن ہیں - دو ظاہر ہیں میں نے
نهران ظاهران قلت ما هذان یا جبرئیل	کہا اے جبریل یہہ دونوں کیا ہیں؟ کہا دونوں
قال اما الباطنان فنهران فی الجنة واما	باطن کی تو جنت کی دو نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں
الظاهران فالنيل والفرات (قتاده)	وہ نیل و فرات ہیں (قتادہ)
وفی روایة ابی هریرة من طریق الربیع	اور ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ہے پس مجھ سے کہا گیا
ابن انس فقیل لی هذه السدرة المنتهى	یہہ سدرۃ المنتہی ہے - تیری امت میں سے ہر ایک کی
ینتهی الیها کل واحد من امتک خلا احد	پہونچ یہیں تک ہے سوا ے ایک کے جو تیرے
علی سبیلک وهی السدرة المنتهى یخرج	رستے پر ہے اور یہی سدرۃ المنتہی ہے جسکی جڑ سے
من اصلها انهار من ماء غیر اسن وانهار	پانی کی نہریں نکلی ہیں جو بگڑتا نہیں اور دودہ کی
من لبن لم یتغیر طعمه وانهار من خمر لذة	نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں - اور شراب کی نہریں جو
للشاربین وانهار من عسل مصفی	پینے والوں کے لیئے لذت بخش ہیں اور صاف
وهی شجرة یسیر الراکب	شہد کی نہریں - اور وہ ایک درخت ہے کہ سوار
فی ظلها سبعین عاما	اوس کے سایہ میں ستر برس چلا جاتا ہے

Arabic	Urdu
وان ورقة منها مظلة الخلق	اوس کا ایک پتا تمام خلق پر سایہ کرسکتا ہے پس
فغشیها نور وغشیها الملائکة	اوپر نور چھا رہا ہے اور فرشتے چھا رہے ہیں - خدا کے
قال فهو قوله تعالی اذ یغشی السدرة	اس قول سے اذ یغشی السدرة ما یغشی (یعنی جب
ما یغشی فقال الله تبارک وتعالی	سدرة المنتہی کو چھا لیا اُس چیز نے جس نے چھا لیا)
لرسوله فقال صلعم یارب انک	یہی مراد ہے - پس کہا خدا نے برتر و پاک نے
اتخذت ابراهیم خلیلا واعطیته	محمد صلعم سے مانگ پس کہا صلعم نے اے پروردگار -
ملکا عظیما وکلمت موسی تکلیما	تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اوسکو ایک بڑا ملک
واعطیت داود ملکا عظیما	عنایت کیا اور موسیٰ سے کلام کیا اور داؤد کو
والنت له الحدید وسخرت له	ایک بڑی سلطنت عطا کی اور اون کے لیئے لوہے کو
واعطیت سلیمان ملکا	نرم کردیا اور مسخر کردیا - اور سلیمان کو ایک بڑا ملک
عظیما وسخرت له الجن والانس	عطا کیا اور اُن کے لیے جن اور آدمی اور ہوائیں
والریاح والشیاطین واعطیته	اور شیاطین مسخر کر دیئے اور ایسا ملک دیا کہ اُنکے
ملکا لاینبغی لاحد من بعده و	بعد پھر کسیکو نہیں مل سکتا اور موسیٰ کو توریت
علمت موسی التوراة وعیسی الانجیل -	سکھائی اور عیسیٰ کو انجیل - اور اُن کو ایسا کردیا کہ وہ
وجعلته یبری الاکمه والابرص واعذته	کوڑھی اور مبروص کو اچھا کر دیتے تھے اور اُن کو
من الشیطان الرجیم فلم یکن علیهما	مردود شیطان سے محفوظ رکھا سو شیطان
سبیل فقال له ربه تعالی اتخذتک	اُن دونوں پر قابو نہیں پا سکتا - پس کہا خدا نے
حبیبا فهو مکتوب فی التوراة	محمد صلعم سے مینے تجھکو حبیب بنایا سو توریت میں
محمد حبیب الرحمن وارسلتک	لکھا ہے کہ محمد حبیب الرحمن ہیں اور میں نے تجھکو

الی الناس کافۃ وجعلت امتك
لا تجوز لھم خطیئۃ حتی یشھدوا
انك عبدی ورسولی وجعلتك اول
النبیین خلقا واخرھم بعثا و
اعطیتك سبعا من المثانی و
لم اعطھا نبیا قبلك وجعلتك
فاتحا وخاتما (شفاء قاضی
عیاض)

تمام خلق اللہ پر بھیجا اور میں نے تیری امت کو ایسا کیا
کہ وہ اگلے بھی ہیں اور پچھلے بھی۔ اور تیری امت کی خطا
محسوب نہیں ہوتی جب تک وہ یہ گواہی دیتے رہیں کہ تو
میرا بندہ اور پیغمبر ہے۔ اور میں نے تجھکو سب نبیوں سے
پہلے پیدا کیا اور سب کے اخیر میں بھیجا اور میں نے تجھکو
وہ دہرے لفظوں سات آیتوں والی دی اور تجھ سے
پہلے کسی نبی کو نہیں دی۔ اور میں نے تجھکو فاتح اور
خاتم کیا (شفاء قاضی عیاض)

قال فلما غشیھا من امر اللہ ما غشی
تغیرت فما احد من خلق اللہ یستطیع
ان ینعتھا من حسنھا۔ (ثابت)
وقال ابن شھاب حتی اتیت سدرۃ
المنتھی فغشیھا الوان لا ادری
ماھی وقال ثم ادخلت الجنۃ
فاذا فیھا جنابذ اللؤلؤ واذا
ترابھا المسك (کما سیجیئ)

فرمایا کہ جب چھا گیا اسپر خدا کے حکم سے جو چھا گیا
تو وہ متغیر ہو گیا۔ سو خلق اللہ میں سے کوئی شخص
اُس کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کرسکتا (ثابت)
اور ابن شہاب نے کہا۔ یہانتک کہ میں سدرۃ المنتہی
پہونچا سو اسکو ایسے رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں
نہیں جانتا تھا وہ کیا ہیں۔ اور کہا پھر داخل کیا گیا
میں بہشت میں۔ سو وہاں موتی کے گنبد تھے
اور اُس کی مٹی مشک سے ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے)

وعن عبد اللہ قال لما اسری
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتھی
بہ الی سدرۃ المنتھی وھی فی السماء السادسۃ

اور عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہوئی۔ سدرۃ المنتہی
تک پہونچائے گئے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے

اليها ينتهى ما يهبط به من فوقها	اُسی تک ختم ہوتا ہی جو اوسپر اوپر سے اوترتا ہے - سوءٗ
فيقبض منها قال اذ يغشى السدرة	اُسکو پکڑ لیتا ہی کہا اذ یغشی السدرۃ ما یغشی سے مراد سونے
ما يغشى قال فراش من ذهب (عبد الله بن مسعود)	کا بچھونا ہے (عبداللہ بن مسعود)
وفي حديث شريك انه راى موسى في	اور شریک کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان
السابعة قال بتفصيل كلام الله تعالى له	میں دیکھا - خدا کی باتوںکی تفصیل اُسنے بیان کی کہا کہ پھر سے
قال ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه	اوپر گئے کہ سوا ے خدا کے اَور کوئی نہیں جانتا - پس کہا
الا الله تعالى فقال موسى لم اظن ان يرفع على	موسیٰ نے مجھکو گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی
احد (شفاء قاضى عياض)	جائیگا - (شفاء قاضی عیاض)
ثم رفع لي البيت المعمور (قتادة)	پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا - (قتادہ)
ثم اتيت باناء من خمر واناء من لبن	پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے ظرف
واناء من عسل فاخذت اللبن فقال هي	لائے گئے پس مینے دودھ کو لیلیا پس کہا کہ یہی فطرت
الفطرة انت عليها وامتك (قتادة)	ہے تو اور تیری اُمت اُسپر ہے (قتادہ)
قال ابن شهاب فاخبرني ابن حزم	ابن شہاب نے کہا کہ مجھکو ابن حزم نے خبردی کہ ابن عباس
ان ابن عباس وابا حبة الانصاري كانا	وابو حبہ انصاری دونوں کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ
يقولان قال النبي صلى الله عليه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھکو اوپر لیگئے یہانتک کہ میں
ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه	ایسی جگہ پر پہونچا جہاں قلم کے لکھنے میں چلنے کی آواز
صريف الاقلام (ابن شهاب)	مجھکو سنائی دیتی تھی (ابن شہاب)

ہشتدہم - احکام جو عنایت ہوئے

فاوحى الله الى ما اوحى (ثابت)	پس وحی کی خدانے میری طرف جو کی (ثابت)

ثم فرضت علی الصلوٰۃ خمسین صلوٰۃ کل یوم۔ (قتادہ)

پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ (قتادہ)

ففرض علی خمسین صلوٰۃ فی کل یوم ولیلۃ۔ (ثابت)

پھر مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں (ثابت)

قال ابن حزم و انس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرض اللہ علی امتی خمسین صلوٰۃ ۔ (ابن شہاب)

ابن حزم و انس نے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس فرض کیں خدا نے میری امت پر پچاس نمازیں (ابن شہاب)

فرجعت فمررت علی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلوٰۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوٰۃ کل یوم وانی واللہ قد جربت الناس قبلک و عالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک فرجعت فوضع عنی عشراً فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فوضع عشراً فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشراً فامرت بعشر صلوٰۃ کل یوم فرجعت الی

پھر میں لوٹا اور موسیٰ پر گذرا انہوں نے کہا تم پر کیا فرض ہوا میں نے کہا ہر روز پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تمہاری اُمت ہر روز پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی۔ اور میں بخدا تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ تم خدا کی طرف واپس جاؤ۔ اور کم کراؤ اپنی امت کے لیئے پس میں واپس گیا۔ سو خدا نے دس نمازیں گھٹا دیں پھر میں واپس آیا موسیٰ کی طرف۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا میں پھر لوٹا۔ خدا نے دس اور بھی کم کر دیں۔ پس مجھکو ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پس پھر میں

موسیٰ فقال مثله فرجعت فامرت
بخمس صلوة كل يوم (قتاده)
فنزلت موسىٰ فقال ما فرض ربك
على امتك فقلت خمسين صلوة
فى كل يوم وليلة قال ارجع الى
ربك فاسئله التخفيف فان امتك
لا تطيق ذلك فانى قد بلوت
بنى اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت
الى ربى فقلت يارب خفف عن
امتى فحط عنى خمسا فرجعت
الى موسىٰ فقلت حط عنى خمسا
قال ان امتك لا تطيق ذلك
فارجع الى ربك فاسئله التخفيف
قال فلم ازل ارجع بين يدى ربى
تعالىٰ وبين موسىٰ حتى قال يا محمد انهن
خمس صلوة كل يوم وليلة (ثابت)
فرجعت بذلك حتى مررت على موسىٰ
فقال ما فرض الله لك على امتك
قلت فرض خمسين صلوة قال فارجع

موسیٰ کے پاس آیا۔ موسیٰ نے پھر وہی کہا۔ میں پھر
لوٹا۔ پس مجھکو ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا (قتادہ)
پس میں اوترا موسیٰ کی طرف۔ اونہوں نے کہا
خدا نے تیری اُمت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا ہر رات
دن میں پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا۔ پھر خدا کے
پاس جاؤ اور کہو کہ کم کر دے۔ کیونکہ تمہاری امت
اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل کو
آزما لیا ہے اور دیکھ لیا ہے فرمایا آنحضرتؐ نے
پس میں واپس گیا خدا کی طرف اور کہا کہ اے خدا میری
امت پر تخفیف کر۔ پس پانچ نمازیں گھٹا دیں۔ پھر
میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ پانچ کم ہوئیں موسیٰ
نے کہا تمہاری اُمت اسکی طاقت نہیں رکھتی۔ تم پھر خدا
کے پاس جاؤ اور کمی کی درخواست کرو۔ فرمایا کہ میں برابر
خدا اور موسیٰ کے درمیان آیا اور گیا یہانتک کہ خدا نے
کہا اے محمد وہ پانچ نمازیں ہیں ہر دن رات میں
(ثابت)
میں اسکے ساتھ لوٹا یہانتک کہ موسیٰ پر گذرا۔
موسیٰ نے کہا خدا نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا۔
میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا تم لوٹ جاؤ

الیٰ ربك فان امتك لا تطیق فرجعنی	اپنے خدا کی طرف - کیونکہ تمہاری امت سے یہ نہ ہوسکیگا
فوضع شطرها فرجعت الی موسیٰ	مَیں واپس گیا تو ایک حصہ معاف ہوا - مَیں موسیٰ کے
فقلت وضع شطرها فقال راجع الیٰ	پاس پھر آیا اور کہا کہ ایک حصہ معاف ہوا - موسیٰ نے کہا
ربك فان امتك لا تطیق ذلك	پھر خدا سے گفتگو کرو - تمہاری امت سے اتنا نہ ہوسکیگا
فرجعت فوضع شطرها فرجعت الیه	مَیں واپس گیا اور دوبارہ سوال کیا - ایک حصہ اور
فقال ارجع الیٰ ربك فان امتك	معاف ہوا - مَیں پھر موسیٰ کی طرف آیا - اُنہوں نے
لا تطیق ذلك فراجعته فقال	کہا پھر جاؤ - تمہاری اُمت سے اتنا نہ ہوسکیگا - مَیں نے
هی خمس وهی خمسون لا یبدل	دوبارہ سوال کیا - خدا نے کہا یہ پانچ ہیں اور وہ
القول لدی فرجعت الی موسیٰ	(دراصل) پچاس ہیں - میری بات دوسری نہیں
فقال راجع ربك فقلت	ہوتی - پھر میں موسیٰ کے پاس آیا اُنہوں نے کہا تم
استحییت من ربی	پھر خدا کی پاس جاؤ - مَیں نے کہا کہ اَب میں تو خدا سے
(ابن شهاب)	شرما گیا (ابن شہاب)
لکل صلوة عشرة فتلك	ہر نماز کے لیئے دس ہیں - پس وہ پچاس نمازیں
خمسون صلوة (ثابت)	ہوئیں - (ثابت)
قال فاعطی رسول الله صلعم ثلثا اعطی الصلوة	کہا پس حضرت کو تین چیزیں عطا ہوئیں - پانچ
الخمس واعطی خواتیم سورة البقرة وغفر لمن	نمازیں - اور سورہ بقر کے خاتمہ کی آیتیں - اور بخشدیا
لا یشرك بالله من امته شیئا المقحمات	گیا اُسکو حضرت کی امت میں سے جو خدا کا کسی کو ساجھی
(عبد الله ابن مسعود)	نہیں کرتا - (عبد اللہ ابن مسعود)
ومن هم بحسنة فلم یعملها کتبت له	اور جس شخص نے ایک نیکی کا قصد کیا اور کیا نہیں اُسکے لیئے

حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة	ایک نیکی لکھی جائیگی اور اگر کر لے تو دس لکھی جاویں گی
فلم يعملها لم تكتب عليه شيئا فان عملها كتبت	اور جو شخص کسی برائی کا قصد کرے اور کرے نہیں تو کچھ نہ
له سيئة واحدة (ثابت)	لکھا جاویگا ۔ اور اگر کر لے تو ایک برائی لکھی جاویگی (ثابت)
فرجعت الى موسى فقال بما امرت	پس میں موسیٰ کی طرف واپس آیا ۔ اونہوں نے کہا
قلت امرت بخمس صلوات كل يوم	تمکو کیا حکم ہوا میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا ۔ موسیٰ
قال ان امتك لا تستطيع خمس صلوات	نے کہا تمہاری امت ہر روز پانچ نمازیں نہ پڑھ سکیگی اور میں
كل يوم واني قد جربت الناس قبلك و	تم سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب
عالجت بني اسرائيل اشد المعالجة فارجع	اچھی طرح آزمایا ہے ۔ تم خدا کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی امت کے
الى ربك فسئله التخفيف لامتك قال	لیئے تخفیف کی درخواست کرو ۔ فرمایا میں خدا سے
سالت ربي حتى استحييت ولكني	سوال کرتے کرتے شرما گیا ۔ اب میں اسی پر راضی ہو جاونگا
ارضى و اسلم (قتادہ)	اور تسلیم کر لوں گا ۔ (قتادہ)
قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى	کہا پس میں اترا یہانتک کہ موسیٰ کے پاس پہونچا ۔
فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله	اور انکو خبر دی ۔ موسیٰ نے کہا اپنے خدا کی طرف واپس
التخفيف فقال رسول الله صلى الله	جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو پس فرمایا رسول اللہ
عليه وسلم فقلت قد رجعت الى	صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے کہا کہ میں خدا کیطرف پھر
ربي حتى استحييت منه	پھر کے گیا یہاں تک کہ اب میں اس سے شرما گیا
(ثابت)	(ثابت)
قال فلما جاوزت نادى مناد	کہا پس جب میں آگے بڑھا ایک پکارنے والے کی آواز
امضيت فريضتي وخففت عن	دی ۔ میں نے اپنا فرض نافذ کیا اور اپنے بندوں سے

عبادی (قتادہ) تخفیف کی (قتادہ)

ثم انطلق بی حتی انتھی الی سدرۃ المنتھی | پھر مجھکو لیکے چلے (جبریل) یہانتک کہ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے
وغشیھا الوان لا ادری ماھی | اور اسکو رنگوں نے ڈھک لیا کہ میں اُن کو نہیں جانتا
ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا جنابذ | تھا پھر میں جنت میں داخل کیا گیا۔ ناگاہ وہاں موتی کی
اللولو واذا ترابھا المسک (ابن شھاب) | گنبد تھے اور اُسکی مٹی مشک تھی۔ ابن شہاب)

یہ سب روائتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ اُن کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے انکا باطل اور موضوع ہونا ثابت ہو سکتا ہے غیر ضروری ہے۔ کیونکہ یہ خود روائتیں صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو خود کھوتی ہیں

مصنف لمعات کا بیان ہے کہ یہ روائتیں ایک دوسرے سے اسقدر اختلاف رکھتی ہیں کہ اُن کا تطبیق کرنا بالکل غیر ممکن ہے تاوقتیکہ تعدد معراج کو تسلیم نہ کر لیا جاوے۔ یا ایک پر دوسرے کو ترجیح نہ دی جاوے۔ یعنی ان میں سے کسی کو مانا جاوے اور باقیوں کو غلط اور بے اصل قرار دیا جاوے۔

وعلی تقدیر صحۃ الروایات یتعذر الجمع الا ان یقال بتعدد المعراج او یرجح بعض الروایات علی بعض (لمعات)

وہ عیسائی مصنف جنہوں نے پیغمبر خدا کی سوانح عمری لکھی ہے ایک درجہ اور بھی بڑھ گئے ہیں اور اُن تعریفوں اور منظوم نعتوں کو جو مسلمان شاعروں نے اپنے شاعرانہ طرز سے مختلف امور متعلق بہ معراج مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زینت اور شان۔ براق کی شکل۔ فرشتوں کے جلوس وغیرہ پر لکھی ہیں روایاتِ مستند شمار کر لیا ہے مگر انہوں نے اسلام کے حق میں یہ بہت بڑی عمدہ بات کی ہے اور اسلام کو ہمیشہ اُن کی محنتوں اور جانفشانیوں کا

مشکور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جب کوئی منصف مزاج اور ذوی فہم شخص ایسے تصنیفات کے مجموعہ پر نظر ڈالیگا تو ہمکو اُمید ہے کہ وہ اس نتیجہ کے استنباط سے باز نہ رہ سکیگا کہ یہہ تصنیفات امر حق کی تحقیق اور تدقیق کے سوا اور کسی غرض کے لیئے کی گئی ہیں اور بیہودگی اور یاوہ گوئی میں گروشیس کے کبوتر کے قصے کے ساتھ ہمسری کرتی ہیں۔

شق صدر اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادہ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ کے خواب میں ہونے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں جو اس واقعے کے حقیقی یا خیالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثناء بالکل غلط اور سراسر بے اصل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اُس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہو گا بلکہ وہ پورا پکا اور سچا مسلمان رہے گا۔

معراج کا خواب اس قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے دیکھا تھا اور جو معراج یعقوب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "پس بہ خواب دید کہ اینک نردبانے بہ زمین برپا گشتہ سرش بآسمان میخورد و اینک فرشتگان خدا ازان بہ بالا و زیر مے رفتند و اینک خداوند برا ایستادہ میگفت من خداوند خداے پدرت ابراہیم وہم خداے اسحٰق ام این زمینی کہ برآں میخوابی بتو وبذریۃ تو میدہم و ذریۃ تو مانند خاک زمین گردیدہ بہ مغرب و مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد و اینک من باتوام و ہر جاے کہ می روی ترا نگاہ داشتہ باین زمین بازپس خواہم آورد تا بوقتے کہ آنچہ بتو گفتہ ام بجا آورم ترا وانخواہم گزاشت ویعقوب از خواب خود بیدار شدہ گفت بدرستیکہ خداوند درین مکان ہست ومن ندانستم۔ پس ترسیدہ گفت کہ این مکان چہ ترسناک ہست این نیست مگر خانۂ خدا واین ہست دروازہ آسمان (سفر تکوین باب ۲۸ ورس ۱۲-۱۷)

معراج کی نسبت جس چیز پر کہ مسلمانوں کو ایمان لانا فرض ہے وہ اس قدر ہے کہ پیغمبر خدا نے اپنا مکہ سے بیت المقدس پہونچنا ایک خواب میں دیکھا اور اُسی خواب میں اُنہوں نے درحقیقت اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ خواہ وہ شخص اُن نشانیوں کو لا معلوم نشانیاں کہے خواہ اُن نشانیوں کے دیکھنے سے عمدہ ترین احکام کا وحی ہونا مراد لے۔ مگر اس بات پر یقین کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھہ خواب میں دیکھا یا جو وحی ہوئی یا انکشاف ہوا وہ بالکل سچ اور برحق ہے۔

اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھکر اُن سب روایتوں کو جو معراج کے قصہ میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کر کے چھوڑ دے تو اُس کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ اُس شخص کے ہمپایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا۔

روایات معراج میں اگر کوئی مسلمان کسی حکم کا تلاش کرنا چاہے تو اُسکو بعد از تلاش بسیار بجز دو حکموں کے اور کوئی حکم نہ ملیگا۔ ایک نماز پنجگانہ کا۔ اور دوسرا یہ کہ جو کوئی خدا تعالی کا مثل اور ہمتا گردانے وہ مشرک خیال کیا جاوے گا۔ مگر یہہ احکام نہ اُن روایتوں پر منحصر ہیں اور نہ اُن کے ذریعہ سے ہم تک پہونچے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے متعدد آیات قرآنی میں اُنکی نسبت صاف صاف اور بالتصریح حکم صادر فرمایا ہے پس اُن روایات کے نماننے سے کسی حکم شرعی کا انکار لازم نہیں آتا۔

اگر اُن روایتوں کی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ نہ اُن سے ایک شان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پائی جاتی ہے تو اُسکی نسبت ہماری یہہ راے ہے کہ اگر سب باتیں جو اُن روایتوں میں مندرج ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جاویں

تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کچھ بڑھ نہیں جاویگی اور نہ اُس بے انتہا اعلیٰ درجہ
کی شان میں کچھ زیادتی ہو گی اور اگر اُن کا عشر عشیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
طرف نہ منسوب کیا جاوے تو بھی اُس جناب کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آویگا۔

ہم مسلمان اپنے نبی کو "ابن اللہ" بنانا نہیں چاہتے اور نہ اُن کو "اللہ تعالیٰ کے
دست راست" پر بٹھانے کے مشتاق ہیں ہم اُن کی سب سے بڑی عزت اس میں خیال
کرتے ہیں جو خود اُنہوں نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ
أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

تمت

فی

ولادتہٖ و طفولیتہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام

وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے آپ کی بارہ برس تک کی عمر کا حال ہے

عبداللہ بن عبدالمطلب والد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوبیس برس کی عمر تھی جبکہ اُنھوں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی ۔ آمنہ بنت وہب قریش کے قبیلہ سے تھیں جو عرب کے قبیلوں میں نہایت معزز اور شریف قبیلہ تھا ۔ حضرت آمنہ حمل سے ہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ نے بغرض تجارت یثرب یعنی مدینہ کی طرف سفر کیا اور قبل پیدا ہونے آنحضرت کے اُنہوں نے وفات پائی اور بنی نجار کے دار نبغہ میں مدفون ہوئے ۔

اُنکی وفات کے بعد محمد صلعم پیدا ہوئے ۔ جمہور مورخین کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلعم بارھویں ربیع الاول کو عام الفیل کی پہلے برس یعنی ابرھہ کی چڑھائی سے پچپن روز بعد پیدا ہوئے مگر اس بات میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے منقح امر جو قرار پایا ہے کہ عام الفیل سنہ ۵۷۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی یعنی نزول وحی سے تیرھویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن قمری سال ہوتے ہیں اور جبکہ ان میں سے ایک برس قمری شمسی سال سے مطابق کرنے کیلئے منہا کیا جاوے تو باون برس باقی رہتے ہیں اور جب ان باون برس کو چھ سو بائیس میں سے نکال ڈالا جائے تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں اور اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی تھی۔

آنحضرت کی ولادت کی نسبت بہت سی عجیب روایتیں مشہور ہیں کہ ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فارس کا مقدس آتشکدہ جس میں مااہا سال سے برابر آگ جلتی چلی آتی تھی دفعۃً بجھ گیا وہاں کے موبدوں نے عجیب عجیب خوابیں دیکھیں اور چشمہ ساوہ دفعۃً خشک ہوگیا۔ مگر ان روایتوں کی معتبری کی قابل اعتماد سندیں نہیں ہیں اور نہ مذہبی روایتیں سمجھی جاسکتی ہیں۔

آنحضرت کی ذات بابرکات کے سبب اسلام نے رونق پائی اور مسلمانوں کو فتوحات نمایاں حاصل ہوتی گئیں اور تمام مملکت فارس مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور وہاں کے قدیم آتشکدے برباد ہوئے اور کسریٰ کے محلوں میں زلزلہ ڈالدیا۔ ان واقعات کو جو بعد کو وقوع میں آئے شاعروں نے اپنے شاعرانہ خیالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے منسوب کیا کہ گویا اُن کا پیدا ہونا ہی فارس کے آتشکدوں کا بجھنا اور کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑنا تھا۔ رفتہ رفتہ یہہ شاعرانہ خیال بطور روایت کے مروج ہونے لگے اور عین روز ولادت ہی سے منسوب کردیئے گئے۔ بس ان روایتوں کو

مذہبی روایتیں تصور کرنا اُن لوگوں کی غلط فہمی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی روایتوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں -

علاوہ اِن کے اور بھی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت کی نسبت کتب سیر میں مذکور ہیں - اگرچہ اُن کی صحت کے لیئے بھی کافی ثبوت موجود نہیں ہے مگر اُن کے غلط ہونے کے لیئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے - اُن روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ نے کسیکو عبد المطلب کے پاس بھیجا اور آپ کے پیدا ہونے کی اطلاع کی - عبد المطلب فی الفور وہاں آئے اور آنحضرت کو اپنے ہاتھوں پر اوٹھا کر کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ عبد المطلب کی دُعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح مسلمانی طرز کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبد المطلب کا دُعا مانگنا صرف مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات ہے - مگر ہمکو اس بات سے کہ عبد المطلب نے جو دُعا مانگی تھی وہ مسلمانی طرز کی دُعا تھی کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ ہمکو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بزرگوں میں سے خدا پرستی بالکل معدوم نہیں ہوئی تھی اور اس بات کا بڑا قوی ثبوت یہہ ہے کہ عبد المطلب نے اپنے بیٹے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ رکھا تھا جو خاص خدا پرستوں کا طریقہ ہے -

چند روز تک ثویبہ نے جو آنحضرت کے چچا ابو لہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی تھیں آنحضرت کو دودھ پلایا - ثویبہ نے آنحضرت کے چچا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا اور اس سبب سے حمزہ اور مسروق ابن ثویبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ بھائی تھے -

عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رکھا مگر حضرت آمنہ نے خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا تھا جسنے کہا تھا کہ آپکا نام احمد رکھنا۔ اسلئے اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد رکھا اور اس طرح توریت وانجیل دونوں کی بشارتوں کی تصدیق ہوگئی جن کا بیان ہمنے خطبہ بشارات میں کیا ہے

ولادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے قربانی کی اور تمام اراکین قبیلہ قریش کو دعوت میں بُلایا۔

شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ آب وہوا کے لحاظ سے اور اس غرض سے کہ بچوں کے لہجہ اور زبان میں غیر زبان کا اثر نہونے پائے اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہوجاتے تھے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرکے باہر بھیجدیا کرتے تھے۔ اسی رسم کے موافق آنحضرت کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیا گیا اور وہ اپنے گھر لیگئیں۔ اور ہر چھٹے مہینے لاکر انکی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھلاجاتی تھیں۔ دوبرس بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ اور حضرت حلیمہ آپ کو لیکر حضرت آمنہ پاس آئیں مگر حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ مکہ کی آب وہوا آپ کو موافق نہوگی پھر حضرت حلیمہ کے سپرد کردیا اور وہ اُن کو اپنے گھر لیگئیں۔ اور ہر چھٹے مہینے لاکر ملا جاتی تھیں۔ جب آنحضرت کی عمر چار برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ پس حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ پلائی ماں اور اُن کے خاوند حارث ابن عبدالعزیٰ دودھ کے رشتہ کے باپ اور اون کی اولاد عبداللہ اور انیسہ اور خدیمہ عرف شیماں دودھ بھائی اور دودھ بہن ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُن کا ادب اور اونکی تعظیم

ماں کے برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردای مبارک جسکو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لایق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لیئے بچھا دی تاکہ وہ اُسپر بیٹھیں۔ دودھ کے رشتہ کا ایسا پاس و لحاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے اور جو محبت اور الفت کہ حضرت حلیمہ اور اوسکی اولاد کے ساتھ برتتے تھے اور جس احسانمندی کا اظہار دودھ کے رشتہ داروں کے ساتھ کیا کرتے تھے نہایت اعلیٰ اور عمدہ مثالیں آنحضرتؐ کے اخلاق حمیدہ نیک خوئی اور نرم دلی کی ہیں جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہیں پائی گئی۔

بنی قریش اور بالتخصیص اُس کی وہ شاخ جو بنی سعد کہلاتی تھی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ طفولیت میں پرورش پائی تھی تمام ملک عرب میں زبان کی شستگی اور فصاحت کے لیئے مشہور تھی اور اسی سبب سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہایت زبردست اور پُراثر فصاحت و بلاغت رکھتے تھے۔ اہل عرب درحقیقت فصاحت و بلاغت کی نہایت قدر کرتے تھے اور جو شخص فصیح و بلیغ نہوتا تھا اُسکو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل سمجھتے تھے گو وہ کیسی ہی نامور اور شریف خاندان کا کیوں نہو۔ سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو جزیرہ نما عرب کی خوشنما زبان کے خالص ترین نمونہ پر بنگئی تھی۔ جبکہ اُن کی فصاحت و بلاغت اُن کی کامیابی میں بڑا کام دینے لگی تو ایک خالص زبان اور ایک دلفریب گفتگو سے فائدہ عظیم مرتب ہوا۔ مگر ایک بات سر ولیم میور صاحب کی نگاہ رہ گئی کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی متواتر یا مشہور حدیث کو پڑھتے ہیں جس میں یقین کیا جاتا ہے کہ خاص لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محفوظ ہیں جیسی

دعائیں وغیرہ تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا طرزِ کلام اور فصحاے عرب کے طرز کلام سے کچھ غیر مشابہ نہیں ہے۔ لیکن جب ہم قرآن مجید کے مقدس صفحوں کو پڑھتے ہیں تو ہمکو حیرت ہوتی ہے اور ہمارا تعجب بے انتہا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دونوں کلام ایک شخص کے نہیں معلوم ہوتے اور دونوں میں بہت بڑا فرق پاتے ہیں اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ اول کلام انسانی ہے اور دوسرا کلام ربانی۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ کو اپنے عزیز واقربا سے ملانے کے لیئے مدینہ منورہ لیگئیں۔ کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہریں اور پھر مکہ معظمہ کو مراجعت کی اور رستہ میں بمقام ابواء وفات پائی۔ جبکہ آنحضرت مکہ میں پہونچے تو آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی اور ہمیشہ آپ کے ساتھ شفقت پدری سے پیش آتے رہے۔

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت یعنی بارہ برس کی عمر تک کے بعض واقعات تعریضًا بیان کیئے ہیں مثلاً مدینہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ اُنکا کھیل کود میں مصروف رہنا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں کو اوڑا دینا اور رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا اور مدینہ سے حدیبیہ کو جاتے وقت اپنی ماں کی قبر پر رونا۔ اگرچہ ان باتوں کی اور اسی قسم کی اور باتوں کی تصدیق کی جو اونھوں نے بیان کی ہیں کوئی معتبر سند نہیں ہے لیکن اگر سب باتیں تسلیم بھی کرلی جاویں تب بھی یہ ایسی باتیں ہیں جیسیکہ ایام طفولیت میں انسانی فطرت کی موافق ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اونھوں نے اپنے آپ کو صرف یہ کہا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ پس ایسی باتیں اگر ہوئی

بھی ہوں تو انسانی فطرت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتیں۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھواں برس شروع ہوا تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ جنازہ کے ہمراہ قبرستان حجر کو گئے تو لوگوں نے انکو روتے دیکھا۔ یہہ ایک ایسی بات ہے جس سے برخلاف منشاء سر ولیم میور صاحب کے کچھہ تعجب نہیں ہوتا بلکہ اگر نہ روتے تو نہایت تعجب ہوتا۔ آنحضرت اُس وقت کم عمر تھے اور ایسے موقعوں پر آنسوؤں کا نکلنا اور دل کا جوش مارنا۔ خدا تعالی نے انسان کی فطرت میں ودلعیت کیا ہے۔ رنج و غم کے وقت دل کا ملایم ہونا اور محبت آمیز جوش کا اُٹھنا اور آنکھوں کی راہ سے آنسوؤں کا بہنا خداے رحیم نے انسان کے دل کی تسلی اور اُس کے رنج کے تسکین کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس آنحضرت نے بھی اُسی فطرت کی پیروی کی تھی جو خدا نے انسان میں بنائی ہے۔

عبد المطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ابو طالب آپ کے چچا نے جو آپ کے والد عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے اپنے ذمہ لی۔ یہہ بھی آنحضرت کے ساتھہ نہایت محبت سے پیش آتے رہے اور مثل پدر مہربان کے ہر طرح سے خبر گیری کی۔ جب آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابو طالب کو تجارت کے سبب سے شام کا سفر پیش آیا اور اُس کے سرانجام کے بعد پھر مکہ کو واپس آئے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابو طالب کے ہمراہ شام کو گئے تھے اور ابو طالب نے اول تو اپنے ہمراہ لیجانے سے انکار کیا تھا مگر آنحضرت روانگی کے دن اتنی لمبی مفارقت کے خیال سے افسردہ دل ہو کر اپنے مربی سے لپٹ گئے

شرح السنہ میں بیان کی گئی ہے اُس طرح پر نہیں ہے جس طرح کہ سر ولیم میور صاحب نے بیان کی ہے۔ اسلئے ہم اُس روایت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں۔ شرح السنہ میں عرباض

عن العرباض ابن ساریۃ عن رسول اللہ صلعم انہ قال .... ساخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسے و رؤیا امی التی رات حین وضعتنی و قد خرج لھا نور اضاء لھا قصور الشام (رواہ فی شرح السنۃ)

ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمکو اپنے پہلے حال سے مطلع کروں میں دُعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسیٰ کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جس نے میرے پیدا ہونے کے زمانہ میں یہ دیکھا تھا کہ اُس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے"

پس جن روایتوں میں حضرت آمنہ سے نور کا پیدا ہونا منقول ہے اگرچہ اُن کی بھی کوئی کافی سند صحت کی موجود نہیں ہے لیکن اگر ہم اُن کو تسلیم کرلیں اور صحیح قرار دیں تو اُن سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ نے ایسا ایک خواب دیکھا تھا اور اس قسم کا خواب دیکھنا نہ تعجب انگیز ہے نہ خلاف قیاس ہے اور نہ بر خلاف فطرت۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ تمام راوی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تاریخ میں دوشنبہ کو ایک مشہور اور معروف دن خیال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُسی دن آپ کی زندگی کے سب سے بڑے واقعات ظہور میں آئے تھے۔ لیکن اس متبحر عالم نے اس جگہ کسی قدر غلطی کی ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں دوشنبہ کے دن کو کوئی مذہبی شرف حاصل نہیں ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ جب علمانے اُن مشہور و معروف واقعات پر غور کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں آئے تھے

تو اُنکو دوشنبہ کے دن واقع ہونا پایا - اسلئے اُنہوں نے ایک اتفاقی مطابقت کے خیال سے اپنی تصنیف میں دوشنبہ کا ذکر کیا - حالانکہ بعض علماء نے اس اتفاقی مطابقت سے بھی اختلاف کیا ہے - پس یہہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے سبب سلام کی طرف کسی منشا سے کوئی اشارہ کیا جائے -

سر ولیم میور صاحب نے تاریخ واقدی کے چند اختراعات بیان کرنے کے ساتھ یہہ لکھا ہے کہ "اس مصنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے فرشتہ کا یہہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا" اسکے بعد صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ حمد کے مادہ سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا اور آنحضرت کے سوا پانچ مختلف اشخاص اَور بھی گذرے ہیں جن کا نام محمد تھا -

واقدی کے حوالہ سے صاحب موصوف یہہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہہ نام عرب کے وہ لوگ رکھا کرتے تھے جنہوں نے یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کی زبانی سُنا تھا کہ عرب میں ایک نبی اس نام کا عنقریب ہونے والا ہے اور اکثر اشخاص اپنے لڑکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور ہر شخص یہہ اُمید کرتا تھا کہ میرا ہی بیٹا نبی آخرالزمان ہونے کی شرف وعزت حاصل کرے"

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اگر حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ہو کہ ایک فرشتہ نے مجھسے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو سر ولیم میور صاحب نے اس بات پر کیوں تعجب کیا ہے - اگر توریت مقدس کی یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ دیکھہ تو حمل سے ہے - اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُسکا نام

اسمٰعیل رکھنا (کتاب پیدایش باب ۱۶ ورس ۱۱) اور نیز یہہ آیت کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارہ تیری بی بی کے بیشک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اُس کا نام اسحاق رکھنا" کتاب پیدایش باب ۱۷ ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہہ آیت اور اُس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھکو (یعنی یوسف کو) چاہیئے کہ اُس کا نام عیسیٰ رکھے کیونکہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دیگا" متی باب ۱ ورس ۲۱) صحیح ہے اور عیسائی اُس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بنا پر وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا احمدؐ اُسکا نام رکھنے کو کہا تھا

اس روایت کی صداقت کا ایک نہایت تسکین بخش ثبوت وہ ہے جو ہمنے اپنے خطبہ بشارات میں بیان کیا ہے یعنی عہد عتیق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت محمدؐ کے نام سے آئی ہے اور انجیل میں احمدؐ کے نام سے اور اسلیئے ان بشارات کے پورا کرنے کے لیئے ضرور تھا کہ حضرت آمنہ کو احمدؐ کا نام بتا دیا جاوے کیونکہ یہہ ایک ایسا نام تھا جسکو اہلِ عرب کبھی نہیں یا شاذ و نادر رکھتے تھے۔

مگر سر ولیم میور صاحب کا یہہ بیان نہایت عجیب ہے کہ لفظ "احمدؐ" انجیل یوحنا کے کسی قدیم عربی ترجمہ میں بجاے لفظ "تسلی دہندہ" کے براہ غلطی واقع ہوا ہوگا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں کسی جاہل یا متفنّن راہب کی جعلسازی سے بجاے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کے لفظ پیریکلیوٹوس کردیا گیا" سر ولیم میور صاحب نے یہہ بات اسلیئے بیان کی ہے کہ پہلے یونانی لفظ پیریکلیٹوس کا ترجمہ تسلی دہندہ ہے اور دوسرے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کا ترجمہ احمدؐ ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان یونانی لفظوں کو معرب کرکے فارقلیط بنالیا ہے اور اس سبب سے کہ مسلمان فارقلیط کا

ترجمہ احمد کرتے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے یونانی لفظ پیریکلیوٹوس کو معرب کرکے فارقلیط کیا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے جو یہہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماے اسلام نے کبھی یہہ نہیں کہا کہ آنحضرت سے پہلے عرب میں اس نام کا اور کوئی نہیں ہوا - بلکہ بخلاف اسکے اُنہوں نے اس قسم کی تمام رواتیوں کو رد کر دیا اور نہایت تدین و ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنیمیں کامیاب کوشش کی کہ اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے تھے اور واقدی کو بھی ہم اُن ہی لوگوں میں شمار کرتے ہیں - مگر یہہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت سے پہلے درحقیقت گذرے تھے* - یا یہہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے مادہ سے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہہ بیان کہ یہہ نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس قوی اُمید پر رکھتے تھے کہ شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو کسی طرح عہد عتیق اور عہد جدید کی بشارتوں پر نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی لڑکے کے والدین نے اسکے حق میں کچھ ہی تمنا کیوں نہ کی ہو اور نبی موعود کا نام اُس لڑکے کے نبی ہونے کی طمع پر کیوں نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جسکو درحقیقت خدا تعالی کو نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا ہماری اس راے کی تائید اُس وقت اور بھی ہوتی ہے جبکہ ہم ان بڑے بڑے کاموں کو غور کرتے ہیں جو آنحضرت سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور جبکہ ہم اُس رُوحانی سرور کو دیکھتے ہیں جو دین حق کا

*حضرت عیسی کے نام کی نسبت بہی ہم یہی حال پاتے ہیں - رینن صاحب کی لیف آف کرایسٹ میں لکھا ہے کہ عیسی جو اُن کا نام رکھا گیا تھا لفظ یوشع کا تبدیل کیا ہوا ہے - یہہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام میں اسرار دراست کی نجات دہندہ کا اشارہ اپنی طرف سے اُس میں لگا دیا گیا تھا +

طفیل ہے جسکو آنحضرت نے اپنی حیات میں شایع کیا تھا اور آیندہ نسلوں کے لیئے بطور ترکہ کے چھوڑ گئے اور جبکہ ہم اُس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رایج کیا اور جو زمانہ کی گردشوں کے بعد بھی غیر مبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابد الآباد تک ایسی ہی رہینگی تو ہمکو کامل یقین ہوتا ہے کہ جس محمدؐ و احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید میں دی گئی تھی وہ وہی تھے جو عبداللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت آمنہ کا اگر رویا میں فرشتوں کی صورتوں کو دیکھکر ڈرجانا اور عرب جاہلیت کے دستور کے موافق لوہے کے ٹکڑوں کو گلے میں لٹکانا یا بازوؤں پر بطور عمل اور تعویذ کے باندھنا اگر صحیح بھی تسلیم کیا جاوے تو کسی طرح تعجب انگیز بات نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف اس امر کی تایید کرتا ہے کہ حضرت آمنہ نے درحقیقت اپنے رویا میں آسمانی فرشتوں کو دیکھا تھا۔ ہاں اسپر نگر صاحب کی عقل اور ایمانداری پر نہایت تعجب ہے کہ وہ اس واقعہ سے یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو ضعف دماغ ؛ ورصرع کی بیماری تھی اور حضرت سارا اور حضرت مریم نے جو فرشتوں کو دیکھا تھا اُس کو صرع کی بیماری نہیں قرار دیتے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں کسی منشا سے اور بھی چند تعجب انگیز باتیں بیان کی ہیں کہ حضرت آمنہ کو خواب میں اطلاع ہوئی تھی کہ اس لڑکے کو قبیلہ ابوذییب میں سے ایک عورت دودھ پلاے گی اور حلیمہ کو بڑا تعجب ہوا جب بلا دریافت اُس کے شوہر کا نام اُسکو بتلا دیا اور جب حلیمہ آنحضرت کو لے آئی تو دفعتاً اُس کا اور اُسکی اونٹنی کا دودھ بہت زیادہ ہو گیا اور جبکہ حلیمہ آنحضرت کو لیکر چلی تو اُس کا سفید گدھا

سب سے زیادہ تیز رفتار ہوگیا اور اُس کی مویشی نہایت فربہ ہوگئی اور کثرت سے دودھ دینے لگی - یہہ سب باتیں ایسی ہیں جنکی سند بجز حلیمہ کے بیان کے اَور کوئی نہیں ہے اور اسی لیئے یہہ روایتیں مستند اور معتبر نہیں ہیں - لیکن اتفاقات سے ایسے امور کا واقع ہونا کچھہ ناممکن بھی نہیں ہے - مگر عیسائی عالم جو ایسی باتوں کو بطور دوراز قیاس باتوں کے بیان کرتے ہیں تو بلاشبہہ ہمکو تعجب آتا ہے کیونکہ جب وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ لابان نے اُس سے کہا کہ مَیں التجا کرتا ہوں کہ اگر تجھکو میرا خیال ہے تو ٹھیر جا کیونکہ مجھکو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہہ سے مجھکو برکت دی ہے" (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۲۷) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یعقوب نے کہا کہ "میرے آنے سے پیشتر تیرے پاس بہت تھوڑا تھا اور اَب وہ کثیر التعداد ہوگیا ہے اور جیسے کہ میں آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے تجھکو برکت دی ہے (کتاب پیدایش باب ۳۰ ورس ۳۰) اور اسی طرح کتاب پیدایش کے باب ۳۰ ورس ۳۶ سے ۴۲ تک کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لابان کی مویشی کو حضرت یعقوب کی مویشی سے کمزور پیدا کیا تھا تو کیا وجہہ ہے کہ اگر حلیمہ کی مویشی میں بھی برکت ہوئی ہو تو اُسکو دُوراز قیاس اور تعجب انگیز بیان کیا جائے -

سر ولیم میور صاحب واقدی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر اور دل کے دھونے کا واقعہ چار برس کی عمر میں واقع ہوا تھا اور ہشامی کے حوالہ سے اس بات کا استنباط کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرع کا عارضہ تھا - ہمنے اپنے خطبہ "حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں اِس مضمون پر شرح وبسط سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ شق صدر آنحضرت صلعم کی

شب معراج کے خواب کا ایک جزو تھا نہ یہ کہ درحقیقت جسمانی طور پر واقع ہوا تھا۔ مگر راویوں نے اُن اسباب سے جو اکثر روایات کے بیان کرنے میں واقع ہوتے ہیں مختلف طور پر بیان کیا ہے اور اُس کے وقوع کے زمانہ میں بھی انہی اسباب سے اختلاف ہوگیا ہے بعض کا قول ہے کہ عہد طفولیت میں واقع ہوا تھا۔ بعض کا بیان ہے کہ اُسکا وقوع ایام شباب میں ہوا تھا۔ اور بعض کے نزدیک شب معراج میں وقوع میں آیا تھا۔ ہکو اس واقع کی حقیقت کا دوبارہ اس مقام پر بیان کرنا ضرور نہیں ہے بلکہ اس مقام پر ہمکو یہ بیان کرنا منظور ہے کہ ہمارے ذی علم اور لائق مصنف سر ولیم میور صاحب نے جو ہشامی کی روایت سے (اگر وہ بالکل صحیح بھی مان لی جاوے) یہہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرع کا عارضہ ہوگیا تھا وہ کیسا غلط اور بے اصل ہے۔

سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ ہشامی اور دیگر متاخرین بیان کرتے ہیں کہ حلیمہ کے شوہر کو گمان ہوا کہ اس لڑکے کو "عارضہ ہوگیا ہے" جس لفظ کا ہمنے عارضہ ترجمہ کیا ہے وہ انگریزی لفظ "فٹ" ہے جو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے۔ "فٹ" کے معنے لغت میں کسی مرض کے ایسے سخت اور یکبارگی حملہ کے ہیں جس سے بدن کپکپانے لگے اور بعض اوقات غشی طاری ہوجاوے جس سے غالبًا صاحب ممدوح نے صرع مراد لی ہے مگر ہشامی میں جو لفظ واقع ہے اوس کا "فٹ" ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے۔ سر ولیم میور صاحب کو اُس لفظ کی صحیح پڑھنے میں بالکل غلطی ہوئی ہے جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔

ہمارے پاس سیرت شامی موجود ہے جو ۱۸۵۸ء میں بمقام گاٹجن زیر اہتمام و نگرانی ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹن فیلڈ کے چھپی ہے۔ اس کتاب سے ہم وہ عبارت

جو اس بحث سے متعلق ہے بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

قالت وقال لی ابوہ یا حلیمۃ لقد خشیت ان یکون ھذا الغلام قد اصیب فالحقیہ باھلہ

یعنی حلیمہ نے کہا کہ اُس کے باپ (یعنی آنحضرت کے دودھ باپ یعنی شوہر حلیمہ) نے کہا کہ اے حلیمہ مجھکو اندیشہ ہی کہ اس لڑکے کو کچھہ ہوگیا ہے اس لیئے اسکو اُس کے گھروالوں کے پاس پہونچا دے۔

مگر جب حلیمہ آنحضرت کو حضرت آمنہ کے پاس لیکر آئیں تو حضرت آمنہ نے اُنکو نہیں لیا اور حلیمہ سے کہا کہ اُس کو واپس لیجاؤ۔ اُسوقت حضرت آمنہ نے حلیمہ سے کہا کہ کیا تجھکو یہہ اندیشہ ہوا تھا کہ اُسپر شیطان مسلط ہوگیا ہے یہہ کلام بطور استفہام انکاری کے تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حلیمہ کے شوہر کو جو یہہ گمان ہوا تھا کہ آنحضرت کو کچھہ ہوگیا ہے وہ صحیح نہیں تھا۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب لیف آف محمدؐ کے صفحہ ۲۱ کے حاشیہ پر بجاے لفظ اُصیب کے اُمیب لکھا ہے یعنی صاد کی جگہہ میم لکھا ہی اور اُس کے معنی "فٹ" یعنی عارضہ ہونے کے لکھے ہیں۔ مگر یہ لفظ تاریخ ہشامی میں ہمکو نہیں ملتا ہے اور نہ اُس کے معنی عارضہ ہونے کے پائے جاتے ہیں۔ ہشامی میں اُصیب کا لفظ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا اور چونکہ اُن دونوں لفظوں کی شکل میں بہت ہی کم فرق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے کسی غلط قلمی نسخہ سے اُسکو نقل کیا ہوگا۔

تمام عیسائی مصنف سواے ایک دو کے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری لکھی ہے اس بات کو بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت

مہ ابو طالب کو بھی جوش الفت آگیا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے آنحضرت کا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں جانا کسی طرح ثابت نہیں۔

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کو پہونچے تو زمانہ طفولیت کا منقضی ہوگیا تھا اور نوجوانی کا آغاز تھا اور جمیع اوصاف حمیدہ سے جنسے انسان ہردلعزیز ہوجاتا ہے آراستہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا اخلاق اور صبر اور مردانگی جن کو اوضاع واطوار کی خوبی اور فصاحت وخوش بیانی سے دوبالا جلا ہوگئی تھی آپ کی ذات بابرکات میں ایسے جمع ہوئے تھے کہ عالم شباب ہی میں آپ نے امین عرب کا لقب حاصل کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ طفولیت کے صحیح حالات صرف اسی قدر ہیں جو ہمنے بیان کیئے اور اس کے سوا جو باتیں اُس زمانہ کی مشہور ہیں وہ سب بے سند اور نامعتبر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارہ برس کی عمر تک کے تاریخی واقعات جو ہمنے اوپر بیان کیئے اُنکے علاوہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب مسمیٰ لیف آف محمد میں اور بھی کچھ واقعات بیان کیئے ہیں جو نہایت ضعیف اور نامعتبر روایتوں پر مبنی ہیں تعجب یہہ ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے متعلق معجزات حال کے مسلمانوں کے نزدیک بہت دل پسند مضامین ہیں"۔ مگر اس امر کی کچھ تحقیقات نہیں کی کہ کن معجزات کو حال کے زمانہ کے مسلمان بھی معتبر سمجھتے ہیں اور کون سے معجزات کو نامعتبر بطور قصہ اور کہانی کے اور یہہ بھی نہیں بتایا کہ حال کے مسلمانوں کی جو اونھوں نے قید لگائی ہے اُس سے اُن کا کیا مطلب ہے۔ غالباً یہہ مطلب ہوگا کہ متقدمین مسلمان اُن کو

قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔ اگر یہی مطلب ہو تو صاف اس بات کا اقرار ہے کہ وہ تمام
جن کو سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے نامعتبر اور غیر صحیح ہیں۔ جس قدر کتب سیر
یا کتب سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی علماے اسلام نے لکھی ہیں اور جو زوائد نبیں
اُنمیں ہانکی ہیں تمام مسلمان اُن رِوایتوں کو ایسی روایتیں خیال کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ صحیح
مانی جاویں روایتاً اور درایتاً کامل تحقیق و تدقیق کی محتاج ہیں۔ اس قسم کی روایتوں کو
تاوقتیکہ اُن کی تصدیق کی کوئی کافی دلیل نہو مسلمان مطلقاً قابل اعتبار تصور نہیں
کرتے بلکہ خود علماے محققین نے اُن روایتوں کو نامعتبر قرار دیا ہے۔ علماے محققین
اسلام اور ذی علم مسلمانوں نے اُن روایات پر ذرا بھی اطمینان نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ
اُنکی کوششیں اس بات کی تحقیق میں کہ کون سی اُن میں سے صحیح اور کون سی غیر صحیح ہیں
مصروف رہے ہیں۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں روایتوں کے درجۂ اعتبار کو بیان کیا
ہے اُن تمام روایات کی نسبت جن میں صحیح روایتیں اور موضوع اور نامعتبر روایتیں بلا تمیز
شامل ہیں صرف اتنی بات کہکر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ سب بے اصل اور راویوں کی محض
اختراعات ہیں۔ مگر ہم باوجود اس کے کہ سر ولیم میور صاحب کے علم اور مرتبہ کا بہت ادب
کرتے ہیں اس کہنے پر مجبور ہیں کہ دعویٰ بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے کہ اگر
وہ بالعموم مان لیا جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ استدلال محض بیکار چیز ہے اور اُسکی
ایسی مثال ہوتی ہے جیسیکہ یونان کے مشہور کاشتکار مسمی گارڈیں کی گاڑی سے لگے
جوئے کی گرہ کو ایرانی کی بادشاہت کی طمع میں ہاتھ سے کھولنے کی عوض تلوار سے
کاٹ دیا جائے جیسیکہ سکندر نے کیا تھا۔

فرض کرو کہ اگر کوئی یہہ کہے جیسیکہ لوگوں نے کہا ہی۔ کہ حضرت یحیی محض عوام الناس میں سے اور یہود کے فرقہ ایسینین میں سے تھے اور حضرت عیسیٰ اُن کے ایک مرید تھے۔ اُن کے مصلوب ہونے کے بعد اُن کے مریدوں نے شان الوہیت اور قدرت اعجاز کو اُن پر لگا دیا ورنہ وہ محض ایک عام یہودی تھی۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کہنے میں اور مسلمانوں کی تمام روایتوں کی نسبت اس بات کے کہدینے میں کہ وہ سب بے اصل اور راویوں کی اختراعات ہیں کیا فرق ہے۔؟

زندگی کے عام معاملات میں بھی کسی شخص پر واجب نہیں ہے کہ کسی شخص کے محض زبانی بیان پر گو وہ کیسا ہی معزز اور ذی فہم کیوں نہو یقین لے آوے تو ایسے بڑے معاملات میں کسی مصنف کے بیان یا راے کو کیونکر قطعی مان لیا جاسکتا ہی اس لیئے ہم قابل معافی ہیں اگر ہم سر ولیم میور صاحب کی اس رائ کو کہ اُن روایات ہی کو غیر معتبر سمجھکر خارج کرلینا چاہیئے"۔ قابل تسلیم نہ خیال کریں جب تک کہ دلیل اور واقعات سے اُس راے کی صحت کا ثبوت نہ ملے۔

جاننا چاہیئے کہ مسلمانوں کے نزدیک روایتیں تین قسم کی ہیں اول تو وہ روایتیں ہیں کہ اُنکی صحت و اعتبار کی معقول دلیلیں موجود ہیں اور علی العموم مسلم ہیں۔ دوسری قسم میں وہ مشہور روایتیں شامل ہیں جن کا وقوع قوانین فطرت کے برخلاف نہیں ہے اور جن کی بے اصلی اور غیر معتبری کی نسبت کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ یہہ روایتیں نہ تو بلا تحقیق نامعتبر کرنے کے قابل ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ آنکھہ بند کرکے اُن پر اعتماد کرلیا جائے۔ تیسری قسم میں وہ روایتیں ہیں جو بظاہر بالکل محال معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ثبوت کی کوئی معتبر دلیل نہیں

* دیکھو کتاب موسوم بہ "اے رائیس فرام دی گنجز" ۱۲

لی ہے اور اس لیئے غلط اور نامعتبر قرار دی گئی ہیں - پس اس سے زیادہ غلطی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اہل اسلام کی نسبت یہہ کہا جاوے کہ وہ اُن سب قسم کی روایتوں کو برحق سمجھتے ہیں اور اُن سب پر بلا امتیاز ایمان رکھتے ہیں جیسیکہ ہمنے اپنے خطبہ "الروایات المرویات فی الاسلام" میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اُن روایات کی نسبت بحث کرتے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے اپنی کتاب میں لغویت مذہب اسلام ثابت کرنے کی منشا سے بیان کیا ہے اور بتلاتے ہیں کہ وہ روایتیں اقسام روایات متذکرۂ بالا میں سے کونسی قسم کی روایتوں میں داخل ہیں - سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ولادت میں جو حضرت آمنہ کا ایک خوفناک اور نامعلوم آواز کو سُنکر ڈر جانا یا ایک سفید مُرغ کا دفعتہً نمودار ہونا اور حضرت آمنہ کے سینہ پر اپنے بازو کا پھیرنا اور اُس سے حضرت آمنہ کے اضطراب کو تسکین کا ہونا یا حضرت آمنہ کے لیئے ایک خوشگوار شربت کے پیالہ کا ایک نامعلوم ہاتھ سے ظاہر ہونا یا ملائکہ کی آوازیں آنی یا بغیر اس کے کہ کوئی شخص دکھائی دیتا ہو پاؤں سے پھرنے کی آہٹ کا محسوس ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدمیوں کی نظر سے چھپا لینے کے لئے آسمان سے ایک نور کی چادر کا اوترنا بہشت کے پرندوں کا چہچہانا - بہشت کی خوشبوؤں کا مہکنا یہہ سب شاعرانہ مضمون ہیں جو غالبًا سر ولیم میور صاحب نے کسی مولود نامہ سے اخذ کیئے ہیں اور ہر مسلمان جس کو ذرا سا بھی علم ہوگا سمجھتا ہے کہ یہہ تمام باتیں شاعروں کے گرمجوش شاعرانہ خیالات ہیں جو اُنہوں نے اپنے مضامین کی تزئین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کی رونق کے لیئے بیان کی ہیں جیسیکہ

شاعروں کا اور خصوصاً مشرقی شاعروں کا شاعرانہ مضمون میں اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے کا دستور ہے - حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی گرمجوشی خیال سے عیسائی شاعروں نے اسی قسم کے خیالات نظم میں بیاں کیئے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اپنے خطبہ "فی حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج" میں دکھایا ہے اور ملٹن کی تمام پریڈیز لاسٹ انہیں خیالات سے بھری ہوئی ہے - پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک عیسائی عالم اپنے ہاں کے اس قسم کے خیالات کو تو شاعرانہ خیالات سمجھے اور مسلمانوں کی اس قسم کی باتوں کو بطور مذہبی روایتوں کے قرار دے اس کا فیصلہ یوں کر دے کہ وہ سب راویوں کی اختراعات ہیں -

انہی قسم کے وہ مضامین ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب نے بطور مذہبی نقل کے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی زمیں پر سجدہ کیا اور اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگی اور کلمہ پڑھا اور تین نورانی فرشتے آسمان پر سے اترے ایک کے ہاتھ میں چاندی کی چھاگل تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک زمرد کا لگن اور تیسرے کے پاس ایک ریشمی رومال اور آنحضرت کو سات مرتبہ غسل دیکر آپ کو خیر البشر کا خطاب دیا -

ہمکو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سر ولیم میور صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونیکو بھی انہی مخترع روایات میں شمار کیا ہے جن کو وہ عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیتے ہیں مگر یہ بات نہ معجزہ سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تلونات فطرت سے متعلق ہے ایسے تلونات فطرت کی بہت سی نظیریں تبلائی جا سکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا

جن میں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں - ایسے واقعات اس امر پر دلالت کرتے
ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں ہے
اس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلا توسل معجزہ
یا عجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین
قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس کا ثبوت اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم
کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پاگئی تھی اور عرب جاہلیت
بھی اس کا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا [illegible]

مُہر نبوت کی نسبت سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ صحیفہ [illegible] اس
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہر نبوت اُن کی پشت پر لوزے کے [illegible]
میں مرقوم تھی - تمام مستند حدیثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سیاہ [illegible] سا
تھا اور اُس پر بال تھے - خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا
کہ یہ میری رسالت کی مُہر ہے اور نہ کبھی اُسکو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت
میں پیش کیا جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں
کے سامنے پیش کیا تھا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اور اسی خیال سے بعض لوگوں نے آنحضرت
کی پشت کے غدود کو عام نام سے بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے [illegible]
اس کو مُہر نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا ہوگا -

بعض لوگوں کے اس خیال کو کہ اُسپر حرف لکھے ہوئے تھے جمیع علمای اسلام نے

...ایت صراحت کے ساتھ رد کیا ہے۔ پس کیا ایک عیسائی عالم کو یہہ بات نازیبا
نہیں ہے۔ کہ مسلمانوں پر اُن کے نبی کی رسالت کے ثبوت میں ایسے امر کے اعتقاد رکھنے کا
الزام لگائے جس سے وہ خود انکار محض کرتے ہوں۔ شمائل ترمذی کے حاشیہ مسمی
باجوری میں لکہا ہے کہ "یہہ جو روایت ہے کہ اُسپر یعنی
کے سے نشان تھے یا غیر جانور کے گھٹنے کی مانند یا
غدود سبز یا سیاہ رنگ کا تھا اور اُسپر محمد رسول اللہ لکہا ہوا
تھا یا یہہ لکہا ہوا تھا "ایک منصور" ان میں سے کچھ بھی
ثابت نہیں ہے جیسے عسقلانی نے کہا ہے اور ابن حبان
نے جو اسکی تصحیح کی ہے وہ صرف اُسکا وہم ہے اور بعض
حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہہ بیان
کیا ہے کہ مہر نبوت پر یعنی اُس شے پر جو آنحضرت کی پشت
پر تھی الفاظ محمد رسول اللہ لکھے ہوئے تھے اُسکو وہم کا
ہوگیا ہی ہاتھ کی مُہر میں اور اُس پشت کے غدود میں
جسکو خاتم نبوت کہتے تھے کیونکہ وہ عبارت ہاتھ کی
مہر میں کندہ تھی نہ پشت کی چیز پر" پس جو محقق امر باجوری اور عسقلانی نے لکہا ہے
اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علماے اسلام نے اُن روایتوں کو جنکو سر ولیم
میور صاحب نے بیان کیا ہے خود رد کیا ہے اور مُہر نبوت سے وہ کیا مراد لیتے تھے
شرح السنہ میں ابی رمثہ سے منقول ہی کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے
پاس گئے اُنکے باپ نے اُس چیز کو دیکھا جو رسول خدا صلعم کی پیٹھ پر تھی اُنکے باپ نے کہا کہ آپ مجھکو اجازت دیجیے

...ما روایة کانت المجمر او کی کتبة عنه
...شامة خضراء او سوداء و مکتوب
...محمد رسول الله او سطر وانک
...صور لم یثبت منها شئ لما قاله
...قلانی و تصحیح ابن حبان لذلک
...وقال بعض الحفاظ من روی
...ان علی خاتم النبوة کتابة محمد رسول الله
...نبه علیه خاتم النبوة بخاتم الید
...بة للمذکورة انما کانت علی الثانی
...ن الاول (حاشیة الباجوری
...الشمایل۔

عن ابی رمثة ... قال دخلت مع ابی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرای ابی الذی بظہر رسول اللہ صلعم فقال دعنی عالج الذی بظہرک فانی طبیب فقال انت رفیق واللہ الطبیب (رواہ فی شرح السنۃ)

کہ جو چیز آپ کی پیٹھ پر ہے مَیں اُسکا علاج کردوں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم رفیق اور اللہ طبیب ہے"۔ اس روایت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کو مُہر نبوت کہتے تھے وہ کیا چیز تھی اور صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود اُس زمانہ کے مسلمان جو آنحضرت کے اصحاب تھے اُس کو کیا سمجھتے تھے۔ پس سر ولیم میور صاحب نے جو اُسکو بطور عجایبات اسلام کے بیان کیا ہے محض بیجا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے اور روایتیں لکھی ہیں جن میں بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ سے ایک نور پیدا ہوا جس نے کہ شام کی تمام گلیوں اور مکانوں کو روشن کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوتے ہی اپنے ہاتھوں کو ٹیک کر اوٹھ بیٹھے اور ایک خاک کی مٹھی بھر کر آسمان کی طرف پھینکی۔ اور ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کو ایام حمل میں کچھ بوجھ یا تکلیف نہیں معلوم ہوتی تھی اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے کہ حضرت آمنہ کہتی تھیں کہ مَیں نے کسی بچہ کو پیٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بھاری نہیں پایا۔ یہہ روایتیں اور اسی قسم کی اور سب روایتیں بالکل سند سے معرا ہیں اور خود علماے اسلام اُن کو غیر صحیح اور نا معتبر قرار دیتے ہیں اور یہہ سب گرمجوش خیالات کے نتیجے ہیں جن کو سر ولیم میور صاحب اسلام کی مذہبی روایتوں کی طرز پر بیان کرتے ہیں اس منشا سے کہ اسلام کی ایک بے وقعتی ظاہر کریں وہ روایت جس میں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو کتاب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق ہوا تھا۔ اولاً ہم متحیر تھے کہ یہہ خیال گرڈشیں کے
کبوتر کے قصہ کی طرح عیسائیوں کے دماغوں میں کیونکر سمایا کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا
کہ کوئی ڈاکٹر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی حالت کا امتحان کرنے کو عرب میں
آیا ہو اور نہ ایشیائی مصنفوں نے اس امر کی نسبت کچھہ تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس خیال کی
پیدا کہاں سے ہوئی اور کس نے اُسکو پھیلایا۔ آخر کار بہت سی تلاش کے بعد ہمکو تحقیق
ہوا کہ یہہ خیال خام عیسائیوں میں دو وجہ سے پیدا ہوا۔ اول عیسائیوں کے توہمات
ہی کے سبب سے اور دوسرے عربی عبارت کے زبان لیٹن میں غلط ترجمہ ہونے سے
کتاب لیف آف محمد مصنفہ پریڈو مطبوعہ لندن ۱۷۲۳ع کے صفحہ ۲۰ کے دیکھنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کی ابتدا وہاں سے ہوئی ہے اور تاریخ ابوالفدا کے بعض
عبارت کے غلط ترجمہ سے بھی جو ڈاکٹر پوکاک نے لیٹن زبان میں کیا ہے اُس کی
... یہہ ترجمہ مع اصل عبارت عربی کے پوکاک کے مسودہ سے ۱۷۲۳ع
اکسفورڈ چھپا تھا۔ اول ہم اُس چھاپہ سے اُس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور
اُس کی عبارت کی اور نیز اُس کے ترجمہ کی متعدد غلطیاں بتاتے ہیں۔
اُس چھاپہ میں عبارت مذکورہ اس طرح پر لکھی ہے۔

اَلَ زَوْجُ حَلِيمَةَ لَهَا قَدْ خَشِيتُ اَنَّ هٰذَا الْغُلَامُ قَدْ اُصِيبُ
عَقِبَتِهِ بِاَهْلِهِ فَاحْتَمَلَتْهُ حَلِيمَةُ وَقَدِمَتْ بِهِ اِلَى اُمِّهِ

عبارت کا جو لیٹن میں ترجمہ کیا ہے اُس کا ترجمہ اُردو میں اس طرح پر ہوتا ہے ؎
حلیمہ کے شوہر نے کہا کہ مجھکو بہت خوف ہے کہ اس لڑکے نے کسی اپنے
عقبی سے دماغی بیماری کو اخذ کرلیا ہے اس واسطے اُسکو حلیمہ سے لیکر اُسکی ماں

آمنہ پاس لیگیا - اس مترجم نے دماغی بیماری سے غالباً صرع کا عارضہ یا بیہوش کرنے والی بیماری مراد لی ہے -

اول توہم یہہ بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ سر ولیم میور نے جس لفظ کو اُمیب پڑھا ہے وہ اُصیب ہے اور پھر ہم بتاتے ہیں کہ کتاب مذکورہ کے مصنف نے جس لفظ کو بِالحَقِیقَۃِ پڑھا ہے وہ بھی غلط پڑھا ہے - وہ لفظ فَالحُقِیۃُ اور ترجمہ میں یہہ غلطی کی کہ جب مترجم نے دیکھا کہ لفظ بِالحَقِیقَۃِ کے معنی عبارت سے مناسب نہیں ہو سکتے تو اُس کا ترجمہ بالکل چھوڑ دیا اور جب لفظ اُصیب پر پہونچا اُسکا ترجمہ اخذ کیا اور چونکہ عبارت میں کسی شے ماخوذ کا ذکر تھا اور نہ اُسکا ذکر جس سے اخذ کیا اور بلحاظ قواعد نحوی اور ربط عبارت کے اُن دونوں کا ہونا تھا اسلیئے مترجم نے اٹکل پچو لفظ یا ہلہ سے الفاظ کسی اپنے ساتھی سے اور الفاظ "دماغی بیماری" کو یا "بیہوش کرنے والی بیماری" کو بڑھا دیا حالانکہ وہ اصل عبارت میں نہیں ہیں -

اگر عبارت مذکورہ کو صحیح طور پر پڑھا جاوے تو صحیح ترجمہ اُس کا یوں ہوتا "تب حلیمہ کے شوہر نے اُس سے کہا کہ مجکو اندیشہ ہی کہ یہ لڑکا مبتلا ہو پس اوس کو اوس کے لوگوں پاس پہونچا دے پس اُٹھا لیا اُسکو حلیمہ نے لے آئی اُسکو اُس کی ماں کے پاس -"

اہلِ عرب ایسے مبہم کلمات کو ایسی بیماریوں کی نسبت استعمال کیا کرتے تھے سبب اُن کو معلوم نہیں ہوتا تھا اور غالباً اُن کا خیال تھا کہ کسی مخفی قوی یا اثر ہے اور جن بیماریوں کا سبب اُنکو نہ معلوم ہوتا تھا اُنکو شیطان کے اثر کیطرف بھی منسوب کرتے

قدیم اہل یونان اپنے توہمات مذہبی سے صرع کی بیماری کو جو ایک عجیب غریب قسم کی بیماری ہے یقین کرتے تھے کہ دیوتاؤں یا خبیث ارواحوں کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر عیسائی مصنفوں نے لفظ اصیب سے بالتخصیص صرع کی بیماری سمجھ لی حالانکہ ایسا سمجھنا عرب کے محاورہ کے برخلاف ہے کیونکہ عرب صرف صرع ہی کی بیماری کو لاعلوم اثر کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک چیز کو جس کا سبب ان کو نہ معلوم ہوتا تھا مخفی قوی یا شیطان یا جن کی اثر کی طرف منسوب کردیتے تھے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ لفظ اصیب سے صرع کا عارضہ مراد لیا جاوے۔

اس بیان کی تائید میں ہم ایک نہایت ذی علم اور ذی فہم غیر متعصب مصنف کی راے کو نقل کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ یہ متواتر بیان کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع ہے جنہوں نے اس عارضہ کے الحاق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ ان کے اخلاق چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طعنہ زنی اور تنفر کا مستوجب ہو۔

نہایت مشہور اور لائق مورخ یعنی گبن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صرعی حملوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "یونانیوں کا ایک نامعقول اتہام ہے" اور ایک اور مقام پر اسی مورخ نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عارضہ صرع یا بیہوش کردینے والی بیماری کو تھیوفینیز زونارس اور اور یونانیوں نے بیان کیا ہے اور ہالنجر اور پرڈو اور مراکشی نے اپنے سخت تعصب کے سبب اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر نگل لیا ہے قرآن میں جو دو سورتیں ہیں جن میں سے ایک کا نام مزمل اور ایک کا نام مدثر ہے ان سے صرع کی بیماری کی تاویل کرنی مشکل ہے۔ مسلمان مفسروں کا سکوت اور

صرع کی بیماری سے ناواقفیت اُن کے قطعی انکار کی نسبت زیادہ تر قاطع اور مرجح ہے۔ اور آزادانہ رستہ اگلی گیگنیر اور سیل نے اختیار کیا ہے"۔

اَب ہم اس غلط اور بے اصل اتہام پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عارضہ صرع لاحق تھا بلحاظ طب کے غور کرتے ہیں چیمبرز سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ صرع اُس بیماری کو کہتے ہیں کہ جس میں دفعتًا بیہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے پھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اوس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اُس میں تیزی اور چستی نہیں رہتی اور ایسی مُردہ دلی اُس پر چھا جاتی ہے جو اُسکو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدہضمی بھی اکثر ہوتی ہی اور تمام قواے جسمانی میں ضعف اور ناطاقتی گھر کر جاتی ہے جسکی وجہ سے مصروع کے چہرہ سے دائمی نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے ساتھ مصروع کے ذہن میں اپنی ضعف و نقاہت کا یقین بخوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اوس پر عام اندازہ سے زیادہ نظر پڑیں"۔

اَب ہمارا یہہ کام ہے کہ اس امر کی تنقیح کریں کہ آیا یہہ سب آثار یا ان میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر کے کسی حصہ میں طفولیت سے لیکر وفات تک پائے گئے تھے یا نہیں۔

کوئی مؤرخ مسلمان یا عیسائی یہہ نہیں بیان کرتا کہ منجملہ آثار مرقومۂ بالا کے ایک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پایا گیا تھا بلکہ برخلاف اسکے سب کے سب متفق اللفظ بیان

کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن اور جوانی میں نہایت تندرست اور قوی
تھے۔ خود سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ دو برس کے سن میں حلیمہ نے اُنکا دودھ چھڑایا
اور اُنکے گھر لیگئیں اور آمنہ اپنے لڑکے کی تندرست اور قوی ہیئت کو دیکھکر جو آپ نے دو چند عمر
والے لڑکے کی برابر معلوم ہوتا تھا اسقدر خوش ہوئیں کہ حلیمہ سے کہا کہ اسکو پھر صحرا کو لیجا"۔ لڑکپن اور
جوانی کے زمانہ میں آنحضرت مضبوط و تندرست اور قوی الجثہ تھے وہ بہت تیز چلا کرتے تھے
زمین پر مضبوطی سے قدم رکھتے تھے۔ تمام عمر بھر اُنکو بڑے بڑے خطرے اور تکلیفیں پیش آئیں
اور اُن سب کو اُنہوں نے کمال صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔ اُنہوں نے
خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تجدید ایسے طور پر کی جس کی کوئی نظیر و مثال نہیں
پائی جاتی اور علم الٰہیات کو ایسے پختہ اور معقول اُصول پر قائم کیا جن کا ہمسر جہان
سے معدوم ہے اُنہوں نے قوانین تمدن و اخلاق کو ایسے کمال پر پہونچا دیا جو اُس
سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا۔ انہی کی وساطت سے انسانوں کی بہبودی اور رفاہ کے
لئے وہ ملکی و مالی و دینی و دنیوی قوانین کا مجموعہ حاصل ہوا جو اپنی نوع میں یکتا و بےنظیر ہے
آنحضرت ہی وہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں تمام جزیرۂ عرب کو فتح کیا اور مختلف قبیلوں کو مجتمع کرکے ایک
مضبوط اور طاقتور عظیم الشان قوم بنا دیا جسنے اُس زمانہ کی مہذب دنیا کے ایک جزو اعظم کو عرصہ
قلیل میں مفتوح و مسخر کر لیا۔ کیا اس بات کا خیال کرنا قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسے کارہای نمایاں
ایک لاچار اور ناتوان مصروع شخص سے عمل میں آئے ہوں گے؟ ایسے کارہای نمایاں
کا عمل میں آنا بجز اُس شخص کے جس کے قوائے روحانی و جسمانی کامل صحیح و سالم ہوں
اور کسی شخص سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے اور اُسکی ماہیت تائید ربانی پر دلالت کرتی ہے۔
سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ حلیمہ پھر ایک بادل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سر پر سایہ افگن دیکھکر متوحش ہوئی اور انجام کار اُن کو اُن کی ماں کے پاس پہنچانے کیلیے روانہ ہوئی - اس فقرہ پر صاحب ممدوح یہہ راے دیتے ہیں کہ اگر اس روایت میں کچھ صدق ہو تو غالباً عارضہ سابق کے یعنی صرع کے آثار کے عود سے مراد ہوگی - تعجب ہے کہ بادل کو سایہ کرتے ہوئے تو دیکھا حلیمہ نے اور سر ولیم میور صاحب نے اُس سے آنحضرت کے عارضہ صرع کی آثار کا عود خیال کیا۔ اگر حلیمہ کی نسبت آثار صرع کا خیال فرماتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا - پھر دوسرے مقام پر صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ اُن دَوروں سے جنکو حلیمہ صرع کی قسم کے حملے سمجھکر ڈر گئی تھیں احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں اُن مضطر حالتوں اور بیہوش کنندہ غشی کے صریح آثار نمودار تھے جو نزول وحی کے وقت ہوتے تھے اور شاید جن کے سبب اُن کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور اُن کے متبعین نے اُن اضطرابوں اور غشیوں کو نزول وحی کا شاہد قرار دیا تھا -

سر ولیم میور صاحب نے اپنی تمام کتاب میں ایسی روایتوں کو اپنی کتاب کی بنیاد ٹھیرایا ہے جنکی صحت خود اہل اسلام کے نزدیک مشتبہ اور غیر ثابت ہے - یہہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل کا سایہ رہتا تھا محض باطل ہے - اگر ایسا امر فی الحقیقت واقع ہوا کرتا تو آنحضرت کے اکثر صحابہ رفقا اُسکا تذکرہ کرتے اور احادیث مستندہ میں اُس کا ذکر ہوتا حالانکہ یہہ بات نہیں ہے - تمام معتبر حدیثوں میں اُس کا ذکر کچھ نہیں ہے بلکہ برخلاف اس کے بعض حدیثوں میں جو نماز کے بارہ میں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر مثل دیگر اشخاص کے دھوپ کا پڑنا ثابت ہوتا ہے - غلط روایت کی اشاعت کے بیشمار اسباب میں سے ایک یہہ سبب بھی ہی کہ شے مرویہ کا اتفاقی وقوع ہونا لہذا یہ امر از قبیل ممکنات ہے

کر کسی شخص نے پیغمبر صاحب کو اتفاقیہ ایک بادل کے ٹکڑے کے سایہ میں دیکھا ہو اور یہہ ماجرا دوسرے شخص سے بیان کیا ہو اور دوسرے نے تیسرے سے کہا ہو اور اس طرح رفتہ رفتہ عام شہرت ہوگئی ہو اور آخر الامر عام اعتقاد ہوگیا ہو کہ بادل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر ہمیشہ سایہ ڈالے رہتا تھا اس قسم کی روایتیں جن کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے محققین علماے اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کی ہیں۔

نزول وحی کے وقت اضطرار اور غشی کی روایتیں ویسی ہی نامعتبر اور بے سند ہیں۔ اُن روایتوں میں خود راویوں کے خیالات اور توہمات میں ہمنے بخوبی ثابت کر دیا ہو کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے تاہم سر ولیم میور صاحب اس راے کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرعی غشوں نے اُن کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اون کے متبعین کا بھی یہی اعتقاد تھا تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جسکو ہر شخص مصروع جانتا ہو اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کی ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بُت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہو اور تمام لوگ جو اُسکی اُس بیماری سے واقف ہیں اُسکے عزیز واقارب اور جمیع اکابر عرب اُسکی رسالت کو دل سے تسلیم کرلیں اور ہر شخص اپنے دین آبائی سے منحرف ہوکر اُسکے قول وفعل پر ایمان کامل لے آوے جن نامعتبر روایتوں پر عیسائیوں نے اتہام عارضہ صرع آنحضرت کی نسبت قائم کیا ہے وہ روایتیں زیادہ تر شق صدر کی روایتوں سے علاقہ رکھتی ہیں۔ ہمنے حقیقت شق صدر کو اپنے ایک خطبہ میں بیان کیا ہو اور جو غلطیاں واقعات کے بیان کرنیمیں راویوں کو واقع

ہوئی ہیں اُن سب کو دکھایا ہے پس اُن کے جاننے کے بعد عیسائیوں کا یہ اتہام سر کے بل گر پڑتا ہے۔

سر ولیم میور صاحب نے اپنے کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لیجانے کا حال لکھکر اپنی والدہ کے لیئے بخشش کی دُعا نہ مانگنے کا ذکر کیا ہی اور یہہ فرمایا ہے کہ "یہہ بات یعنی اُن لوگوں کی مغفرت کی دُعا مانگنی کی ممانعت کرنا جو حالت کفر میں مرے ہوں پیغمبر صاحب کی احکامات کی سختی اور شدت کی اُن لوگوں کی حق میں جو دین سے جہالت کی حالت میں مرے ہوں ایک عجیب مثال ہے" ہم اس روایت کی صحت اور غیر صحت کی بحث کو چھوڑ کر یہہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تو اُن لوگوں کے حق میں دُعاے مغفرت نہ کرنے میں جو خدا سے واحد پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور انبیاء سابقین کے دین کو بھی نہ مانتے ہوں بلکہ محض بے ایمانی کی حالت میں مر گئے ہوں کسیطرح کی سختی اور شدت نہیں ہے بلکہ زندہ آدمیوں کو بُت پرستی کے چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کی ترغیب دینے کے لیئے ایک نہایت کارآمد اور عمدہ ذریعہ ہے۔ پس جو شخص کہ ایسا کرے اُسپر سختی کا الزام نہیں ہوسکتا مگر ہم یہہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالا امر کے سبب آنحضرت صلعم کے احکامات پر سختی اور شدت کا الزام لگایا گیا ہو تو رحیم عیسائی مذہب میں اُن لوگوں کیواسطے جو گو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوں مگر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونیسے انکار کرتے ہوں کونسا نرم فیاضانہ اور ترحم آمیز سلوک کیا گیا ہی مگر افسوس ہی کہ ہماری یہ اُمید پوری نہیں ہوئی۔ ہماری خلاف توقع رحیم مذہب عیسائی نہیں غیر معتقدین کے لیئے اس سے بھی زیادہ سخت احکام معلوم ہوئے۔ اُسکا ایک نمونہ یہہ ہے کہ اتھینیسین خطبہ جو انگلستان کے تمام پروٹسٹنٹ گرجاؤں میں بروز ہاے معین پڑھا جاتا ہی

اور تمام اہل کلیسا کی منظوری سے منظور ہوا ہو اُن سب عقائد کے بیان کرنے کے بعد جنکا ماننا ہر شخص پر خواہ نخواہ فرض ہے بالتصریح یہ لکھا گیا ہے کہ یہہ عیسوی عقیدہ ہے جسپر بدون اعتقاد رکھنے کے کوئی آدمی نجات پا نہیں سکتا" پس جبکہ رحیم مذہب عیسوی کے بموجب ایسا شخص نجات کا مستحق نہیں ہے اور اسلئے کسی کی دعاے مغفرت بھی اُس کے حق میں مفید نہیں ہے تو عیسوی مذہب کو اس باب میں مذہب اسلام پر کیا فوقیت ہی-؟

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب میں کسی منشا سے ایک روایت کو بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے پر موجود ہوتے تھے تو تمام خاندان اپنے کفایت شعار کھانے سے بھوکا اوٹھتا تھا لیکن جب پیغمبر صاحب بھی کھانے میں شریک ہوتے تھے تو سب کا پیٹ بھوجاتا تھا اور یہہ فرماتے ہیں کہ اس سے وجہ پیغمبری کی بڑائی مظنون ہوتی تھی مگر اہل اسلام تو ایسی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے اور نہ اُن کے معتبر ہونے کی کوئی کافی سند موجود رکھتے ہیں لیکن ہمکو تعجب آتا ہے جبکہ عیسائی ایسی روایتوں کو کسی اشارہ آمیز ارادہ سے نقل کرتے ہیں کیونکہ اُن کو ایسے واقعہ کے امکان پر اعتقاد نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ وہ متی کے باب ۱۴ ورس ۱۹ و ۲۰ کے اس بیان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُسنے (یعنی حضرت مسیح نے) جماعت کو (جنکی تعداد پانچ ہزار تھی) گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا اور پانچوں روٹیاں اور دونوں مچھلیاں نکالیں اور آسمان کی جانب نظر اوٹھاکر دعا کی اور اُنکو توڑا اور روٹیاں اپنے حواریوں کو دیں او حواریوں نے جماعت کو تقسیم کیں اور اُن سب نے پیٹ بھر کر کھائیں اور بچے ہوئے ٹکڑوں کو جن سے بارہ ٹوکرے بھر گئے اوٹھا لیا-

اسکے بعد سر ولیم میور صاحب ایک اور روایت لکھتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ملک شام کو گئے تو بحیرہ راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جماعت میں سے
اس نشان سے پہچان لیا تھا کہ اُن کے سر پر ایک بادل سایہ ڈالے ہوئے چلتا تھا اور درختوں
کی شاخیں اُنکی دھوپ روکنے کے واسطے جُھک جاتی تھیں اور بحیرہ نے محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کئے اور تلاش مُہر نبوت اُنکے جسم کا معائنہ کیا۔

جس اشارہ سے کہ سر ولیم میور صاحب نے اس روایت کو لکھا ہے اُسکی نسبت ہم
بیان کرتے ہیں کہ اگر یہہ یقین کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع اپنے چچا
ابو طالب کے ہمراہ ملکِ شام کو بغرض تجارت گئے تھے تو یہہ بات ہرگز قابل تعجب کے نہیں ہے
کہ بحیرہ نے ایسا خیال کیا ہو کیونکہ اُس وقت یہود اور نصاریٰ ایک مسیحا اور ایک فارقلیط
کے منتظر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ محققین علماے اسلام اس روایت کو معتبر روایتوں میں
نہیں سمجھتے۔ وہ روایت جس میں بحیرہ کا حال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابو طالب
کے ساتھ شام کے سفر میں جانے کا ذکر ہے اُس میں یہہ بیان بھی ہے کہ ابو طالب نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معیت و نگرانی حضرت ابو بکر اور بلال کے شام سے
واپس بھیجدیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں جو سب سے زیادہ معتبر حدیث کی کتابیں ہیں
یہہ روایت مذکور نہیں ہے مگر ترمذی اور دیگر کم محتاط محدثوں نے بشوق تمام اس روایت
کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ منجملہ اُن بہت سی وجہوں کے جنسے اس روایت کی نامعتبری
کا کافی ثبوت ملتا ہے ہماری راے میں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے قول کا جسکو خود ولیم میور
صاحب نے بیان کیا ہے اور جس سے اس روایت کی نامعتبری بخوبی ثابت ہوتی ہے بجگہ
بجنسہ نقل کرنا کافی ہوگا اور وہ یہہ ہے کہ ترمذی کی یہہ روایت کہ ابو طالب نے محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو ابو بکر اور بلال کے ہمراہ شام سے واپس بھیجا تھا اسلئے لغو اور مہمل معلوم

ہوتی ہے کہ ابوبکر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے اور بلال اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر شام کا حال ابوطالب کے ہمراہ بیان کرنے کے بعد جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ برس کی تھی اور جسکی نسبت ہم نے ابھی بیان کیا کہ وہ صحیح نہیں ہے سر ولیم میور صاحب فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق کے منہدم اور آجڑے ہوئے مقاموں نے جن کو خیالی قصوں اور عجیب غریب باتوں اور دل آویز روایتوں نے اور بھی پر اثر کردیا تھا اور گرجاؤں کو صلیبوں اور مورتوں اور دیگر علامتوں سے آراستہ کرنے اور گھنٹوں کے بجنے کی قومی رسموں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غور کنندہ دل و دماغ پر ایک گہرا نقش اور پائیدار اثر کردیا تھا۔

ہم نہایت ادب سے سر ولیم میور صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک مصروع شخص کا دل و دماغ ایسا اثر قبول کرسکتا ہے؟ اور کیا ایک مصروع شخص غور کنندہ دل و دماغ رکھتا ہے؟ اگرچہ یہہ بیان سر ولیم میور صاحب کا نہایت دلچسپ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اُس بیان سے اتفاق نہیں کرسکتے کیونکہ اسی لڑکے نے جسکا دماغ صلیبوں اور مورتوں اور علامات دینیہ کو دیکھکر اس قدر اثر پذیر ہوا تھا بعد کو انہی چیزوں سے مخالفت اختیار کی صلیب کو توڑا مورتوں کو پھوڑا اُنکی پرستش سے منع کیا اور یہہ بتایا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے تثلیث کے عقیدہ کو جھٹلایا خدا کو وحدہ لاشریک تبلایا اور اُسیکی عبادت کا وعظ کیا اور تمام دنیا میں اُسیکو رواج دیا لیکن اس بات کو تسلیم کرکے کہ مذکورہ بالا چیزوں نے اس لڑکے کے دل پر درحقیقت اثر پیدا کیا تھا۔ ایک اور خیال خودبخود دل میں آتا ہے اور وہ یہہ ہیکہ ایسا لڑکا جسکے ابتدائی چار برس ایک صحرا میں کٹے تھے اور پھر آٹھ برس تک مشرک اور بت پرست لوگوں میں گھرا رہا

بارہ برس کی عمر میں ایسا دل رکھتا تھا کہ ہر چیز سے جو اُسکی نظر سے گذرتی تھی پرانی معبد مع اُنکے آثار سے گرجاؤں وصلیبوں اور مورتوں اور اور علامات دین عیسوی کے دیکھنے سے ایک گہرا اثر قبول کرنیکے قابل تھا اور استعداد عقل و فہم و ذکا سے آراستہ تھا کہ ان چیزوں سے اُنکے برخلاف ایسے کامل نتائج اور معبود غیر ظاہر اور بقائے روح انسانی کے بارہ میں نیسے ایسے عالی خیالات مستنبط کرسکا وہ لڑکا بلاشبہ مادرزاد پیغمبر برحق تھا جس کی فطرت خود اُسکی معلم تھی اور وہ وہی تھا جسکی نسبت خود حضرت عیسیٰ نے یہہ کہکر بشارت دی تھی کہ سچ تو یہہ ہے کہ میرا چلا جانا تمہارے لیئے ضرور ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط یعنی احمد مصطفیٰ تمہارے پاس نہیں آویگا اور اگر میں چلا جاؤنگا تو اُس کو تمہارے پاس بھیجدوں گا۔

خاتمہ

الحمد للہ کہ کتاب خطبات اُردو زبان میں مرتب ہوکر چھپ گئی۔ انگریزی پڑھنے والے جب اِس اُردو کتاب کو انگریزی کتاب سے جو سنہ ۱۸۷۰ء میں چھپی ہے مقابلہ کرکے پڑھیں تو علاوہ اس اختلاف کے جو انگریزی زبان کی طرز تحریر اور اُردو زبان کی طرز تحریر میں ہے اس اُردو زبان کی کتاب کے ہر ایک مضمون کو زیادہ تر وسیع پاویں گے۔ سبب اسکا یہہ ہے کہ انگریزی کتاب درحقیقت بطور خلاصہ اُن مضامین کے تھی جنکی یادداشت اول اُردو زبان میں لکھی گئی تھی بنظر تسہیل ترجمہ انگریزی مرتب کیگئی تھی اور اس اُردو کتاب کو ہم نے اپنی اُردو یادداشتوں سے مرتب کیا ہے اور اس میں مضامین کو اُسی وسعت سے لکھا ہے جس وسعت سے کہ یادداشتوں میں تھی۔

وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْہُدیٰ

تمت بالخیر

مختصر فہرست کتب موجودہ انجمن الفرض مدرسۃ العلوم علی گڑھ

نام کتاب	نام مصنف یا مترجم	مختصر کیفیت	قیمت
آیات اللہ الکاملہ	مولوی خلیل احمد صاحب پروفیسر عربی مدرسۃ العلوم مترجم	کتاب حجۃ اللہ البالغہ جو عربی میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی مشہور کتاب ہے اُردو ترجمہ [illegible]	عہ ۱۲ ر
اعجاز التنزیل	خلیفہ سید محمد حسن مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ	قرآن مجید کا لفظاً و معناً کلام اللہ اور معجزہ ہونیکا ثبوت اور مخالفین کی نکتہ چینیوں کا جواب نہایت متانت سے دیا گیا ہے	ے ر
رسائل شبلی	شمس العلما مولوی شبلی نعمانی	مولانا شبلی کے وہ مضامین جو انہوں نے وقتاً فوقتاً کسی علمی یا تاریخی مسئلہ پر لکھے تھے مگر آجتک کتاب یا رسالہ کی صورت میں یکجا شائع نہیں ہوئے تھے مضامین تعداد میں (۱۱) اور ان کے صفحات کی مجموعی تعداد ۲۰۰ ہے باوجود اس ہیئت کے قیمت صرف	عہ ۹ ر
الفاروق	ایضاً	مولانا صاحب نے برسوں کی جانکاہی و محنت سے حضرت عمر فاروق کے حالات پر ایک ضخیم کتاب تیار کی ہے اور اسکے لئے ممالک عثمانیہ اور مصر کا سفر کیا اور بیشمار تاریخوں کی ورق گردانی کی قیمت مجلد	ے ر
دربار اکبری	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد	اکبر کے عہد حکومت کے واقعات و ارکان سلطنت کے عجیب حالات	ے ر
آب حیات	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد	اس کتاب میں اردو زبان کے شاعروں کے مفصل حالات بیان کیے گئے ہیں اور ہر ایک شاعر کے کلام کا نمونہ دیا گیا ہے	عہ ۴ ر
یادگار غالب	مولوی الطاف حسین حالی	اسمیں مرزا غالب مرحوم کے واقعات زندگی اور مرزا کے اردو فارسی نظم و نثر کا انتخاب ہے اور اسکے ساتھ مرزا کی تصویر بھی شامل ہے	عہ ر
حیات سعدی	ایضاً	اس بے نظیر کتاب میں شیخ سعدی شیرازی کی زندگی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں	عہ ر
دعوت اسلام	منشی عنایت اللہ صاحب بی اے مترجم	ٹی ڈبلیو آرنلڈ سابق پروفیسر محمڈن کالج علی گڑھ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کا اُردو ترجمہ اس کتاب میں تیرہ باب کیے گئے ہیں	ے ر
البرامکہ	مولوی عبد الرزاق صاحب	خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے وزرا یحیی فضل و جعفر برمکی کے حالات مجلد	عہ ۴ ر

تفسیر القرآن مصنفہ ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم

تفسیر القرآن جلد اول	اس جلد میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقر کی تفسیر ہے	قیمت [illegible] روپیہ
تفسیر القرآن جلد دوم	اس جلد میں سورۂ آل عمران۔ سورۂ نساء سورۂ مائدہ کی تفسیر ہے۔ اور نہایت محققانہ طریقے سے لکھی گئی ہے	قیمت [illegible] روپیہ

تفسیر کی مذکورۂ بالا جلدیں سر سید مرحوم نے انسٹیٹیوٹ پریس میں ٹائپ کے چھاپے سے طبع کرائی تھیں۔ مگر عرصے سے وہ سب فروخت ہو چکی تھیں اور شائقین کی درخواستیں واسطے خریداری کے برابر آ رہی تھیں۔ لہذا ہم نے تمام شائقین کے فائدہ کی غرض سے ہر دو جلد مذکورۂ بالا کو لیتھو پریس اپنے پتھر کے چھاپے سے اپنے مطبع فیض عام میں نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ خوشخط طبع کرایا ہے اور اُمید ہے کہ بہت جلد تیار ہو جائیں۔ شائقین جلد متوجہ ہوں کیونکہ بالفعل ہر ایک جلد کی صرف پانچسو کاپیاں طبع ہوئی ہیں جو کہ بہت جلد اور ہاتوں ہات فروخت ہو جائینگی۔

علاوہ ازیں تفسیر القرآن جلد سوم چہارم پنجم و ششم بھی ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ تفسیریں زرد کاغذ جلد سادہ۔ اور سفید کاغذ جلد طلائی دونوں قسم کی موجود ہیں۔

المشتہر

سید ولایت حسین آنریری منیجر ڈپوٹی شاپ مدرسۃ العلوم علی گڈھ

اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء